UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226101
UNIVERSAL
LIBRARY

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام سعادت التیام کتاب مستطاب

مسمی بہ

تذکرۂ بہادرانِ اسلام

حصۂ دوم الملقب بہ

اصلاحِ اُمّت

مصنفۂ

حقیقت آگاہی صوفی کرم الٰہی صاحب ڈنگوی

مصنفِ حصۂ اوّل تذکرۂ بہادرانِ اسلام وسوانح عمری خالد بن ولید

حسبِ فرمائش

عبدالرحیم وعبدالرحمٰن پسران مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم

تاجرانِ کتب ومالکانِ کتب خانۂ اسلامیہ لاہور

در دفاعہ عام طبع پریس لاہور زیورِ انطباع پوشید

علاوہ ازیں ہر قسم کی جدید کتب بمعہ رسائل کی دستیابی کے لئے درخواست لکھئے بوصف ارسال ہوگی ۔ عبدالرحیم وعبدالرحمٰن تاجران کتب لاہور

قیمت فی جلد ..... دو روپے

۲۹۷۵۹

مسلمان بچوں کے لئے

سلسلۂ کتب اسلام

مصنفہ فاضل اجل عالم بے بدل مولینا مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم و مغفور

اردو قاعدہ - جس میں علاوہ مفردات و مرکبات الفاظ کے نصیحت آمیز فقرات درج کئے گئے ہیں قیمت صرف ایک پیسہ . . . . (۱/-)

اسلام کی پہلی کتاب - مع فرہنگ ذات و صفات باری تعالےٰ اور پیغمبروں جنوں - فرشتوں قیامت وغیرہ کے بیان میں الغرض اسلام کے کل اصول اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں - قیمت ایک آنہ ایک پیسہ (۱/-)

اسلام کی دوسری کتاب مع فرہنگ - اس کتاب میں نماز روزہ طہارت اعتکاف وغیرہ کے متعلق ۴۸ باب لکھے گئے ہیں - قیمت صرف دو آنے (۲/-)

اسلام کی تیسری کتاب - مع فرہنگ - اس کتاب میں حج - زکوٰۃ - نکاح - طلاق - عدت وغیرہ کے متعلق ۶۴ باب لکھے گئے ہیں - قیمت صرف دو آنے چھ پائی (۲/۶)

اسلام کی چوتھی کتاب - خرید و فروخت تجارت زراعت - شراکت - وقف - نذر قصاص - دیت فرائض وغیرہ کے متعلق ۱۵۱ باب لکھے گئے ہیں قیمت صرف (۳/-)

اسلام کی پانچویں کتاب - اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم و صحابہ رضی کے خطوط اور اور ان کے کفار سے جنگ و جدل اور فتوحات وغیرہ درج ہیں - قیمت چھ آنے . . . . (۶/-)

اسلام کی چھٹی کتاب - اس میں پہلے تو قرآن شریف کی دعائیں ایک جگہ جمع کی گئی ہیں - بعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب و روز کے وظائف اور اذکار درج ہیں - قیمت چھ آنے . . . . (۶/-)

اسلام کی ساتویں کتاب - اس کتاب میں نماز روزہ زکوٰۃ کے متعلق ترغیبی و ترہیبی مسائل درج کئے گئے ہیں جو ۱۰۲ باب میں بیان ہوئے ہیں - قیمت چھ آنے (۶/-)

اسلام کی آٹھویں کتاب - اس کتاب میں حج - نکاح جہاد - بیع - شرکت کے مسائل و طعام - لباس - قضا حدود برادب کے - ترغیب کے متعلق ۱۱۹ باب ہیں - قیمت (۶/-)

اسلام کی نویں کتاب - اس میں نیک صحبت - زہد اللہ کے ڈر - تقویٰ - توکل - صبر - وصیت اور قیامت - دیدار الٰہی - بہشت - دوزخ - عذاب قبر کے متعلق ایک سو سے زیادہ باب درج ہیں - قیمت ساڑھے چھ آنے (۶/۶)

اسلام کی دسویں کتاب - یہ کتاب زمانہ قدیم و جدید کی جامع تواریخ ہے - حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اس زمانے تک کل ملکوں اور کل مذہبوں کے متعلق تاریخی حالات ۲۱۲ باب میں درج ہیں اور ایک ایک باب میں کئی کئی بادشاہوں کا حال ہے - قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

اسلام کی گیارھویں کتاب - اس میں اسلام کے کل اصول مدلل و مفصل ہیں اور مخالفین کے جوابات متعلق طول طویل ۶۸ بحثیں درج ہیں - چنانچہ ثبوت وجود باری تعالیٰ کے متعلق ۱۰۳ دلائل دئے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ . . . . . (عہ)

اسلام کی بارھویں کتاب - اس کتاب میں مسائل طہارت اور اوقات نماز کے متعلق بہت مدلل اور مفصل ۲۰۱ بحثیں درج کی گئی ہیں - قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

اسلام کی تیرھویں کتاب - اس کتاب میں بھی صرف نماز ہی کے متعلق ۱۴۷ باب بڑی شرح اور بسط کے ساتھ درج کئے گئے ہیں - قیمت ایک روپیہ (عہ)

اسلام کی چودھویں کتاب - اس کتاب میں بھی بقیہ مسائل نماز - روزہ اور زکوٰۃ کے متعلق بڑی شرح و بسط کے ساتھ ۱۲۹ باب لکھے گئے ہیں - قیمت ایک روپیہ . . . . . (عہ)

المشتہران عبدالرحیم و عبدالرحمٰن پسران مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم تاجران کتب و مالکان کتب خانہ اسلامیہ - لاہور - مسجد چینیاں والی

فہرست مضامین تذکرۂ بہادران اسلام حصہ دوم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ و وجہ تالیف	۱	دریا پر پل باندھنے کا نرالہ ڈھنگ	۲۷
وہ ۴۵ کتب جن سے یہ کتاب لی گئی	۲	راجہ داہر کے معرکے	۲۸
عہد افغانیہ - اسلامی تاریخ اور یورپین مورخ	۴	راجہ داہر کے بیٹے کا معرکہ اور شکست	۲۹
لیتھبرج صاحب اور الفنسٹن صاحب کی ہر خانہ غلطی	۵	راجہ داہر اور نجومی	״
پہلا حملہ ہند پر مسلمانوں کا کب اور کس زمانہ میں ہوا	۶	محمد بن قاسم اور راجہ داہر کی خونریز لڑائیاں	۳۰
شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ مرحوم اور پروفیسر معصوم کی تاریخ	۸	جنگ روز سوم (راجہ داہر کی شان و شوکت)	۳۰
مسلمانوں کے سندھ پر حملے	۱۲	(ہندوستان کے) چار فیصلہ کن جنگ	۳۱
غازیان ایشیا کے حالات	۱۳	محمد بن قاسم کی تقریر دلپذیر اور فوج کو ثابت قدمی و جہاد کی ترغیب	״
وجہ توقف فتوحات ہند	۱۴	نظارہ جنگ	۳۲
بنی امیہ کی خدمات	۱۵	ہاتھیوں کے ریلے کا مقابلہ	۳۳
حجاج بن یوسف کے حالات	۱۶	جنگ روز چہارم	״
خلیفہ ولید بن عبدالملک اور سندھ کی فوجکشی کا سبب	۱۷	مسلمانوں کی کامیابی کے وسائل	״
محمد بن قاسم کی سپہ سالاری اور اسلامی جوش	۱۹	داہر کی فوج میں سے ہندوؤں کا اسلام لانا	۳۴
محمد بن قاسم کی فتوحات	۲۰	کیا اسلام ہند میں جبراً پھیلا ہے	״
مسلمانوں کا راجہ داہر کی فوج میں شامل ہونا	۲۱	ایک حبشی مسلمان کا راجہ داہر پر حملہ کرنا	״
راجہ داہر کا حال	״	معرکہ کارن	״
راجہ داہر کا بیٹیوں سے شادی کرنا	۲۲	راجہ داہر کا قتل اور جنگ کا نتیجہ	۳۵
محمد بن قاسم کا دیبل کو محصور اور فتح کرنا	״	قلعہ راور - بھرور - وہلیلہ کی فتح	״
راجہ داہر اور محمد بن قاسم کی خط و کتابت	۲۳	محمد بن قاسم کا عام اعلان امن	״
محمد بن قاسم کا حکیمانہ جواب	۲۴	راجہ داہر کے وزیر کا محمد بن قاسم کے پاس خود بخود آنا اور اس کی تواضع	۳۶
حجاج کا ہدایت نامہ انتظام ملکی	״	فتح براہمن آباد	״
نوٹ مولف - ان ہدایتوں پر آجکل کی مہذب گورنمنٹیں بھی عمل کرنے سے قاصر ہیں	۲۵	محمد بن قاسم کا انتظام ملکی	״
فتح بھرج و سیوی	״	راجہ کے رشتہ داروں سے حسن سلوک اور	״
تالیف قلوب بذریعہ رواداری و انصاف و عدل	״	منتظمہ کونسل کا انعقاد	״
دریائے سندھ پر محمد بن قاسم کا قیام و مشکلات	۲۷		

مضمون	صفحہ
مذہبی آزادی وظلم وستم کی بیخ کنی	۳۷
براہمنوں کی قدردانی	〃
مندر بدھ کے پجاری	〃
پجاریوں کی درخواست کی قبولیت اور سندر کی آبادی مسلمانوں کی رواداری	۳۸
جاٹوں سے سلوک	〃
الور کی تسخیر	۳۹
الور کی فتح اور اسلامی گورنمنٹ	〃
راجہ جے سیہ (کا مقابلے سے گریز)	۴۰
محمد بن قاسم کی علاقہ ملتان پر چڑھائی اور فتوحات	〃
فتح اسکلندہ وسکہ	۴۱
جنگ ملتان اور فتح	〃
سونے کی چالیس دیگوں اور چھ ہزار بت سنہری اور بے انداز دولت کا ملنا	۴۲
حجاج کی موت اور فتوحات میں توقف	〃
بلیمان اور کیرج کی فتح اور سندھ کا انتظام	〃
خلیفہ ولید کی یادگاریں	〃
محمد بن قاسم کی معزولی اور قتل	۴۳
سلیمان کا عہد خلافت اور بہادر جرنیلوں کا قتل	〃
بنی امیہ کے تنزل کی وجہ	〃
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور اشاعت اسلام	۴۴
راجہ داہر کے بیٹے اور دیگر راجگان ہند کا اسلام لانا	〃
خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات اور فتنے	〃
یزید بن عبدالملک کی خلافت و وفات	〃
ہشام بن عبدالملک کی خلافت	〃
جنید بن عبدالرحمٰن المری کی فتوحات ہند	۴۵
راجہ جے سیہ کا دوبارہ ہندو ہونا اور قتل	〃
تسخیر گجرات	〃
اسلامی ہند کی حدود	۴۶

مضمون	صفحہ
بنی امیہ کی بربادی اور سندھ کی آزادی	۴۶
ہشام بن عبدالملک کی وفات اور ولید بن یزید کی خلافت اور قتل	〃
یزید بن ولید کی خلافت اور وفات	۴۷
اور دیگر خلفا کا عزل ونصب	〃
بنی عباس کا غلبہ	〃
عمر بن محمد بن قاسم کی خدمات اور کفار کو شکست	〃
خلفائے عباسیہ اور سندھ عہد عبداللہ سفاح عباسی	۴۸
ابومسلم خراسانی کا چینیو نکو ترکستانیوں کو شکست دینا	〃
ہند پر خلفائے عباسی کا تبقہ اور عہد خلیفہ منصور عباسی	〃
ابومسلم کا قتل خراسان وسیستان وغیرہ کی بغاوت اور مسلمانوں کی فتح	۴۹
منصور کی وفات اور خلیفہ مہدی کا جلوس	〃
سندھ کی دوبارہ فتح	〃
عباسیوں کی رومیوں سے جنگ	〃
خلیفہ مہدی اور اس کے بعد ہادی کی وفات اور خلیفہ ہارون الرشید کی خلافت	۵۰
عباسیوں کے عروج وزوال کا مختصر تذکرہ	〃
سندھ کی ہندو ریاستوں کی آزادی	〃
سامانی خاندان اور انکے حالات وخود مختاری	۵۱
خاندان غزنویہ کا آغاز (اور ابتدائی حالات)	۵۲
نسب نامہ سلطان محمود غزنوی	۵۳
ناصر الدین سبکتگین	〃
قدیم افغانوں اور ہندوؤں کے معرکے	۵۵
سرحد پشاور پر مسلمانوں سے مقابلوں کا آغاز	۵۶
سبکتگین کی ترقی	۵۷
راجہ جیپال کی چڑھائی	〃
سبکتگین اور جیپال کی جنگ	۵۸
جیپال کا ذلیل شرائط پر صلح کرنا اور بدعہدی	〃

مضمون	صفحہ
سبکتگین اور جیپال کی جنگ و صلح اور ہندو جوش	۵۹
سلطان محمود غازی رح کی ولادت اور ابتدائی مہمات	۶۰
سلطان کی ولادت پر ہند و سند میں تزلزل	〃
سلطان محمود کا جلوس اور داخلی انتظام	۶۱
سلطان محمود و ہندوؤں میں کیوں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے	〃
ہندو مسلمانوں کے عام نفاق کا سبب	〃
سلطان محمود اور یورپین مورخ	۶۲
مورخ لیتھبرج کا پہلا اعتراض و جواب	〃
〃 〃 دوسرا 〃 〃	〃
سلطان محمود نے کسی کو بزور تلوار مسلمان نہیں کیا اور واقعات پر بحث	۶۳
اس بارہ میں ایک یورپین مورخ کی نہ بدست شہادت	۶۵
سلطان محمود کے ہندو جرنیل اور ہندو فوج	〃
ہندو مسلمانوں کو گلے ملانے والا لاوٹ	۶۸
سلطان محمود کی بت شکنی	۶۹
سلطان محمود کے حملات (حملہ اول)	۷۱
اشاعت اسلام بذریعہ صوفیائے کرام	۷۳
ہندو سنیاسیوں و فقیروں اور مسلمان درویشوں کے حالات کا موازنہ نیز عیسائی مشنریوں کا ذکر	۷۴
حملہ لاہور میں حضرت شیخ علی ہجویری رح کی شرکت اور ہندو جادوگر کا اسلام لانا	۷۷
سلطان محمود کا دوسرا حملہ	۷۸
تیسرا حملہ	۷۹
چوتھا حملہ	۸۰
تسخیر ملتان	۸۱
سلطان محمود اور ایلکہ قاآن	〃
شاہ ترکستان کا معرکہ عظیم اور سلطان کی فتح	〃
نوٹ، سلطان کی علمگیر فتوحات کا اصل سبب	۸۴

مضمون	صفحہ
بغاوت سکھپال	۸۴
حملہ پنجم اور ہندوؤں کا قومی جوش و اتحاد	〃
میدان جنگ	۸۷
راجہ انندپال کے تعاقب میں نگرکوٹ کی تباہی کیا نگرکوٹ کے خزانوں کی لوٹ سے ہندوستان کو کچھ نقصان پہنچا۔	۸۸ ۸۹
قوم گکھڑ اور کھوکر کی نسبت یورپین مورخ کی غلطی	۹۰
سلطان کا دربار	〃
فتح غور	۹۱
ملتان کے علاقہ کا غزنی میں شامل ہونا فتح نھانیسر	۹۲ 〃
درخواست انندپال بخدمت سلطان محمود	۹۳
جواب سلطان محمود	〃
نوٹ (ضروری)	۹۳
بت جنگ سوم	۹۴
سلطان محمود اور خلیفہ بغداد کا بگاڑ و صفائی	〃
نتیجہ (سلطان اطاعت ربانی)	۹۶
فتح قلعہ نندیہ	〃
کشمیر میں اسلام کے رواج پانیکا اصل سبب	〃
کشمیر پر حملہ (اور ناکامی)	۹۷
حملہ قنوج (کی عظیم الشان مہم)	۹۸
راجہ برن کا اسلام لانا	۹۹
راجہ گل چند کا معرکہ	〃
قنوج پر حملہ	۱۰۰
رفع اختلاف رائے	〃
فتح قلعہ منج دیئے و آسی	۱۰۱
راجہ چندر رائے	〃
متھرا کی فتح (اور اسکی بربادی و فوکت اور زر و دولت)	۱۰۲
جامع مسجد غزنی اور اسلامی کالج	۱۰۳

مضمون	صفحہ
اسلامی اوقاف	۱۰۴
عجیب تحفہ اور ہندوستانی صنعت	۱۰۵
اعتراف فتوحات (اور بغداد کے جشن)	۱۰۵
حاجیوں کی مدد	۱۰۶
حملہ کالنجر	۱۰۷
راجہ کالنجر اور راجہ قنوج کی خانہ جنگی اور اُسکے کچھ اسباب	״
ہندوؤں کا دریائے جمنا پر مقابلہ (اور سلطانی رعب کا ایک عجیب نمونہ)	۱۰۸
راجہ کالنجر کا مقابلہ اور وجوہات شکست	״
راجہ کالنجر کا مقابلہ سے فرار اور اُسکے اسباب	۱۰۹
مسلمانوں کا زمانہ اقبال	۱۱۰
فتح قیرات و ناردین	״
لاہور میں اسلامی لشکر کی مستقل چھاؤنی	۱۱۱
گوالیار اور کالنجر	۱۱۲
ہاتھیوں پر عجیب طریق سے قابو اور راجہ نندا سے صلح	״
سلطان کی تاج بخشی	۱۱۳
روانگی ملیخ	۱۱۵
وجہ حملہ سومنات	״
سومنات تک سفر کی دشواریاں اور آڑنے آنے والے راجوں پر فتح یابیاں	۱۱۶
برہمنوں کا سلطان کا ڈرانا	۱۱۷
جنگ سومنات	״
ہندو راجگان کا سلطان محمود سے جنگ (اور سلطان کی فتح عظیم)	۱۱۸
بت سومنات (کا انجام)	۱۱۹
بت سومنات کی صورت و شکل	۱۲۰
بت شکنی سلطان بہ تقلید پیغمبر علیہ السلام	۱۲۱
فتح گجرات (دکن)	״
اسلامی شجاعت کا راز	۱۲۲

مضمون	صفحہ
سلطان کی دوامی سکونت گجرات پر بحث	۱۲۲
راجہ گجرات کی تاج بخشی	۱۲۴
غزنی کو واپسی اور مشکلات	״
سلطان کی اجابت دعا	۱۲۵
جاٹوں کی سرکشی	״
خطابات خلیفہ بغداد	۱۲۶
اسلام کی مرکزی طاقت	״
جاٹوں پر چڑھائی	۱۲۷
مقناطیسی بت	״
سلجوقیوں کی بغاوت	۱۲۸
فتح ایران	״
سلطان محمود کی سلطنت کے حدود	۱۲۹
سلطان محمود کی وفات	۱۳۰
سلطان کے جائزہ قبل از مرگ پر نوٹ	۱۳۱
حفاظت خزاین کا سبب	۱۳۲
سلطان محمود کے عادات اور مورخین الفنسٹن	۱۳۳
صاحب کا اعتراف اور اعتراض	
سلطان محمود کی ترقی اتفاقی تھی یا بزور بازو	״
الفنسٹن صاحب کا دوسرا اعتراض اور اسلامی قانون سے ناواقفیت	۱۳۵
کیا مسلمانکو قرآن کے علاوہ کسی اور قانون کی ضرورت ہے	״
ایک اور مورخ کی غلطی	۱۳۶
سلطان پر ایک غلط انہام	۱۳۷
سلطان کی خواب اور یورپین مورخ	״
خواب کی حقیقت پر اجمالی بحث	۱۳۸
سلطان کی درویشوں سے عقیدت	۱۳۹
شیخ المشایخ ابوالحسن حرقانی اور سلطان محمود کی ملاقات	״
سلطان محمود کی عدالت (اور ایک بے نظیر حکایت)	۱۴۲
سلطان کی علمی سرپرستی	۱۴۴

مضمون	صفحہ
فردوسی	۱۴۴
پاستان نامہ ماخذ شاہنامہ	۱۴۶
فردوسی کے حالات اور سلطان محمود تک رسائی	۱۴۹
نتیجہ۔ کیا سلطان نے حرص وطمع کے سبب فردوسی کو پورا انعام نہ دیا۔	۱۵۱
فوج محمودی اور جہادی جوش	۱۵۲
سلطان محمود کی مذہبی خدمات	۱۵۵
فارسی زبان کا رواج	۱۵۶
قصیدہ در ثنائے عالم	۱۵۸
تمدن ہند ترجمہ البیرونی	۱۶۰
سلطان محمود کے جانشین اور زوال سلطنت	۱۶۱
محمد بن محمود	〃
ہند و فوج اور ہند و جرنیل	۱۶۲
نوٹ قابل غور بابت سلطان محمود	〃
سلطان مسعود کی فتوحات اور سلجوقی حادثات	۱۶۳
فتوحات سرہند۔ ہانسی۔ سونی پت وغیرہ	۱۶۴
سلجوقی ترکمانوں سے معرکہ آرائی اور شکست	〃
سلطان مسعود کی شہادت	۱۶۶
سلطان مسعود کی یادگاریں	۱۶۷
مسعود کی شکست اور زوال سلطنت	۱۶۸
سلجوقیوں کی کامیابی اور مسعود کی شکست کے بواعث	۱۶۹
سلطان مودود بن مسعود	۱۷۰
ہندو راجگان کا اپنی طاقت بڑھانا اور ہانسی وتھانیسر۔ نگرکوٹ کا سلمانوں سے چھیننا	۱۷۱
ہندو جرنیل فوج غزنویہ	〃
ہندوؤں کی پولیٹکل لیاقت اور ہند و سلطنت کی بحالی اور ایک عجیب طرز کامیابی	〃
ہندوؤں کا لاہور پر حملہ اور ناکامی مسلمانوں کا جوش	۱۷۳
علی ابن مسعود۔ محمد بن مودود۔ عبدالرشید بن محمود	۱۷۴
عبدالرشید بن سلطان محمود اور طغرل نکھرام وفتح نگرکوٹ	۱۷۴
فرخ زاد اور ابراہیم	۱۷۵
سلطان ابراہیم کی فتوحات ہندوستان	۱۷۶
(نوٹ) سلطان ابراہیم نے کن لوگوں کو قید کیا	۱۷۸
سلطان ابراہیم کے خصایل حمیدہ اور وفات	۱۷۹
سلطان مسعود بن ابراہیم	۱۸۰
ارسلان بن مسعود کا ظلم اور سلطنت غزنی کی ذلت	〃
بہرام شاہ۔ خسرو شاہ۔ خسرو ملک	۱۸۱
غوریوں کا فساد	۱۸۲
خاندان غوریہ	۱۸۳
سلمانوں کی علمی لیاقت	۱۸۵
طبقات ناصری اور فرشتہ کی روایت کا مقابلہ	۱۸۶
غوریوں اور غزنویوں کے معرکے اور غزنی کی تباہی	۱۸۸
علاؤالدین جہاں سوز اور غزنی کی تباہی	〃
جنگ بہرام اور علاءالدین اور ہندوؤں کی شمولیت جنگ	۱۸۹
ہندو مسلمانوں کے اتفاق کا ایک زبردست ذریعہ	۱۹۰
غیاث الدین اور شہاب الدین کا قید ہونا	〃
سیف الدین بن علاءالدین کی ہلاکت	۱۹۲
غیاث الدین وشہاب الدین محمد غوری	۱۹۳
(خانہ جنگی رود) غوری پہلوان	〃
فتح غزنی	۱۹۴
سلطان محمد غوری	۱۹۵
اسلام کا ایک مبارک زمانہ	〃
مسلمانوں کی ترقی کا حقیقی گر	〃
فتوحات ہندوستان	۱۹۶
راجہ بھیم دیو کے جرنیلوں سے شکست	۱۹۷
فتح سندھ	۱۹۸
آل محمودی کی بیخ کنی	۱۹۹

مضمون	صفحہ
فتح سرسہند	۲۰۰
سلطان معزالدین (شہاب الدین غوری) اور راجہ پرتھی راج کا پہلا معرکہ	״
سلطان کی شکست	۲۰۱
ہند وطاقت پر نوٹ اور سلطان کی شکست کے اصلی اسباب	״
پرتھی راج سے دوسری جنگ عظیم ۱۱۹۳ء	۲۰۳
راجہ پرتھی راج کی شان وشوکت اور ڈیڑھ سو راجگان کا اتفاق	״
سلطان محمد غوری اور پرتھی راج کی خط وکتابت	۲۰۴
کیا سلطان نے راجہ کی بیخبری میں حملہ کیا	۲۰۵
نظارہ جنگ (اور سلطان کی فتح)	۲۰۶
بعض ہندوؤں کی غلط فہمی۔ پرتھی راج کے قتل کے بارہ میں)	۲۰۷
کیا سلطان نے سات دفعہ پرتھی راج سے شکست کھائی تھی۔	۲۰۸
کیا راجہ قنوج کی علیحدگی پرتھی راج کی شکست کا باعث ہوئی۔	۲۰۹
سلطان کی فتح کے حقیقی اور اصلی اسباب	״
فتح اجمیر اور خاندان پرتھی راج سے سلوک	۲۱۱
سلطان محمد غوری کا دہلی سے سلوک	״
قطب الدین ایبک کی گورنری ہندوستان	۲۱۲
دہلی اور شاہان اسلام	״
دہلی کو رونق ہندو راجگان نے دی یا مسلمان بادشاہوں نے دی	۲۱۴
فتح قنوج	۲۱۵
فتح بنارس اور جبر اُسلمان کرنیکے الزام کی تردید	۲۱۶
سلطان معزالدین محمود غوری کی شکست خیز رزم اور بغاوت پنجاب۔ کھوکھروں میں اسلام	۲۱۷

مضمون	صفحہ
یاغتائی افغانوں کی بغاوت اور اسلام	۲۱۸
سلطان معزالدین محمد غوری کی شہادت	۲۱۹
سلطان کا جنازہ	۲۲۰
امام فخرالدین رازی پر اشتباہ سازش	״
سلطان محمد غوری کے جرنیل	۲۲۱
سلطان محمد غوری مورخ فتی سلطنت کا حامی نہ تھا	״
سلطان محمد غوری کی دو مفتوحہ اقوام سے سلوک	۲۲۲
الفنسٹن صاحب کا اعتراض غلط ہے	۲۲۴
سلطان محمد غوری کے جائے نشین	״
تاج الدین یلدوز (اور اُسکی خدمات)	״
تاج الدین کی وفات	۲۲۵
تاج الدین کے حلم کی (ایک بینظیر) حکایت	״
ناصرالدین قباچہ	״
سلطان قطب الدین ایبک اور اسلام کی غلامی	۲۲۶
اسلام کی غلامی پر دوسروں کی آزادی ہزار جان سے قربان ہے اسکی چند نظایر تاریخی	۲۲۷
قطب الدین کے ابتدائی حالات	۲۲۸
قطب الدین کی فتوحات	۲۲۹
مینار قطب	۲۳۰
محمد بختیار خلجی فاتح بنگالہ	״
ابتدائی عبرت دہ حالات	״
تسخیر قلعہ بہار اور کتب خانہ سنسکرت کا واقع	۲۳۱
برہمنوں کے قتل پر مصنف کی رائے	۲۳۲
کتب خانہ نہیں جلایا گیا	״
محمد بختیار کی پیل افگنی	۲۳۳
راجہ لکھمینہ والئی بنگالہ وندیہ کی فتح بنگالیوں کی کمزوری	״
صرف ۱۸ آدمیوں نے دارالخلافہ چھین لیا	۲۳۴
محمد بختیار کی تبت پر فوج کشی	۲۳۵

مضمون	صفحہ
ہولناک تباہی	۲۳۶
محمد بختیار کی وفات اور عجیب وجہ شکست	۲۳۷
محمد بختیار کی جائے نشینی اور کرامت اولیا	۲۳۸
گدائی سے شاہی	〃
بنگالہ کا پل اعظم	〃
سلطان شمس الدین التمش	۲۳۹
سلطانی ابتدائی حالات قدرت الٰہی کا عجیب کرشمہ	〃
کرامت اولیا اور التمش کی عقیدت	۲۴۰
التمش کا قطب الدین کے ہاتھ بکنا	۲۴۱
قاعدہ جلوس اسلامی اور التمش کا جلوس	۲۴۲
التمش کے عہد کے واقعات	۲۴۴
چنگیز خاں اور جلال الدین خوارزم شاہ کا معرکہ	〃
دریائے سندھ اور بہادران ہند کا رعب	〃
اہلیت اسلام کی مسلمانوں کو ضرورت	۲۴۶
التمش پر ملحدین کا حملہ	۲۴۷
التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش	〃
دہلی میں پہلا اسلامی دربار	۲۴۸
گوالیار کی فتح	۲۴۹
سلطان کی وفات	〃
غیر ممالک کے لوگوں کی آمد التمش کی مہماں نوازی اور دہلی کی رونق	〃
قطب صاحب کی لاٹ	۲۵۰
علمی کالج	۲۵۱
روحانی مدارس اور اشاعت اسلام	۲۵۲
خواجہ معین الدین چشتی رح اور صوفیائے کرام کی اسلامی خدمات	〃
خلیفہ بغداد کا خلعت	۲۵۳
التمش کے عادات واطوار اور معدلت گستری	۲۵۴
رکن الدین فیروز شاہ اور بدصحبت کا اثر	۲۵۶

مضمون	صفحہ
رضیہ بیگم	۲۵۷
رضیہ بیگم کی تدبیر اور شجاعت	۲۵۸
رضیہ بیگم کا چلن (اور اس کے متعلق مورخین غلطی کا جواب	۲۵۹
رضیہ بیگم کی معزولی کا باعث اور اسکا انجام	۲۶۰
ابن بطوطہ کی بیان کردہ دردناک حکایت	۲۶۱
ملحدین کا واقعہ (اور اس کی مختصر تاریخ)	۲۶۲
مذہبی خبط	۲۶۳
معز الدین بہرام شاہ	〃
مغلوں کا قتل اور غارت	۲۶۴
علاؤ الدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ	۲۶۵
تبت کے راستے ہندوستان پر حملہ کا امکان	〃
مغلوں کا حملہ اُچ	۲۶۶
اخلاقی نتائج اور انقلابی اثر	〃
جمہوری سلطنت کی جھلک	〃
ناصر الدین محمود بن التمش اور پابندی مذہب	۲۶۸
عہد گورنری بہرائچ	〃
ایک رئیس کا اعتراض اور اس کا جواب یعنی یورپ کی موجودہ ترقی کا راز	۲۶۹
ناصر الدین محمود کس وقت بادشاہ ہوا اور قابض ہوتے ہی کیا کچھ کر دکھایا۔	۲۷۰
سلطان کے اطوار کے بدیہی نظایر	〃
سلطان کی سادگی حضرت عمر رض کے حالات کے ساتھ مناسبت اور ایک عدیم النظیر حکایت	۲۷۱
امور مال میں امام ابوحنیفہ رح سے مشابہت کی عجیب مثال	۲۷۲
دلداری کا دلربا قصہ	〃
رسول اللہ صلعم کی تعظیم اور قابل عمل مثال	۲۷۳
مصنف طبقات ناصری کے اجمالی حالات	〃

مضمون	صفحہ
والدہ ناصر الدین محمود کا عقد ثانی اور نکاح بیوگان کی تحریص	۲۷۴
سورخانہ اختلاف	〃
وفات سلطان محمود ناصر الدین	۲۷۵
بلبن کی جانشینی	〃
مورخین اسلام اور ان کے فضایل	〃
غیاث الدین بلبن کا واقعہ غلامی	۲۷۷
شاہزادوں کی تربیت کے متعلق عبرت ناک حکایت اور بلبن کا عجیب امتحان	۲۷۸
اس حکایت کا نتیجہ	۲۷۹
بلبن کی غلامی سے خانی تک ترقی	〃
ہندوؤں کی بغاوتیں اور بلبن کی مستعدی	۲۸۰
بلبن کی معزولی و بحالی اور کامیابی	۲۸۱
ہندوؤں کی ڈاکہ زنی	۲۸۲
ملتان پر منگلوں کا ناکام حملہ	〃
دربار دہلی اور اسلامی شوکت	۲۸۳
ہلاکو خاں کی سفارت کا سبب اسلامی رعب تھا	〃
سامان دربار اور جاہ و جلال	۲۸۴
قصیدہ منہاج سراج جو اس دربار میں پڑھا گیا	۲۸۵
قصیدہ مولف در مدح ناصر الدین محمود	۲۸۶
غیاث الدین بلبن کی شہنشاہی	〃
سڈیشن کا قطعی قلع قمع	۲۸۷
بلبن کی طرز حکومت از فیروز شاہی	۲۸۸
بلبن بارعب و وقار	〃
بلبن کے عدل و انصاف کی دوہنیت بااثر شاہین	۲۸۹
ایام خوانی کی بے اعتدالیوں کا سبب	۲۹۰
اندرونی نظم و نسق اور مزید فتوحات سے دستکشی کا سبب	۲۹۱
بلبن کی مدبرانہ تقریر	۲۹۲

مضمون	صفحہ
بلبن کی فوجی چھاؤنیاں اور جرنیل	۲۹۳
بہادر شیر خاں (اور منگلوں کی بربادکن شکست)	۲۹۴
خان شہید سلطان محمد بن بلبن۔ اور اس کے پسندیدہ اطوار	۲۹۵
بلبن کی نصایح انتظامی اور اخلاقی (آب زر سے لکھنے کے قابل)	۲۹۷
نوٹ مولف بر نصایح بلبن	۳۰۰
علمی کالج اور فاضل	〃
روحانی معلم مدارس علم الٰہی (اور اشاعت اسلام میں ان کی خدمات)	〃
شہزادہ محمد سلطان کی شہادت	۳۰۱
بلبن کا ہندوؤں کو معزز عہدے نہ دینا (اور اس کا جواب)	۳۰۲
عام مسلمانوں کو بھی سوائے خاندانی اور مہمانوں کے اعلیٰ ملکی عہدے نہ ملتے تھے	۳۰۳
بلبن کا عام انتظام	۳۰۴
طغرل حاکم بنگالہ کی بغاوت	〃
بنگالیوں کی نسبت متقدمین کی رائے	۳۰۵
بلبن کی بنگالہ پر چڑھائی	۳۰۶
طغرل کی ہلاکت اور اسکے ہواخواہوں کی تباہی	۳۰۸
بلبن کی بغراخاں کو نصیحتیں اور بنگالہ کی گورنری دینا	۳۰۹
بادشاہی اور گورنری میں فرق	〃
ملک کی آزادی اور خوش حالی کن معنوں میں صحیح ہے۔	۳۱۰
ملکی انتظام کے لئے تسلسل کا ہونا لازمی ہے	۳۱۱
ملکی انتظام کے لئے فاضلوں اور مدبروں کی ضرورت	۳۱۲
نصیحت مامون رشید اور صوفیاے عظام	〃
ہارون رشید کا جواب اور حقیقت درویشی	۳۱۳
ان سب نصیحتوں کے متعلق ضروری (نوٹ)	۳۱۴

مضمون	صفحہ
بلبن اور بغراخاں کی الوداعی ملاقات	۳۱۴
بلبن کی سیاست اور عفو	۳۱۵
بلبن کی وفات	″
کیقباد (معزالدین)	۳۱۶
کیقباد کے معلموں کی غلطی	۳۱۷
کیقباد کی عیاشی	۳۱۸
نظام الدین وزیر کی شرارتیں	۳۱۹
کیخسرو اور ترکوں کی تباہی	۳۲۰
شراب خانہ خراب	۳۲۱
اسلامی تعلیم درباره شراب	۳۲۲
لٹریچر کی خرابی اور اس کا اثر	″
موجودہ شاعروں کا فرض	۳۲۳
باپ کی بیٹے کو (قیمتی) نصایح	″
فرایض بادشاہ پر مدلل اور برجستہ تقریر	۳۲۴
آخری چہار ضروری نصیحتیں	۳۲۶
دنیاوی اور دینی علما میں فرق بقول بلبن	″
بغراخاں کی باحسرت ویاس واپسی	۳۲۷
باپ کی نصیحت سے روگردانی اور بربادی	″
کیقباد کی عیاشی کا مجمل نقشہ	۳۲۸
نظام الدین کی خوبیاں اور ہلاکت	۳۲۹
کیومرث شمس الدین کی عارضی جانشینی اور جلال الدین خلجی کی سپہ سالاری	۳۳۰
کیقباد کی عبرت ناک موت اور جلال الدین خلجی کی تخت نشینی	″
خلجی قوم کی اصلیت اور ابتدائی حالات	۳۳۱
جلال الدین کے ابتدائی اور تخت نشینی کے حالات	۳۳۴
ملک چھجو کی بغاوت اور اسکا قلع قمع	″
علاؤ الدین کے باغیانہ خیالات اور فتح دیوگڈھ	۳۳۵

مضمون	صفحہ
جلال الدین کی غفلت اور علاو الدین کی چالاکی	۳۳۶
سیدمولا کا (چونکا دینے والا) واقعہ	۳۳۷
سیدمولا کا قتل	۳۴۰
رنتھور پر ناکام حملہ	۳۴۱
سلطان محمود غزنوی کی نسبت جلال الدین کی رائے۔	۳۴۲
مغلوں کا حملہ	″
وجہ صلح مغلوں میں اشاعت اسلام تھی	۳۴۳
علاؤ الدین کے منصوبے	۳۴۴
دیوگڈھ تک مدبرانہ ایلغار اور راجہ رام دیو کی غفلت	۳۴۵
راجہ رام دیو کی دھمکی اور پیغام صلح	″
راجہ کے ٹیکے کی بدعہدی اور سامان ہلاکت	۳۴۶
علاو الدین کے فتح کے اسباب	۳۴۷
نوٹ اس فتح سے تین ضروری نتایج کا اخذ	″
جلال الدین کی سادہ لوحی	۳۴۹
وزیر احمد چپ کی (صائب) رائے اور اس کی خلاف ورزی	۳۵۰
علاؤ الدین اور اس کے بھائی کے کارگر منصوبے۔ جلال الدین کے قتل کے متعلق	۳۵۱
جلال الدین کے قتل کا دردناک واقعہ	۳۵۲
علاؤ الدین اور دیگر شاہان دہلی کا مقابلہ	″
علاؤ الدین کی تخت نشینی اور زر بخشی	۳۵۴
(جن کو پہلے رشوت دی تھی بعد میں واپس لے لی	۳۵۵
مغلوں کا حملہ	۳۵۶
فتح گجرات و سومنات	″
مغلوں کا حملہ اور نظر خاں بہادر	″
مغلوں کا تیسرا حملہ	″

مضمون	صفحہ
کوال کی تقریر اور علاؤالدین کی تردید	۳۵۷
علاؤالدین کا بہادرانہ جواب	〃
ہندوستان کی اسلامی شمشیر	۳۵۸
میدان جنگ اور بہادر ظفر خاں	〃
ہندوستان کی پھوٹ اور ظفر خاں کی شہادت	۳۵۹
جدید مذہب کا اختراع اور غیر ملکوں کے فوج کی آرزو	۳۶۰
مذہب جدید کے خلاف تقریر و زید اور اخلاقی بحث	۳۶۱
حق گوئی کا بے نظیر اثر اور علاؤالدین کے خیالات کی اصلاح	۳۶۳
مولف کا نوٹ (علاؤالدین کی شرشت کے متعلق	۳۶۵
رنتھور پر حملہ کی وجہ	〃
فتح رنتھور	۳۶۶
چتور کے حملہ کے اسباب اور رانی پدمنی کا افسانہ اور اس کی حقیقت	۳۶۷
یہ واقع بالکل بے بنیاد ہے	〃
مورخ انفشٹن بھی اس کا ذکر نہیں کرتا	۳۶۸
بغاوت اکتخاں اور اس کا قلع قمع	۳۶۹
بغاوت ملک عمر خاں و منگو خاں اور اسکا انجام	۳۷۰
بغاوت حاجی مولا اور اسکی سرکوبی	〃
ہندوؤں کی بغاوت اور اسکا تدارک	۳۷۱
عام سڈیشن (بغاوت) کل تدابیر انسداد	۳۷۲
کونسل کی نہایت کارآمد اور قابل عمل مفید تجاویز	〃
کونسل کی پہلی تجویز جس کا تجربہ ہماری گورنمنٹ انگریزی کر چکی ہے	〃
کونسل کی دوسری تجویز اور اس کی مسلمہ معقولیت	۳۷۳

مضمون	صفحہ
کیا گورنمنٹ برطانیہ اس پر عمل کر کے ہندوستان کو ممنون کریگی	۳۷۴
کونسل کی تیسری تجویز اور اسکی موزونیت	۳۷۵
کونسل کی چوتھی راے اور اسکی حقانیت	۳۷۶
علاو الدین کا انتظام اور انسداد بغاوت	〃
پہلی تجویز پر عمل اور انتظام خبر رسانی	〃
دوسری تجویز پر عمل اور شرابیوں سے روک	۳۷۷
خود سلطان نے پہلے اس پر عمل کر دکھایا	〃
مجالس باغیانہ کا انسداد اور اس کی حسن تعمیل	۳۷۸
کونسل کی چوتھی راے پر عمل اور سلطان کی مختاری و مجبوری اور اس کا طریق	۳۷۹
انسداد رشوت ستانی	۳۸۱
علاو الدین کی لیاقت	۳۸۲
علاو الدین کی عاقلانہ تقریر	〃
چتوڑ کی فتح	۳۸۳
مغلوں کا محاصرہ دہلی	۳۸۴
مغلوں کے ناکام واپسی کے متعلق انفشٹن صاحب کی راے اور اس کا صحیح جواب	۳۸۵
مغلوں کے حملات کی رکاوٹ	۳۸۶
جنگی اخراجات کثیر کا انتظام (انوکھی تدبیر سے)	〃
گرانی غلہ کا انتظام (اور اس کی اس زمانہ میں اشد ضرورت)	۳۸۷
ارزانی غلہ کے آٹھ مفید قواعد	۳۸۸
علاؤالدین کے زمانہ میں غلہ کا نرخ	۳۸۹
دیگر اشیا کا نرخ اور انتظام جنگی پر اثر (نیز تدارک قحط)	۳۹۰
ہندوستانی فوج پر نرخ کا اثر	۳۹۱

مضمون	صفحہ
مغلوں کا ہمالیہ کے راستہ سے حملہ کرنا	۳۹۱
نوٹ مولف بر حفاظت ہندوستان اور اُن کے اصلی اور مستحکم ذرایع	۳۹۲
علاؤالدین کے زمانہ میں نرخ اجناس و گھوڑا ٹٹو وغیرہ	۳۹۳
سلطان نے کیوں رنڈیوں کا استیصال کیا	۳۹۴
چوری و راہ زنی کا انسداد اور خوش انتظامی	״
کپڑے کا نرخ اور اس کے متعلق ضوابط	۳۹۵
سوداگروں کی روپیہ سے مدد (اور ہندوؤں پر خاص عنایت)	۳۹۶
غلام و کنیزک (اور انسانی ہمدردی)	״
توانین علاؤالدین کے انتظامی نتایج	۳۹۷
سلطان کی فوجی عظمت	۳۹۸
فاقہ اور خودکشی (اور اسکا انتظام)	״
گورنمنٹ انگلشیہ کو گرانی کا انتظام علاؤالدین کے اسلوب پر کرنا چاہیئے	۳۹۹
علاؤالدین کا انتظام اور جفاکشی	״
زمانہ شجاعت	״
جنوبی ہندوستان کی فتوحات	۴۰۰
دکن پر چڑھائی	۴۰۱
ہدایات سلطان علاؤالدین (نہایت قیمتی)	״
علاؤالدین کا رعب اور انتظام	۴۰۲
دیوگڈھ کی فتح (اور راجہ کی ہمارات)	۴۰۳
شاہان دہلی کا ہندو ریاستوں سے سلوک	״
دیول دیوی (اس واقعہ کی اصلیت)	۴۰۴
فتح سیوانہ	۴۰۶
فتح چھالور اور ایک لونڈی کی جرنیلی	״
جنگی کارروائیوں پر (نوٹ)	۴۰۷
مہم تلنگانہ	״

مضمون	صفحہ
ہدایات اور راجہ رام دیو کا حسن سلوک	۴۰۸
فتح وارنگل	״
کرامت اولیا	۴۰۹
فتح کرناٹک ۔ ملیبار ۔ سیت بندر رامیشور پر تعمیر مسجد	۴۱۰
الزام ناقدردانی علوم (اور اسکی تردید)	״
سلطان علاؤالدین کی پولیٹکل لیاقت	۴۱۲
علاؤالدین کی بخشش	۴۱۳
ہندوستانی کسانوں کی غلامانہ حالت	״
نومسلم مغلوں کا قتل	۴۱۴
دیوگڈھ کی دوبارہ فتح	۴۱۵
مشایخ کی تعلیم سے امن عامہ پیدا ہوتا ہے	״
اخلاقی تعلیم کے لئے مذہبی پیشواؤں کی ضرورت	۴۱۶
ہندوستان میں اشاعت اسلام	۴۱۷
صوفیائے کرام کی قیمتی خدمات	۴۱۸
علاؤالدین کے عہد کے مشایخ کبار	۴۲۰
حضرت نظام الدین اولیا رض	״
سلطان المشایخ کا مدرسہ الہیات	۴۲۱
اس مبارک زمانہ میں عبادات کا شغف	۴۲۲
بدعادت کا قطعی قلع قمع	۴۲۳
کتب تصوف کا رواج	״
آپ کے لنگر کی عظمت	۴۲۴
فیض علاؤالدین عبادت مجسم پاکپٹن	״
شیخ المشایخ علی احمد صابر رح	۴۲۵
مخدوم رکن الدین سہروردی ملتانی	۴۲۶
بے نظیر مالی فتوحات	״
مخدوم رکن عالم صاحب رح	۴۲۷
اب کس طریقہ سے اشاعت اسلام ہو سکتی ہے	

مضمون	صفحہ
علمی ترقی (علمی مدارس کے ذریعہ)	۴۲۸
طالب علموں کی وجہ معاش اور علموں کی مخلصانہ خدمات	۴۲۹
ضعف سلطنت (اور اس کے اصلی اسباب	۴۳۰
دلی عہدوں سے بدعہدی	۴۳۱
زبان اردو کی ابتدا اور امیر خسرو رح	״
سنسکرت و عربی فارسی کی ملاوٹ کا ابتدائی زمانہ	۴۳۲
زبان کے معاملہ میں مسلمان کی بے تعصبی	״
سلطان علاؤالدین کی وفات	۴۳۴
مبارک خلجی	۴۳۶
مہم دکن اور دکن کا پہلا مسلمان گورنر	۴۳۸
مسلمان سوداگر اور اشاعت اسلام	۴۴۰

مضمون	صفحہ
ابن بطوطہ سیاح کی رائے رفاہ عامہ پر نوٹ مولف	۴۴۰ ۴۴۱
مبارک کا بھائیوں کا قتل کرنا	۴۴۲
خسرو خاں کے باغیانہ خیالات	۴۴۳
ہندوؤں کا دربار دہلی میں زور پکڑنا	۴۴۴
سلطان مبارک کا قتل اور خاندان علائی کی بربادی	۴۴۶
ہندو سلطنت اور اسلام کی ہتک	۴۴۸
اسلامی جوش اور اخوت	۴۴۹
ہندو مسلمانوں کا معرکہ	۴۵۰
معرکہ جنگ اور خسرو خاں کا انجام بد	۴۵۱
مسلمانوں کا ہندوؤں کی معاشرت پر اثر	۴۵۳
اے مارسڈن صاحب کی تاریخ مروجہ پنجاب کی تصحیح	۴۵۹

سیرۃ ابن ہشام (بزبان اُردو)

یہ سوانح نبوی ہے جو مغازی ابن اسحاق کے بعد سب سے اول اور مکمل و تحقیق سے لکھی گئی ہے باقی سب نے اسی کی خوشہ چینی کی ہے اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں ظہور سے لے کر وصال ایزدی تک کے کل حالات نہایت سادگی سے ایسے ترتیب وار لکھے ہیں جیسے آجکل کی ڈائریاں لکھی جاتی ہیں اس کتاب کے پڑھنے سے ان جملہ مشکلات و مصائب کا بخوبی علم ہو جاتا ہے جو ابتدا میں اشاعت اسلام کے متعلق حضورؐ انور اور صحابہؓ کو پیش آئیں اور ان وسایل اور اس نورانی مقناطیسی کشش کا بھی پورا پتہ چل جاتا ہے جو خون کے پیاسے دشمنوں کو بھی خود بخود دائرہ اسلام میں کھینچ لاتی اور ترقی مذہب کا موجب ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ ہر ایک کلمہ گو کے گھر میں اس کتاب کا ہونا لابدی اور ضروری ہے عنقریب خدا نے چاہا ہدیہ ناظرین ہوگی ۔ عبدالرحیم و عبدالرحمٰن تاجران کتب لاہور مسجد چینیانوالی

طب جسمانی وطب روحانی

مصنفہ امام حجتہ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے امام موصوف نے اس کتاب میں جس طرح تشریح اجسام وجمیع علل جسمانی کا بمعہ ادویہ علاج لکھا ہے اسی طرح بدن کی روحانی تشریح فرماکر کل قسم روحانی امراض کے اسباب ومعالجات ایسے نازک انداز سے ارقام فرمائے ہیں کہ دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے۔ ساتھ ہی طبی ادویہ کی طرح روحانی ادویہ مفردہ ومرکبہ کو بھی نہایت دلچسپ پیرایہ سے ادا فرمایا ہے۔ روح وجسم کی طب سے فارغ ہوکر علم الہیات پر اس زور اور خوبی سے قلم اُٹھایا ہے کہ معقولات کو محسوسات کا جامہ پہناکر عام فہم کرکے کل ان اعتراضوں اور خرخشوں کو پیس ڈالا ہے جو فلسفہ قدیم یا جدید کے سبب کسی طالب علم کے دماغ میں پیدا ہو سکتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کتاب احیاء العلوم کی روح رواں اور کیمیائے سعادت کی اکسیر ہے اور ایسے درد بھرے طریق سے لکھی گئی ہے کہ امام موصوف کی آخری تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ لیکن خدا کی شان ابھی تک عربی میں بھی طبع نہ ہوئی تھی حسن اتفاق اور مسلمانوں کی خوش قسمتی سے ہمارے ہاتھ اس کا ایک قلمی نسخہ آیا جسے فوراً اردو زبان میں ترجمہ کراکر شایقین کے پیش کیا جاتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ ہاتھ جن تک یہ کتاب پہنچے اور ازلی سعید ہیں وہ نفوس جو اس کی قیمتی نصایح پر عمل پیرا ہوکر سعادت دارین حاصل کریں (طیار ہونے کو ہے)

مکتوبات امام غزالی۔ امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رح کے کل مکتوبات جو کہ مختلف طور پر کوئی کسی کتاب کے حاشیہ پر کوئی کہیں بکھڑے پڑے تھے یکجا کرکے اُردو میں اُن کا ترجمہ کرا دیا گیا ہے

ان میں سے بعض مکتوب اس انداز سے لکھے ہوئے ہیں کہ امام موصوف بالمشافہ گفتگو فرماتے اور کل نشیب وفراز سمجھاتے معلوم ہونے لگتے ہیں ان مکتوبات میں شاہان اسلام اور وزرا سے لیکر علماء وعوام تک کے نام کے خطوط ہیں۔ اور ہر ایک میں نیا رنگ ونئے اسرار ہیں۔ زیر طبع ہے

الکشف والتبیین فی غرور الخلق اجمعین بزبان اُردو

مصنفہ امام ابو حامد محمد غزالی رح

اس کتاب میں امام غزالی رح نے علماء عباد۔ امرا وصوفیا کے کل ان مقامات کی تشریح

ملنے کا پتہ:۔ عبدالرحیم وعبدالرحمن تاجران کتب لاہور مسجد چینیانوالی

کی ہے جس میں یہ گروہ دھوکا کھا کر راہ راست سے بہک جاتے ہیں۔ قلم میں طاقت نہیں کہ اس رسالہ کی لطافت اور خوبی کا کما ینبغی اظہار کر سکے ان اصناف اربعہ میں سے ہر ایک کے لیئے اس کا دیکھنا اور اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہونا لازمی ہے۔ عربی بھی ساتھ دی گئی ہے۔ قیمت ۰۳ر۰

ہدیہ رشیدیہ ترجمہ اُردو تحفۃ المرضیہ

فی الاخبار القدسیہ والاحادیث النبویہ والعقاید التوحیدیہ والحکایات السنیہ والاشعار المرضیہ

مصنفہ فاضل اجل شیخ عبد المجید زیدنی

جیسا کہ عبارت مذکور الصدر سے ظاہر ہے اس مختصر کتاب میں فاضل مصنف نے ہر ضروری بات کو بادضاحت سے ایسے دلکش پیرایہ میں ادا کیا ہے۔ کہ دل اسے تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا یہ کتاب وعظ اور پند و نصایح میں خصوصاً حکمت آموز حکایات میں اپنی نظیر آپ ہے چونکہ یہ کتاب بھی عربی کے بے بہا دفینوں میں سے ہی منقول تھی۔ اردو خواں اصحاب کی وہاں تک رسائی نہ تھی لہذا ہم نے بصرف زر کثیر اس کو ایک لایق مترجم سے نئے مروجہ بامحاورہ سلیس اُردو میں ترجمہ کرا کر سفید اعلی کاغذ پر خوب قلم سے عمدہ لکھوا کر چھپوا دیا ہے۔ آیات ضروری احادیث اور کل اشعار اعراب لگا کر عربی میں بھی درج کئے گئے ہیں۔ قیمت ۱۳ر۰

ستینی یعنے ساٹھ علوم (بزبان اُردو)

مصنفہ امام فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ مصنف تفسیر کبیر وغیرہ

اس کتاب میں امام موصوف نے ساٹھ علوم یعنے علم کلام۔ اصول فقہ۔ جدل۔ خلافیات۔ مذاہب۔ فرائض۔ وصایا۔ تفسیر۔ دلایل الاعجاز۔ علم قرات۔ علم احادیث۔ علم اسماء الرجال علم تواریخ۔ علم مغازی۔ علم نحو۔ علم صرف۔ علم اشتقاق۔ علم امثال۔ علم عروض۔ علم قوافی۔ بدایع الشعر منطق۔ طبیعیات۔ تعبیر۔ فراست۔ طب۔ تشریح۔ صیدیت۔ خواص۔ اکسیر۔ معرفت الاحجار طلسمات۔ فلاحت۔ ملح الاثار۔ بیطاری۔ علم الرزانہ۔ علم الہندسہ۔ علم مساحت۔ جر اثقال

ملنے کا پتہ:۔ عبد الرحمن و عبد الرحمن تاجران کتب لاہور مسجد چینیاں والی

آلات الحرب[۴۰] - حساب الہند[۴۱] - حساب الہوا[۴۲] - جبر مقابلہ[۴۳] - آلہ ناطیقی[۴۴] - اعداد الوفق[۴۵] - مناظرہ موسیقی[۴۶] - ہیئت[۴۷] - علم رمل[۴۸] - علم عزایم[۴۹] - الہیات[۵۰] - مقالات[۵۱] - اہل العالم[۵۲] - اخلاق[۵۳] - سیاسات تدبیر منزل[۵۴] - علم الاخرہ[۵۵] دعوات[۵۶] - آداب الملوک کو مفصل ادا فرمایا ہے +

نیز اس کے ساتھ شیخ الرئیس علامہ بوعلی سینا کا تصنیف کردہ رسالہ اقسام العلوم العقلیہ بھی لگا دیا گیا ہے - جس میں اُنہوں نے ترتیب[۵۷] عقلی علوم بمع حالات درج کئے ہیں - طیار ہوا ہی چاہتی ہے +

اخلاق سلف (یعنی ترجمہ اُردو) کتاب تنبیہ المغترین

مصنفہ قطب ربانی امام عبدالوہاب شعرانی

اس بے نظیر کتاب میں صرف سلف صالحین کے اخلاق حسنہ کے متعلق قریباً ایکسو اسی[۱۸۰] باب ہیں ہر ایک باب میں نہایت دردمندانہ لہجہ سے پاس اخلاق کی تعلیم دیکر بطور نمونہ بزرگان سلف کی نظیریں اور اقوال پیش کئے گئے ہیں اخلاق کی درستی کے متعلق اس سے بہتر کتاب کا ملنا متعسر ہے +

مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی (بزبان اُردو)

ملک ہند کا شاید ہی کوئی تعلیم یافتہ مسلمان ایسا نکلے جو حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے بابرکت نام سے ناآشنا ہو آپ کے پراسرار و حکم و معلم لطایف ظاہر و باطن مکتوبات کا نہایت سلیس اُردو میں ترجمہ کرا دیا گیا ہے حصہ اول زیر طبع ہے اُمید ہے کہ قدردان ہماری حوصلہ افزائی کرینگے +

درالنظیم فی خواص القرآن العظیم (بزبان اُردو)

اس نادر کتاب میں علامہ ابو محمد عبداللہ یمنی شافعی نے امام محمد غزالی کے رسالہ خواص القرآن والسور اور قاضی ابوبکر غسانی کی کتاب برق اللامع والغیث الہامع کو جمع کر دیا ہے خواص و اسرار قرآن شریف میں بے نظیر رسالہ ہے +

الملتمس عبدالرحیم و عبدالرحمٰن پسران مولوی رحیم بخش صاحب تاجران کتب لاہور مسجد چینیاں والی

معذرت

خاکسار جملہ ناظرین سے اس تساہل و دیری کے متعلق معافی چاہتا ہے جو حصہ دوم کی طیاری کے متعلق ظہور میں آئی لیکن مجھے پورا اطمینان ہے کہ جس وقت ناظرین ان عذرات کو غور سے پڑھیں گے۔ جو مصنف کتاب ہذا کو اور ان کے سبب ہمیں پیش آئے تو اسکا اس وقت تک بھی طیار ہونا مشکلات سے تصور فرمائینگے اصل معاملہ یہ ہے کہ حصہ اول کے متعلق کل تاریخیں سہل الحصول مفصل و مکمل عام طور پر مہیا تھیں لیکن ہند کی تاریخ لکھنے میں سب سے اہم وقت جو کسی مصنف کو پیش آتی ہے مستند تواریخوں کا نہ ملنا ہے کیونکہ بہت سی تواریخیں تا حال قلمی پڑی ہیں جو آسانی سے دستیاب نہیں ہوسکتیں لیکن پھر بھی خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اب گورنمنٹ انگلشیہ نے سرکاری لائبریریوں میں ان کو کچھ نہ کچھ فراہم کردیا ہے اور مطبوعہ کتب تو ممبران لائبریری باہر منگوا سکتے ہیں مگر قلمی کتب کو حدود ریڈنگ روم سے باہر لے جانے کی کسی کو اجازت نہیں بندہ (چونکہ شہر کے کتب خانہ کا ممبر ہے) فاضل مصنف صاحب کو مطبوعہ کتب تو کچھ خرید کر اور کچھ پبلک لائبریری اور انجمن مستشار العلماء لاہور (جس کے قائم کرنے والے ہمارے لاہور کے مفتی جناب شمس العلماء مولوی حاجی حافظ عبد اللہ صاحب ٹونکی وائس پرنسپل اورینٹل کالج ہیں) سے گھر پر ارسال کرتا رہا لیکن قلمی کتب کی فراہمی کا انتظام نہ ہوسکا کیونکہ نہ تو بسبب ملازمت مولوی کرم الٰہی صاحب لاہور زیادہ دیر ٹھیر سکتے تھے اور نہ میں باہر قلمی کتب بھیج سکتا تھا اور نہ خود تلاش پر ان کو کہیں سے ملیں اسی فکر میں ڈیڑھ سال گزر گیا مطبوعہ کتب سے حالات تو لے لئے گئے لیکن مزید تحقیقات کے لئے قلمی کتب سے مقابلہ کا انتظام نہ ہوسکا آخر چونکہ خدائے جل علیٰ کو اس کام کا انجام تک پہنچانا منظور تھا اس نے وہ تدبیر نکالی کہ ہمارے وہم و گمان میں بھی کبھی نہ آئی تھی یعنی بمقام ڈنگہ جس مشن سکول میں صوفی صاحب ملازم تھے وہ سرے سے سکول ہی ٹوٹ گیا چنانچہ ۵ فروری ۱۹۱۸ء کو مولانا موصوف نے بندہ کے نام جو مکتوب لکھا درج ذیل ہے +

مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ فہرست (یہ عربی کتب کی فہرست تھی) واپس ارسال ہے میرے مطلب کی کتابیں بہت کم ہیں یمینی (یہ تاریخ سلطان محمود غزنوی کے حالات میں ہے اور انجمن مستشار العلماء سے لیکر ارسال کی گئی تھی) آجکل واپس ہوگی۔ مولوی صاحب اب کتاب کس طرح ختم ہوگی۔ ہمارا سکول ٹوٹ گیا بیکاری ہیں فراغت کہاں ؎ پراگندہ روزی پراگندہ دل اب لاہور کے کسی سکول۔ اسلامیہ۔ اکاڈمی مشن میں کوئی جگہ خالی ہو یا گورنمنٹ سکول چیف کالج میں تلاش کرکے اطلاع دیں۔ لاہور رہ کر تالیف کا کام بخوبی ہوسکتا ہے۔ باقی دعا +

کرم الٰہی مدرس ڈنگہ ۵ فروری ۱۹۱۸ء

یہ خط دیکھکر بندہ کو سخت صدمہ ہوا لیکن جواب میں مولانا صاحب موصوف کی ہمت بندھائی گئی اور مزید امداد کی امید پر جناب معلی القاب مولوی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ پریزیڈنٹ کونسل بہاولپور کے نام نامی سے حصہ دوم کو ڈیڈیکیٹ کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ بہرکیف اس کے چند ہی روز بعد مولوی صاحب موصوف لاہور تشریف لاکر تین ماہ غریب خانہ پر رہے اور ساتھ ہی ایک عارضی ملازمت کا انتظام بھی خدا نے کردیا۔ اور ہم دونوں لائبریری جاکر قلمی کتب سے استفادہ کرتے رہے خدا خدا کرکے یہ دیرینہ رکا ہوا کام انجام پایا اور باقی کتب مطلوبہ بھی جیسے ہوسکا مہیا کردی گئیں اور پھر مولانا صاحب راولپنڈی ملازمت مل جانے پر ساتھ دے دیں۔ لکھوانے چھپوانے صحت کا خاص التزام کرتے آج یہ کتاب حصہ اول سے تین سال بعد جناب کے ہاتھوں تک پہنچا سکے۔ انشاء اللہ حصہ سوم میں زیادہ دیر نہ لگے گی +

العبد

عبد الرحیم ولد مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم تاجر کتب لاہور مسجد چینیاں والی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی حیات میں ہی اسلامی منادہندوستان میں پہنچ چکے تھے۔ خلافت راشدہ میں مشرقی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسلمان فاتحان ہندوستان کے حالات اگر مفصل لکھے جائیں تو کئی ضخیم کتابوں میں سما سکتے ہیں۔ جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ اس کتاب میں بھی انتخاب واقعات کا وہی طریقہ ملحوظ رکھا جائے گا۔ جو حصہ اول میں مدنظر تھا۔ اور وہی غرض تالیف، ترقی اسلام بہ تقلید صحابہ کرام ہوگی۔ اس کے علاوہ چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ضروریات دیگر اسلامی ممالک سے کچھ جُدی بھی ہیں اس لئے اُن ضروریات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے عہد اسلامیہ کی تاریخ کا صحیح فوٹو ناظرین کو دکھایا جائے گا جس سے مسلمانوں کو علمی معلومات کی ترقی کے علاوہ اخلاقی فوایدبھی حاصل ہوں۔ جس کی کہ حال کے پرآشوب زمانہ میں ملک اور قوم کے علاوہ گورنمنٹ عالیہ کو بھی سخت ضرورت ہے۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ ہر ایک قوم اپنے بزرگوں کے کارنامہ سُن سُن کر عملی میدان میں ترقی کا قدم بڑھاتی ہے۔ ہندوستان کے مسلمان جن کی اسلامی حمیّت قومی عصبیت زنگ آلود ہوچکی ہے۔ اُن کے لئے بہادر شاہان ہندوستان کی اسلامی خدمات کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ اور دیگر ملکی بھائی ہندوؤں وغیرہ کو جو نفرت وکراہت تاریخی کورسوں مروجہ مدارس کے مطالعہ سے پیدا ہوکر ہندوستان کے مشکلات کا باعث ہورہی ہے دور ہوگی اور بدامنی کے خیالات اور واقعات رو بہ کمی ہوں گے۔ ہندو اخباروں اور ہندو مجالس میں شاہان اسلام پر جس قدر الزام لگائے جاتے ہیں اس سے مسلمان کسی مہذب قوم کے سامنے مُونہ نہیں دکھا سکتے۔ اور اس قسم کے الزام ہم قریباً تیس سال سے برابر سنتے چلے آتے ہیں۔ اور موجودہ ہندو نسل میں وہ غلط الزامات تاریخی درجہ حاصل کرچکے ہیں۔ اور اب ہندوؤں کے بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہیں۔ جس کا بُرا نتیجہ بعض روشن دماغ ہندو بھی تسلیم کرچکے ہیں۔ ہم ملکی بہبودی کے خیال سے اُن غلط الزاموں کے مٹانے اور تاریخ اسلامیہ کا صحیح پہلو

دکھانے کی کوشش کریں گے۔ فقیر راقم یہ دعوے ہرگز نہیں کرسکتا کہ یہ کتاب نقایص سے خالی اور ہر ایک مطالعہ کرنے والے خصوصاً غیر مسلم اقوام کے ضرور دل پسند ہوگی۔ کیونکہ میں بھی ایک ناقص العلم انسان ہوں بشریت سے خالی نہیں۔ اُنیسویں صدی عیسوی کی نشو و نما ہے مگر نہایت ادب سے غیر مسلم ناظرین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس کتاب کو غور سے پڑھیں اور مولفانہ نیت کو مدنظر رکھتے ہوئے واقعات کی مورخانہ نگاہ سے جانچ پرتال کریں۔ اور کسی فقرہ یا طرز بیان کو سرسری پڑھ کر ہی کتاب کو ردی میں نہ پھینکدیں۔ بلکہ فاضلانہ استقامت سے مطالعہ کریں۔

اس اسلامی تاریخ کا ماخذ۔ ابن اثیر[1]۔ مسعودی[2]۔ فتوحات اسلامیہ[3] بعد فتوحات نبویہ یمینی[4]۔ طبری[5]۔ طبقات ناصری[6]۔ فیروز شاہی[7]۔ طبقات اکبری[8]۔ فرشتہ[9]۔ اکبر نامہ[10]۔ آئین اکبری[11] تاریخ بدایونی[12]۔ توزک تیموری[13]۔ روضۃ الصفا[14]۔ توزک بابری[15]۔ توزک جہانگیری[16]۔ اقبال نامہ جہانگیری[17]۔ شاہ جہاں نامہ مصنفہ بھکو انداس[18]۔ تاریخ سندھ[19] مولفہ محمد معصوم۔ مآثر عالمگیری[20] اقبال نامہ عالمگیری[21]۔ زبدۃ التواریخ[22] مؤلفہ نور الحق دہلوی۔ بادشاہ نامہ[23] مولفہ عبدالحمید لاہوری۔ خلاصۃ التواریخ[24] مؤلفہ سجان رائے۔ تاریخ محمد شاہی[25] مؤلفہ خوشحال چند چہارچمن[26] مؤلفہ دولت رائے منتخب التواریخ[27] مولفہ حسن بن سبزواری۔ تاریخ سکھاں[28] مولفہ سردیپ لال۔ تاریخ سکھاں[29] مؤلفہ عطر سنگھ۔ عمدۃ التواریخ[30] مولفہ سوہن لال۔ تواریخ نامہ[31] شاہان ہندوستان مولفہ نواب جھجر۔ شمشیر خانی[32]۔ تاریخ سلاطین افغانان[33] محاربات سلاطین درانیہ[34]۔ ظفر نامہ بہادر شاہ[35]۔ سیر المتاخرین[36]۔ تاریخ ہند مصنفہ لیتھبرج صاحب[37]۔ تاریخ ہند مصنفہ الفنسٹن صاحب[38]۔ تاریخ افغانستان[39]۔ تاریخ کشمیر[40]۔ تاریخ دکن[41] حدیقۃ الاقالیم[42]۔ تاریخ ہند مؤلفہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔ خزانہ عامرہ۔ قصر عارفان:۔ تالیف التذکرہ:۔

کتب مذکورہ بالا میرے مطالعہ سے گزر چکی ہیں جو گورنمنٹ انگریزی کی علمی سرپرستی کے طفیل مجکو لاہور کی پبلک لائبریری سے دستیاب ہوتی رہیں۔ خاص لاہور میں تین ماہ رہ کر میں نے قلمی کتابوں کا خصوصاً مطالعہ کیا۔ پس جس قدر مجھسے ہوسکا تاریخی معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی گئی گورنمنٹ انگریزی کی یہ خاص عنایت ہے کہ اُسنے اشاعت علوم و فنون میں ہر ایک قسم کی آسانیاں

پیدا کر رکھی ہیں۔ چونکہ ہر ایک زمانہ میں علمی تصانیف کسی سلطان یا امیر قدرداں کے نام نامی سے معنون ہوتی رہی ہیں اور آج ہندوستان میں ایسے امرائے اسلام کا قحط ہے جو پابند شرع ہوں اور بلا تعلق کسی مصنف کی سرپرستی کریں۔ مگر بقول اورنگ زیب "زمانہ از آدم خوب ہیچ گاہ خالی نباشد" یہ کتاب بحضور خادم شریعت نبویہ حامی علوم دینیہ منبع فتوت و مروت معدن جود و شفقت عدالت پژوہ امیر والاشکوہ محب رسول الثقلین حاجی حرمین شریفین عالی جناب فضیلت مآب حاجی مولوی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای پریزیڈنٹ کونسل آف ریجنسی ریاست بہاول پور پیش کی اور درخواست کی کہ خود اپنے نام نامی سے (ڈیڈی گیٹ) ہونا منظور فرماویں۔ مگر آپ نے جوش وفاداری و نمک حلالی سے اپنے آقائے ولی نعمت سرکار عالی تبار گردوں وقار یادگار دولت عباسیہ و فخر دودمان فرنشیہ۔ عدل گستر رعایا پرور جواد دریا نوال رکن الدولہ نصرت جنگ حافظ الملک مخلص الدولہ نواب حاجی محمد صادق خاں صاحب بہادر خامس عباسی والی ریاست بہاولپور صانہ اللہ عن اشرور الدہور خلد اللہ ملکہ کے اسم گرامی اور نام نامی سے معنون (ڈیڈی گیٹ) کرنے کی اجازت عطا کی۔ جو کتاب ہذا کے قبولیت عامہ کی نیک فال ہے ✣

شایقین کی سہولیت کے لئے تذکرہ بہادران اسلام کے بجائے دو کے تین حصے کر دئے گئے ہیں۔ پہلے حصہ میں کل بہادران امویہ۔ عباسیہ۔ سلاطین مراکو۔ سپین وٹرکی وغیرہ آچکے ہیں اس حصہ دوم میں فاتحان عرب سے لیکر آخیر عہد خلجی تک کے بہادروں کے حالات ہیں اور حصہ سوم میں سلاطین تغلق سے لیکر لودہیوں وغیرہ سمیت کل خاندان مغلیہ کے شاہ عالم ثانی تک جمیع الوالعزموں کا ذکر ہوگا۔ حصہ اول میں وعدہ یہی کیا گیا تھا کہ کل بہادران ہند و افغانستان حصہ دوم ہی میں درج ہونگے لیکن چونکہ حجم بہت بڑھ گیا مجبوراً تین حصے کرنے پڑے ✣

شاہ عالم ثانی کے عہد سے سلطنت انگریزی کا زمانہ شروع ہوتا ہے جو فقیر کی مبحث سے خارج ہے کبھی بشرط زندگی اور موافقت زمانہ اُس کی تاریخ لکھی جائے گی ✣

معزز ناظرین۔ مشہور مورخ ابن خاوندشاہ کے قول ؎ سخن آرائی را دست و دل آسودہ باید۔ پر خیال فرما کر فقیر کی عدم فراغت مدنظر رکھتے ہوئے سہو و خطا سے اغماض فرمائیں گے ع۔ نشاید لعل سفتن جز بالماس۔ فقط ✣

فقیر کرم الٰہی صوفی ڈنگوی مصنف "خالد بن ولید و مذکرہ بہادران اسلام حصہ اول

تذکرۂ بہادران اسلام حصّہ دوم

عہد افغانیہ

ہندوستانیوں کے لئے تاریخ ہند ایک ایسا مضمون ہے۔ جس سے اُن تمام لوگوں کو جنھوں نے انگریزی سکولوں میں تعلیم پائی ہے۔ کچھ نہ کچھ مس ضرور ہے۔ مگر یہ تاریخی تماس اور احساس اُن تاریخی کتابوں سے حاصل ہوا ہے جن کو اُنہوں نے ایام تعلیم میں بطور کورس پڑھا ہے اور اُن کی ترتیب و تالیف میں عموماً مصالح ملکی یا قومی کو مدنظر رکھا گیا ہے علاوہ اس کے ناقص اور غلط بھی ہیں۔ عہد ہنود کا غیر مفید تذکرہ چند اوراق میں لکھا گیا ہے جن کی تنقید کا حق ہندو فضلا کو زیادہ حاصل ہے +

ہندو عہد کی بابت عذر کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کی کوئی معتبر اور مسلسل تاریخ نہیں پائی جاتی اگر کوئی شاذ و نادر ملتی بھی ہے تو بعید از قیاس افسانوں یا شاعرانہ غلو و مبالغہ سے خالی نہیں ہوتی +

مگر عہد اسلامیہ کی مسلسل اور معتبر تواریخ کی موجودگی کے یورپین فضلا بھی قائل ہیں۔ میں نے جن ۴۵ کتابوں کی فہرست دیباچہ میں دی ہے۔ چند ایک کے سوا تمام انگریزی عہد سے پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔ علاوہ اس کے اور بھی کئی ایک ہندوستان کی تاریخیں لکھی گئی ہیں جو فقیر کو دستیاب نہیں ہوسکیں۔ پس اسلامی عہد کی تاریخ کی نسبت یورپین مورخ کوئی عذر نہیں کرسکتے۔ لیکن افسوس ہے کہ سلطنت اسلامیہ کے حالات بیان کرنے میں مورخانہ کانشنس سے کام نہیں لیا گیا۔ بعض نے حملہ آوران اسلام کو ظالم۔ لوٹیرا۔ غاصب۔ بے رحم درندہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایسے حالات چن چن کر لکھے ہیں۔ کہ جن کو ہندو طلبہ پڑھکر مسلمانوں کی طرف سے سخت متنفر ہوجاتے ہیں اور اسلام کو روحانی کمال اور فضایل سے خالی یقین کر لیتے ہیں۔ انہیں تاریخی کورسوں کا زیادہ اثر ہے کہ آج تک ہندو مسلمانوں میں کئی جگہ دنگہ فساد ہوچکے ہیں شاید بعض کوتاہ بین اس کو استحکام سلطنت کا باعث خیال کرتے ہوں لیکن رعایا کا باہمی اختلاف اور فساد ملک کی بے امنی کا موجب ہوتا ہے اور نقض امن سے سلطنت کے وقار اور اعتبار میں فرق آجاتا ہے اور متمرد فرقے دلیر ہوکر آخر گورنمنٹ کے مونہ

بھی آنے لگتے ہیں اور ملک کی حقیقی ترقی میں ہرج عظیم ڈالتے ہیں +

مورخانہ غلطی

واقعات اور روایات کے لحاظ سے زیادہ حیرت ہوتی ہے۔ تاریخ ہند مصنفہ لیتھبرج صاحب مروجہ مدارس پنجاب میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے سب سے اول ابولعاص عامل یمن نے ۱۵ھ میں خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب کے عہد میں سندھ پر حملہ کیا اور الفنسٹن صاحب اپنی تاریخ جلد دوم صفحہ ۴۹۱ سطر ۹ پر لکھتا ہے کہ سمندر کی راہ سے سندھ پر عرب والوں کا آنا ابتدا ہی کے زمانہ میں یعنے حضرت عمر خلیفہ کے عہد میں ہوا +

اس کے بعد بحری حملہ پر شک کرتے ہوئے بے انصافی سے خلاف واقعہ اپنی ذاتی رائے کا یوں اظہار کرتا ہے کہ "اگر ایسا ہی ہوا ہوگا تو غالب یہ ہے کہ سندھ کی حسین عورتوں کے لئے لٹیروں نے ارادہ کیا ہوگا کیونکہ ملک عرب میں اس ملک کی حسین عورتوں کی کمال آرزو تھی"۔ پہلے فقرہ "اگر ایسا ہی ہوا ہوگا" سے صاف ثابت ہے کہ الفنسٹن صاحب کے نزدیک سمندر کے راستہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عربوں کا سندھ میں آنا مشکوک ہے۔ اور حملہ کو بھی لوٹیروں سے منسوب کرتا ہے۔ ایسے لوٹیرے اور سمندری ڈاکو دربار خلافت سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتے۔ ایسے بحری قزاقوں کے فعل کو اگر واقعی ایسا ہی ہوا ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دکھا کر ناظرین کو دھوکے میں ڈالنا اور اسلام کی طرف سے بدگمان کرنا ہے جو ایک قومی پالیسی ہے +

حسین عورتوں کو وجہ حملہ قرار دینا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا سندھ کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت شام۔ روم۔ مصر۔ ایران کی عورتیں تھیں جہاں مسلمان عہد فاروقی میں فتح کے نشان اڑا رہے تھے مگر کہیں بھی عورتوں کیلئے حملہ نہیں ہوا۔ سب حملات دفاعی یا انتقامی تھے۔ یہ رکیک فقرہ تاریخی اسناد سے خالی محض الفنسٹن صاحب کے ذاتی تعصب کا نتیجہ ہے +

اب رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حملہ کرنا اس کو ہم واقعات سے غلط ثابت کریں گے۔ الفنسٹن صاحب ولید کے زمانے سے پہلے سندھ کا فتح ہونا تسلیم نہیں کرتا چنانچہ وہ اپنی تاریخ جلد دوم صفحہ ۴۹۲ سطر ۲ و ۳ و ۸ میں لکھتے ہیں کہ شروع اسلام میں جو جو خلیفہ ہوئے اُن کے وقتوں میں بھی مکران کے جنوب میں اکثر

فوجیں روانہ کی گئی تھیں مگر کوئی شخص کامیاب نہ ہوا +

آخرکار ولید کے عہد میں مسلمان بڑے جوش سے آئے اور حملہ آور ہوئے جو تاریخ کے خلاف ہے خلیفہ ولید سے ستر سال پہلے سندھ میں اسلامی فتوحات کا دور شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ الفنسٹن صاحب اپنی تاریخ صفحہ ۱۹۰ سطر ۲۲ پر لکھتے ہیں کہ ۶۶۴ء مطابق ۴۴ھ میں پہلے پہل مسلمانوں کا قدم ہندوستان میں آیا اور مہلب بن ابی صفرہ بعد اس عہد کے ملتان تک پہنچا۔ دیکھو الفنسٹن صاحب خود ہی اپنے قول کی تردید کرتے ہیں۔ اور ۴۴ھ سے پہلے مسلمانوں کا ہندوستان میں آنا نہیں مانتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سندھ کا شہر دیبل ہو یا تھانہ کس طرح فتح ہوا +

حضرت عمرؓ کا عہد ۲۳ھ تک ختم ہو چکا تھا اور ۴۴ھ میں عہد معاویہ رضی اللہ کا تھا اور مہلب اُن کا ہی بہادر جرنیل تھا۔ مگر الفنسٹن صاحب کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ عہد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ میں عبدالرحمن بن سمرہ بن جندب بن حبیب بن شمس نے بغرور اور سوار العبدی نے کیکان اور عہد امیر المومنین علی رضی عنہ میں ناعر بن اعور نے معہ حارث بن مرہ بیس ہزار سندیوں کو شکست دی +

الفنسٹن صاحب کے اقوال متضاد ہیں اور ۴۴ھ سے پہلے مسلمانوں کا ہندوستان میں آنا لینتھبرج صاحب کے قول کی تردید کرتا ہے جو ۱۵ھ میں خلیفہ ثانی کے عہد میں عربوں کا سندھ پر حملہ آور ہونا لکھتا ہے۔ چونکہ انگریزی خواں اصحاب کو انگریزی تاریخوں پر زیادہ وثوق ہے۔ اس لئے ہم ثابت کرتے ہیں کہ حملہ ۱۵ھ میں ناممکن تھا +

عرب سندھ پر دو راستوں سے حملہ کر سکتے تھے ایک سمندر کے راستہ بذریعہ جہازات دویم براہ ایران و بلوچستان مورخان اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ بسبب اس کے کہ ابھی مسلمان فن جہاز رانی میں مہارت اور بحری لڑائیوں کا تجربہ نہ رکھتے تھے بحری مہمات کے خلاف تھے۔ چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام نے جب جزیرہ سائپرس واقعہ بحیرہ شام پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا وجہ کے سبب سے اجازت نہ دی۔ پس جب کہ ساحل شام کے متصلہ جزیرہ پر حکم نہ دیا گیا تو عامل یمن کو بحر ہند کے طویل اور خطرناک سفر کی کس طرح اجازت دی گئی۔ اگر بقول لینتھبرج صاحب حملہ مقام تھانہ قریب بمبئی پر ہوا تو دربار خلافت نے چند فوجی جہازات

دئے ہونگے۔ مگر حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلامی بیڑہ کا وجود ثابت نہیں ہوتا ایک دو سمندری کشتیوں کا ساحل ہند کے کسی شہر میں سارقانہ وارد ہونا اگر واقعی ہوئی ہوں ہرگز فاتحانہ (خصوصاً مہمات عہد فاروقی میں) تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے بحری قزاق ممکن ہے کہ مدت سے لوٹ مار کے عادی ہوں۔ مگر حملہ آوران اسلام کے ضمن میں عامل یمن کا لفظ عمال فاروقی میں ناظرین کو دھوکا دیتا ہے۔ اور یورپین مورخین کی یہ طرز تحریر مورخانہ کانشنس کے خلاف ہے +

علاء الحضرمی گورنر بحرین نے بلا اطلاع خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ شہر اصطخر متصلہ شیراز پر حملہ کیا اور اس چھوٹی سی مہم میں بھی سوار بن ہمام اور جارود بن معلی جیسے بہادر جرنیل کٹوا کر مال اندیش اور مدبر خلیفہ ثانی کی رائے کے مطابق شکست کھانی پڑی۔ غالباً اسی حملہ والی بحرین کو لیتھبرج صاحب وغیرہ نے کسی غیر محقق مشرقی مورخ کی تقلید میں حملہ سندھ قرار دیدیا ہے +

دوسرا راستہ سندھ ایران اور بلوچستان میں سے تھا مگر ۱۵ھ تک تو مشہور جنگ قادسیہ کا ہی خاتمہ ہوا تھا جس میں کہ ایرانیوں کے بہادر سپہ سالار رستم اور فیزران کی سرکردگی میں جاں نثاران ایران نے کئی رات دن کی متواتر جنگ شدید سے مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دیا تھا جس کو غازیان اسلام نے جانوں پر کھیل کر مقدس صحابی سعد بن ابی وقاص رضؓ کے زیر کمان جیتا تھا یزدجرد شاہ ایران اور ایرانیوں کی قومی طاقت موجود تھی ایران کے مشرقی اور جنوبی شمالی صوبے ۱۵ھ تک مسلمانوں کے دست تصرف سے آزاد تھے ۱۵ھ کے بعد کئی معرکہ مثل جلولا واہواز ہوئے مشہور جنگ نہاوند ۱۸ھ یا ۱۹ھ میں ہوا تھا جس میں یزدجرد شاہ فارس نے تمام ایرانی حکام اور رعایا کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ کیا تھا چونکہ ایرانیوں کی یہ آخری قسمت آزمائی تھی اس لئے شاہ فارس نے دیگر ایشیائی قوموں سے بھی کمکی فوج منگوائی تھی۔ معرکہ نہاوند کی مجتمع فوج میں فوج سندھ کا نام بھی لکھا ہے جس کو اسلامی اور سندھی فوج کا پہلا معانقہ کہہ سکتے ہیں مگر نہاوند حدود سندھ سے دور خاص ایران میں تھا اس کو حملہ سندھ نہیں کہہ سکتے البتہ وجہ حملہ قرار دے سکتے ہیں جنگ نہاوند کے بعد ایران کے بڑے بڑے شہر اصفہان۔ ہمدان وغیرہ فتح ہوئے۔ اور اہل اسلام کو مشرق کی طرف بڑھنے کا موقعہ ملا۔ خراسان ۲۳ھ اور کرمان اسی سال سہیل بن عدی نے فتح کیا اور اسی سال سیستان

تسخیر ہوا اور یہی علاقے سندھ کے راستہ میں تھے جو ۱۵ھ تک ابھی فتح نہیں ہوئے تھے پھر معلوم نہیں کہ مسلمان کس راستہ سے ۱۵ھ میں سندھ پر حملہ آور ہوئے ؛

یورپین مورخ جو خود عموماً عربی فارسی تاریخیں نہیں پڑھ سکتے اور عموماً کم لیاقت ہندوستانیوں کے ذریعہ تاریخیں تالیف کراتے ہیں جن پر نہ تو تاریخ نویسی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور نہ اُن کو تاریخ سے مذاق ہوتا ہے ایسے فضلائے یورپ پر تو کوئی افسوس نہیں مگر مشرقی علوم کے فاضل جب عام انگریزی خواں اصحاب کی طرح عربی فارسی تاریخوں کی موجودگی میں اپنی تالیفات کا مدار صرف انگریزی تاریخوں پر ہی رکھیں اور یورپین مورخوں سے زیادہ ٹھوکریں کھائیں تو سخت افسوس ہوتا ہے ؛

میں اصلاح غلطی کی نیت سے مجبوراً عرض کرتا ہوں کہ شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ خاں صاحب دہلوی نے ہندوستان کی تاریخ بسیط کئی جلدوں میں لکھی ہے مگر تعجب ہے کہ اس موقعہ پر مختلف اور متضاد مضامین کے لکھنے میں الفنسٹن صاحب سے بڑھ گئے ہیں۔ مورخ موصوف اپنی تاریخ کا انحصار چچ نامہ اور تاریخ سندھ مولفہ میر معصوم اور تاریخ الیٹ صاحب پر رکھتے ہیں جیسا کہ وہ خود جلد اول صفحہ ۳ باب سوم میں لکھتے ہیں اگر تکلف فرما کر کسی اور عربی فارسی تاریخ کو دیکھتے تو اس قدر تضاد اور تخالف نہ پایا جاتا۔ چچ نامہ سے میر معصوم نے انتخاب کیا ہے چنانچہ میر معصوم اپنی قلمی تاریخ سندھ صفحہ ۶ موجودہ پبلک لائبریری لاہور میں لکھتے ہیں کہ "اہل تواریخ متفق اند بریں معنی کہ فتح سندھ در زمان ولید بن عبدالملک بسعی و اہتمام حجاج بن یوسف ثقفی بود چنانچہ علی بن حامد بن ابوبکر کوفی در تاریخ ہند کہ مشہور ست چچ نامہ مسطور نمودہ آنچہ ضروری است دریں اوراق مرقوم می نماید" اس سے پایا جاتا ہے کہ میر معصوم کی تاریخ سندھ چچ نامہ کا خلاصہ ہے روایت و درائت کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ پس دونوں کو ایک سمجھنا غلط نہیں ہے ؛

چچ نامہ کو ہم نے نہیں دیکھا مگر تاریخ سندھ مصنفہ سید محمد معصوم کو ہم نے بغور پڑھا ہے۔ محققانہ تحریر نہیں ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ فتح سندھ ولید کے عہد میں ہوئی۔ اور اس پر اہل تاریخ کو متفق لکھتے ہیں۔ حالانکہ آمد ۷۰ سال پہلے اور متواتر فاتحانہ قبضہ عربوں کا ۵۰ سال ولید سے پہلے کا چلا آتا تھا۔ اور یہی مورخ اپنی تاریخ سندھ کے صفحہ ۵ کی اخیر سطر میں لکھتے ہیں کہ "از دار الخلافہ بغداد در زمان خلافت ولید بن عبدالملک بر سندھ

حملہ نمودہ" حالانکہ ولید کے عہد میں بغداد دارالخلافہ نہ تھا۔ بلکہ بغداد کا بقول بعض نام و نشان تک نہ تھا۔ حملہ آور فوج کوفہ سے روانہ ہوئی۔ جو حجاج بن یوسف کا صدر مقام عراق تھا۔ یہی مصنف معزالدین کو شہاب الدین غوری کا بھائی لکھتا ہے حالانکہ دونوں محمد غوری کے خطاب ہیں خسرو ملک غزنوی کا قید کرنیوالا غیاث الدین غوری کو لکھتا ہے۔ اسی قسم کے اور واقعات ہیں۔ پس چچ نامہ کی ثقاہت کا بھی یہی حال ہوگا۔ جو تاریخ سندھ مؤلفہ سید محمد معصوم کا ماخذ ہے۔ تاریخ سرجان ایلیٹ ضرور ایک فاضل یورپین کی لکھی ہوئی ہے۔ مگر یورپین مؤرخ جو اسلامی تاریخ کے لکھنے میں نتائج خلاف واقعہ اور بعض موقعہ پر متعصبانہ رائے دیتے ہیں سرجان ایلیٹ کب بچ سکتا ہے۔ ایک مشرقی زبانوں کا جاننے والا مسلمان مؤرخ بلاتحقیق ایسے صاحبوں کی رائے تسلیم نہیں کرسکتا جو عربی فارسی کو اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے یا بالکل ہی نہیں جانتے +

اس بحث سے غرض یہ ہے کہ پروفیسر دہلوی نے سندھ کے حملہ آوران عرب کے حالات اپنی مفصل تاریخ ہند میں لکھے ہیں۔ جنہوں نے چچ نامہ۔ تاریخ سید معصوم۔ تاریخ سرجان ایلیٹ پر زیادہ مدار رکھا ہے۔ مگر حملہ آورانِ عرب کی نسبت فاضل پروفیسر دہلوی اور ہماری تحقیقات میں فرق ہے۔ محقق ناظرین محض وجاہت دنیوی پر نگاہ کرکے ہی میری ناچیز تحریر کو حقارت سے نہ دیکھیں بلکہ اختلافات کو تاریخی معیار سے تحقیق فرماویں +

ہم نے لکھا ہے کہ خلیفہ ثالث عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے اور پھر سوار العبدی نے بخور اور کیکان واقعہ سندھ تک فتوحات کیں اور عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں مہلب نے ملتان تک ملک فتح کیا۔ ولید کے عہد میں محمد بن قاسم نے فتوحاتِ سندھ کو مکمل کیا۔ راجہ داہر مارا گیا۔ ہندوؤں کے خاندان سے عربوں کے ہاتھ میں حکومت چلی گئی۔ مگر پروفیسر دہلوی اپنی تاریخ ہند جلد اول میں متضاد فقرات لکھتا ہے۔ اور حملہ آوران عرب کی ترتیب اور تاریخ حملہ کو مشکوک کردیتا ہے۔ چنانچہ فاضل دہلوی اپنی تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ "۱۵ھ یا ۱۶ھ میں عثمان بن العاص ثقفی حاکم بحرین و عمان نے حضرت عمر کے مشورہ بغیر عمان کی راہ سے ساحل سندھ پر ایک لشکر غزا کے لئے بھیجدیا۔ وہ بمبئی میں تھانا تک آیا اور حضرت عمر ناراض ہوئے اس پر ہمارا وہی اعتراض ہے جو تاریخ لیتھبرج صاحب پر پہلے کیا گیا ہے۔ یہ حملہ حاکم بحرین کا وہی

ہے جو اصطخر متصلہ شیراز تھا۔ مگر فاضل دہلوی خود ہی اس کے برخلاف کئی جگہ لکھتا ہے چنانچہ تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۱۸۷ پر فاضل موصوف لکھتا ہے کہ "حضرت عثمان کی خلافت میں عراق کا والی عبداللہ مقرر ہوا۔ اُس کے زمانہ میں اول حملہ کابل پر ہوا۔ اُس کو خلیفہ نے ہدایت کی کہ جاسوس بھیجکر اضلاع ہند کا حال دریافت کرے۔ گو جاسوسوں نے ایسا حال بتلایا۔ کہ وہ حملہ آور ان کو منع کرتا تھا مگر عبداللہ نے اپنے عم زاد بھائیوں میں سے عبدالرحمن بن سمرہ کو حکم دیا۔ کہ وہ سیستان پر حملہ کرے"۔

جلد اول صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۷ پر لکھا ہے "حکیم ابن جبلہ کے حالات سندھ بیان کرنے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا۔ کہ سندھ پر لشکر کشی سے احتراز کرے۔ حالانکہ یہ واقعہ امتناع حملہ سندھ عربی تاریخ فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۱۱۵ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لکھا ہے جو صحار العبدی کے بیان حالات سندھ پر امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے امرائے فوج مکران کو حکم بھیجا کہ "لَا یَجُوْزَنَّ مَکْرَانَ اَحَدٌ مِنْ جُنُوْدِھِمَا" یعنی مکران سے آگے کوئی نہ بڑھے اور مکران واقعہ بلوچستان اور سیستان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہو چکے ہیں نہ بقول فاضل دہلوی عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں عبدالرحمن بن سمرہ نے سیستان کو فتح کیا"۔

یہی فاضل جلد اول صفحہ ۱۱۷ پر لکھتا ہے کہ "عبداللہ بن عامر نے حضرت عمر سے دریائے سندھ عبور کرنے کی اجازت طلب کی۔ مگر وہ اُسی اپنی محتاط تدبیر کے پابند تھے"۔ تعجب ہے کہ یہاں عہد فاروقی میں تو دریائے سندھ تک مسلمان پہنچ گئے۔ اور سیستان۔ بلوچستان مغربی علاقہ سندھ فتح بھی کر آئے۔ اور عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں بقول فاضل دہلوی ابھی حالات سندھ دریافت کئے جاتے تھے۔ اور بلا اجازت عثمان رضی عنہ عبدالرحمن سیستان پر حملہ کرتا ہے عجیب ترقی معکوس ہے۔ کس بیان کو صحیح مانا جائے۔ فاضل دہلوی نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ دریائے دجلہ۔ فرات۔ نیل کو تو بہادران اسلام اپنے افسروں کی ہدایت کے موافق عبور کر جائیں۔ اور سندھ کے عبور کرنے کے لئے خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت طلب کی جائے جبکہ دریائے سندھ کا مغربی علاقہ جس میں راجہ سندھ کا ایک بہت بڑا حصہ ملک شامل تھا مسلمان فتح کر چکے۔ مگر اسلامی اور سندھی فوج کے کسی معرکہ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ جلد اول صفحہ ۱۱۶ سطر ۶ پر لکھتے ہیں کہ اُسی زمانہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) میں مغیرہ بن العاص

دبیل واقعہ سندھ پہنچا۔ اُس زمانہ میں ملک سندھ میں راجہ چچ بن سلائچ کا راج ۴۵ سال سے چلا آتا تھا چچ نے ۴۰ سال حکومت کی بقول فاضل دہلوی اسکے بھائی نے ۸ سال جس کے بعد راجہ داہر سندھ کا والی ہوا۔ راجہ داہر بقول فاضل دہلوی دہم ماہ رمضان ۹۳ھ کو کُشتہ ہوا۔ ۱۶ھ سے لیکر ۹۳ھ تک ۷۷ سال کے عرصہ جس میں پانچ سال بقیہ حکومت چچ اور ۸ سال اس کے بھائی کے نکالنے سے باقی ۶۴ سال خاص راجہ داہر کی سلطنت ماننی پڑتی ہے۔ اور اس قدر طویل عرصہ میں فاضل دہلوی نے مسلمانوں اور راجہ داہر کے کسی مقابلہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ بقول فاضل دہلوی ۵۲ سال پیشتر مسلمانوں کی سلطنت کی بنیاد سندھ میں پڑ چکی تھی جیسا کہ جلد اول صفحہ ۲۳ سطر ۵ پر لکھتے ہیں کہ ۲۱ھ میں ہرات پر اسلام کا ڈنکا بجا اور وہاں سے پھر سارے افغانستان میں سندھ تک اسلام کے اعلام ظفر قائم ہوئے اور سندھ میں اُن کی سلطنت کی بنیاد پڑی" جب ۲۱ھ کے قریب سندھ میں مسلمانوں کی سلطنت کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ تو راجگانِ ہند خصوصاً داہر جو بقول فاضل دہلوی اس وقت سندھ کا راجہ تھا کیوں نہ کسی جگہ میدان میں نکلا اور مسلمان مُنہ اُٹھائے والیٔ سندھ ہو گئے۔ پس راجہ داہر کا ۴۸ سال حکومت کرنا بھی درست نہیں۔ راجہ داہر ایک زبردست غیور بہادر راجہ تھا جس نے کہ محمد بن قاسم کے مُنہ توڑ مقابلے کئے اور بہادروں کی طرح ملک و ملّت پر قربان ہو گیا۔

ان اختلافی مضامین کے دکھانے کی غرض یہ ہے۔ کہ اسلامی تاریخ کے صحیح حالات یورپین تاریخوں سے نہیں مل سکتے اور اُن کے نتائج مستخرجہ واقعات کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور جو ہندوستانی مؤرخ صرف انگریزی تاریخوں پر حصر رکھتا ہے وہ بھی غلطی سے نہیں بچ سکتا۔ پس نتیجہ یہ نکلا۔ کہ علاقہ سندھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح نہیں ہوا اور نہ کسی مسلمان جرنیل نے حملہ کیا۔ مکران سے آگے بڑھنا تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے۔

فتح مکران (بلوچستان) اور سندھی فوج سے مقابلہ

فتح نہاوند کے بعد جن امرائے اسلام کو علم سرداری دیکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح امصار پر مقرر کیا تھا۔ اُن میں سے ایک حکم بن عمرو الثعلبی تھے جس کو فتح مکران واقعہ

بلوچستان کے لئے روانہ کیا گیا۔ اہالی مکران نے راجہ سندھ سے مدد طلب کی اور سخت جنگ کے بعد فوج مکران اور سندھ کو شکست ہوئی۔ اور مکران پر اہل اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ مگر یہ واقعہ ۲۳ھ کا ہے نہ کہ ۱۵ھ کا اور یہ کیچ مکران بلوچستان میں ہے۔ مکران سے آگے بڑھنا اور سندھ کا فتح کرنا عہد فاروقی میں ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا چنانچہ عربی تاریخوں میں صاف لکھا ہے کہ جب فتح مکران کا مال خمس صحار العبدی لیکر مدینہ منورہ گیا اور خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے حالات علاقہ مکران دریافت کئے تو صحار العبدی رض نے جواب دیا۔ کہ یا امیر المومنین ھِیَ اَرْضٌ سَھْلُھَا جَبَلٌ وَمَاؤُھَا وَشَلٌ وَتَمْرُھَا دِقَلٌ وَعَدُوُّھَا بَطَلٌ وَخَیْرُھَا قَلِیْلٌ وَشَرُّھَا طَوِیْلٌ وَالْکَثِیْرُ فِیْھَا قَلِیْلٌ وَالْقَلِیْلُ ضَائِعٌ وَمَا وَرَاءَھَا شَرٌّ مِنْھَا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حالات سن کر سرداران متعینہ مکران کو لکھدیا کہ لَا یُجَاوِزَنَّ مَکْرَانَ اَحَدٌ مِنْ جُنُوْدِھِمَا یعنے مکران سے آگے کوئی فوج نہ بڑھے۔ اِس اِمتناعی حکم کے ہوتے یہ کہنا کہ ابو العاص عامل یمن نے ۱۵ھ میں خلیفہ ثانی کے عہد میں سندھ پر حملہ کیا۔ مؤرخانہ تحقیقات سے گرا ہوا ہے +

مسلمانوں کے سندھ پر حملے

امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ کو شہید کئے گئے۔ اور امیر المومنین عثمان رضی اللہ کا عہد شروع ہوا جنہوں نے عہد فاروقی کی طرح ایشیاء۔ افریقہ کے باطل پرستوں اور رومی عیسائیوں کے مقابلہ پر فوجیں روانہ کیں۔ ایشیائی فتوحات کا کام عبداللہ بن عامر کے سپرد ہوا۔ جس نے خود تو عہد شکن خراسانیوں کو اور بہادر احنف بن قیس نے مرورود۔ جرجان۔ فاریاب۔ طخارستان۔ بلخ کو باجگذار بنایا اور سیستان کا حاکم عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد الشمس مقرر ہوا۔ جس اولوالعزم کے سامنے بلوچستان۔ سندھ۔ افغانستان پڑے تھے۔ چونکہ راجہ سندھ دو دفعہ پہلے معرکہ نہاوند اور مکران میں بلا سبب مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھا چکا اور تکالیف دے چکا تھا۔ اس لئے غیور عبدالرحمٰن نے پہلے بلوچستان اور سندھ کی طرف رُخ کیا اور مخالف فوج کو شکست پر شکست دیتا اور نشان فتح اڑاتا ہوا مقام بغرور واقعہ سندھ تک پہنچ گیا پس میرے نزدیک مسلمانوں میں پہلا حملہ آور سندھ عبدالرحمٰن بن سمرہ تھا۔ مگر اُس نے اس

سے زیادہ فتوحات نہیں کیں۔ جلدی ہی اس کو کابل کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ جہاں اُسکی خدمات کی کابل کے خونخوار اور جنگجو باشندوں کے مقابلہ میں زیادہ ضرورت تھی۔ عبدالرحمٰن کی جگہ ابن عامر نے سوار العبدی کو فتح سندھ پر مامور کیا جسکے مفتوحہ شہر کا نام عربی تاریخوں میں قیقان لکھا ہے۔ یہ فتوحات عثمانی کے عہد ہیں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اخیر ۳۵ھ میں باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ جنگ جمل اور صفین لاکھوں مسلمانوں کی ہلاکت اور قومی افتراق کا باعث ہوئے۔ اور امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سندھ اور دیگر ایشیائی مہمات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ اور سندھ پر کوئی حملہ نہ ہوا۔ صرف سابقہ مفتوحہ علاقہ ہی باجگذار رہا۔ اسی طرح اس خانگی فساد سے اہل افریقہ اور رومیوں کے مقابلہ میں بھی کوئی عظیم الشان فتح حاصل نہ ہوسکی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو ایک ناہنجار خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھ سے کوفہ میں شہید ہوئے۔ اور ان کے جانشین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے محض اس خیال سے کہ باہمی کشت وخون سے اُمت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام قتل ہورہی ہے۔ اور ترقی اسلام میں ہرج ہورہا ہے۔ ربیع الاول ۴۱ھ کو خلع فرماکر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ اور اپنے جد کرم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی حدیث "اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ سَیُصْلِحُ اللّٰهُ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" کو صحیح ثابت کردیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی دُنیا کا واحد خلیفہ بن گیا اور ۶ سال گذشتہ میں جو غیر ممالک کی فتوحات میں توقف پڑ گیا تھا۔ اسکی کسر نکالنے لگا۔ ایک دفعہ ہی کوئی تین بہادر جرنیل ایشیا۔ افریقہ۔ یورپ کی مختلف اقوام اور مختلف اطراف کی تسخیر کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور بحر وبر میں ہل چل ڈال دی۔ اُن میں سے مہلب بن ابی صفرہ اپنی متواتر ایشیائی فتوحات کے سبب خاص ممتاز تھا۔ اسی مہلب نے ۴۴ھ میں عہد معاویہؓ میں سندھ پر حملہ کیا۔ اور قندھار سے لیکر ملتان تک کا کل علاقہ تسخیر کرلیا۔ اور سندھ پر مسلمانوں کا پورا تسلط ہوگیا۔ غالباً اسی عہد کے ایک غازی کی قبر ضلع جھنگ واقعہ پنجاب کے موضع پیر عبدالرحمٰن میں واقعہ ہے۔ جو اُس غازی کے نام سے منسوب ہے مجاورین عبدالرحمٰن بن عوف رض بتلاتے ہیں جو غلط ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن ابن عوف رض کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔ یہ غازی قلعہ شور (موجودہ شورکوٹ) اور قلعہ رودر

کی فتح میں شہید ہوئے ہونگے جس کے کھنڈر موضع پیر عبدالرحمٰن کے قریب ہیں۔ مہلب کی فتوحات اس سے آگے پنجاب اور سندھ میں نہ بڑھیں اور مفتوحہ علاقہ سندھ اور پنجاب ضمیمہ ممالک اسلام بن گیا ؛

وجہ توقف فتوحات ہند

چونکہ مہلب ماتحت حکم بن عمرو الغفاری گورنر جنرل خراسان کے تھا۔ اور حکم کو باشندگان غور افغانستان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف ہونا پڑا اس لئے مہلب کو بھی واپس بلا لیا جس نے مہم مذکور میں اپنی تدبیر و شجاعت کے جوہر دکھا کر بغاوت کا قرار واقعی انتظام کر دیا۔ اور مہلب ہندوستان کی طرف نہ آسکا ۵۴ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا گورنر جنرل اور ایشیائی مہمات کا مختار کیا۔ یہ شخص اپنے باپ زیاد کی طرح پولیٹیکل چالوں میں مشاق تھا۔ لیکن وہ دلیر عرب سرداروں کی طرح کوئی مشہور رومیدان نہ تھا۔ والئ خراسان ہوتے ہی ترکستان کی بغاوت پھوٹ پڑی۔ اس لئے عبید اللہ مذکور کو اپنی ساری توجہ تاتاری علاقہ کی طرف ہی مصروف کرنی پڑی اور کوئی اولعزم جرنیل فتح ہندوستان پر مامور نہ کر سکا بہادر مہلب عبید اللہ بن زیاد کے ماتحت ہی کام کرتا رہا۔ بخارا وغیرہ کا علاقہ اسی عبید اللہ نے فتح کیا چونکہ اس کا کام کچھ تسلی بخش نہ نکلا۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے عام سلوک سے خوش نہ رہا۔ اس لئے عبید اللہ معزول اور اس کی جگہ ۵۶ھ میں سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مشرقی مہمات پر مامور ہوا جنہوں نے ترکستان کی ادھوری مہم کی طرف ہی توجہ مبذول رکھی اور تسخیر ہندوستان میں ابزادی نہ ہو سکی سمرقند۔ صغد۔ ترمذ واقعہ تاتار کو اسی سعید رضی نے فتح کیا تھا ۵۶ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔ اور مشہور فاسق یزید ان کا جانشین ہوا اور گورنر خراسان مسلم بن زیاد مقرر ہوا۔ اور سعید رضی اللہ عنہ معزول کئے گئے۔ اسی مسلم کی ماتحت بہادر مہلب نے خوارزمیوں۔ تاتاریوں۔ افغانوں کے مقابلہ میں اسلامی شجاعت کے جوہر دکھا کر ہر ایک بغاوت کو رفع کیا۔ مگر یزید کے عہد میں تمام طرف سے اسلامی فتوحات رک گئیں۔ یزید کو سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی فکر پڑی جس کا خاتمہ خونخوار ظالمانہ واقعہ کربلا پر ہوا اور یزید اور اس کے خاندان کی طرف سے

مسلمانوں کے دل بجھ گئے اور اہل اسلام کا فاتحانہ جوش گم ہو گیا اور ۶۴ھ میں ناکام مرگیا۔ اور چالیس یوم بعد اُس کا بیٹا معاویہ ثانی جو ایک نیک منہا دتھا راہی مُلکِ بریں ہوا۔ اور ظالم یزید کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد مسلمانوں میں دو دعویدار سلطنت پیدا ہو گئے۔ بنی اُمیّہ میں سے جن میں ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے مقدس خلیفہ اور دوسرے معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور کشور کشا بہادر اقطار عالم میں بنی امیّہ کی سیادت کا سکّہ جما چکے تھے۔ اوّل تو مروان بن الحکم اور اس کے بعد اُس کا بیٹا عبدالملک بن مروان مدعی سلطنت ہوا جس کا صدر مقام دمشق واقعہ شام تھا۔ اور دوسرا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خاص مکہ معظمہ میں اپنا دارالخلافہ مقرر کیا۔ عرب۔ عراق اور اس کی جنگجو اقوام عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھیں مشرقی ممالک میں جہاں ہوا خواہاں بنی اُمیّہ کی کثرت تھی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے مخالف عبدالملک کے قطعی فیصلہ کو لئے کسی طرف توجہ نہ کر سکتا تھا۔ اور خود عبدالملک کا ہاتھ خراسان اور سندھ تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے ایشیائی علاقہ دو ملاں میں مرغی حرام کی مثال بنا رہا۔ اور مجاہدین مشرق کسی سرپرست اور واحد خلیفہ کے نہ ہونے سے ہندوستان وغیرہ میں قدم نہ بڑھا سکے اور جسقدر علاقہ سندھ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہادر مہلب نے فتح کیا تھا وہی مسلمانوں کے ماتحت رہا۔ مگر جوں ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما عبدالملک کے سپہ سالار مشہور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اور عبدالملک بن مروان بلا مزاحمت اسلامی دنیا کا واحد خلیفہ مقرر ہوا۔ تو بیرونی فتوحات کی طرف توجہ ہوئی عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو مشرقی ممالک عراق۔ ایران۔ خراسان۔ ترکستان کا کامل الاختیار نائب مقرر کیا جسنے سندھ کا حاکم مجاعہ بن سعد التیمی کو تجویز کیا جسکے مفتوحہ شہر کا نام قندابیل لکھا ہے۔ غالباً یہ شہر جنوبی سندھ میں ہوگا۔ اس سے زیادہ عبدالملک کے عہد میں ہندوستان کے اندر فتوحات نہیں بڑھیں جسکی وجہ یہ تھی۔ کہ عبدالملک خود اگرچہ علم و فضل زہد و تقویٰ میں مشہور تھا۔ مگر ایک اسلام کی جڑ ہلا دینے والے واقعہ کربلا نے بنی امیہ کی محبت عامہ کو عام مسلمانوں کے دلوں سے گھٹا دیا تھا۔ اگر یہ معاملہ یزید کے خاندان کی بربادی سے کچھ فراموش ہوا تھا تو ظالم حجاج کے افعال ظالمانہ یعنے بیت الحرام مکہ زادہ اللہ شرفاً کی سنگساری اور انہدام قوم کے ہر دلعزیز اور بہادر صحابی عبداللہ بن زبیر

رضی اللہ عنہما کے سولی چڑھانے اور حضرت انس و جابر بن عبداللہ اور سہیل بن سعد الساعدی جیسے بزرگوار اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مشکیں کسوانے اور توہین کرنے اور تارک الدنیا مقدس عالم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو باشارہ حجاج زہر سے بجھے ہوئے حربہ سے زخمی کرنے جس سے کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔ علاوہ اس کے ہزارہا بے گناہ مسلمانوں کے سفک دماء سے عرب و عراق جو بہادروں کی کانیں تھیں وہاں نا راضگی پھیل گئی۔ اور جہادی شوق کم ہوگیا۔ اس لئے عبدالملک کے عہد ۷۳ھ لغایت ۸۶ھ تک صرف بنی امیہ کا کھویا ہوا اقتدار ہی قائم کیا گیا۔ اور ہرقلہ اور آرمینیا اور طرابلس واقعہ افریقہ کی مکرر فتح سے اسلامی وقار تازہ کیا گیا۔

حجاج بن یوسف نے اپنی ساری طاقت رتبیل شاہ افغانستان ترکستان کی بغاوت کے فرو کرنے میں صرف کردی۔ عبیداللہ بن ابی بکرہ اور شریح بن ہانی صحابی رضی اللہ عنہ جیسے ممتاز اور سردار معہ فوج کثیر ترکوں کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئے۔ اور بہت ہی تھوڑے مسلمان جان بچا کر واپس ہوئے۔ یہ پہلا واقعہ تھا۔ کہ جس میں مسلمانوں نے مشرق میں ایسی شکست فاش کھائی۔ اس لئے عبدالملک کو ترکستان کی طرف پوری توجہ کرنی پڑی۔ اور بہادر مہلب نے اپنے بیٹوں یزید اور اور حبیب کی مجاہلانہ سعی سے ترکستان کے امصار رتبیل اور کش کی تسخیر اور بخاریوں کی چالیس ہزار فوج بھگانے سے کچھ اسلامی رعب قائم کیا۔ مگر اس زمانہ میں مہلب زیادہ بچاؤ ہی کرتا رہا۔ کیونکہ فوج کم تھی۔ حجاج نے سابقہ شکست کا داغ مٹانے کے لئے کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں سے چالیس ہزار سوار کا دستہ مرتب کیا۔ جس کی کمان عبدالملک نے عبدالرحمان بن محمد بن اشعث بن قیس کو دی۔ مگر حجاج کا دل عبدالرحمن کی طرف سے صاف نہ تھا۔ عبدالرحمن نے رتبیل شاہ ترکستان کو شکست پر شکست دیکر دور دراز کوہستانی علاقہ میں بھگا دیا اگر عبدالرحمن اس کے تعاقب میں گھس جاتا۔ تو اس پر وہی مصیبت و ہلاکت نازل ہوتی جو شریح بن ہانی اور اس کے رفقا کو پیش آئی تھی۔ اس لئے اس نے صلح کرنی چاہی۔

حجاج جو عبدالرحمن کو تباہ کرنا چاہتا تھا وہ آگے بڑھنے پر زور دیتا رہا۔ عبدالرحمن اور اس کے ہمراہیوں کو یقین ہوگیا کہ حجاج ہمیں ہلاک کرنا چاہتا ہے اور عبدالملک حجاج کے

ہاتھ میں کٹھ پتلی ہے اس لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر عبدالرحمٰن کی بیعت کی گئی۔ اور مقابلہ حجاج کے لئے عراق کو واپس چلے آئے مسلمان حجاج کے ظلموں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لئے عبدالرحمٰن نے ایک لاکھ کی جمعیت سے حجاج کا زور توڑ کر کوفہ اور بصرہ لے لیا۔ آخر عبدالملک نے شام سے تازہ دم فوج اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ روانہ کی اور ۱۰۱ھ متواتر لڑائیوں کے بعد عبدالرحمٰن کو شکست ہوئی۔ اور اس کے ہمراہی جن میں بڑے بڑے علماء اور مقدس تابعین داخل تھے ظالم حجاج کے ہاتھ سے سخت عذاب اٹھا کر ہلاک ہوئے یہ واقعہ ۸۱ھ کا ہے۔ ان خانہ جنگیوں کے باعث ہندوستان پر عہد عبدالملک میں کوئی کامیاب حملہ نہ ہوا۔ عبدالرحمٰن کے بعد مہلب گورنر جنرل خراسان مقرر ہوا جس کے متعلق سندھ بھی تھا۔ اور ضرور یہ بہادر اپنی گورنری کے زمانہ میں اپنے قدیم جولانگاہ ہندوستان میں کوئی مہتم بالشان فتح کرتا مگر ایک سال کے اندر ہی ۸۲ھ میں فوت ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جس کی جگہ اس کا بیٹا یزید مقرر ہوا جس کے سامنے ترکستان کی ادھوری مہم موجود تھی۔ اس لئے تاتاری قلعہ بادغیس فتح کیا اور ۸۵ھ میں معزول ہوا۔ اور اس کا بھائی فضل بن مہلب والی خراسان ہوا مگر وہ بھی انتظام ترکستان میں مصروف رہا اور چند شہروں کی فتح سے کچھ رعب قائم کیا۔ شوال ۸۶ھ میں عبدالملک فوت ہوگیا۔ ان وجوہات سے جو اوپر بیان کی گئی ہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر عہد سے لیکر عبدالملک کی وفات تک ہندوستان کی فتوحات میں کوئی ایزادی نہ ہوئی۔ ہاں عبدالملک نے تمام مخالفتوں کو دور کر لیا۔ اور اپنی اولاد کے لئے میدان صاف کر گیا +

خلیفہ ولید بن عبدالملک

اور

سندھ کی فوج کشی کا سبب

عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید بلا تنازعہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ جس نے مشرقی صوبجات کا چارج بدستور حجاج بن یوسف کے پاس ہی رکھا۔ حجاج نے مجاعہ کے بعد محمد بن ہارون کو سرحد سندھ پر حاکم مقرر کیا۔ جس نے باغی علاقوں کو کچھ مدت تک تنگ رکھا۔ حجاج کے دوسرے سردار قتیبہ بن مسلم الباہلی کو جس نے جنگ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث

میں خدمات نمایاں کی تھیں۔ وسط ایشیا کی مہم پر مقرر کیا جو خوارزم۔ بخارا۔ خجند۔ شاش۔ سمرقند۔ فرغانہ کو فتح کرتا ہوا کاشغر تک جا پہنچا۔ اگر شاہ چین کے سفراء وہاں آکر صلح و صفائی سے حد بندی نہ کر لیتے تو یہ بہادر چین کے سمندروں تک پرچم فتح ضرور اڑاتا +

اس بہادر نے مفتوحہ اقوام میں اس قدر محبت و اطاعت کا بیج بو دیا کہ دو لاکھ ترک قتیبہ کی فوج میں ملازم ہو گئے۔ جو ہر ایک دشمن اسلام سے ترک ہو یا چینی جان باز مقابلہ کرتے جو مسلمان فاتحین کے منصفانہ برتاؤ اور فیاضانہ سلوک کا نتیجہ تھا۔ اور فاتح مفتوح میں اس قسم کا باہمی سلوک بغیر کامل مذہبی آزادی عطا کئے ہرگز پایا نہیں جاتا۔ جبکہ بہادر قتیبہ نے تاتاریوں کی طرف سے جو نصف صدی سے اسلامی گورنمنٹ کو چنے چبا رہے تھے اطمینان دلا دیا تو سندھ کی طرف بھی خیال ہوا +

اس سے چند سال پہلے ایک ایسا واقعہ ہوا تھا۔ کہ سندھ والوں نے مسلمانوں کو خواہ مخواہ چھیڑا تھا۔ راجہ لنکا نے خلیفہ ولید کی شوکت و عظمت سے ڈر کر مسلمان یتیم بچہ اور عورتیں جنکے سرپرست لنکا میں بحالت تجارت وغیرہ مر گئے تھے معہ قیمتی تحائف کے آٹھ جہازوں میں بھر کر حجاج کے پاس روانہ کیا۔ مخالف ہوا سے وہ دیبل (ٹھٹھہ) واقعہ سندھ پر آ لگے اور سندھیوں نے لوٹ لئے۔ خبر ہونے پر حجاج نے داہر راجہ سندھ کو مسلمان عورت بچوں کے چھوڑانے کے لئے لکھا۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ قزاق میرے اختیار سے باہر ہیں۔ یہ عذر لنگ کب قبول ہو سکتا تھا۔ حجاج نے اول تو عبداللہ بن نابھان سلمی کو دیبل پر روانہ کیا جو شکست کھا کر وہیں کام آیا۔ حجاج نے دوبارہ بدیل کو اہل سندھ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا جو محمد ہارون حاکم مکران اور عبداللہ بن قحطانی کی کمکی فوج تعدادی چار ہزار لیکر دیبل جا پہنچا۔ اور داہر کے بیٹے جی سب (کیشب) سے صبح سے شام تک لڑا اور گھوڑے سے گر کر شہید ہوا۔ اور اس دفعہ بھی مسلمان ناکام رہے اس ناکامی کی وجہ مسلمانوں کی بے احتیاطی اور سامان جنگ کا کافی نہ ہونا تھا۔ وہ سندھ والوں کو اس قدر دلیر جنگی نہ جانتے تھے۔ جس قدر کہ وہ نکلے +

محمدؒ بن قاسم کی سپہ سالاری

اور

اسلامی جوش

حجاج اس شکست کا حال سُنکر ہاتھ کاٹنے لگا۔ اور خلیفہ ولید کو جو اس دور دست مہم کے خلاف تھا یہ کہہ کر راضی کر لیا کہ روپیہ جسقدر خرچ ہوگا۔ میں خود ادا کروں گا۔ فوج شام سے جنگ آزمودہ تجربہ کار ۶ ہزار مشہور شہ سوار محمد بن قاسم بن ابی عقیل ثقفی کے ماتحت روانہ کئے یہ محمد بن قاسم ۱۷ یا ۱۸ سالہ نوجوان حجاج کا چچازاد بھائی اور داماد خراسان کی مہمات میں اپنی لیاقت و شجاعت کے جوہر دکھا چکا تھا۔ اس قدر چھوٹی عمر میں محمد سے اکثر عمدہ کارنامے ظاہر ہوئے۔ وہ سکندر یونانی سے کم دلیر مدبر صف شکن نہیں تھا۔ سکندر بھی اسی عمر میں جنگی فتوحات میں ناموری حاصل کر نو لگا تھا۔ اور ہندوستان میں آکر ناکام پھرا۔ لیکن عربی شہ سوار کو فتح ہندوستان میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اِس زمانہ کے عربوں کے جوش و لیاقت کے لئے محمد بن قاسم کی سپہ سالاری زبردست شہادت ہے کہ اسلام نے سکندر جیسے فاتح کئی ایک عربوں میں پیدا کر دئے تھے۔ جو قومی اعزاز اور ملکی وقار کے ساتھ ساتھ اشاعت توحید کا راستہ صاف کرتے تھے۔ اور اسی شوق توحید نے اُن کو زبردست جرنیل اور نڈر فاتح بنا دیا تھا۔ اگر مسلمان تعلیم قرآن پر دل سے یقین رکھتے ہوں تو ایثار و قربانی اور ملک و ملت پر جاں نثاری کرنے کے لئے کسی تحریک و لکچر یا شاہی امید و بیم کی ضرورت نہیں رہتی۔ جہاد و غزا کی فضیلت میں قرآن و حدیث بھرا پڑا ہے اس عہد کے مُسلمان اپنی ترقی و بہبودی عزت و فلاح اسی میں جانتے تھے۔ کہ دشمنان دین کے مقابلہ میں جانیں دیکر اعزاز حاصل کریں اور جو فوج جان دینے سے دریغ نہ کرے وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتی۔ اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اہل اسلام کی ابتدائی فتوحات کا یہی راز تھا۔ کہ جس قربانی کے لئے آج دُنیا کی قومیں مختلف تحریکیں کر رہی ہیں۔ مگر اسلام کے ایک ہی اعلان "لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ" نے حیات ابدی و نجات سرمدی کے حصول کے لئے قومی قربانی اور ایثار کو ہر ایک مُسلمان کے دِل میں نقش کر دیا تھا۔ اور "اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ" پر پُورا یقین تھا۔

غرضیکہ محمد بن قاسم شجاعت و تہور کے علاوہ جو ایک جان باز فوج کے جرنیل کے لئے ضروری ہیں عقل و تدبیر معاملہ فہمی لطف و کرم شفقت و تواضع کے وہ صفات محمودہ بھی رکھتا تھا۔ جو ایک فاتح کشور کشا کے لئے ضروری ہیں +

حجاج کو مسلمان عورتوں کی اسیری اور راجہ داہر کی بے پرواہی اور بدیل کی شہادت سے سخت رنج تھا وہ سندھ پر فوج کشی کرنے اور داہر کو سزا دینے کے لئے خلیفہ ولید سے ایک دو دفعہ ناکام درخواست کر چکا تھا۔ اور منظوری درخواست کے بعد بھی ناکامی ہوئی اس لئے اب اُس نے سپہ سالار محمد بن القاسم کو مقرر کیا۔ اور اُس کو ہر ایک قسم کی مُلکی اور جنگی نصیحتیں کیں۔ محمد بن قاسم براہ شیراز روانہ ہوا۔ اور آلات قلعہ کشائی منجنیقین... وغیرہ سامان جنگ براہِ خلیج فارس روانہ کیا جو دیبل میں محمد بن قاسم کو آملا +

محمد بن قاسم کی فتوحات

محمد بن قاسم مکران وغیرہ راستہ کی فوجوں کو لیکر جنکی کل تعداد پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) سوار چھ ہزار (۶۰۰۰) ساندھنی سوار تین ہزار (۳۰۰۰) پیادہ تھی علاقہ سندھ میں داخل ہوا۔ یہ فوج ایسی آراستہ تھی۔ اور سامان کسر بیٹ وغیرہ اس قدر کافی تھا۔ کہ سوئی دھاگہ تک بھی فوج کو باہر سے لینے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ اور یہ امر حجاج کی کمال درجہ کی بیدار مغزی اور مہارت جنگی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس قدر انتظام و احتیاط اس لئے کیا گیا تھا۔ کہ فوج ضروریات بہم پہنچانے کے لئے مفتوحہ علاقہ میں دست بُرد نہ کر سکے۔ یہ حال اس مسلمان گورنر کا ہے جو ظلم و سفاکی میں زبان زد خلایق ہے۔ مگر مفتوحہ قوموں کے امن و آرام اور ملکی اور جنگی تدابیر میں اس قدر بڑھا ہوا ہے۔ کہ آج کل کی مہذب قوموں سے کسی طرح کم نظر نہیں آتا +

محمد بن قاسم مکران سے چلکر ارمن بیلہ میں پہنچا۔ اور ارمن بیلہ کی فتح کے بعد نیرون کو روانہ ہوا۔ اہالیانِ نیرون نے حملات عرب سے ڈر کر پہلے ہی حجاج سے امان نامہ لکھوا لیا تھا۔ اور وعدہ مدد لکھدیا تھا۔ مگر راجہ داہر کا بیٹا جی سب (کیشب) نیرون میں مقابلہ محمد بن قاسم کے لئے چار ہزار سوار لے کر مقیم تھا +

مسلمانوں کا راجہ داہر کی فوج میں شامل ہونا

عبد الملک کے ابتدائی عہد میں خانگی فساد رہا۔ جب فساد مٹا تو مکران کا حاکم سعید بن اسلم کلابی کو مقرر کیا۔ سعید نے سفہوی ایک مخالف کی کچی کھال اُتروا کر اس کا سر حجاج کے پاس روانہ کیا تھا۔ سفہوی کے رشتہ دار معاویہ اور محمد علافی تھے۔ اُنہوں نے سعید کی کچی کھال اُتار کر انتقام لیا۔ اور باغی ہو کر مکران پر قبضہ کر لیا۔ حجاج نے علافیوں کے سردار سلیمان کو قتل کرا دیا اور عبد الرحمٰن بن عشا کو علافیوں کی لڑائی کے لئے بھیجا۔ جو معرکہ میں مارا گیا۔ حجاج نے مجاعہ بن سعید کو حاکم خراسان مقرر کر کے علافیوں کی سزا دہی کے لئے مقرر کیا۔ جس سے علافیوں نے لڑنا مناسب نہ جانا اور ۸۵ھ میں بھاگ کر راجہ داہر والی سندھ کے پاس چلے آئے۔ راجہ داہر عربوں کے جنگ کو اٹل جانتا تھا۔ اس کو ہر ایک قسم کے بہادروں کی ضرورت تھی۔ ایسے زخم خوردہ عرب جو ممالک اسلامیہ میں کہیں امن نہ پا سکتے تھے راجہ داہر کے کام ضرور آ سکتے تھے۔ اب یہ باغی عرب راجہ داہر کی فوج میں شامل تھے۔ راجہ داہر نے محمد علافی سے صلاح پوچھی تو اُس نے کہا کہ آپ کے بیٹے جے سب (کیشب) کو بمقام نیرون محمد بن قاسم سے مقابلہ کرنا مناسب نہیں۔ محمد بن قاسم کے ہمراہی چیدہ اور منتخب بہادر ہیں۔ اس لئے راجہ داہر نے بیٹے کو لڑائی سے منع کیا اگر لڑائی ہوتی تو چار ہزار سواروں میں سے بہت کم بچتے +

راجہ داہر کا حال

راجہ داہر بن چچ قوم کا برہمن اور مذہب کا بدھ تھا اس کی حکومت کشمیر سے لے کر بندر سورت تک اور مکران سے لے کر قنوج تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے باپ چچ نے سندھ کے ایک قدیم حکمران ہندو خاندان سے فریب و دھوکہ دیکر سلطنت حاصل کی تھی سندھ کا راجہ ساہ سی قوم راجپوت لاولد تھا۔ اُس کی رانی وچ برہمن سے بگڑ گئی۔ جو خوبصورت نوجوان تھا اور بوڑھے راجہ ساہ سی کے مرنے پر اُس کے وارثوں کو رانی نے فریب سے مار کر چچ سے نکاح کر لیا۔ چچ سے کئی مدعیان سلطنت نے مقابلہ کئے۔ مگر شکست کھائی۔ چچ ہندوستان میں ایک بڑا زبردست راجہ گذرا ہے۔ قندھار سے لیکر

قنوج تک اور کشمیر سے بندر سورت تک اس کا علاقہ تھا۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ قریباً تمام تمام شمالی ہند اس کے ماتحت تھا۔ رانی مذکور کے بطن سے جس کا نام بسھ دیوی لکھا ہے دو بیٹے داہر اور دھرسیہ اور ایک بیٹی رانی مائی پیدا ہوئی +

راجہ داہر کا بہن سے شادی کرنا

رانی مائی کی شادی ایک راجہ بھاٹیہ سے رچائی گئی۔ داہر نے نجومیوں سے رانی کے طالع کی بابت دریافت کیا۔ نجومیوں نے کہا کہ علم جوتش کے رو سے معلوم ہوتا ہے کہ رانی قلعہ الور سے باہر نہیں جائیگی۔ اور فرمانروائے ہندوستان سے اسکی شادی ہوگی۔ یہ بات سُن کر داہر کو فکر پیدا ہوئی۔ کہ کوئی اور شخص مالک ہندوستان ہونیوالا ہے اور ہمارا خاندان برباد ہونے والا ہے کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی آخر وزیر کے مشورہ سے بہن سے شادی کرلی تاکہ شاہِ ہندوستان وہی ہو۔ مگر تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ (سچ ہے) "تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ" انسانی ناقص تدبیریں تقدیر ربانی سے مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ رانی کی شادی تقدیر میں فاتح ہندوستان محمد بن قاسم سے لکھی تھی۔ جس کے ہاتھ سے راجہ داہر کی سلطنت کی بربادی مقدر تھی۔ جس کا حال آگے بیان ہوگا +

محمد بن قاسم کا دیبل کو محصور اور فتح کرنا

مدبر اور تجربہ کار حجاج کی جنگی ہدایتیں محمد بن قاسم کو برابر پہنچتی رہتی تھیں۔ وہ اُن کے موافق ہی عمل کرتا تھا۔ نقشہ جنگ تک حجاج تجویز کر بھیجتا تھا۔ دیبل پہنچکر اپنے کیمپ کے گرد ۱۲ گز عریض اور ۶ گز عمیق خندق کھود کر مقیم ہوا۔ یہاں سامانِ جنگ بھی بذریعہ جہازات پہنچ گیا۔ ایک منجنیق اس قدر گراں تھی۔ کہ اس کو پانچسو جوان کھینچتے تھے۔ اُس کا نام عروسک تھا۔ دیبل میں ایک مندر تھا۔ جس کا ریشمی پھریرا اس قدر تھا۔ کہ جب اس کو کسی مشکل کے وقت کھول دیتے۔ تو اُس کے چاروں حصّے شہر کے چاروں طرف پھیلجاتے۔ اور لوگوں کو یقین ہو جاتا۔ کہ اب بدھ کا سایہ ہمارے سروں پر ہوگیا ہے۔ ہم مغلوب نہیں ہونگے۔ چنانچہ اسی حوصلہ سے سات یوم تک محصورین نے سخت مقابلہ کیا۔ اور جب آٹھویں روز ایک برہمن نے اپنے

ذاتی بچاؤ کے لئے قلعہ سے باہر آکر سپہ سالار اسلام کو اطلاع دی کہ قلعہ والوں کی تسلی اور تقویت کا باعث مندر کا نشان ہے جب تک مندر کا گنبذ اور نشان نہ اڑایا جائے۔ فتح مشکل ہے لشکر اسلام میں جعوبہ نام مشہور منجنیقی تھا۔ اس کو دس ہزار روپیہ کے انعام کا وعدہ دیا گیا۔ حجاج نے جس کی ہر تیسرے روز ڈاک کوفہ سے پہنچتی تھی۔ جس کی تیز روی ریل سے کم نہ تھی۔ جعوبہ مذکور کو منجنیق لگانے اور نشانہ باندھنے کے طریقے لکھکر بھیجدیئے جعوبہ نے ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ مندر کے نشان کے پرخچے اُڑ گئے۔ اور قلعہ والوں کے دل ٹوٹ گئے۔ اور محمد بن قاسم نے چاروں طرف سے حملہ کا حکم دے دیا۔ غازیان اسلام جھٹ کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے۔ جو بہادر سب سے پہلے قلعہ پر چڑھا۔ وہ خزیمہ کوفی تھا۔ قلعہ فتح ہوا اور تین روز تک شہر کے اندر بھی فریقین میں تلوار چلتی رہی۔ مندر لُٹ گیا مورتیں توڑی گئیں۔ جو مسلمان عورتیں قید تھیں وہ قید سے چھوڑائی گئیں۔ اور جن ہندو افسر نے بحالت قید مسلمان عورتوں سے نیک سلوک کیا تھا اُس پر نوازش کی گئی۔ اور یہی شخص محمد بن قاسم کی طرف سے دیبل کا نائب (دیسرائے) مقرر ہوا۔ مسجد بنائی گئی۔ اور چھاؤنی ڈالی گئی +

راجہ داہر اور محمد بن قاسم کی خط و کتابت

دیبل کی فتح کی خبر سُن کر راجہ داہر نے برہمن آباد وغیرہ قلعوں کی حفاظت اور اجتماع فوج کا حکم دیا اور محمد بن قاسم کو بذریعہ خط دھمکایا ڈرایا اور لکھا کہ او بے رحم ظالم محمد بن قاسم تم سے پہلے بھی مسلمانوں کو فتح سندھ و ہند کا خبط سمایا تھا مگر یہاں کے بہادر ٹھاکروں سے مار کھا کر بھاگ گئے۔ اب تیرے دماغ میں بھی وہی خبط سمایا ہے اور دیبل کو جو نہ کوئی بھاری قلعہ تھا اور نہ اُس میں کوئی جنگی فوج تجارت پیشہ وغیرہ لوگ آباد تھے وہاں کی فتح سے مغرور ہو کر آگے قدم بڑھا رہا ہے۔ اگر دیبل پر ہمارے بہادروں سے مقابلہ ہوتا تو ایک مسلمان بھی بچ کر نہ جاتا۔ میرا فرزند راجہ جی سب دکیشب جس کی شجاعت و تہور کے سامنے شاہان روئے زمین سر جھکاتے ہیں اور بہادران عالم اس کی اطاعت کا طوق گردن میں ڈالتے ہیں وہ بیکصد زنجیر فیل کا مالک اور فیل سفید کا راکب ہے۔ اگر میں اُس کو دیبل پر لڑنے کی اجازت دیتا تو تم ہرگز وہاں قدم نہ رکھ سکتے۔ اگر تو واپس نہ گیا اور خواب غفلت سے

بیدار نہ ہوا تو تیرا وہی حال ہوگا جو بدیل کا ہوا تھا +

جواب محمد بن قاسم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ خط محمد بن قاسم ثقفی کی طرف سے کافر متکبر و منکر داہر کی طرف لکھا جاتا ہے +

جو کچھ تم نے اپنی جہالت و حماقت غرور و نخوت فیل و سوار کی کثرت قوت و شوکت سے ڈرایا ہے اس کے مقابلہ میں ہم "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" کا ورد کرتے ہیں اور کرم الٰہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ہم ہاتھی گھوڑوں پر اعتماد نہیں کرتے ہم صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے ہماری لشکر کشی کا باعث تو خود ہوا ہے۔ سراندیپ سے ہمارے خلیفہ کے لئے جس کا ادب آج تمام دنیا کرتی ہے تحائف جا رہے تھے تم نے لوٹ لئے اور مسلمان عورتوں کو قید کر لیا۔ اور خلیفہ کی فہمائش کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اب خلیفہ نے اُن مظلوم عورتوں کے انتقام کے لئے ہم کو بھیجا ہے۔ خدا تعالےٰ سے ظفر و فتح کی اُمید رکھتا ہوں۔ تیرا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیجوں گا۔ یا خود میدان جنگ میں جان دونگا۔ یہ مہم محض رضائے الٰہی کے لئے ہے اُسی سے فتح کی اُمید ہے فقط

۹۳ھ

حجاج کا ہدایت نامہ انتظام ملکی

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم سیسم پہنچا۔ اور یہاں حجاج کا ہدایت نامہ انتظام اُس کو ملا جس میں لکھا تھا کہ

(۱) جو مال و متاع ہاتھی گھوڑا ہاتھ لگے اسکو تو اپنی خاص ملکیت نہ بنانا وہ حق مسلمانوں کا ہے

(۲) اپنے ہمراہیوں سے نیک سلوک کرنا ہر ایک کی درجہ بدرجہ تعظیم و عزت احترام و خاطرداری مدنظر رکھیں +

(۳) فوج کو جس چیز کی ضرورت ہو اس کے بہم پہنچانے میں سعی بلیغ کریں۔ سپاہی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو +

(۴) مال غنیمت سپاہیوں کا حق ہے مال خمس نکال کر باقی حسب شریعت اُن میں تقسیم کریں۔

سوار کو پیادہ سے دوگنا حصہ ۔

(۵) غلہ کی ارزانی کا ہمیشہ خیال رکھیں اور اس قدر فیاضی کریں کہ کبھی گرانی غلہ پیدا نہ ہو سکے ۔

(۶) جب ملک پر قبضہ مضبوط ہو جائے اور قلعہ اور چھاؤنیاں مستحکم تو جو کچھ بچے وہ رعایا کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں ۔

(۷) زراعت پیشہ اہل حرفہ و صنعت تجارت کی رعایت اور امداد سے دریغ نہ کریں۔ ملک کی حقیقی آبادی انہیں لوگوں کی ترقی و بہبودی پر منحصر ہے ۔

(نوٹ مؤلف)

آخیر کی تین ہدایتیں اس شخص نے لکھی ہیں جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ بدنام اور ظالم کے نام سے مشہور ہے۔ مگر اس کی ہدایت ۵ کا مقابلہ آج کوئی عادل سے عادل بادشاہ بھی نہیں کر سکتا۔ اور گرانی غلہ کا انتظام اس سے نہیں ہو سکتا۔ باقی نمبر ۶ و نمبر ۷ آج متمدن سلطنتوں کا دستور العمل ہو رہا ہے جو حجاج ظالم ہندوستان میں رواج دے چکا ہے ۔

فتح بھرج و سیوی

محمد بن قاسم نیرون کو گیا۔ نیرون والوں نے چونکہ حجاج سے امان نامہ حاصل کیا ہوا تھا وہاں کا حاکم حاضر ہو گیا اور تحفہ تحائف رسد رسانی پیش کی اور آئندہ لڑائیوں میں شامل رہا اور رہنمائی اور استمالت رعایا کا کام دیتا رہا ۔

بھرج نیرون سے ۳۰ فرسنگ دور تھا۔ وہاں کا حاکم راجہ داہر کا بھتیجا تھا اس کو رعایا نے ہر چند سمجھایا۔ مگر سات روز تک قلعہ بند ہو کر لڑا۔ آخر ناچار ہو کر رات کو بھاگ گیا قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور مال کثیر غنیمت میں ملا ۔

تالیف قلوب

یہاں کی فتح کے بعد سمانی جاٹوں نے مقابلہ کا خیال کیا اور شبخون مارنا چاہا مگر کارگر نہ ہوا مسلمانوں کے رعب نے بخومیوں کو اسلامی فتوحات کا یقین دلایا تھا۔ اور اس تجربہ کو

نجوم سے منسوب کر کے اپنے کمال کا اڈا جماتے تھے اُن بواعث نے جاٹوں کو محمد قاسم کی خدمت میں حاضر کیا۔ محمد بن قاسم نے گراں بہا خلعت کے علاوہ وہ علاقہ بدستور سمانی جاٹوں کے سردار کے پاس رہنے دیا اور اپنی آئندہ مہمات کا اُس کو مشیر بنایا سردار کا کا کی عزت افزائی سے اور زمیندار سردار بھی مطیع ہو گئے جس نے سرکشی کی سزا پائی ؛

اس کے بعد حسب الحکم حجاج نیرون کو واپس گیا اور دریائے سندھ سے اُترنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ حاکم نیرون سے ایفائے عہود اور موکہ پسر بسایا کے حسن سلوک سے جو زمیندارانِ سندھ میں سے نہایت زبردست تھا۔ اور راجہ داہر کو موکہ پر بہت کچھ اُمید تھی۔ سندھ کے علاقہ کے لوگ جوق جوق محمد بن قاسم کے پاس حاضر ہونے لگے۔ جن کو انعام وخلعت معافی وجاگیر اور سندِ حکومت نسلاً بعد نسلاً وغیرہ احسانات سے گردیدہ احسان بنایا گیا۔ اور اسلامی گورنمنٹ کی اطاعت کا بیج بویا گیا۔ اور کم سے کم اس نفرت کو کم کیا گیا جو عموماً ابتدا میں ایک غیر مذہب فاتح قوم کی تابعداری سے ہوا کرتی ہے۔ فاتحین اسلام خصوصاً عرب اس قسم کی تالیف قلوب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ گو اُن کے ہاتھ زبردست تھے اور وہ تمام خصوصیتیں رکھتے تھے۔ کہ جو ایک فاتح اور کشور کشا قوم کے لئے ضروری ہوتی ہیں لیکن محض تلوار کے بھروسہ کوئی شخص خواہ کس قدر بہادر ہو تسخیر عالم کا بیڑا نہیں اُٹھا سکتا۔ اور نہ تلوار سے ہر ایک مشکل کو حل کر سکتا ہے۔ محمد بن قاسم نے ضرور تلوار سے بھی کام لیا مگر اس موقعہ پر جہاں تلوار کی ضرورت تھی۔ مدعیانِ ملک و سلطنت کا فیصلہ بغیر تلوار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے راجگانِ ہند مثل داہر وغیرہ کے مقابلہ میں محمد بن قاسم کو عربی شمشیر خون آشام کو میان سے نکالنا پڑا لیکن اور جگہ عموماً سردارانِ قوم کی خاطرداری اور الفت و محبت احسان و مروت سے کام لیا گیا اور تالیف قلوب اور رعایا پروری کے اصول کی نگاہداشت جس طرح مسلمانوں خصوصاً عربوں نے کی دُنیا کی کسی قوم نے نہیں کی۔ اور ان کی عالمگیر فتوحات کا باعث جو چند سال میں ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ میں حاصل ہوئیں یہی رعیت پر شفقت تھی۔ عربوں نے جس ملک کو فتح کیا سوا مقررہ خراج کے اور کسی قسم کا بوجھ رعایا پر نہیں رکھا۔ مذہبی آزادی کے علاوہ رعایا کے وسایل آمدنی۔ زراعت و تجارت حرفت و صنعت کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جملہ اسباب تمول رعایا کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ جو عہد کیا جاتا یا اعلان دیا جاتا تھا۔ اُس میں سرمو انحراف نہ ہوتا۔ اسی قسم کی عام شاہد رعائیتوں کی وجہ سے سندھ کی ہندو رعایا

عموماً محمد بن قاسم کی طرف رجوع لانے لگی۔ اور راجہ داہر کی ملکی طاقت میں کمی آنے لگی۔ محمد بن قاسم جسقدر تلوار کا دھنی تھا اسی قدر ہاتھ کا سخی مال خمس نکال کر جو حق خلیفہ ہوتا تھا باقی فوج اور رعایا میں ہی تقسیم کیا جاتا۔ رحمدل اس قدر تھا کہ خواہ کیسا ہی پولیٹیکل رقیب امان مانگتا فوراً دے دیتا۔ اس عام عادت امان پر حجاج نے محمد بن قاسم کو تنبیہ بھی کی تھی۔ اور سے درشتی و نرمی بہم دربہ است + پر عمل کرنے کو لکھا تھا۔ کہ دشمنوں کو عبرتاً سزا بھی دینی چاہیئے مگر محمد بن قاسم اپنی طبیعت سے مجبور تھا۔ عموماً امان و احسان سے ہی ہندوؤں کو مطیع کرتا رہا +

دریائے سندھ پر محمد بن قاسم کا قیام اور مشکلات

جب محمد بن قاسم دریائے سندھ پر بمقام جہل دکریل خیمہ زن ہوا تو دوسرے کنارہ راجہ داہر کا بیٹا جے سب (کیتب) بہت بڑا لاؤ لشکر لیکر مانع عبور تھا۔ ہندو فوج نہ پل باندھنے دیتی تھی اور کشتیاں وغیرہ بھی مخالفوں کے قبضہ میں تھیں۔ دریائے سندھ کو تیر کر عبور کرنا جبکہ دشمن کی زبردست فوج سامنے موجود تھی محالات سے تھا۔ اس لئے پچاس روز یہاں محمد بن قاسم کو ٹھیرنا پڑا۔ گھوڑوں میں وبا پھیل گئی۔ باہر سے غلہ و گھاس وغیرہ آنا بند ہو گیا۔ فوج بھی مرض برطوبت اور سوء ہضمی میں مبتلا ہو گئی۔ حجاج نے جسکو پل پل کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اور جدید عربی نسل گھوڑے اور روئی سرکہ میں بھگو کر محمد بن قاسم کے پاس روانہ کی اور لکھا کہ روئی کو پانی میں تر کر کے سرکہ نکال لیا کریں۔ اور فوج میں تقسیم کریں۔ گھوڑے سپاہیوں میں بلاقیمت بانٹ دیں۔ نقشہ دریائے سندھ مرسلہ محمد بن قاسم کو دیکھ کر حجاج نے پل باندھنے کا موقعہ تجویز کر کے بھیجدیا +

محمد بن قاسم نے چند مسلمان سرداروں کو معہ ہندو فوج کے جو ملازم ہو گئی تھی۔ اُن تمام ناکوں پر مقرر کر دیا۔ جدھر سے راجہ داہر کی مدافعت کا اندیشہ تھا۔ اس فوج نے اپنے مورچہ پر پہنچکر مخالفوں کو مزاحمت پل سے روک رکھا۔ پل کی تیاری میں ہندو سردار موکہ پسر بسایا نے فراہمی کشتیوں وغیرہ میں بڑی مدد دی لیکن اُس کا دوسرا بھائی راسل راجہ داہر کی طرف ہو گیا اور علاقہ کے مقدموں نمبرداروں اور راجہ کی فوج کو لیکر پل بنانے کا مانع ہوا۔ مگر محمد بن قاسم نے بقول

ے ستیز ندہ چوں روستائی بود شکستن بہ از مومیائی بود

ان دیہاتی جاٹوں کے بھگانے کا یہ انتظام کیا کہ دریا کی چوڑائی کے مطابق دریا کے مغربی کنارہ پر کشتیوں کو جوڑ دیا اور جب کشتیاں جُڑ گئیں۔ تو اُن کشتیوں پر بہادر اں جنگی بٹھا دئے اور کشتیوں کا مُنہ ایک طرف سے دوسرے کنارہ کی طرف پھیر دیا سرے کی کشتی پر حکم انداز تیر چلانے والے بیٹھے تھے۔ اسی طرح بعد کی کشتیوں پر بھی تیر انداز تھے۔ تیر اندازوں کے تیر اولوں کی طرح پڑتے تھے اور مخالف گرتے تھے۔ جوں جوں دشمن کا زور گھٹتا تھا کشتیاں دوسرے کنارہ کے قریب لائی جاتی تھیں۔ یہانتک کہ تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے شرقی کنارہ کے ہندوؤں کو ساحل سے ہٹا دیا۔ اور جڑی ہوئی کشتیوں کا سرا کنارہ پر جا کر میخوں سے گاڑ دیا اور اس نرالی اور بہادرانہ تجویز سے پل باندھ لیا سوار پیادہ بخیریت پار ہو گئے۔ اور دشمن کو بھگا دیا +

محمد بن قاسم نے دریا سے اُتر کر فوج سے کہا کہ اب سامنے راجہ داہر کا زبردست لشکر پڑا ہے۔ اور مقابلہ پر ایک برا عظم ہے۔ پس پشت دریائے سندھ لہریں مار رہا ہے عرب یہاں سے دور دراز ہے۔ اب ہم موت کے دریا میں تیرنے لگے ہیں۔ جو شخص واپس جانا چاہتا ہے چلا جائے۔ اس وقت چلا جانا میدانِ جنگ سے بھاگنے اور باقی فوج پر بُرا اثر ڈالنے سے بہتر ہے۔ صرف تین کس جن میں سے ایک کی چھوٹی سی لڑکی لاوارث اور ایک کی بوڑھیا ماں اور ایک قرضدار تھا۔ اور سب نے جان دینے اور بہشت مول لینے کی قسم کھائی یہاں سے چلکر محمد بن قاسم روڑی اور جے وار (جے پور) واقعہ سندھ پہنچا +

راجہ داہر کے معرکے

نمبر ۱

راجہ داہر نے لشکر اسلام کے عبور سندھ کی خبر سُنکر محمد علافی کو مقابلہ کے لئے کہا۔ اُس نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنا مہبا صرام بتا کر اولاً انکار کیا۔ مگر راجہ کے احسانات جتلانے اور بار بار کہنے سے فوج ہراول کے ساتھ بطور فوجی مشیر مقرر ہوا۔ مگر اس فوج کو بھی مسلمانوں نے شکار کر لیا۔ اور محمد علافی عربوں کے طعن و طنز کی ذلت اُٹھا کر اور راجہ داہر کے انجام پر خیال کر کے علیحدہ ہو گیا۔ اور داہر کے مرنے پر محمد بن قاسم سے طالبِ امان ہوا جس کو رحم دل کریم النفس محمد بن قاسم نے خود اُمان دیدی اگر کوئی اور ہوتا تو ایسے باغی

اور پولیٹیکل دشمن کو کبھی زندہ نہ چھوڑتا۔ آئندہ مہمات میں یہی محمد علافی راجگان ہند کے پاس بطور سفیر جاتا رہا۔ اور راجاؤں کو اطاعت خلیفہ اسلام کی ترغیب و تحریص دیتا رہا معلوم ہوتا ہے۔ کہ محمد علافی ہندوستانی زبان اور راہ و رسم سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ بیدار مغز آل اندیش محمد بن قاسم نے اس سے بھی وہی کام لیا جو اور نہ کر سکتے تھے۔ جنگی صیغہ میں نہ لیا گیا۔ گو ہندو بھی سفارت کا کام کرتے تھے مگر ایک عرب سفیر اسلامی تحریک کے لئے زیادہ موزون ہو سکتا تھا +

راجہ داہر کے بیٹے کا معرکہ اور شکست

محمد علافی کی شکست کے بعد راجہ داہر نے اپنے بیٹے جی سب (کیشب) کو فوج جرار اور جنگی ہاتھی دیکر مقابلہ لشکر اسلام کے لئے بھیجا۔ سخت گھمسان کا رن پڑا۔ مگر راجہ کی فوج اکثر قتل ہو گئی اور راجہ کا بیٹا جان بچا کر باپ کے پاس بھاگ گیا۔ اس شکست کے بعد راسل ہندو سردار دنیاوی جاہ طلبی کے لئے بیوفائی کا ٹیکا پیشانی پر لگا کر محمد بن قاسم سے مل گیا۔ اور جنگ زرگری کر کے قید ہوا۔ محمد بن قاسم نے راسل اور اس کے بھائی موکہ کی صلاح و مشورہ پر آئندہ جنگوں میں انحصار کیا اور راسل کی عزت افزائی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا راسل نے اس جھیل سے جو اسلامی اور ہندو فوج کے مابین واقع تھی۔ لشکر اسلام کو عبور کرا دیا۔ اور راجہ داہر کے کیمپ کے قریب پہنچا دیا +

راجہ داہر اور نجومی

نجومی جسقدر ہندوؤں میں قابل اعتماد و تصور کئے جاتے ہیں اور کسی قوم میں نہیں۔ اسلام تو سرے سے نجوم پر اعتقاد رکھنے والوں کو خالی از ایمان بناتا ہے۔ اور علم غیب خاصہ ذات الٰہی قرار دیتا ہے۔ مسلمان کسی کام کے کرنے میں نجومی کا محتاج نہیں ہوتا۔ ہر ایک معاملہ قرائن عقلیہ سے جو تجربہ اور مشاہدہ سے صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے متوکلاً علی اللہ شروع کرتا ہے و راجہ داہر نے جنگ شروع کرنے کے لئے ساعت اور لگن دریافت کی نجومیوں نے کہا۔ کہ زہرہ آپ کے روبرو اور عربوں کے پس پشت ہے

اس وقت کی لڑائی کا نتیجہ شکست ہوگا اسکی محسوس طرح دور ہو سکتی ہے کہ زہرہ کی مورت سونے کی بنا کر فتراک میں باندھ لیں اس ترکیب سے زہرہ پس پشت ہو جائے گی اور آپ کی فتح ہو گی۔ ضعیف الاعتقادی نے مورت بندھوائی۔ مگر بہادروں کی شمشیروں کو یہ جان مورت کب بے اثر کر سکتی تھی۔ افسوس ہے کہ صدیوں سے یہ ابلہ فریبی ہندوستان میں چلی آتی ہے بڑی بڑی سلطنتوں کو تباہ کر چکی۔ لیکن جو تش کا ٹوٹکا نہ ٹوٹا ہندوؤں کے میل ملاپ سے مسلمان خاندان بھی اس مرض میں کچھ نہ کچھ مبتلا ہو رہے ہیں۔ خصوصاً عورتیں تو رتالوں وغیرہ کے ہاتھ سے لٹتی ہیں۔ اور مردوں کی جرأت اور اولوالعزمی میں ہارج ہوتی ہیں ٭

محمد بن قاسم اور راجہ داہر کی خونریز لڑائیاں

جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب ہوگئیں تو بہادر راجہ داہر نے ایک جانباز دلیر ٹھاکر کو لڑائی کے لئے روانہ کیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دوسرے روز جدید فوج ایک اور بہادر سردار کے ماتحت میدان میں بھیجی۔ اس فوج نے کمال دلاوری کی اور سردار فوج شجاعت کے جوہر دکھا کر آقا پر نثار ہو گیا دو دن کی لڑائی میں جو ہندو فوج قتل ہوئی۔ تو وزیر نے راجہ سے کہا کہ اس طرح بہادر سرداروں کو عربوں کے ہاتھ سے مردانا بے سود ہے۔ اس طرح تو ہمارے تمام چیدہ سردار تباہ ہو جائینگے۔ مناسب یہ ہے کہ راجہ تمام فوج کے ساتھ حملہ کرے ممکن ہے کہ ہندو فوج کے اس سیلاب عظیم کو مسلمان نہ روک سکیں ٭

جنگ روز سوم

راجہ داہر نے وزیر کی صلاح سے اتفاق کیا اور تیسرے روز ہندو فوج میں چیدہ بہادر پنجہزار سوار جو لوہے میں غرق تھے۔ بیس ہزار پیادے ساٹھ جنگی ہاتھی لیکر مقابلہ عرب پر بڑھا سر سے پاؤں تک ہتھیاروں میں چھپا ہوا تھا سفید ہاتھی پر سوار عماری میں دو خوبصورت کنیزیں بیٹھی تھیں ایک تو راجہ کو پان کا بیڑا اور دوسری تیر دیتی تھی۔ اس حالت سے ثابت ہوتا تھا۔ کہ بہادر راجہ اپنی ذاتی شجاعت اور قومی طاقت کے مقابلہ میں عربوں کی کچھ حقیقت نہ جانتا تھا اور تسلی و اطمینان کے ساتھ رزم کو بزم خیال کئے ہوئے تھا۔ اور اپنی حفاظت سے مطمئن ہو کر بجائے

مردوں کے عورتوں کو ردیف بنایا تھا یا بہادر راجہ سر باختہ ہو کر میدانِ جنگ میں آیا تھا۔ اور میدان سے بغیر فتح زندہ جانے کی تمام امیدیں توڑ کر معشوقان دلنواز کو آخیر وقت میں اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ خیر بہر حال میں راجہ داہر کی کمال جرأت و تہور اور حفاظت قومی ثابت ہوتی ہے راجہ داہر خود بنفسہ شجاعت میں محمد بن قاسم سے کم نہیں تھا اور جسقدر کہ وہ بقدر طاقت بشری کر سکتا تھا۔ اُس قدر اُس نے دشمن کے مقابلہ میں زور لگایا۔ اس کی بہادر فوج نے بھی ملک اور قوم کے بچانے میں جان توڑ مقابلہ کئے۔ راجہ داہر خود بھی قریباً نصف ہندوستان کا مالک تھا۔ دیگر راجگان نے بھی اس مذہبی لڑائی میں حصّہ لیا تھا ٭

چار فیصلہ کن جنگ

اس لئے یہ معرکہ اُن چار عظیم جنگوں میں شمار کرنا چاہیئے جو مسلمانوں اور ہندوؤں سے سرزمین ہند میں فیصلہ کُن ہوئے۔ ہندوؤں نے متفقہ طاقت سے مقابلہ کیا اور انہیں لڑائیوں سے ہندو طاقت کا خاتمہ ہوا۔ ایک تو یہی لڑائی تھی جس سے سندھ کی ہندو سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ دوسری سُلطان محمود غزنوی اور انند پال کی بمقام پشاور تیسری محمد غوری اور پرتھی راج کی لڑائی بمقام تراوڑی چوتھی احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کی لڑائی بمقام پانی پت جس نے مرہٹوں کی آرزوئے سلطنت ہند کا خاتمہ کر دیا ٭

باقی فوج راجہ نے جے سب اپنے بہادر بیٹے کے ساتھ کر دی فوج کے یہ دونوں حصّے باقاعدہ آگے بڑھے ٭

محمد بن قاسم نے بھی میمنہ میسرہ۔ قلب۔ طلائہ۔ ساقہ پانچ حصے مقرر کر دئے اور ہر ایک فوج کی کمان مشہور شجاعانِ عرب کو دی اور تسویہ صفوف کے بعد فوج کو مخاطب کر کے یوں تقریر کی ٭

تقریر محمد بن قاسم

محمد بن قاسم نے توحید باری تعالیٰ اور محامد اور محاسن حضرت محمد رسول اللہ کے بعد غزا و جہاد کی ترغیب دی اور "تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"[1] کی فلاسفی بیان کرنی شروع کی۔ کہ قومی ترقی کیلئے اوّلاً

[1] پارہ ۲۸ سورہ صف اگر تم مسلمانوں سمجھو تو راہ خدا میں مال و جان کو خرچ کرنے پر ہی تمہاری بہتری ہے ۱۲

مال کو بطور چندہ قومی و دیگر قومی اور مذہبی مشکلات کو حل کیا جائے اور وقت پر ایسے ملت و مذہب کے ضروری کاموں میں جانیں قربان کی جاویں۔ اِس قسم کی مالی اور جانی قربانی میں ہی قوم کی بہبودی ملک کی ترقی اعلائے کلمۃ اللہ متصور ہے اور یہی مومنین کے لئے خیر حقیقی اور سعادت دائمی ہے اعلان توحید ہی راہِ خدا ہے تم تو اس راستہ کی مشکلات و موانع کے دور کرنیکے لئے جانیں قربان کرتے ہو اور کفار شرک و کفر کے لئے مقابلہ کرتے ہیں ایسے جنگوں میں فتح یقینی ہے چنانچہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے۔ "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا" محض رضائے الٰہی و تعمیل ارشاد رسالت پناہی کے لئے لڑنے والے اور کفر و شرک کی برباد کن عادات کو مٹانیوالے مومنین کفار پر فتح پاتے ہیں جو کہ باطل پرستی کی حمایت میں ہتھیار اُٹھاتے ہیں۔ آج جہد و سعی کا روز ہے خدا پر بھروسہ کرو بصورت فتح دین و دُنیا کی عزت پاؤ گے۔ دشمن کے ملک و مال پر قابض ہو جاؤ گے۔ اگر سستی و بزدلی کرو گے تو ایک بھی زندہ واپس نہیں جائیگا۔ سب مارے جائینگے اور بقول "وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ" سیدھا جہنم کو جائینگے۔ اور آئندہ نسلوں میں نامرد بزدل کہلائینگے۔ اور یہ داغ نامردی کسی طرح نہ مٹ سکیگا پس ہمت کرو اور جانیں لڑا دو۔ اور تائید الٰہی کے منتظر رہو۔ اگر میں مارا جاؤں تو محرز بن ثابت اور وہ شہید ہو تو سعید سردار لشکر ہو گا۔

نظارۂ جنگ

بہادرانِ عرب نے اول تو فرداً فرداً جوہر شجاعت دکھانے شروع کئے لشکر اسلام میں سے محرز بن ثابت اول حملہ آور ہوا۔ اور کئی ایک کو مار کر شہید ہوا پھر سعید نے حملہ کیا

لہ پارہ مسلمان تو اسلام کی حمایت اور توحید کی اشاعت کے لئے ہتھیار اُٹھاتے ہیں۔ اور کفار بداخلاقی گمراہی لذائذ جسمانی ہوا حس نفسانی مادہ پرستی وغیرہ شیطانی امور کے پھیلانے کے لئے لڑتے ہیں۔ ایسی لڑائیوں میں اسلامی فتوحات کا وعدہ حتمی ہے۔ ۲ جو شخص مقابلہ کفار میں بلا ضرورت جنگی پیٹھ پھیرے وہ ضرور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔

اور داد جہاد دیتا ہوا تاج شہادت پہن کر داخل روضۂ جنان ہوا۔ بعد ازاں حسن بحری میدان میں آئے اور عربی تہور کا شان دکھا کر ایک ہندو کی تلوار سے شہید کئے گئے۔ یہ تین بہادر تو ہاتھ سے گئے لیکن ہندو فوج کے جنگ مبارزانہ کے حوصلے ٹوٹ گئے اور راجہ داہر نے جنگی مست ہاتھیوں کو لشکر اسلام پر ریل دیا۔ اگر بہادرانِ عرب نہ ہوتے تو ان قوی ہیکل کوہ پیکر دیو صورت کو کون روک سکتا تھا۔ مگر غازیانِ اسلام کی پر جوش ہمت اور خدا ایانہ قوت کے سامنے انکی کیا حیثیت تھی۔ بہادری و مردانگی سے ہاتھیوں کے حملے کو روکا گیا۔ اور ہاتھیوں کا منہ اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے پھیر دیا۔ دن بھر یہ لڑائی ہوتی رہی۔ اگرچہ اسلامی فوج کو نقصان پہنچا لیکن ہاتھیوں کے حملے بیکار جانے سے ہندوؤں کے دلوں میں بہادرانِ اسلام کی دہشت بیٹھ گئی۔ مست ہاتھی جو ہندوستان میں سب سے زیادہ قوی اور زبردست آلہ تھا اسکو بہادرانِ اسلام نے بیکار کر دیا۔ اور ہاتھیوں کے مقابلہ سے دشمن کو اپنی شیرانہ صولت کا یقین کرا دیا کہ عربوں کے سپاہی بھی جنگی ہاتھیوں سے کم زور نہیں رکھتے +

دوسرے روز صبح ہوتے ہی طرفین کی فوجیں میدان میں آکر جم گئیں۔ محمد بن قاسم نے فضیلت جہاد اور ثواب غزا سنا کر فوج کو گرما دیا۔ خداوند تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے اور قرآن مجید پڑھنے کی تاکید کی۔ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ[1] کا ورد بتلایا گیا +

فوجی انتظام نہایت عمدہ تھا پانی پلانے والے فوجوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ اور ضروریات جنگی کا انتظام اسی وقت حسب ضرورت کیا جاتا تھا۔ راجہ داہر کا انتظام بھی اعلےٰ تھا۔ دونوں فوجیں انتظام اور شجاعت میں یکہ تھیں۔ تعداد میں ہندو فوج بہت زیادہ تھی مگر مسلمان جان بازی اور سرفروشی حصولِ رضائے الٰہی کے لئے لڑتے تھے اور ہندوؤں کا مدعا یہ نہ تھا۔ اور یہی قوت بہادرانِ اسلام کو حاصل تھی جس سے وہ کامیاب ہوتے تھے جو کام ذاتی اغراض سے مبرا ہو وہ کام ہر طرح سے فضیلت رکھتا ہے اور آج اسی خلوص دلی کے نہ ہونے سے مسلمان تباہ ہو رہے ہیں۔ اخلاص سے ایثار اور ایثار سے جانفروشی اور جانفروشی پر کامیابی کا انحصار ہے جسکی زمانہ حال کے مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ قرون اولےٰ کے مسلمان ان صفات عالیہ سے موصوف تھے +

---

[1] سو احذا بزرگ اور عظیم کی مدد کے طاقت اور قوت نہیں مل سکتی +

داہر کی فوج میں سے ہندوؤں کا اسلام لانا

عین میدان جنگ میں چند ہندو راجہ داہر کی فوج سے محمد بن قاسم کے پاس حاضر ہوئے اور بطیب خاطر اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد اسلامی فوج کا ایک دستہ لیکر راجہ داہر کی فوج کے پس پشت حملہ آور ہوئے۔ سامنے سے محمد بن قاسم نے حملہ کیا اور اس دوطرفہ زد سے راجہ کی فوج میں بدنظمی پڑ گئی۔ مگر بہادر راجہ ذرا نہ گھبرایا اور دونوں طرف لڑتا رہا۔

ناظرین انصاف کریں کہ ان ہندو سرداروں کا عین لڑائی کے وقت ایمان لانا محض اسلامی کشش کا نتیجہ تھا نہ کہ جبر کا۔

ایک حبشی مسلمان کا راجہ داہر پر حملہ کرنا

اسلامی فوج میں ایک بہادر حبشی تھا۔ اُس نے سپہ سالار اسلام کے سامنے قسم کھائی کہ جب تک راجہ داہر کے مقابل ہو کر اس کے ہاتھی پر زخم نہ لگاؤں گا کھانا پینا حرام ہے۔ راجہ داہر تک پہنچنا کوئی آسان نہ تھا جنگی ہاتھیوں اور بہادر سواروں کی صفوں اور فوج قلب کے نمک حلال چیدہ شجاعوں کو چیر کر زندہ راجہ داہر تک پہنچنا اور داہر جیسے شیر نشرزہ سے مقابل ہونا بظاہر مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مگر وہ بہادر..... سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہندو فوج کے مقدمہ اور قلب کو چیرتا ہوا سفید ہاتھی کے سامنے جا اڑا۔ حبشی کا گھوڑا ہاتھی سے ڈرا۔ مگر اس کی آنکھوں پر اندھیری ڈال کر خوف دور کیا گیا۔ حبشی تیر چلانا چاہتا تھا کہ بہادر راجہ نے خود ہاتھی پر سے تیر مار کر حبشی کو گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ اس سے لشکر اسلام پر دہشت طاری ہو گئی۔ لیکن بہادر اور مدبر محمد بن قاسم نے بہادروں کو للکارنا اور فوج کو ابھارنا شروع کیا۔ مسلمان حملہ کے لئے بڑھے اور خود محمد قاسم اس حملہ کی جان تھا۔ دونوں فوجوں میں تلوار چلنی شروع ہوئی۔ ہتھیار کند ہو گئے نیزہ تلوار ٹوٹ گئے۔ ہندوؤں نے کمال درجہ کی پامردی دکھائی اور صبح سے شام تک تلوار چلتی رہی۔ ہندو بیشمار مارے گئے اور سیر شام بہادر راجہ کے ہمراہ صرف ایک ہزار سوار باقی رہ گئے ہزاران جوان غازیان اسلام کے طعمہ شمشیر ہو گئے۔ بہادران اسلام کی طاقت و قوت اور جوشیلی صولت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں نے بھی میدان سے قدم نہ ہٹایا مگر شیران اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے سب کو تہ تیغ کر دیا

اور کوہ وقار راجہ داہر ایک ہزار وفاداروں سمیت میدان میں رہ گیا۔ شام ہو چکی تھی اور راجہ کے پاس فوج بھی نہ رہی تھی اس لئے قلعہ راور میں چلا گیا جسکو بہادرانِ عرب نے شکست دی اور راجہ داہر مارا گیا۔ یہ لڑائی دسویں ماہ رمضان ۹۳ھ کو ہوئی تھی ✤

یہ روایت کہ راجہ داہر کے ہودہ میں آگ لگ گئی اور وہ ہاتھی کو پانی کیطرف لے گیا اور اپنی عورتوں کو بچاتے ہوئے ہاتھی پر مارا گیا رکیک ہے۔ محمد بن قاسم نے جب تک کہ ایک برہمن کے ذریعہ راجہ داہر کا مارا جانا تحقیق نہ کر لیا فوج کو ہتھیار بند مستعد جنگ رکھا۔ یہ ممکن ہے کہ راجہ داہر کے سر کی شناخت انہی دو لونڈیوں سے کرائی گئی ہو جو راجہ داہر کے ہمراہ عماری میں سوار تھیں اور اب مسلمانوں کے پاس تھیں۔ اس برہمن اور لونڈیوں کے تین سو شستہ دار آزاد کئے گئے۔ باقی فوجی اشخاص قتل کئے گئے۔ تجارت و حرفت پیشہ وغیرہ ہر ایک قسم کی رعایا کو امن و امان دیا گیا۔ مال خمس اور فتح نامہ حجاج کے پاس روانہ کیا جس نے بہت کچھ خوشی منائی۔ اور خدا کا شکر کیا۔ راجہ داہر کی رانی جو قید ہوئی تھی وہ باجازت خلیفہ وقت محمد بن قاسم کے نکاح میں آئی ✤

قلعہ راور۔ بھرور۔ دہلیلہ کی فتح

راجہ داہر کے بعد اس کا بیٹا جی سب باقیماندہ فوج اور زر و جواہر لیکر قلعہ برہمن آباد میں چلا گیا۔ اور قلعہ راور خفیف سے جنگ کے بعد محمد بن قاسم کے ہاتھ آیا۔ علاوہ دیگر مال غنیمت کے راجہ داہر کی بھانجی بھی تھی جس کو راجہ داہر اور دیگر ہندو سرداروں کے سروں کی ہمراہ معہ مال خمس خلیفہ کے پاس روانہ کیا گیا۔ داہر کی بھانجی کو خلیفہ اپنے مجلسرائے میں داخل کرنا چاہتا تھا مگر ایک اور عرب سردار کی درخواست پر اسکو دیدی گئی (رابہ جسے سب (کیشب) نے اپنے بھائی اور چچیرے بھائیوں اور خیر خواہوں کو جمع کیا۔ اور قلعہ برہمن آباد کو مستحکم کر لیا۔ محمد بن قاسم نے بھی اسی طرف کوچ کیا راستہ میں دو قلعہ بھرور اور دہلیلہ تھے سولہ ہزار فوج کی جمعیت تھی سرنگیں لگائی گئیں۔ اور بھرور بزور شمشیر دو ماہ بعد فتح ہوا۔ اور قلعہ کی فوج تہ تیغ ہو گئی قلعہ دہلیلہ والوں نے اول تو قلعبندی کی مگر پھر رات کو بھاگ گئے۔ اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ✤

محمد بن قاسم نے اس فتح کے بعد عام اعلان دیدیا۔ کہ جو اطاعت کرے گا اور اسلام نہ لانے کی صورت میں جزیہ جو ایک معمولی ٹیکس تھا ادا کرے گا۔ اس کو ہر ایک قسم کی امان ہوگی اسکی

جان و مال اہل و عیال مال و متاع کسی چیز میں دست اندازی نہ کی جاوے گی اس اعلان سے ہندوؤں نے فائدہ اُٹھایا راجہ داہر کا وزیر سی ساگر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا جس کو کمال عزت کے ساتھ مشیر بنایا گیا اور محمد بن قاسم نے اس وزیر سے اپنے تمام فاتحانہ ارادے ظاہر کر دئے۔ کیا ساگر جیسے مقتدر وزیر اعظم داہر کا خود بخود چلا آنا عربوں کے اُس عادلانہ سلوک اور فیاضانہ عادات کو ظاہر نہیں کرتا جو وہ ہندوؤں سے برتتے تھے اور عام طریقہ انتظام کی بابت ہم آئندہ لکھیں گے ۔

فتح برہمن آباد

راجہ جے سیہ تو برہمن آباد میں سولہ کرنیل اور چار جرنیل چالیس ہزار فوج چھوڑ کر ایک محفوظ جگہ میں چلا گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے برہمن آباد کا محاصرہ کیا۔ ہندو ہر روز جوش و خروش سے ڈھول بجاتے قلعہ سے نکلتے اور دن بھر کی لڑائی کے بعد اندر چلے جاتے اسی طرح محاصرہ کو چھ ماہ گذر گئے اور راجہ جے سیہ بھی مسلمانوں کی فوج میں پرکاہ تک نہ پہنچنے دیتا۔ دو طرفہ جنگ کے سبب برہمن آباد کی فتح میں توقف ہوا تھا مو کا ہندو سردار کی تجویز کے مطابق اسلامی فوج راجہ جے سیہ کی لڑائی کے لئے روانہ کی گئی جے سیہ بھاگ گیا اور برہمن آباد والوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور سوچنے لگے کہ اب ذخیرہ ختم ہونے کو ہے عربوں کا عزم استقلال مشہور ہے تمام علاقہ کو فتح کر چکے ہیں۔ راجہ داہر مارا گیا۔ اُس کا بیٹا بھاگ گیا اب کون مدد کرنے والا باقی رہا ہے۔ اگر قلعہ بزور شمشیر فتح کیا گیا تو ہم سب بندے غلام بنائے جاوینگے گھر بار لٹ جائے گا۔ قتل و اسیر ہونے کے ہولناک واقعات دیکھنے پڑینگے۔ بہتر یہی ہے کہ محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لیں اور امان مانگ لیں۔ اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور ایلچی بھیجکر درخواست امان کی گئی۔ راجہ جے سیہ کے طعن سے بچنے کے لئے خفیف سے جنگ کے بعد کھلے دروازہ چھوڑ کر شہر میں چلے گئے۔ اور مسلمان داخل ہو گئے۔ بقول بعض رانی لادی اسی قلعہ کی ہیرو تھی اور اسی جگہ قید ہوئی ۔

محمد بن قاسم کا انتظام ملکی

برہمن آباد کا قلعہ چار برہمن سرداروں کی تحویل میں دیا گیا جو راجہ داہر کے متعلقین

میں سے تھے اور ان چار شخصوں کی ایک کونسل انتظام ملک کے لئے بنائی گئی۔ زمین کی مالگذاری قدیم رسم و رواج کے مطابق تجویز کی گئی کوئی جدید ٹیکس نہ لگایا گیا۔ اسلام لانے والے پر فوجی خدمت اور آبائی مذہب پر رہنے والے لوگوں پر اول درجہ ۱۴ تولہ دوئم درجہ ۱۲ تولہ سوم درجہ ۱۰ تولہ چاندی سالانہ جزیہ مقرر ہوا۔ جو زمانہ حال کے بیشمار ٹیکسوں کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھا۔ زراعت۔ تجارت۔ حرفت میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی گئی رسوم مذہبی کے ادا کرنے کی آزادی دی گئی وصول خراج کے معاہدے بدستور سابق نمبرداروں چودھریوں اور مقدموں سے کئے گئے ان کا نام امین رکھا گیا یہ سب عہدہ دار ہندوستانی تھے۔ ان لوگوں کو ہندوستانی طریق پر انعام واکرام دیا جاتا تھا سونے کے کڑے ہاتھوں میں پہنائے جاتے اور گھوڑے معہ زین مطلا عطا کئے جاتے ایام جنگ میں جن صناعوں اور کاشتکاروں کو نقصان پہنچا تھا ان میں سے ہر ایک کو معاوضہ دیا گیا۔ برہمن جو راجہ داہر کے ہم قوم ملازمت پیشہ تھے ان کو زمانہ سابق کی طرح معزز و ممتاز رکھا تمام بڑے بڑے سولہیں عہدے برہمنوں کو دیدئے داہر کے استیصال سلطنت سے جو ان کو ذاتی نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس کو اس طرح رفع کر دیا کہ تمام عہدے برہمنوں کے لئے موروثی کر دئے اور ان کی عزت و حرمت کو ملک میں قائم رکھا۔ ان برہمن عہدہ داروں نے وہ خوف ہندو رعایا کے دلوں سے دور کر دیا جو وہ عربوں سے رکھتے تھے عربوں کے عادلانہ برتاؤ اور صادقانہ مذہبی لگاؤ کو دیکھ کر بعض ہندو اسلام لائے جن کے حقوق عرب مسلمانوں کے برابر سمجھے گئے۔ اور اسلام لانے کے بعد نسل کا امتیاز اٹھ گیا۔ نومسلم ہندوؤں کو بھی وہ حقوق حاصل تھے جو عرب مسلمانوں کو۔ سولین برہمنوں کو تاکید کی گئی کہ مقررہ خراج سے ایک کوڑی بھی زیادہ وصول نہ کریں۔ اور ظالم رشوت خواروں سے غریب رعایا کو بچانے کے لئے سخت احکام صادر کئے۔

مندر بدھ کے پجاری

برہمن آباد میں جو بدھ کا عظیم الشان مندر تھا اور جو لڑائی میں ہندوؤں کی تقویت کا موجب رہا تھا اور اسی مندر کا برج اڑنے پر فتح حاصل ہوئی تھی اور مندر کچھ شکستہ ہو گیا تھا۔ فتح کے بعد عام ہندو عربوں کو مندر کا مخالف جان کر جن کی سنگساری سے وہ گرا تھا

نہ مندر میں آتے اور نہ نذر بھینٹ پجاریوں کو دیتے مندر کی رونق اور آمدنی میں بہت نقصان آگیا۔ محمد بن قاسم کی عام مروت و احسان کو دیکھ کر پجاریوں نے درخواست دی کہ رعایا کا ہر ایک فرقہ تاجر و صناع اہل حرفہ و کاشتکار سب پر حضور نے لطف و کرم کیا ہے بلکہ عوضانہ نقصان بھی دیا گیا ہے مگر مندر بدھ کی رونق کم ہوگئی۔ نہ لوگ عبادت کے لئے آتے ہیں اور نہ نذر و نیاز دیتے ہیں۔ ہم پجاریوں کا گذارہ محض رقم چڑھاوے پر تھا جو بند ہوگیا۔ ہم اور دیگر مندر کے متعلقین آج نہیں تو کل ضرور تنگدست ہو کر تکلیف اُٹھائینگے۔ آپ عام حکم دیں کہ لوگ بلا خوف و خطر مندر میں آیا کریں اور عبادت بدھ کیا کریں ہماری مقررہ نذر ادا کریں۔ اور مندر کی مرمت کا حکم صادر فرماویں۔ اس درخواست میں اگرچہ مرمت مندر کی اجازت کے بغیر جو پولیٹیکل ضرورت سے کسی قدر گرایا گیا تھا باقی امور گورنمنٹ سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ لوگوں کو چڑھاوا چڑھانے اور بدھ کی پوجا کرنے پر مجبور کرنا کوئی گورنمنٹ پسند نہیں کرتی۔ بلکہ آجکل پولیٹیکل نگاہ سے اس قسم کا مذہبی نقطہ غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن محمد بن قاسم جو بے تعصب اور کسی فرد رعایا کو تکلیف دینا پسند نہ کرتا تھا اُس نے پجاریوں کی آئندہ تکالیف کو محسوس کر کے حکم دیا کہ ہندو بدستور سابق بدھ کی پرستش کیا کریں اور نذر و نیاز چڑھایا کریں۔ اور مندر کی مرمت کریں۔ اس حکم سے مندر تعمیر کیا گیا اور رونق و عظمت مندر قائم ہوگئی۔ اس کارروائی سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ عرب ہندوؤں کی مذہبی احکام کی بجاآوری میں ہرگز دست اندازی نہ کرتے تھے بلکہ ہر طرح سے مدد دیتے تھے۔ ایسے روشن خیال فاتحین پر جبراً مسلمان کرنے کا الزام ہرگز عاید نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے واقعات کے ہوتے یہ الزام سراسر بے انصافی ہے۔

جاٹوں سے سلوک

علاقہ سندھ میں جاٹ ایک جاہل سرکش قوم تھی۔ چوری قزاقی اُن کا کام تھا۔ اُن کا انتظام ہندو وزیر سسی ساگر کے سپرد کیا جس نے راجہ چچ اور داہر کے قواعد مجربہ کے مطابق امتیازی لباس پہننے اور گھوڑے پر نہ سوار ہونے اور اظہار نشان و ہتھانی کے لئے کتا ساتھ رکھنے اور موٹی چادر پہننے اور سرکاری فوج میں رسد پہنچانے اور مال مسروقہ کے برآمد کرانے وغیرہ جاٹوں کے ذمہ لگائے محمد بن قاسم نے اپنی طرف سے صرف یہ حکم ایزاد کیا کہ وہ ہر ایک مسافر کو ایک روز اور بیمار کو تین دن تک کھانا کھلایا کریں یہ قاعدہ تجارت و سیاحت کیلئے

مفید تھا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں جاری کیا تھا۔ اسی جگہ حجاج کا خط پہنچا جس میں محمد بن قاسم کے انتظام کی تعریف اور الور اور ملتان کے تسخیر کی ہدایت درج تھی۔ محمد بن قاسم نے تمام قلعوں اور جنگی ناکوں پر فوج مقرر کی اور بہادر عرب سرداروں کے سپرد کی۔ تمام ضروری انتظام سے فارغ ہو کر الور پر چڑھ گیا۔

الور کی تسخیر

الور (حیدر آباد) جو راجہ داہر کا صدر مقام اور سندھ کا مشہور جنگی مقام تھا اسکی فتح کے لئے محمد بن قاسم روانہ ہوا۔ راستہ کے شہروں نے اطاعت اختیار کی جہاں پہنچتا تھا لوگ اپنے اپنے قومی دستور کے مطابق استقبال کرتے۔ کوئی ننگے سر حاضر ہوتا اور کوئی باجہ بجاتے آتا۔ الور کے راستہ میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اور دریائے علاقہ کو حوضہ تصرف میں لاتا ہوا الور پہنچ گیا۔ الور میں داہر کا بیٹا فیونی حکمران تھا۔ فوج اور جنگی سامان اور خاندانی شجاعت رکھتا تھا۔ محصور ہو کر لڑائی پر تیار ہو گیا۔ محمد بن قاسم کو ایک ماہ تک وہاں مقیم رہنا پڑا۔ جامع مسجد بنائی گئی۔ عوام بکا الانعام کے دل میں ڈالا گیا تھا کہ راجہ داہر زندہ ہے ہندوستان کے راجاؤں کی فوج لئے آتا ہے۔ اور اسی حوصلہ پر الور والے اڑے ہوئے تھے۔ رانی لادی کو جو اب محمد بن قاسم کے نکاح میں تھی قلعہ والوں کے سامنے کیا گیا جس نے راجہ داہر کے مارے جانے کی شہادت دی اور ایک جوگن نے بھی علم جوگ کے ذریعہ داہر کا مارا جانا تصدیق کیا۔ تو لوگوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور لڑائی میں ڈھیلے پڑ گئے۔ اور اطاعت اسلام کے مشورہ کرنے لگے۔ فیونی رعایا کے خیالات بھانپ کر معہ اہل و عیال و خزانے وغیرہ رات کو الور سے نکلکر بھائیوں کے پاس چلا گیا۔ اور دوسرے روز قلعہ الور پر غازیوں کا قبضہ ہو گیا۔

الور کی فتح اور اسلامی گورنمنٹ

الور (حیدر آباد) کے باشندوں نے اطاعت منظور کی اُن کو امان دی گئی تجارت زراعت و حرفت پیشہ اشخاص عموماً تھے ..... اتنا بڑا شہر جو راجہ داہر کا دار السلطنت تھا اور جس کی فتح بزور شمشیر کی امید واثق تھی۔ داہر کا بیٹا فیونی بھاگ چکا تھا۔ اگر محمد بن قاسم لالچی اور محض لوٹیرا ہوتا تو ہرگز باشندگان الور کی درخواست امان نہ مانتا۔ کروڑوں کا مال

غنیمت میں ملتا۔ مگر اسلام کا صاف حکم تھا کہ جب کوئی دشمن ہتھیار رکھدے تو پھر ہتھیار چلانا جائز نہیں اور صلح سے منہ موڑنا اصول اسلام کے برخلاف ہے یہی وجہ تھی کہ الور کے خونخوار دشمنوں کو بھی امان دی گئی ان کا مال ومتاع اہل وعیال سلامت رہا بلکہ رانی لاڈی کی سفارش سے فوجی اشخاص جنہوں نے اخیر دم تک اطاعت نہیں کی تھی رہا کئے گئے اسی عام کرم وعنایت کا اثر تھا کہ ہندو رعایا چند روز میں ہی ہندو گورنمنٹ کو بھول گئی اور اسلامی گورنمنٹ کے عادلانہ اصول سلطنت اور محمد بن قاسم کی ذاتی مروت وفتوت سیر چشمی کو دیکھ کر اسلامی گورنمنٹ کی ترقی کے خواہاں ہوگئی یہ اصول جہانداری غیر قوم غیر مذہب کی گورنمنٹ کیلئے لابدی ہیں مگر مسلمانوں کی طرح کوئی فاتح قوم رعیت پروری کے ایسے نظائر پیش نہیں کرسکتی ؛

راجہ جے سیہ

راجہ جے سیہ نے جب دیکھا کہ سندھی رعایا مسلمانوں کے ساتھ ہوگئی ہے اور فوجیں تباہ اور کمزور ہوچکی ہیں مقابلہ مشکل ہے۔ قلعہ کورج کے راجہ درد ہر رائے کے پاس لباس جوگیانہ پہن کر چلا گیا۔ راجہ نے بہت عزت کی مگر ایک رانی جے سیہ پر فریفتہ ہوگئی اور مراد سے مایوس ہوکر اپنی عصمت میں خلل ڈالنے کا جرم لگایا راجہ درد ہر رائے مخالف ہوگیا۔ جے سیہ جان بچاکر پنجاب کو بھاگ آیا اور پھر کشمیر کے راجہ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک آوارہ رہا۔ مگر حضرت عمرؓ کے عہد میں اسکو سندھ کے ایک حصہ میں حاکم بنایا گیا ؛

محمد بن قاسم کی علاقہ ملتان پر چڑھائی

اور

فتوحات

الور کی فتح اور انتظام کے بعد محمد بن قاسم ملتان کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ قلعہ بابیہ کا والی راجہ داہر کا عم زاد بھائی کلکسہ بن چند تھا جو زبان سنسکرت کا بڑا فاضل تھا۔ پہلے تو وہ قلعہ بند ہوا مگر آخر انجام پر خیال کرکے محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمد بن قاسم نے کلکسہ کو اپنا مشیر اعظم مقرر کیا وزیر خزانہ اور مال اسکو بنایا اس کا یہانتک اعتبار بڑھایا کہ مہر شاہی بھی اسکے ہی حوالہ کی گئی۔ کلکسہ کو ہمراہ لیکر محمد بن قاسم دریائے بیاس سے پار علاقہ ملتان میں پہنچا قلعہ اسکلندہ پر

سات روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ آخر اسلامی فوج کی شوکت اور شہرت نے حاکم قلعہ کو بھگا دیا قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قلعہ اسکلندہ کی فتح کے بعد قلعہ سکہ فتح کیا گیا جو دریائے راوی کے جنوب میں واقعہ تھا اس قلعہ پر ہندوؤں نے کمال مردانگی سے مقابلہ کیا سترہ روز تک شہر سے باہر نکلکر عربوں سے مقابلہ کرتے رہے۔ اسلامی لشکر سے دو سو پندرہ سپاہی اور پچیس افسر شہید ہوئے جن کا انتظام شہر کی بربادی سے لیا گیا۔ فتح سکہ کے بعد ملتان پہنچا۔

جنگِ ملتان

ملتان کے گھاٹ پر ہندو فوج نے مقابلہ کیا بجے رائے ہندو فوج کا افسر تھا ہر روز صبح سے شام تک معرکہ کارزار گرم رہتا۔ فریقین کے بہادر میدان میں کشتہ ہوتے۔ اس لڑائی نے دو ماہ تک طول کھینچا جو ہندوؤں کی جنگی طاقت اور فوجی لیاقت کی قوی دلیل ہے ہندوؤں نے کہیں بزدلی نہیں دکھائی۔ عربوں نے سندھ و ملتان کو جانوں پر کھیل کر فتح کیا۔ بہادرانِ ہند سے کوئی فریب و دھوکہ نہیں کیا گیا۔ سچے بہادروں کی طرح طرفین نے دل کھولکر شجاعت کے جوہر دکھلائے۔ بس عربوں کی فتوحات میں کسی پولیٹیکل یا سیاسی چال بازی کا اثر نہیں پایا جاتا اُن کا صاف صاف پیغام اسلام۔ جزیہ (اطاعت) تلوار تھی۔ ہندو گورنمنٹ کے ذمہ دار افسروں نے عموماً تلوار سے جواب دیا اور خوب بہادرانہ مقابلہ کیا۔ اسلئے کہہ سکتے ہیں کہ عربوں کی فتوحات کا باعث اُنکی شمشیر بُراں تھی۔ ملتان کی اس قدر طویل لڑائی میں غلہ گراں ہو گیا۔ اور گوشت اس قدر کمیاب تھا کہ گدھے کی سری پانچ درم کو فروخت ہوئی تھی۔ راجہ داہر کا عم زاد بھائی گورسیہ ولد چند احمد بن قاسم کے عزم بالجزم اور کار پر خیال کر کے کشمیر کو بھاگ گیا۔ باقی سوار بدستور مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ ایک ملتانی ہندو کی رہبری سے موقعہ سرنگ ملا جہاں سرنگ آسانی سے لگائی گئی اور قلعہ دو تین یوم میں فتح ہو گیا چھ ہزار فوجی اشخاص قتل اور اُن کا اہل و عیال قید ہوا چونکہ فوج کو قلعہ ملتان کی فتح میں بہت سی تکالیف برداشت کرنی پڑی تھیں اسلئے تمام مال غنیمت جس کی مقدار ساٹھ ہزار درم صرف چاندی تھی سب فوج میں تقسیم کیا گیا۔ شاہی خزانہ میں رقم بھیجنے کے لئے محمد بن قاسم متردد تھا کہ ایک برہمن نے اپنا رسوخ بڑھانے اور فائدہ اُٹھانے کے لئے محمد بن قاسم کو ایک قدیم دفینہ کا پتہ دیا جو ۱۰۰×۱۰۰ گز تھا۔ اور اس میں ایک بتکدہ ۵۰×۵۰ گز تھا۔ بُت سونے کا بنا ہوا اور اس

بتخانہ میں چالیس دیگیں سونے کی مدفون تھیں۔ بقول مصنف فتوحات اسلامیہ اس بتخانہ میں چھ ہزار بت رکھے تھے بت کلاں کا وزن دو سو تیس من نکلا اور دیگوں میں سے سترہ ہزار دو سو من سونا برآمد ہوا۔ جواہر و مروارید علاوہ تھے چونکہ یہ مال غنیمت نہ تھا بلکہ خزانہ خداداد تھا جو فتح کے بعد برہمن کی مخبری سے ملا۔ اسلئے یہ تمام سونا وغیرہ دربار خلافت کو روانہ کیا گیا۔ اسی روز حجاج کا خط پہنچ گیا کہ میں مہم سندھ کے اخراجات کے عوض میں دو چند روپیہ خزانہ خلافت میں داخل کرنے کا ضامن تھا سو ساٹھ ہزار کے خرچ کے مقابلہ میں ایک لاکھ اٹھائیس ہزار داخل خزانہ شاہی ہو چکا ہے۔ آئندہ جس قدر مال ملے وہ ہندوستان کے سود و بہبود تعمیر مساجد و منابر اور رفاہیت عامہ پر خرچ کیا کرو۔ اور فتوحات ہندوستان کو مکمل کرو۔

حجاج کی موت اور توقف فتوحات

محمد بن قاسم ملتان کے جنگی مقامات میں عرب سرداروں کو مقرر کر کے خود توشہ لی پنجاب کو روانہ ہوا اور ابو حکم شیبانی کو دس ہزار سوار دے کر راجہ قنوج کے ملک پر حملہ کرنے کو روانہ کیا۔ راجہ قنوج پیغام اسلام۔ اطاعت۔ جنگ کو سن کر بگڑ گیا اور لڑائی پر تیار ہو گیا۔ ابو حکم شیبانی نے محمد بن قاسم کو اطلاع دی یہاں بصلاح امرائے لشکر قنوج پر چڑھائی کرنے کی تجویز پاس کی گئی تھی۔ کہ حجاج بن یوسف کی فوتیدگی ۹۵ھ کی خبر پہنچی اور محمد بن قاسم کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور حجاج کے بیشمار دشمنوں کے ہاتھ سے جس انتقامی ذلت کی امید تھی اس کا خاکہ آنکھوں میں سما گیا اسلئے قنوج کی فتح کا ارادہ ترک کر کے روڑی کو واپس چلا گیا۔ اور بسلیان فتح کرتا ہوا کیرج پر چڑھ گیا جو سندھ کے جنوبی حصہ میں واقع تھا راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ علاقہ پر عربوں کا تسلط ہو گیا۔ اب محمد بن قاسم سندھ کے انتظام میں مصروف تھا اور اس کے بعد مغربی ہندوستان میں فتوحات کا راستہ کھولنا چاہتا تھا کہ خلیفہ ولید اس کا مربی ماہ جمادی الاول ۹۶ھ میں ۵۱ سال کی عمر میں مر گیا۔

خلیفہ ولید کی یادگاریں

بقول تاریخ گزیدہ ولید نے ساٹھ ہزار دینار سرخ جامع مسجد دمشق کی تعمیر پر خرچ کئے مسجد نبوی کو وسیع کیا بیت المقدس کی عمارت کی تجدید کی۔ اندھوں کے لئے راہبر اور دیوانہ

پاگلوں کے لئے پاگل خانہ۔ شفاخانہ۔ لنگر خانہ۔ مسافر خانہ۔ منار۔ مساجد۔ حوض تالاب جنگلوں اور ضروری مقامات پر بنوائے۔ ہمیشہ تین دن میں قرآن مجید ختم کرتا۔ ماہ رمضان میں ۷ ختم قرآن کرتا ؛

محمد بن قاسم کی معزولی و قتل

خلیفہ ولید اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا جسکی تائید حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم نے کی تھی مگر عمر بن عبدالعزیز وغیرہ دیگر سرداران بنی اُمیہ کی مخالفت کے سبب ولید اپنی آرزو میں کامیاب ہو سکا۔ اور سلیمان ہی خلیفہ ہوا۔ حجاج تو پہلے ہی مر چکا تھا مگر اُس کا نزلہ محمد بن قاسم پر گرا اور معزول کیا گیا۔ اور اُس کی جگہ یزید بن ابی کبشہ گورنر ہندوستان مقرر ہوا۔ جس نے محمد بن قاسم کو قید کر کے عراق کو روانہ کر دیا اور واسط علاقہ عراق میں صالح بن عبدالرحمن نے جسکے بھائی کو حجاج نے قتل کیا تھا محمد کو سخت عذاب دیکر مار ڈالا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ ظالمانہ واقعہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں اور اس کے حکم سے ہوا نہ کہ خلیفہ ولید کے عہد میں جیسا کہ ہندوستان کی بعض تاریخوں میں درج ہے۔ اور وجہ معزولی و قتل راجہ داہر کے بیٹوں کی شکایت خیال کی جاتی ہے ؛

یہ ناقدردانی صرف محمد قاسم کے ساتھ ہی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ نالائق سلیمان نے ولید کے تمام بہادر ظفر جنگ سپہ سالاروں کو مقتول یا جنگی خدمات سے معزول کر دیا۔ شیرول قتیبہ بن مسلم الباہلی جس نے ترکستان چینی تاتار کے تمام زبردست قوموں کو بزور شمشیر اور تدبیر و انتظام سے مطیع و فرمانبردار کر لیا تھا اور کوئی سرکش سردار وسط ایشیا میں اسلامی فوج کے مقابلہ کے قابل نہ چھوڑا تھا بلکہ ترک و تاتار اسلامی فوج کی جزو اعظم بن گئے تھے۔ ولید کی رائے ولیعہدی کی تائید کے جرم میں معہ اپنے گیارہ بھائیوں اور رشتہ داروں کے جن میں سے ہر ایک ستم و ہفتاد کو زعم میں نہ لاتا تھا بیرحمی سے قتل کئے گئے اور موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد فاتحان افریقہ و سپین فوجی خدمات سے الگ کئے گئے سلیمان نے ان اسلامی خادموں کو ہی تباہ نہ کیا بلکہ بنی اُمیہ کی جڑ کو ہلا دیا اسی وقت سے بنی اُمیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ اور کوئی جدید فتح ممالک خارجیہ میں حاصل نہ ہوئی۔ یزید بن ابی کبشہ محمد بن قاسم کو قید کرنے سے ۱۸ روز بعد مر گیا۔ اور سلیمان نے حبیب بن مہلب کو والی سندھ مقرر کیا جس کے وقت میں تمام ہندو رؤساء باغی ہو گئے حبیب بن

مہلب صرف باغیان روڑی کو سزا دے سکا +

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور اشاعت اسلام

سلیمان بن عبدالملک ۱۰ صفر ۹۹ھ میں فوت ہوا۔ اور اُس کا جائے نشین مشہور عادل و باذل فخر اسلام امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم خلیفہ ہوا جن کے اعمال صالحہ کی نظیر سوا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے کسی اور سلطان یا خلیفہ میں نہیں ملتی اس ستودہ صفات کے خلیفہ ہوتے ہی اسلامی دُنیا میں ایک نئی جان پڑ گئی۔ اور دیرینہ کدورتوں میں بھی بہت کچھ کمی ہو گئی۔ مُلکی انتظام اور قومی امتیاز میں نمایاں بیشی ہوئی۔ مگر اس خداداد دست خلیفہ کو قتل نفوس سے طبعاً نفرت تھی اِسلئے جنگ و جدل سے عموماً پہلو بچاتا رہا۔ صرف لطف و عدالت احسان و مروت سے غیر مذاہب کو اسلامی صداقت کا گرویدہ بناتا رہا۔ راجگانِ سندھ کے پاس بھی اسلامی مشن روانہ کئے گئے۔ چونکہ اہلِ سندھ مسلمانوں کی طرز زندگی اور عقائد اسلام کی سادگی کو پون صدی سے وزن کر رہے تھے اور دینی و دنیوی امور میں عربوں کو کامل العیار دیکھ چکے تھے اس لئے راجہ جے سیہ بن داہر سندھ کا موروثی راجہ معہ چند دیگر رئیسوں کے بطوع و رغبت مسلمان ہو گیا جن کے ساتھ اُن کی قوم کے ہزاروں شخص مسلمان ہو گئے۔ جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ زندگی اور اس کے عمال کے خالص اسلامی تمدن اور عام مسلمانوں کے سادہ اور دلکش اطوار و عادات اور بے لوث زہد و ورع کا اثر تھا اس سے پہلے عموماً اہل سندھ بت پرست تھے خراج و جزیہ دے کر مطیع اسلام تھے۔ اسوقت گورنر سندھ عمر بن مسلم الباہلی تھا جس نے سابقہ مفتوحہ علاقہ سے آگے جنوب کی طرف بھی قدم بڑھایا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ۱۰۱ھ میں بعمر ۳۹ سال راہی فردوس بریں ہوئے اور یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ جس کے عہد میں یزید بن مہلب نے بغاوت کی یہ یزید بہت بڑا بہادر اور سخی تھا اور عہد سلیمان بن عبدالملک میں گورنر خراسان رہا تھا۔ چالیس ہزار جرجانیوں کے قتل سے بدنام ہو گیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے معزول اور قید کر دیا۔ مگر قید سے بھاگ کر عہد یزید بن عبدالملک میں باغی ہو گیا اور خلیفہ کی فوجوں کو چند شکستیں دیکر بہت زور پکڑ گیا جسکو آخر مسلمہ بن عبدالملک نے تباہ کیا اس بغاوت اور فساد خانگی اور خود یزید بن عبدالملک کی نالائقی کی وجہ سے ہندوستان وغیرہ میں کوئی فتح حاصل نہ ہوئی پھر یزید ۱۰۵ھ میں فوت ہوا اور اُس کا جائے نشین ہشام بن عبدالملک ہوا

اور جس کے عہد میں بنی اُمیہ کی گذشتہ شوکت پھر تازہ ہوگئی اور بیرونی ممالک میں فوج کشی ہونے لگی +

جنید بن عبدالرحمٰن المری کی فتوحات ہند

ہشام نے گورنر سندھ جنید بن عبدالرحمٰن المری کو مقرر کیا۔ جنید اپنی فتوحات کو ہندوستان میں وسیع کرنا چاہتا تھا اور دریائے سندھ عربوں اور راجہ سندھ کے علاقہ میں حد فاصل تھا۔ جنید نے دریائے سندھ کو عبور کرنا چاہا۔ راجہ جے سیہ کو بدگمانی پیدا ہوئی اور جنید کو لکھا کہ مجھ کو اس ملک کا حاکم خلیفہ عادل عمر بن عبدالعزیز نے کیا ہے مسلمان ہوں خراج دیتا ہوں پھر خلاف عہدنامہ میرے ملک سے کیوں تعرض کرتے ہو۔ جنید جو راجہ کے مانع عبور ہونے سے اُسکو فتوحات اسلامی کا ہارج جانتا تھا۔ راجہ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ گو بظاہر دفع الوقتی کے لئے طرفین سے معتبر اشخاص بطور یرغمال رہن دئے گئے۔ مگر راجہ کی بدگمانی بڑھتی گئی۔ چونکہ ایسی حالت میں راجہ کو مسلمانوں کی طرف سے تو کچھ امداد پہنچ نہ سکتی تھی۔ اور ہندو اُس کو مسلمان ہونے کے سبب بُرا جانتے تھے۔ اس لئے اُس کو سوائے اُس کے کوئی مفر معلوم نہ ہوا کہ وہ ہندو مذہب کی آڑ میں جان بچائے۔ جنید کی حریفانہ غلطی نے راجہ کو اسلام کی طرف سے مایوس کر دیا۔ اور پھر ہندو ہوگیا۔ اور ہندو بہادر قوموں اور راجاؤں کو ساتھ لیکر لڑا اور مارا گیا۔ راجہ کا دوسرا بھائی دمشق پہنچکر خلیفہ سے جنید کی شکایت کرنی چاہتا تھا جس کو جنید نے دھوکہ سے قتل کروایا یہ واقعہ ۱۰۲ھ کا ہے اس واقعہ نے اسلام کی صداقت میں رکاوٹ ڈال دی اور مسلمانوں کے قول و فعل کا اعتبار نہ رہا۔ کیونکہ اسلام کی صداقت کا اندازہ مسلمانوں کے اعمال و افعال سے کیا جاتا تھا جس وہ ہر طرح کامل دکھائی دیتے تھے اسی کشش مقناطیسی نے ہندوستان وغیرہ میں اسلام کو پھیلایا اور آج کل بھی ایسے ہی پاکیزہ عمل مسلمانوں کی ضرورت ہے۔ جن کی کمی کے سبب ہندوستان میں ترقی اسلام میں ہرج ہو رہا ہے۔ جس پر میں علیحدہ بحث کرونگا +

تسخیر گجرات

جنید اس واقعہ کے بعد جنوب کو بڑھا اور راجہ گجرات جو عہد سابق میں خراج گذار تھا اور اب باغی ہوگیا تھا اس کی تنبیہ کو روانہ ہوا۔ راجہ گجرات بھی غافل نہ تھا۔ اُس نے پہلے ہی جا تک

ہو سکا راجگان ہند کو اپنی مدد کے لئے بلا لیا تھا۔ ہندوؤں نے پورے قومی اور مذہبی جوش کا ثبوت دیا اور اس اسلامی سیلاب کو روکنے کے لئے اچھی طرح قومی اور مذہبی اتفاق سے مقابلہ کیا مگر راجپوت وغیرہ بہادرانِ اسلام کی شجاعت کا مقابلہ نہ کر سکے اور جو نتیجہ پون صدی سے دونوں قوموں کی پرجوش لڑائیوں سے نکلتا رہا تھا۔ وہی یہاں نکلا۔ ہندوؤں کی مجموعی فوج کو شکست ہوئی اور جنید گجرات میں اسلامی سکہ بٹھاتا ہوا بھروچ تک جو احاطہ بمبئی میں مشہور شہر ہے جا پہنچا۔ کچھ۔ کاٹھیاواڑ راجپوتانہ کے شمالی اور مغربی حصہ اور جنوب میں مہاراشٹر تک اور شمال میں وسط پنجاب شور کوٹ ضلع جھنگ تک کا تمام علاقہ خلیفہ دمشق کے ماتحت ہو گیا جنید آگے بڑھنے کی تیاری کر رہا تھا اور وہ تمام ہندوستان کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ جس کی کامیابی میں کوئی شک نہ تھا۔ کیونکہ اُس عہد میں ہندوستان کے اندر عموماً راجپوتوں کی ریاستیں تھیں۔ اور یہی قوم جنگی بہادر جاں فروش تھی جو کئی بار مجموعی طاقت سے مسلمانوں کا مقابلہ کر کے ہار چکی تھی۔ ہندوستان کے باقی راجگان بھی اسی درجہ کے بہادر ہونگے۔ تو پھر نتیجہ بھی وہی سابقہ نکلنا تھا۔ بہرحال جنید کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ اور جنید کی خدمات کی ضرورت ترکستان میں پڑی اور وہ ۱۱۱ھ میں اشرس بن عبداللہ معزول شدہ کی جگہ گورنر خراسان کیا گیا۔ اور جنید کی جگہ تمیم بن زید حاکم سندھ مقرر ہوا۔ مگر یہ شخص لائق گورنر نہ تھا۔ نہ اس میں جنگی لیاقت تھی نہ انتظامی اس لئے اُس کے وقت میں مشکل ہند و باجگذار ریاستوں کو ہی قابو رکھا گیا۔ اور ہندو پر سے نکالنے لگے ✤

بنی امیہ کی بربادی اور سندھ کی آزادی

ہشام طبعاً خونریزی سے کراہت کرتا تھا۔ رحمدل۔ سخی۔ عالم شخص تھا۔ اس لئے جنید کے بعد خود تو پیش قدمی کو مکروہ جانتا تھا اور جو حاکم مقرر ہو کر آتے رہے وہ بہادرانہ اوصاف سے خالی تھے۔ اس لئے جنید کے فتوحات سے آگے عربوں کا قدم نہ بڑھ سکا۔ تمیم بن زید جس کا ذکر کیا گیا کوئی اولوالعزم نہ تھا اس لئے ہند و بغاوت پر اتر آئے۔ اور جب اس کی جگہ حکم بن عوم الکلبی مقرر ہوا تو وہ بھی اس عہدہ کے لئے موزوں نہ نکلا۔ ہشام بنی امیہ کا اخیر خود مختار خلیفہ ہے جو ۱۲۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اور اس کا جائے نشین ولید بن یزید بن عبدالملک ہوا۔ مگر یہ بھی ثانی یزید نکلا نہایت فاسق۔ فاجر۔ شراب نوش۔ منہیات کا مرتکب۔ محرمات سے نکاح

کرنے والا۔ لوطی۔ زانی نہایت بُرا تھا۔ اس لئے عام مسلمان اس سے بگڑ گئے۔ اور مذکورہ بالا جرائم کبیرہ کے جرم میں ۱۲۶ھ میں قتل کیا گیا اس کے عہد میں بیرونی فتوحات بند ہو گئیں۔ اور راجگانِ ہند خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہونے لگے۔ اور مسلمان مرکزی طاقت کی کمزوری کے سبب بید ست و پا ہو گئے ولید کے بعد یزید بن ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا جو منتظم لائق تھا۔ مگر ۶ ماہ کی سلطنت کے بعد طاعون سے بعمر پینتیس سال فوت ہو گیا۔ بنی امیہ اس وقت بداخلاقی کا نمونہ تھے۔ اسی یزید نے بنی امیہ کو کہا تھا کہ خبردار گانے کے پاس نہ پھٹکنا یہ حیا رکو کم کرتا ہے۔ شہوت کو بڑھاتا ہے۔ مے نوشی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور زنا کا مرتکب بناتا ہے۔ کیونکہ گانا زنا کا پیش خیمہ ہے +

یزید کے بعد اُس کا بھائی ابراہیم بن ولید خلیفہ ہوا۔ مگر ۷۰ روز کے بعد ہی مروان بن محمد بن مروان بن حکم بن العاص نے اسکو معزول کر دیا۔ یہ مروان عام جفاکشی اور سپاہیانہ عادات برداشت محنت کے باعث مروان الحمار مشہور تھا مگر سلطنت اُسکو ایسے وقت میں ملی۔ کہ سلطنت بنی امیہ کی بنیاد کھوکھلی ہو چکی تھی۔ اور علویوں اور عباسیوں کی قدیم عداوت اور پولیٹیکل رقابت نے اسلامی ممالک میں بعض سلاطین امویہ کے خلاف شرع چلن اور بداخلاقی کی منادی سے بنی امیہ کی محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکال دیا تھا اور انقلاب سلطنت کے لئے ملک کو تیار کر لیا تھا۔ امام زید اور اُن کے فرزند یحییٰ تو علانیہ تلواریں اُٹھا چکے اور عزیز جانیں گنوا چکے تھے۔ مگر بنی اُمیہ کے برخلاف ایک جنگی فرقہ کھڑا ہو گیا۔ جس سے بنی عباس نے خوب کام لیا۔ مروان الحمار عام مخالفوں سے لڑتا بھڑتا آخر ۱۳۲ھ میں مارا گیا اور خاندان امویہ کا چراغ گل ہو گیا۔ اور بنی عباس کا ڈنکا بج گیا +

ان خانہ جنگیوں کے سبب سے ہندوستان کی اسلامی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور سندھ کے مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے محفوظ مقامات بنانے لگے۔ حکم بن عوانہ الکلبی گورنر سندھ نے احتیاطی مداخت اور اپنی حفاظت کے لئے محفوظ نام جدید چھاؤنی کی بنیاد سندھ میں ڈالی۔ اور مورچوں۔ دمدموں۔ خندقوں سے اُسکو خوب مضبوط کر لیا۔ مسلمان امراء ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر اس چھاؤنی میں پناہ گزین ہوتے رہے۔ انہیں سرداروں میں مشہور فاتح محمد بن قاسم کا بہادر بیٹا عمر تھا جو اپنے نامور باپ کی شجاعت سے پورا حصہ رکھتا تھا۔ جنگی انتظام عمر بن محمدؒ کے حوالہ کیا گیا جس نے مسلمانان سندھ کی قلیل جماعت کو ساتھ لیکر ہندوؤں کے بے شمار حملہ آور لشکر کو

شکست فاش دیکر ثابت کر دیا کہ گو اُن کو دار الخلافہ سے مدد نہیں پہنچ سکتی۔ اور غیر ملک میں اپنی جنگی طاقت کے بڑھانے کے وسائل مہیا نہیں رکھتے۔ لیکن وہ ایسے گئے گذرے نہیں۔ کہ وہ مفتوح قوم سے ڈر کر سندھ سے خارج ہو سکیں اور جس ملک کی فتح میں اُن کے بزرگوں نے اپنی عزیز جانیں قربان کی ہیں اس ملک کو ہندوؤں کی کثرت تعداد اور شور و غوغا سے خوف زدہ ہو کر نامردوں کی طرح چھوڑ دیں جس مقام پر یہ عظیم الشان فتح حاصل ہوئی وہاں بطور یادگار فتح منصورہ نام شہر آباد کیا گیا جو بعد میں مسلمانان سندھ کا مستقر رہا ہندوؤں سے مقابلہ ہوتے رہے گو نقصان مسلمان اُٹھاتے رہے۔ مگر سندھ سے باوجود ہندوؤں کی متواتر کوششوں کے خارج نہ ہو سکے۔ اور شروع عہد عباسی تک یہی حال رہا۔ اور سندھ میں اسلامی طاقت کا زور گھٹ گیا۔

عباسی اور سندھ

آل عباس کا پہلا خلیفہ عبد اللہ (سفاح) ابن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہوا۔ لیکن اُس کا نو سالہ عہد حکومت بنی امیہ کے خاندان کو صاف کرنے میں لگا خراسان وغیرہ مشرقی ممالک کا چارج عباسی سلطنت کے بانی و معاون ابو مسلم صاحب الدعوۃ کے سپرد تھا۔ جس کے خونخوار مقابلے شاہ فرغانہ و ترکستان سے شروع ہو گئے۔ شاہ فرغانہ کی مدد پر شاہ چین نے ایک لاکھ سوار روانہ کئے۔ ابو مسلم نے زیاد بن صالح کو سر عسکر مقرر کیا جس نے جنگ شدید کے بعد پچاس ہزار قتل اور بیس ہزار قید کر لئے۔ ابو مسلم تو تاتاریوں اور چینیوں کے معرکوں اور اُن ممالک کے انتظام میں مصروف رہا اور خود سفاح ہوا خواہان امویہ سے شام وغیرہ کو صاف کرتا رہا۔ اس لئے ہندوستان کی طرف کوئی جدید فوجی مہم روانہ نہ ہو سکی۔ سندھ کے مسلمان ہی ہندو حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے رہے۔

سفاح کے بعد منصور خلیفہ ہوا جس کو بیرونی ممالک کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ ملا۔ اور ۱۴۱ھ میں منصور نے عمر بن حفص کو گورنر سندھ مقرر کیا۔ اور مسلمانان سندھ نے جو عموماً بنی اُمیہ کے نمکخوار یا جبر خواہ تھے اموی گورنر عبینہ بن موسیٰ بن کعب کی حمایت میں مقابلہ کیا اور کئی لڑائیوں کے بعد عباسیوں کا تسلط سندھ پر بیٹھا۔

منصور عباسی

ابو مسلم صاحب الدعوۃ کے رسوخ سے بدگمان ہو کر منصور نے اُسکو قتل کرا دیا جس کا نتیجہ یہ

بکلا کہ خراسان وغیرہ مشرقی صوبوں میں کوئی اولوالعزم فاتح گورنر نہ رہا۔ اور ۱۶۱ھ میں خراسان سیستان بادغیس۔ ہراۃ کے علاقوں میں اصلی باشندوں نے استاذسیس کے زیر فرمان عربوں کے برخلاف عام بغاوت کردی اور تین لاکھ باغیوں کی جمعیت نے ایک سرحدی مسلمان سردار کو معہ تمام فوج غارت کردیا۔ منصور کو اس بغاوت کے دبانے میں ہمہ تن مصروف ہونا پڑا۔ آخر منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو چیدہ اور منتخب فوج دیکر روانہ کیا۔ جس کے بہادر سرداروں بکار بن مسلم اور خازم اور ہیثم نے نہایت تدبیر و دانش اور شجاعت سے اس باغی گروہ کو شکست دی۔ ستر ہزار باغی میدانِ جنگ میں قتل ہوئے۔ اور خود استاذسیس قید اور اُس کے ہمراہی تیس ہزار آزاد کئے گئے۔ پس جب خراسان کی یہ حالت تھی۔ تو ہندوستان پر فوج کشی کس طرح ہوسکتی تھی۔ صرف عمال عہدہ دارانِ بنی امیہ کا سندھ سے اخراج عہد منصور میں ہوا۔ منصور ۱۵۸ھ میں مرگیا۔ بغداد اسی منصور کا آباد کیا ہوا ہے ؂

خلیفہ مہدی عباسی

منصور کے بعد مہدی خلیفہ بغداد ہوا۔ مہدی نے ۱۵۹ھ میں بڑے جہازات براہ خلیج فارس بسرکردگی عبدالملک بن شہاب المسعی جس میں باقاعدہ فوج کے علاوہ والنٹیر مجاہد بھی شامل تھے فتح سندھ پر روانہ کئے۔ مسلمانوں نے شہر بار بد کو فتح کیا۔ اور ہندوستان میں از سرِ نو اسلامی رعب قائم کیا گیا۔ مگر کچھ زیادہ فتوحات نہ ہوسکیں ہندو راجگان جسطرح عہد بنی امیہ میں خراجگذار تھے۔ ان راجگان نے خلفائے بغداد کی اطاعت مان لی۔ لیکن فتوحات امویہ سے آگے نہ بڑھ سکے جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ رومی عیسائیوں نے اموی اور عباسی خاندان کے باہمی نزاع کے دنوں میں ایشیائی روم میں بہت کچھ زور پکڑ لیا مسلمانوں کے کئی شہر فتح اور ہزاروں مسلمان قتل و قید کرلئے تھے اس لئے مہدی عباسی کو اپنا سارا زور رومیوں کے مقابلہ پر خرچ کرنا پڑا اور چیدہ فوجیں جملہ ممالک محروسہ سے منگوائی گئیں خراسان کی فوجوں کو بھی روم میں کام کرنا پڑا۔ مہدی ایک بیٹے ہادی کو بغداد چھوڑ کر دوسرے بیٹے ہارون رشید کو ہمراہ لیکر ۱۶۳ھ میں جہاد روم پر روانہ ہوا اور کامیاب رہا جس کا بیان حصہ اول میں آچکا ہے۔ اس کے بعد رومی عیسائیوں کا زور توڑنے کے لئے گرمیوں میں لگاتار حملات کا سلسلہ قائم کیا جو بعد میں صدیوں تک عباسیوں کا معمول رہا۔ رومیوں

کی ان لڑائیوں کی مصروفیت کے سبب سے مہدی کے عہد میں کوئی اعلیٰ پیمانہ پر جنگی مہم سندھ پر روانہ نہ ہوسکی۔ سابقہ مفتوحہ علاقہ کی باجگذاری پر ہی قناعت کی گئی۔ مہدی ۱۶۹ھ میں مر گیا۔ اس کے جائے نشین ہادی کی ایک سالہ سلطنت میں بھی یہی حال رہا ؛

خلیفہ ہارون رشید

۱۷۰ھ ہارون رشید خلیفہ بغداد ہوا۔ جو ایک جلیل القدر خلیفہ اسلام گذرا ہے۔ مگر اُس کی توجہ بھی زیادہ تر روم اور افریقہ کی طرف ہی مبذول رہی۔ کیونکہ عباسی خاندان کا مخالف عہد منصور عباسی میں سپین کے اندر عبدالرحمٰن ایک زبردست سلطنت کی بنیاد ڈال چکا تھا۔ اور اس کے لائق جانشینوں نے خلفائے بغداد کی تمام مخالفانہ کوششوں کو ناکام ثابت کردیا تھا بلکہ خلفائے سپین کی مشہور فتوحات نے عباسیوں کے لئے خطرہ پیدا کردیا تھا۔ جیسا کہ ہم حصہ اول میں مفصل لکھ دیا ہے ۔۔۔ اور انہیں رقیبانہ خطرات کے سبب سے ہارون رشید نے شارلمین شاہ فرانس سے دوستی کا ڈھنگ ڈالا تھا۔ اس وجہ سے ہارون رشید کی جنگی توجہ یورپ اور افریقہ کی طرف ہی رہی ہندوستان میں کوئی عظیم الشان فتح نہ ہوسکی۔ راجگان مغربی ہندوستان اس ہنداقبال خلیفہ کے ماتحت تھے۔ جن کی خراجگذاری پر قناعت کی گئی۔ اور یہی حال اُس کے جائے نشین مامون رشید اور معتصم باللہ کا رہا۔ جو عموماً رومیوں کی لڑائیوں میں مصروف رہے معتصم باللہ ۲۲۷ھ میں فوت ہوا۔ اور خاندانِ عباسیہ کا زوال شروع ہوگیا۔ اور عربوں کی جگہ ترکوں کا بغداد میں زور بڑھ گیا۔ جس کے نتائج اور اسباب کا ذکر مفصل حصہ اول میں کیا گیا ہے۔ چند خلفاء کے عزل و نصب قتل و قید کے بعد عباسی خلیفہ کا رعب برائے نام رہ گیا۔ یورپ اور افریقہ کی طرح ایشیا میں بھی جسکی لاٹھی اُسی کی بھینس کا نقشہ جم گیا۔ سندھ کا علاقہ جسقدر خاص مسلمان گورنروں کے ماتحت تھا وہ کچھ عرصہ تک خلافت بغداد کے متعلق رہا۔ اور خراجگذار ہندو راجگان اطاعت کا جوا کندھوں سے اُتار بیٹھے۔ اور مسلمانانِ سندھ کو ستانے لگے۔ اور علاقجات چھیننے لگے یہاں تک کہ مسلمانوں کے پاس صرف خاص خاص چھاؤنیاں اور امصار مثل منصورہ وغیرہ کے رہ گئیں۔ جن ہندوؤں نے اسلام قبول کیا تھا یا تو مارے گئے یا ملک بدر کئے گئے یا پھر ہندو بنائے گئے۔ مگر سندھ سے مسلمان بالکل خارج نہ ہوسکے۔ اور مسلمانوں کی قلیل جماعت نے ذاتی شجاعت سے اسلامی ریاست کو سندھ میں قائم رکھا۔ یہی

ریاست تھی جو مجاہدین غزنویہ کی آمد کے وقت ملتان وغیرہ میں موجود تھی جن کا مذہب عموماً اسماعیلیہ یا قرامطہ تھا۔ پس عباسیہ عہد میں ہندوستان اور سندھ میں کوئی ایزادی نہیں ہوئی اور عباسی جرنیل بہادرانِ امویہ سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔ بلکہ باعثِ زوال ہوئے۔ مسلمان غالب سے مغلوب بن گئے۔ اور متوحہ علاقے بھی ہاتھ سے نکل گئے +

سامانی خاندان

مکتفی باللہ عباسی کے عہد میں بہادر اسماعیل سامانی نے بخارا میں ایک طاقتور سلطنت قائم کی یہ اسماعیل بن احمد بن اسد بن سامان بن خداہ بن طغمات بن نوسرو بن بہرام چوبین تھا۔ خداہ اس قدر تنگدست ہو گیا کہ پیشہ ساربانی پر گذارہ کرنے لگا۔ مگر اس کا بیٹا سامان اپنی خاندانی عظمت کی روایتیں سُن سُن کر پیشہ ساربانی کو پسند نہ کرتا تھا اور بہادرانہ گیت سُن کر ڈاکہ زنی اختیار کی اور زور پکڑ کر شہر اساس پر قبضہ کر لیا اور مامون رشید عباسی کے عہد میں اس کا بیٹا اسد امرائے سلطنت میں داخل کیا گیا۔ اور سمرقند۔ فرغانہ۔ اساس۔ ہراۃ کی گورنری اُس کے چار بیٹوں اسد۔ احمد۔ یحییٰ۔ الیاس کو دی گئی ۲۰۶ھ میں معتصم خلیفہ عباسی نے تمام ملک ماوراء النہر (ترکستان) کی حکومت نصر بن احمد کو عطا کی اُس کا چھوٹا بھائی اسماعیل بن احمد حاکم بخارا ہوا۔ ۲۷۹ھ میں نصر فوت ہوا اور ماوراء النہر کا واحد گورنر جنرل اسماعیل بن احمد مقرر ہوا۔ اور بنی لیث کی شکست کے بعد خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے ملک خراسان کی حکومت بھی اسماعیل کے حوالہ کی اور ایران کے بعض صوبے بھی اسماعیل کے ماتحت ہو گئے۔ اسماعیل نے ترکوں اور چینیوں کو بارہا شکستیں دیں جو عباسیوں کی کمزوری کے سبب اسلامی ممالک و اقعہ ترکستان پر حملات کرتے تھے۔ ایشیا میں اس وقت صرف ایک اسماعیل ہی خادم اسلام تھا۔ جو اپنی شجاعت اور لیاقت سے وقار اسلام کو برقرار رکھنے والا تھا پرجوش بہادران اسلام اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ علماء فضلاء کے لئے ایک بخارا ہی ملجاء و ماویٰ تھا۔ عباسی سلطنت دن بدن کمزور ہو رہی تھی۔ اور خلفائے بغداد کی جان و آبرو صرف ترک غلاموں کے ہاتھ میں تھی۔ مکتفی باللہ عباسی کی کمزور سلطنت میں جہاں مصر اور شمالی افریقہ میں عبید اللہ (مہدی) نے خاندان اسماعیلیہ کی خود مختار سلطنت کی بنیاد رکھی وہاں اسماعیل نے تاتار۔ افغانستان۔ خراسان وغیرہ پر اپنا شاہی تسلط جما لیا۔ گو عبید اللہ کی طرح عباسیوں کا مدِ مقابل حریف نہ ہوا اور سکہ و خطبہ خلیفہ بغداد کا جاری رکھا مگر در اصل آزاد تھا اسکے جائے نشینوں

کی تقرری عزل و نصب میں خلیفہ بغداد دست اندازی نہ کر سکتا تھا۔ برائے نام خلافت کا اثر تھا اسماعیل ۱۴ صفر ۲۹۵ھ کو فوت ہوا اُس کی اولاد میں سے احمد بن اسماعیل۔ نصر بن احمد۔ نوح بن نصر۔ عبد الملک بن نوح زبردست سلاطین اور حامی اسلام گذرے ہیں۔ عبد الملک چوگان بازی میں گھوڑے پر سے گر کر ۳۵۰ھ میں فوت ہوا۔ اُس کا وارث منصور خورد سال رہا +

خاندان غزنویہ کا آغاز

عبد الملک کا غلام الپتگین بہادر و مدبر اپنی عمدہ خدمات کے سبب سے ترقی پا کر گورنر خراسان ہو گیا تھا اور رکن سلطنت بن گیا تھا۔ عبد الملک کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا منصور خورد سال تھا بعض امیر کہتے تھے کہ منصور تخت نشین کیا جائے اور بعض کی رائے تھی کہ منصور خورد سال ہے اس کا چچا بادشاہ مقرر ہوا۔ اور الپتگین سے دربارہ جائے نشینی رائے طلب کی گئی جس نے منصور کے برخلاف رائے دی مگر الپتگین کی رائے پہنچنے سے پہلے منصور بادشاہ بن چکا تھا اس وجہ سے منصور الپتگین کے برخلاف ہو گیا اور الپتگین کو بخارا طلب کیا۔ جہاں قید اور ذلت کا ہونا یقینی تھا۔ اس لئے تین ہزار غلام خاصہ کے سہارے جبکہ اور فوج اور امیر اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے خراسان سے غزنی کو چلا گیا اور سرکش ہو گیا اور منصور کی دو زبردست فوجوں کو جن میں سے ایک کی تعداد تیس ہزار تھی شکست دیکر خود مختار حکومت کی بنیاد افغانستان میں ڈال دی۔ اور خاندان سامانیہ میں ضعف شروع ہو گیا۔ منصور ۱۵ سال کی حکومت کے بعد ۳۶۵ھ میں فوت ہو گیا۔ جس پر سامانی خاندان کا جاہ و جلال ختم ہو گیا منصور کا جائے نشین اس کا بیٹا الراضی نوح ہوا جسکے عہد میں اندرونی و بیرونی فسادات کا دورہ رہا۔ امرائے بخارا کی بغاوت و شرارت سے بغراخاں جو نسل افراسیاب سے تھا بخارا پر قابض ہو گیا۔ اور بیمار ہو کر ترکستان کو واپس ہوا۔ اور راستہ میں مر گیا۔ اور نوح بن منصور پھر بخارا پر قابض ہو گیا۔ مگر نمکحرام امیروں نے لڑائی شروع کر دی۔ نوح بن منصور نے ہر طرف سے ناامید ہو کر سبکتگین سے مدد چاہی جو الپتگین کے بیٹے اسحاق کے مرنیکے بعد اپنے حسن اخلاق اور عام لیاقت اور حمایت اسلام کے سبب سے بحق داماد الپتگین حاکم غزنی ہو گیا تھا۔ اور بہادرانہ شہرت اور عادلانہ نیکنامی حاصل کر چکا تھا۔ سبکتگین و محمود نے نوح بن منصور کے مخالفوں کو شکست پر شکست دیکر سامانی حقوق کو ادا کر دیا اور سوائے

معمولی اور موسمی خطابوں کے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ غزنی کی ریاست عہد الپتگین سے آزاد و خودمختار چلی آتی تھی۔ اور اس قدر زور پکڑ چکی تھی کہ شاہ بخارا کو بھی آخر بہادران غزنی کا سہارا لینا پڑا اور محمود ی شمشیر نے سامانی وقار بحال کر دیا مگر خاندان سامانیہ کی کمزوری کمال درجہ تک پہنچ چکی تھی شاہ بخارا خود مرد میدان نہ تھا۔ چند پشتوں کی سلطنت سے آرام طلبی۔ عیاشی۔ کاہلی زنانہ صفات کا مجموعہ تھا اس لئے خود غرض اراکین سلطنت کو قابو میں نہ رکھ سکا اور بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ ناچار خراسان کی حکومت بھی سبکتگین کو دیدی گئی۔ خود سبکتگین ہراۃ میں اور بہادر محمود نیشاپور میں مقیم تھا۔ اور ابو علی اور فائق باغی سرداروں کو باپ بیٹے نے شکست فاش دیکر خراسان سے نکال دیا۔ اور نوح شاہ بخارا کو ان دشمنوں سے نجات دلائی۔ نوح رجب ۳۸۷ھ کو فوت ہوا۔ اس کا جائے نشین المراضی منصور بن نوح اور اس کے بعد ابوالحرث شاہ بخارا ہوا جس نے خراسان کا ملک غزنی والوں سے چھیننا چاہا اور محمود سے بگاڑ ہوا۔ محمود نے شاہ بخارا کے گورنر کو شکست دے کر خراسان سے نکال دیا اور ابوالحرث کا مقابلہ بخیال دلی نعمت نہ کیا۔ جس میں کہ محمود کی کامیابی یقینی تھی۔ مگر نمکحرام امرائے بخارا نے ابوالحرث کو اندھا کر دیا۔ اور عبدالملک بن نوح بن منصور امیر بخارا ہوا جس کی مدد محمود کرتا رہا۔ اور اسی عبدالملک پر سامانی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور ملک طوائف الملوکی میں تقسیم ہوگیا۔ مگر خراسان پر غزنویوں کا تسلط رہا +

نسب نامۂ سلطان محمود

محمود بن سبکتگین بن جوقان بن قراالحکم بن قزل ارسلاں بن قراتامان بن فیروزین یزدگرد بن شہریار بن خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں +

ناصرالدین سبکتگین

سبکتگین یزدگرد شاہ فارس کی نسل سے تھا۔ اور گردش زمانہ سے الپتگین کے ہاتھ فروخت ہوا۔ اور حسن لیاقت اور پاکیزہ چال چلن اور بہادرانہ جوش کے سبب ترقی پاکر درجہ امارت کو پہنچ گیا۔ اور پھر الپتگین نے اپنی بیٹی کا نکاح سبکتگین سے کر دیا۔ جس کی وجہ سے غزنی میں جملہ امرائے سے مقدم ہوگیا۔ الپتگین ۲۰ یا ۱۶ سالہ حکومت کے بعد فوت ہوا جس کی جگہ اس کا بیٹا اسحاق حاکم

غزنی ہوا مگر دو سال کے اندر ہی لاولد مر گیا۔ اراکین غزنی نے باتفاق سبکتگین کو ۳۶۷ھ میں امیر بنا لیا جس کی شفقت و رحمدلی عدالت و شجاعت سے کسی کو انکار نہ تھا۔ ملک مقبوضہ میں خوب انتظام کیا اور تمام مخالفوں پر رعب جما لیا۔ یہاں تک کہ شاہ بخارا جو الپتگین اور سبکتگین کو ایک غاصب اور باغی تصور کرتا تھا اب سبکتگین کی امداد کا طالب ہوا۔ اور سبکتگین کی مدد سے اپنے جانی دشمنوں بغراخاں حاکم کاشغر وغیرہ سے جانبر ہوا اور سبکتگین کو سند امارت غزنی عطا کر دی اور پھر حکومت خراسان بھی دیدی۔ سلطنت بخارا دن بدن کمزور ہوتی گئی اور جدید طوائف الملوک ہر ایک لڑائی میں سبکتگین اور اس کے بہادر فرزند محمود سے شکستیں پاکر مضمحل ہو گئے افغانستان۔ خراسان اور کچھ حصہ تاتار پر شاہ غزنی کا پورا تسلط ہو گیا۔ عام مسلمانوں کی نگاہیں صرف سبکتگین پر پڑنے لگیں اسلئے بہادرانِ اسلام سبکتگین کے زیر علم جمع ہونے لگے جسکو ہندوستان میں توحید پھیلانے کا خیال پیدا ہوا سبکتگین سے پہلے اسلام کا فاتحانہ اثر ہند میں بالکل نہ رہا تھا۔ جب تک کہ خلافت بغداد میں جان رہی ہندو راجہ اور مسلمان عہدہ دار باجگذار رہے۔ مگر جوں جوں عباسی خلافت میں ضعف آتا گیا۔ سندھ کے ہندو راجہ مسلمانوں کی اطاعت سے آزاد ہوتے گئے۔ اور مسلمانوں سے مفتوحہ علاقے چھینتے رہے۔ مگر سندھ سے مسلمان خارج نہ ہو سکے۔ اور ایک حصہ ملک پر اُن کا حاکمانہ تصرف رہا اور مصر کے اسماعیلیہ خاندان کے طاقتور ہونے کے ساتھ ہی سندھ کے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ گو مصریوں نے کبھی ہندوستان پر حملہ نہ کیا لیکن اُن کی ابوالعرجی کی داستانیں ہندوؤں کو ضرور مرعوب رکھتی تھیں۔ مسلمانانِ سندھ میں اسماعیلیہ مذہب رواج پا چکا تھا۔ بالخصوص مسلمان رئیس سندھ اور ان کا خاندان ملاحدہ مشہور تھا اور اس ریاست کا صدر مقام ملتان تھا ؛

شاہانِ غزنوی کے حملات کے وقت علاقہ سندھ اور ملتان میں یہی لوگ حکمران تھے۔ غزنویوں سے پہلے جس قدر مسلمان ہندوستان پر حملہ آور ہوئے وہ براہ بلوچستان یا براہ سمندر حملہ آور ہوتے رہے۔ بنی امیہ کے بعد فتوحات ہند میں کوئی ایزادی نہ ہوئی اور خلیفۃ المعتصم باللہ کے مرنے کے بعد خلافت بغداد پر ضعف آتے ہی سندھ آزاد ہونے لگا اور بہادرانِ اسلام خانگی نفاق وغیرہ وجوہات کے سبب وسط ایشیا کے جھگڑوں میں مبتلا رہے جو رستم و کیکاوس جیسے سپہ سالار اور شہنشاہ سے بھی فتح نہ ہو سکے تھے۔ اور ایرانی فوج جیحوں سے پار قدم نہ رکھ سکی تھی۔ جب تک صوفیائے کرام اور علمائے عظام کی برکت نفوس سے ترکوں اور بعد ازاں

اور کچھ مغلوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ مسلمانوں کی توجہ ایشیاء کی دیگر اقوام کی طرف نہ ہو سکی ایک تو وجوہات بالا کے سبب سے دوئم کوہ سلیمان کی دشوار گذار گھاٹیوں اور تند خو افغانوں کے سد راہ ہونے کے باعث سے جنہوں نے اب تک اسلام قبول نہ کیا تھا۔ کابل سے مسلمان براہ کوہ سلیمان نہ بڑھ سکے۔ پشاور اور اس کے قرب وجوار کے پہاڑی قلعے ہندو راجاؤں کی ماتحت تھے۔ ہندو راجہ دولتمندی سامان جنگ کثرت فوج سے ہمسایہ شاہ غزنی کو ہیچ جانتے تھے۔ مذہبی جوش اور قومی اتفاق رکھتے تھے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ گو ہندوستان میں مختلف راجہ تھے۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ پر انہوں نے کمال درجہ کے اتفاق اور یکجہتی سے کام لیا ہندو قومی ضروریات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ حب الوطنی کا پورا جوش رکھتے تھے۔ اور جس طرح کہ آجکل یورپ کی مختلف سلطنتوں میں غیر اقوام کے مقابلہ پر اتفاق ہوتا ہے انہیں اصول کے ساتھ راجگانِ ہند میں رابطہ اتحاد موجود تھا۔ جس سے اہل اسلام کے مقابلہ میں بخوبی کام لیا گیا۔ پس یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ہندوؤں کی طوائف الملوکی اور باہمی نفاق کے سبب مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں سبکتگین کوئی شاہنشاہ نہ تھا اور اس کا مربی الپتگین شاہ بخارا کا نام لیوا اور خلیفہ بغداد کا سکہ وخطبہ جاری رکھنے والا تھا۔ سبکتگین کی ماتحت موجودہ امیر افغانستان سے بھی کم علاقہ تھا۔ اور مدد پر کوئی مسلمان رئیس نہ تھا بلکہ حکام ماوراء النہر و ایران خاندان غزنویہ کے مخالف تھے۔ پس بہادر سبکتگین کو محض چند ہزار بہادرانِ غزنی کی جان بازی پر بھروسہ تھا۔ اور راجگانِ ہند کی فوج اور تمول سے ہرگز لگا نہیں کھا جا سکتا تھا +

قدیم افغانوں اور ہندوؤں کے معرکہ

افغان عرب خالدی ہیں یا قبطی یہودی ہیں یا اولاد یافث بہر حال مسلمانوں کی فتح کابل کے وقت کچھ زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ بروایت فرشتہ خالد بن عبداللہ ایک عرب جدید حاکم کابل سے متوحش ہو کر کوہ سلیمان میں چلا آیا اور ایک کوہستانی مسلمان کو لڑکی نکاح کر دی۔ جس سے لودی اور سور پیدا ہوئے۔ قریباً سو سال بعد جب اُن کی اولاد کثیر ہوئی تو کوہستان سے نکل کر علاقہ پشاور و سواری۔ کوہاٹ۔ ہنڈ وغیرہ پر قابض ہو گئے۔ جو جزو علاقہ راجہ لاہور تھا۔ راجہ لاہور نے ایک امیر کو ہزار سوار دے کر اُن دہقانی افغانوں کی سزا دہی کے لئے مقرر کیا۔ جس کو افغانوں نے سخت جنگ کے بعد تہ تیغ کیا۔ اور راجہ کا اور علاقہ دبا لیا۔ راجہ نے یہ خبر سُنکر

اپنے بھتیجے کو دو ہزار سوار اور پنجہزار پیادہ دے کر افغانی غاصبوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا چونکہ ہندو فوج زبردست تھی اس لئے مسلمانانِ کابل اور غور غلزئی سے افغانوں نے مدد چاہی جس پر چار ہزار بہادر مدد پر آ گئے اور پانچ ماہ کے عرصہ میں ستر لڑائیاں ہندو فوج سے کیں اور میدان سے نہ ہٹے۔ جاڑے کے آنے سے ہندو فوج نقصان کثیر اُٹھا کر بلا فیصلہ کے واپس لوٹ آئی ✦

موسم سرما کے گذرنے اور بہار کے آنے پر راجہ لاہور کا بھتیجا تازہ دم اور فوج لے کر افغانی علاقہ پر حملہ آور ہوا۔ اس دفعہ بھی بدستور سابق کابل وغیرہ کے مسلمانوں نے بلا شمولیت کسی امیر و بادشاہ خود بخود محض حمایت اسلام کے خیال سے افغانوں کی مدد کی اور اٹک پشاور کے درمیان خونریز معرکہ ہونے لگے۔ کبھی ہندو افغانوں کو دباتے دباتے کوہستانی دروں میں پہنچاتے تھے اور کبھی افغان ہندوؤں کو دریائے سندھ تک بھگاتے تھے۔ اِسی طرح کئی ماہ تک غیر فیصل لڑائیاں ہوتی رہیں۔ کہ اتنے میں موسم برسات آگیا اور ہندو فوج کو چونکہ افغانوں نے کئی دفعہ دریائے سندھ تک بھگایا تھا۔ اِس خیال سے کہ کسی سخت موقعہ پر سندھ کی طغیانی مانع عبور ہو کر باعثِ ہلاکت نہ ہو۔ ہندو فوج ناکام لڑائیاں لڑ کر سندھ سے پار ہو گئی اور افغان اور اُن کے مددگار اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور راجہ سے بالکل علیحدہ اور آزاد ہو گئے اس کے بعد راجہ لاہور اور قوم کھوکھر میں مخالفت پڑی اور کفار کھوکھر نے ان آزاد شدہ افغانوں سے موافقت کر لی۔ راجہ لاہور جو افغانوں کے ہاتھ دیکھ چکا تھا اب افغانوں سے طالب اتحاد ہوا۔ اور دریائے سندھ کے کنارہ کا کچھ اور علاقہ دیکر کھوکھروں کے معاملات میں عدم مداخلت کے علاوہ کابل غزنی کی طرف سے اہل اسلام کے حملات روکنے کا وعدہ لیا۔ افغانوں نے اس رُکاوٹ کے لئے خیبر میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس وعدہ کو عمدگی سے پورا کیا۔ عہد سامانی میں کوئی حملہ آور خیبر کے راستہ ہندوستان پر حملہ نہ کر سکا۔ اور علاقہ لاہور افغانوں کے سبب سے محفوظ رہا۔ جب الپتگین نے غزنی میں ایک جدید سلطنت کی بنیاد رکھی۔ شمال۔ مغرب۔ مشرق میں شاہ بخارا کا تسلط تھا۔ جنوب کے سوا اور کسی طرف ملک نہ بڑھا سکتا تھا۔ الپتگین کے سپہ لار سبکتگین نے قلعہ خیبر کو فتح کر کے علاقہ پشاور وغیرہ آنزوئے دریائے سندھ کو جو اس وقت کسی ہندو راجہ کے ماتحت نہ تھا۔ قبضہ تصرف میں لانے کی کوشش کی۔ افغان جو حملات سبکتگین کی تاب نہ لا سکے اور اس بہادر اولوالعزم کو نہ روک سکے۔

راجہ جیپال کو اطلاع دی جس نے راجہ بھٹر کے مشورہ سے سلطنت غزنی اور لاہور کے درمیان ایک افغانی ریاست قائم کرنے کی رائے دی تاکہ مغربی حملہ آوروں کے لئے کافی روک ہو سکے۔ روپیہ وغیرہ مدد کے علاوہ شیخ حمید ایک بارسوخ افغان کو ایک جائز والی ریاست تسلیم کیا اور سوا صل سندھ کا علاقہ اُس کو دیدیا۔ اس تاریخ سے ایک افغانی ریاست کی بنیاد پڑی۔ اور افغان اپنی قومی ریاست کے استحکام کے لئے الپتگین کی فوجوں کی پیش قدمی روکتے رہے مگر جب خود سبکتگین حملہ آور ہوا۔ تو شیخ حمید مآل کار سے ڈر کر سبکتگین کا مطیع ہو گیا۔ اور دور اندیش سبکتگین نے پشاور وغیرہ کی جگہ شیخ حمید کو ملتان فتح کر کے جاگیر میں دیدیا۔ ملتان اس کا مختصر علاقہ عہد بنی امیہ سے مسلمانوں کے تصرف میں چلا آتا تھا۔ اسی شیخ حمید کا پوتا ابوالفتح داود بن نصر والی ملتان ہندو راجگان سے سازش کرنے کے جرم میں سلطان محمود کے ہاتھ سے تباہ ہوا +

جیپال کی چڑھائی

راجہ جیپال یہ دیکھ کر کہ شیخ حمید افغان سبکتگین سے مل گیا ہے اور سبکتگین کے حملات روکنے اور پنجاب کو بچانے کے لئے جو افغانی طاقت کی دیوار آہنی قائم کی گئی تھی۔ وہ تو ٹوٹ گئی اور افغان اسلامی فوج کے راہبر اور مددگار بن گئے۔ اس لئے بہادر جیپال نے خود اپنی شمشیر سے سبکتگین کی پیش قدمی کے اندیشہ کو ہمیشہ کے لئے مٹانے کی کوشش کی اور راجگان ہند کی چیدہ اور منتخب فوج کو لیکر دریائے سندھ سے اُتر گیا اور سبکتگین کے عہدہ داروں اور ان کے افغانی مددگاروں کو دباتا ہوا درۂ خیبر سے پار نکل گیا۔ اور خاص علاقہ غزنی پر حملہ آور ہوا۔ پس اس لڑائی کا بانی خود راجہ جیپال تھا سبکتگین نے افغانوں کے وہ قلعہ اور قصبات فتح کئے تھے جو خود مختار تھے۔ اور ان کا سردار بھی مسلمان افغان تھا۔ شیخ حمید کا ماتحت سبکتگین ہونا اتحاد مذہبی کے رو سے بھی درست تھا۔ مگر راجہ جیپال اپنی ذاتی شجاعت اور راجگان ہند کی قومی طاقت کے سبب غزنی کی چھوٹی سی ریاست کو ہندوؤں کی کثرت آبادی اور تمول اور بہادرانہ جوش کے مقابلہ میں ہیچ جانتا تھا اور سبکتگین کو کسی مسلمان سلطان یا امیر سے بیرونی امداد ملنے کی امید نہ رکھتا تھا سبکتگین کو شروع ہی میں دبانا اور کچلنا چاہا۔ راجہ جیپال کی یہ دانشمندی اور زبردست پولیٹیکل چال تھی۔ اگر کامیاب ہو جاتا تو مغربی حملہ آوروں کا کچھ عرصہ کے لئے

خوف جاتا رہتا۔ اور ہندو بہادروں کا رعب فوج غزنی پر بیٹھ جاتا +

سُبکتگین اور جیپال کا جنگ

سبکتگین بھی فوج خاصہ اور چند ہزار مجاہدین لیکر مقابل ہوا۔ اس لڑائی کا موقعہ گھاٹی خورک لکھا ہے جو نواح جلال آباد کے قریب ہے۔ جہاں کی خونی برف کی ہندوستانی اب بھی برداشت نہیں کر سکتے جیسا کہ ۱۸۴۱ء میں انگریزی اور ہندوستانی فوج کا صفایا اسی برف باری سے ہوا تھا۔ مسلمانوں کی فتح اور ہندوؤں کی شکست کی وجوہات میں ایک چشمہ کا ذکر لکھا ہے کہ اس نواح میں ایک ایسا چشمہ تھا کہ اگر اس میں کچھ نجاست ڈالی جائے تو رعد و برق برف و باراں شروع ہو جاتے تھے۔ سبکتگین نے بھی اس چشمہ میں کچھ نجاست ڈلوا دی جس سے برف پڑنے لگی اور ہندو فوج جو سردی کی عادی نہ تھی ٹھٹھر کر مرنے لگی۔ جیپال نے مجبور ہو کر درخواست صلح کی۔ یہ روایت غلط ہو یا صحیح بہرحال ہندوؤں کی شکست کی وجہ برف و باراں ہی ہو سکتی ہے۔ گویا سبکتگین نے جیپال کو بزور شمشیر مغلوب نہ کیا بلکہ قدرتی اسباب باعث فتح ہوئے۔ سبکتگین کا اولوالعزم بیٹا محمود جو جیپال کی مشکلات سے واقف تھا اس صلح کے برخلاف تھا اور ایسے مفید اور نازک موقعہ سے فائدہ اٹھا کر جیپال کو حملہ کی سزا کافی دینا چاہتا تھا۔ مگر سبکتگین نے درخواست صلح منظور کر لی جیپال نے خرچہ جنگ اور پچاس ہاتھی اور شمالی قلعے دینے قبول کئے ادائے نقد کے لئے چند ہندو سردار بطور ضمانت سبکتگین کے حوالہ کئے اور سبکتگین کے چند معتبر روپیہ دینے کے لئے ساتھ لئے اور دارالسلطنت میں پہنچکر مسلمان معتبروں کو قید کر لیا اور حسب وعدہ روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔ راجہ جیپال کی یہ ایسی حرکت تھی کہ کوئی غیور بھی درگذر نہیں کر سکتا مسلمان سرداروں کا چھوڑنا ضروری تھا۔ اس لئے مسلمانوں میں عام جوش پھیل گیا۔ ناظرین خیال کر سکتے ہیں۔ کہ ان لڑائیوں کا باعث خود راجہ جیپال ہوا۔ جس نے پہلے بھی خود مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اور مسلمان مدافعانہ جنگ پر مجبور ہوئے۔ جبکہ سبکتگین کو پوری کامیابی کی امید تھی اور جیپال ایسی مصیبت میں گرفتار تھا کہ اگر سبکتگین پیچھا نہ چھوڑتا تو ایک ہندو بھی بچکر نہ جا سکتا مگر سبکتگین کی نرمی اور حد لی ہندوؤں کے کام آگئی۔ اب بھی جیپال ہی جو ہندوستان کی وسعت اور کثرت آبادی اور ہندو راجگان کی مدد اور اپنی ذاتی شجاعت کے سبب مسلمانوں کو ہیچ جانتا تھا۔ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ کا مصداق ہوا سبکتگین کے ساتھ گو فوج قلیل تھی۔ مگر یہ وہ لوگ تھے جو الجنۃ

تحت ظلال السیوف پر دل سے یقین رکھتے تھے اور قومی لڑائی سے دل چرانا پیٹھ دکھانا گناہ کبیرہ جانتے تھے یہ گروہ مجاہدین جو بیس ہزار سے کم تھا فتح ہندوستان کے لئے روانہ ہوا۔ جیپال کی کثرت فوج اور ہندوستان کی مردم شماری کا کچھ خیال نہ کیا کہ جس کی بہتات پر ہندو مغرور تھے۔ ان بہادروں نے راستہ کے تمام پہاڑی قلعہ فتح کرلئے اور درۂ خیبر جیسے دشوار گذار راستہ سے بھی بزور شمشیر گذر کر ہندو فوج کو شکست پر شکست دیکر علاقہ پشاور کو زیر و زبر کر دیا۔ اور قلعہ لمغان واقعہ دریائے اٹک کے حصہ حصین کی جس میں ہندو فوج کافی موجود تھی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی خلافتی کی منادی اس علاقہ میں کی گئی گویا سرحدی صوبہ کے اضلاع پشاور وغیرہ میں پہلا مجاہدانہ سبیل اللہ سبکتگین ہوا۔ اس دفعہ چونکہ راجہ جیپال عدم تیاری کے سبب مقابلہ کو نہ نکلا اس لئے سبکتگین دریائے اٹک تک فتح کرکے واپس ہوا۔

سبکتگین اور جیپال کا جنگ دوئم

اور

ہندو جوش

جیپال جو جمع آرائی فوج میں لگا ہوا تھا جب ہندوستان کے مختلف راجاؤں کی فوجیں پہنچ چکیں اور ہندوؤں میں پورا مذہبی جوش پیدا کر چکا اور تیاری مکمل ہو چکی تو ایک لاکھ فوج لیکر سبکتگین کو ہمیشہ کے لئے تباہ کرنے اور مسلمانوں کو راجپوتی کھانڈے کی پُرانی دکھانے اور مغربی حملہ آوروں کے خدشہ کو دوامی طور پر ہٹانے کے لئے روانہ ہوا۔ اس وقت ہندوؤں میں جب اوطنی اور قوم پرستی کا پورا جوش تھا جان و مال اس قومی جنگ میں قربان کرنے کو تیار تھے اور ملک کے سچے خیر خواہوں کی طرح ملک کو بچانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور اس نتیجہ کو بخوبی سمجھے ہوئے تھے کہ بصورت شکست ہندو سلطنت کی خیر نہیں اس وجہ سے تمام ہندو تن من دھن سے ایثار نفوس پر تلے ہوئے تھے۔ سبکتگین بھی یہ خبر سن کر واپس ہوا اگر نہ ہوتا تو ہندوؤں کا ٹڈی دل غزنی تک پیچھا نہ چھوڑتا۔ نواح پشاور میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اگرچہ مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کا پانچواں حصہ تھی۔ مگر مسلمان قومی ہیکل جنگی فنون سے واقف۔ تجربہ کار۔ مشتاق شہادت تھے اور ایسے غازیوں کی قلت ہمیشہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں مخالفوں کی کثرت پر بھاری رہی تھی۔ اور کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً کی

زبردست تاریخی مشاہدے یاد رکھتی تھی۔ اس لئے ہندوؤں کی کثرت فوج کا سبکتگین اور اُس کے بہادروں کے دلوں پر کوئی اثر نہ پڑا۔ سبکتگین نے جو ایک تجربہ کار جرنیل تھا اپنی فوج کے کئی حصّہ کر دئے اور ہر ایک حصّہ (ڈویژن) کو باری باری سے حملہ کرنے اور جنگ کو طول دینے کا حکم دیا۔ جب ایک حصہ (ڈویژن) فوج تھک جاتا تو دوسری فوج اُس کی جگہ لیکر لڑائی جاری رکھتی اس طرح اسلامی لشکر تازہ دم ہو کر لڑتا اور ہندو فوج تمام لڑائی میں حصّہ لے رہی تھی جب اس طرح کی لڑائی سے ہندو فوج تھک گئی۔ تو سبکتگین نے تازہ دم فوج خاصہ کے ساتھ حملہ کر دیا جس کا ساتھ تمام اسلامی فوج نے دیا۔ ہندو قوی ہیکل زور آور مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لاسکے اور بھاگ نکلے ہزارہا قتل و قید ہو گئے جیپال باقیماندہ ہمراہیوں سمیت جان بچا کر بھاگ گیا۔ مال کثیر غنیمت میں سبکتگین کو ملا۔ اس شکست سے ہندوؤں کی طاقت اور ہمت ٹوٹ گئی۔ اور آئندہ خود حملہ کرنے کی جرات نہ رہی دریائے اٹک تک اسلامی علاقہ وسیع ہو گیا۔ اور راجہ جیپال نے خراج دینا منظور کیا۔ جو سبکتگین کی وفات تک برابر ادا ہوتا رہا۔ بیس سال کی حکومت کر کے شعبان ۳۸۷ھ ۶۷ سال کی عمر میں موضع زندواقہ علاقہ بلخ میں فوت ہوا۔ سبکتگین رحیم کریم۔ عادل۔ شجاع پابند شریعت سلطان تھا۔ ہندوستان کی فتوحات کا نئے سر سے اس نے ہی دروازہ کھولا +

سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور ابتدائی مہمات

سلطان محمود جمعرات شب عاشورہ ۳۶۱ھ میں پیدا ہوا۔ اُسی رات ولادت سے پہلے سبکتگین نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے آتشدان سے ایک درخت اُگا ہے جس کا سایہ آناً فاناً تمام دنیا میں پھیل گیا ہے۔ متردد ہو کر خواب سے اُٹھا اور تعبیر سوچ رہا تھا۔ کہ دفعتہً بیٹے کے پیدا ہونے کی خبر پہنچ گئی۔ شکر بجا لایا اور محمود نام رکھا اور اسی رات علاقہ پشاور میں کنارہ دریائے سندھ پر مشہور اور قدیمی مندر تھا جس کو نہایت مقدس خیال کیا جاتا تھا خود بخود گر پڑا۔ اور تزلزل در ایوان کسریٰ فساد کی مطابقت نے اُس کو آئندہ مسعود ثابت کر دیا بخومی محمود اور رسالت پناہی صلعم کا طالع یکساں بتلاتے تھے واقعی نتائج اسلامی کے رو سے درست تھا +

سلطان محمود اپنے نامور باپ کے عہد میں ہی شجاعت اور عام لیاقت میں نام پا چکا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد گورنر خراسان تھا۔ چھوٹے بھائی اسمٰعیل نے جو الپتگین کا نواسہ

اور اس شاہی رشتہ کے سبب سے محمود جس کی والدہ بیس زابل کی بیٹی تھی اپنے آپ کو محمود سے زیادہ مستحق سلطنت جانتا تھا تخت و تاج پر قبضہ کر لیا محمود نے ہر چند سمجھایا مگر راہ راست پر نہ آیا۔ اور مقابلہ پر شکست پاکر قید ہوا۔ اور محمود تخت غزنی پر متمکن ہوا اول اول تو ابوالحرث سامانی والی بخارا اور خلف بن احمد ایک باغی حاکم کو صلح و جنگ اور ایبک نال شاہ ترک کو شکست دیکر وسط ایشیا میں اپنا رعب جمایا۔ اس زمانہ خانہ جنگی میں راجہ جیپال نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کئے خراج دینا بند کر دیا اور شمالی حدود پر پیش قدمی شروع کر دی۔ سلطان محمود پہلے تو مسلمانوں کی خارجی اور داخلی مخالفتوں کے دبانے میں مصروف رہا۔ مگر ادھر سے فراغت پاکر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا +

سلطان محمود ہندوؤں میں کیوں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے؟

ہندوؤں میں عموماً سلطان محمود اپنی عالمگیر فتوحات کے سبب سے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر اس کا صرف فاتح ہونا ہی باعث نفرت نہیں بلکہ سلطان کے جو جو واقعات ہندوؤں کو سنائے گئے وہ زیادہ اور حقیقی رنجش کا باعث ہیں۔ یہ حالات ہندوؤں کو یورپین مؤرخوں کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ جن کی تصانیف پولیٹیکل اغراض اور قومی فوائد سے کبھی خالی نہیں ہوتیں ہم واقعات سے ان غلط خیالات کی تردید آگے چلکر کرینگے۔ بہادر اولوالعزم اشخاص کا نام عزت سے لینا خواہ کسی قوم کے ہوں۔ ہر ایک بہادر غیور شریف کا فرض ہوتا ہے۔ مگر بہادرانِ اسلام کی تاریخ کا تاریک پہلو غلط طور پر ہندوؤں کو دکھایا گیا ہے جس سے ہندو صرف اسلامی گورنمنٹ کو ہی ظالم و جابر دشمن آزادی نہیں جانتے بلکہ مذہب اسلام کو بھی بہت برا خیال کرتے ہیں۔ ہندو مسلمانوں کے فساد کی جڑ یہی تاریخیں ہیں جو بچپن سے پڑھائی جاتی ہیں +

ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ خود راجہ جیپال سبکتگین کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ اور ہلاکت کو یقینی دیکھ کر طالب صلح ہوا اور مخلصی پاکر عہد شکن ہوا۔ لڑائی کے بعد مکرر صلح سے فائدہ اٹھایا۔ سبکتگین کے مرنے پر پھر مخالفانہ حرکات کرنے لگا۔ ایسے مشتبہ حالات میں اگر سلطان محمود کی جگہ کوئی اور مہذب گورنمنٹ بھی ہوتی تو وہ بھی سوائے اس کے اور کیا کرتی۔ کہ راجہ جیپال کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے معدوم کر دیتی۔ اور روز مرہ کی مشکلات سے نجات

پاتی پس سلطان محمود کا پنجاب پر حملہ کرنا بے وجہ نہ تھا بلکہ خود حملہ کا باعث راجہ جیپال تھا۔ اگر یہ وجہ بھی نہ ہوتی تو بھی ایک اوالعزم فاتح کے لئے کشور کشائی کوئی امر معیوب نہیں۔ ایرانی یونانی۔ رومی۔ تاتاری۔ عرب اور آج کل کی یورپین قومیں انہیں صفات سے ممتاز ہیں۔ خود ہندو بہادروں کے سرتاج راجہ رام چندر جی فتح لنکا کے سبب درجہ معبودیت تک تسلیم کئے جاتے ہیں۔ بہادران کوہ جیتر کے نام پر ہندوؤں کو کمال فخر ہے پس سلطان محمود کا فاتح ہندوستان ہونا منصف مزاج لوگوں کے لئے کوئی وجہ نفرت نہیں ہونی چاہیئے +

سلطان محمود اور یورپین مؤرخ

لیتھبرج صاحب اپنی تاریخ مروجہ مدارس پنجاب میں سلطان محمود کے حملات کی وجہ لکھتے ہیں "کہ محمود کا ہند کی دولت پر تو دانت تھا ہی مگر ساتھ ہی یہ بھی آرزو تھی کہ بڑے بڑے بانکے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے دین اسلام میں داخل کرے"

(۱) پہلا اعتراض نہایت رکیک اور موردخانہ کانشنس سے گرا ہوا ہے بھلا ہندوستان کی دولت پر کس کے دانت نہیں رہے۔ آریا۔ ایرانی۔ یونانی اسی دولت کے لئے ہندوستان کی آبادی کی اوسط گھٹاتے رہے۔ یورپ کی مختلف قومیں اسی سونے کی چڑیا کے پھانسنے کے لئے بالمقابل طرح طرح کے جال پھیلاتی رہیں۔ اسی دولت ہند کے سمیٹنے اور بچانے کے لئے لیتھبرج صاحب کے ہم قوم ناخنوں تک زور لگاتے رہے ہیں +

فاتح اقوام اور سلاطین غیر ممالک کے فتوحات حصول دولت کے لئے ہی کیا کرتے ہیں لیتھبرج صاحب کا یہ اعتراض روئے زمین کی کل بہادر قوموں اور فاتح سلاطین پر عائد ہوتا ہے۔ افسوس کہ تعصب یا کسی اور مصلحت نے لیتھبرج صاحب کو ایسا دل شکن اور رکیک غیر منصفانہ فقرہ لکھنے پر مجبور کیا +

(۲) دوسرا اعتراض راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا واقعات کے خلاف ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ سلطان محمود دین اسلام کا بہت بڑا حامی اور پابند احکام اسلام تھا۔ مگر یہی پابندی اس کو جبراً مسلمان کرنے سے روکتی تھی۔ اسلام کا صاف اور صریح حکم "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"

موجود تھا اور اس کی پابندی کی مثالیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات حیات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حالات میں سینکڑوں ملتی تھیں۔ ایسا جبریہ اسلام خدا و رسول کے نزدیک ہرگز مقبول نہیں اور نہ اس سے کسی ثواب اخروی کی امید ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگ جو دل سے ایمان نہ لائیں اور کسی طمع یا خوف سے اسلام ظاہر کریں منافق کہلاتے ہیں اور منافقوں سے دوری و مہجوری اور ان کا عدم اسلام قرآن سے ثابت ہے۔ پس اگر سلطان محمود بانکے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے اسلام میں داخل کرنا چاہتا تھا تو اُس کی یہ آرزو عبث اور فضول تھی۔ جس کام سے دینی و دنیوی فائدہ حاصل نہ ہو اس کا کرنیوالا پاگل اور دیوانہ کہلاتا ہے۔ حالانکہ سلطان محمود کی متواتر کامیابیاں اور سینکڑوں زبردست مخالفوں پر فتحیابیاں اور نصف ایشیا کا تسلط اس کو اپنے زمانہ کا زبردست مدبر اور پالیٹشن ثابت کرتا ہے ایسے پابند اسلام اور ملکی ضروریات کے سمجھنے والے سلطان سے جبریہ اسلام کی غلط اور مضر کارروائی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی کیا اچھا ہوتا جہاں لیتھبرج صاحب نے یہ چونکا دینے والا اعتراض لکھا تھا وہاں چند ایک مثالیں بھی لکھ دیتے کہ فلاں فلاں بڑے بانکے راجپوت کو سلطان نے بزور شمشیر مسلمان کیا۔ تاکہ کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہتی۔ مگر لیتھبرج صاحب اور دیگر مؤرخوں کی تاریخوں میں کوئی ایسا واقعہ نہیں پایا جاتا کہ جس سے لیتھبرج صاحب کے قول کی تصدیق ہوتی۔ ہندو مؤرخ بھگوان داس اور بسان رائے جنہوں نے ایک دو صدی پیشتر تاریخیں لکھی ہیں وہ بھی جبریہ اسلام کے واقعات سے خاموش ہیں۔ جنکو کہ ایسے واقعات سے لیتھبرج صاحب کی نسبت زیادہ ہمدردی تھی ؛

مسلمان مؤرخ جو زمانہ حال کی طرح کسی پالیسی کے پابند نہ تھے اور نہ اُس زمانہ اقبال میں اُن کو کسی معترض کا خوف تھا اگر کوئی واقعہ بانکے راجپوتوں کو جبراً مسلمان کرنے کا ہوتا تو صاف لکھ دیتے جیسا کہ اُنہوں نے بتوں کا توڑنا اور مندروں کو لوٹنا بلا خوف و خطر بلکہ بعض نے فخریہ طور سے لکھا ہے بیسیوں محقق مؤرخین اسلام اور ہندو مؤرخ تو کسی بانکے راجپوت کا بزور مسلمان کرنا بیان نہ کریں اور لیتھبرج صاحب پر زور لفظوں میں سلطان محمود کا تذکرہ اسی سے شروع کریں ؛ (افسوس صد افسوس)

اگر لیتھبرج صاحب یا کسی یورپین مؤرخ کو اس قسم کا واقعہ مل سکتا تو کبھی اخفا نہ کرتے جبکہ یہ دل آزار فقرہ لکھ دیا کہ "اس کی فوج متھرا سے اسقدر ہندوؤں کو پکڑ کر لے گئی۔ کہ غزنی میں دو دو روپیہ کو ہندو غلام بکا" اگر درحقیقت بڑے بڑے بانکے راجپوت جبراً مسلمان کئے

جاتے اور لیتھبرج صاحب کو کوئی نظیر مل سکتی تو یکھنے سے کبھی نہ ٹلتا اور انشاپردازی کا خوب زور دکھاتا اس قسم کی خاموشی بطلان دعوے کی دلیل ہے۔ لیتھبرج صاحب نے یہ بہتان اُن متعصبین یورپ کے غیر محققانہ خیال کی تقلید میں لگادیا ہے جو وہ اشاعت و ترقی اسلام کی نسبت کور کورانہ رکھتے ہیں۔ کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے" لیتھبرج صاحب اسلامی تاریخ سے اس قدر ناواقف ہے کہ خلیفہ دمشق اور خلیفہ بغداد میں تمیز نہیں کرسکا۔ جس کا فٹ نوٹ محمد بن قاسم فاتح سندھ کے حال میں لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اسلامی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی خلفائے دمشق اور خلیفہ بغداد کی عداوت کو جانتا ہے۔ اور دمشق اور بغداد کا علیحدہ علیحدہ محل وقوع پہچانتا ہے مگر فاضل لیتھبرج صاحب دمشق اور بغداد میں امتیاز نہیں کرسکا۔ واقعہ متصرا میں بھی اگر غور کی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمود کو جبراً مسلمان کرنے کا شوق نہ تھا اگر ہوتا تو متصرا کے بے کس بے بس قیدی جنکا کوئی حامی و مددگار نہ تھا جبراً مسلمان کئے جاتے۔ جس محمودی تلوار نے ہندوؤں کو قید کی ذلت اُٹھانے اور غزنی میں غلامی کی تکلیف برداشت کرنے پر مجبور کیا اسی تلوار کا خوف ان کو جبراً اسلام میں داخل کراسکتا تھا۔ اور سلطان محمود اپنے شوق و آرزو کو پورا کرسکتا تھا جس میں کوئی امر مانع نہ تھا مگر بقول لیتھبرج صاحب ہندو غلاموں کا غزنی میں ڈھوڈھو روپیہ کو بکنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ ہندو مسلمان نہیں کئے گئے۔ کیونکہ بحالت اسلام غلام بنانا اور فروخت کرنا اصول اسلام کے برخلاف ہے۔ ان میں بڑے بڑے بانکے راجپوت ہونگے جو اسیران جنگ تھے اس قسم کے قیدیوں کی تعداد ترپن ہزار ہو یا لاکھ محمودی فتوحات کے مقابلہ میں کروڑوں ہندوؤں کی آبادی پر خیال کرنے سے کچھ زیادہ دکھائی نہیں دیتی۔ ہندو لاکھوں کے شمار میں شمشیر بکف سلطان کے مقابل آتے رہے ایسے فوجی لوگوں میں سے ترپن ہزار اسیران جنگ کی تعداد حیرت افزا نہیں ہے۔ یہ لوگ جنگی اشخاص تھے جنہوں نے آخیر دم تک تلوار کو ہاتھ سے نہ رکھا اور بعد شکست قید ہوئے ایسے قیدیوں کو کوئی عقلمند فاتح کھلے بندوں چھوڑ کر مشکلات نہیں بڑھا سکتا۔ اور محفوظ جگہ میں رکھتا ہے۔ ہندوستان میں سلطانی فوج نے ابھی مستقل سکونت اختیار نہیں کی تھی اور اسلامی سلطنت قائم نہیں ہوئی تھی۔ ایسے قیدی غلامانہ نام سے پکارے گئے یا ملازمانہ طور سے رہے بہرحال اُن قیدیوں کی نسبت بہتر سلوک ہوتا تھا جو اُس زمانہ میں یورپ خصوصاً رُوم میں مسلمان قیدیوں اور حبشی غلاموں سے کیا جاتا تھا۔ اسلام کی غلامی تاجداری شمار ہوتی تھی ✦

اگر سلطان محمود کو عام ہندو رعایا کے غلام بنانے کا شوق ہوتا تو کروڑوں تک نوبت پہنچتی جن کے قید کرنے میں کوئی مشکل نہ تھی اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عام ہندو رعایا سے تعرض نہیں کیا گیا۔ صرف فوجی اشخاص کو قید کیا گیا جو ضابطہ جنگ کے خلاف نہ تھا ۔

لیتھبرج صاحب کے الزام کی تردید پر مین مؤرخ انفنسٹن صاحب نہایت زور سے کرتا ہے اور اپنی تاریخ اُردو کے صفحہ ۵۵۵ پر لکھتا ہے کہ "یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس نے (سلطان محمود نے) ایک ہندو کو بھی مسلمان کیا ہو" اور صفحہ ۵۵۶ پر لکھتا ہے کہ "سوائے لڑائی کے کسی ہندو کو قتل نہیں کیا" یہ اُس مؤرخ کا قول ہے جو سلاطین اسلام پر الزام و بہتان لگانے میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور واقعات کی توڑ پھوڑ سے خلاف اسلام نتائج نکالنے میں بہت بڑا ہے ۔ مگر اس کو جب کوئی واقعہ نہ ملا تو اقرار کرنا پڑا کہ نہ سلطان سلطان محمود نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان کیا اور نہ جنگی اشخاص کے سوا عام ہندو رعایا میں سے کسی کو قتل کیا۔ اسی مضمون کو ایک قدیم فاضل مؤرخ نے نظم کیا ہے ۔

نظم

ہر جا کہ جنبش رسیدہ — اقبال برہنہ پا دویدہ
شیرانِ جہان شکار کردہ — دز مورچگاں کنار کردہ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمود نے عام ہندو رعایا کو نہ قید کیا نہ ستایا نہ لوٹا نہ کوئی تکلیف دی۔ صرف راجاؤں اور اُن کی فوج سے تعلق رکھا بعد شکست راجاؤں کو تاج بخشی ہوتی رہی جیسا کہ راجہ جیپال۔ انند پال۔ راجہ قنوج۔ کالنجر۔ گوالیار۔ گجرات وغیرہ ۔

سلطان محمود کے ہندو جرنیل اور ہندو فوج

سلطان محمود کو اگر اُس وقت کے ہندو جو زمانہ حال سے زیادہ پرجوش اور پابند مذہب تھے واقعی متعصب اور جبراً مسلمان کرنیوالا جانتے تو کبھی اُس کی فوجی ملازمت قبول نہ کرتے۔ اور نہ خود مدبر سلطان ایسی آزردہ خاطر قوم کو فوجی عنصر بناتا جس پر کہ اس کے شاہانہ فاتحانہ اقتدار کا مدار تھا اور فوج بھی وہ جو بقول مخالف ہر سال اُن کے ہی ہندو بھائیوں کو جبراً مسلمان کرتی رہتی تھی اور ہندو مذہب بگاڑتی تھی ۔

آج کل کے اہل الرائے اصحاب اس بات کا بخوبی وزن کر سکتے ہیں کہ اُس وقت جبکہ ہندوؤں کی زبردست سلطنتیں موجود تھیں جن کی حرارت اور مذہبی عصبیت کمال درجہ پر تھی۔ اسلامی گورنمنٹ کے ہندوستان میں پاؤں جمے تھے اُس کی آمد و رفت محض تجارتانہ شمار ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں جبراً مسلمان کرنیوالا سلطان ہندوؤں پر ہرگز فوجی اعتبار نہ کر سکتا تھا۔ اور نہ ہندو ایسے بے غیرت تھے کہ بزور شمشیر مسلمان کرنے والے سلطان کے نام پر جانیں قربان کریں کوئی گورنمنٹ ہو جب تک کہ کسی قوم پر پورا اعتماد نہ رکھے اُس قوم کو نہ فوج میں بھرتی کر سکتی ہے اور نہ ذمہ واری کے عہدے دے سکتی ہے سلطان محمود کے پاس ہندوؤں کی زبردست فوجیں موجود تھیں جنکے سپہ سالار اور افسر ہندو لکھے ہیں۔ ہندو سلطان کے بے تعصبانہ فیاضانہ سلوک سے خوش و خرم تھے اور سلطان ہندو فوج پر بھروسہ رکھتا تھا۔ ایلک خاں شاہ ترکستان کے معرکہ عظیم میں جو حدود ترکستان میں ہوا تھا ہندو فوج اور ہندو بہادروں کو فوج قلب میں کھڑا کیا گیا تھا۔ جس کے ثبات و عدم ثبات پر عموماً فتح و شکست کا انحصار ہوتا ہے اور کمانڈر کی جان کی محافظ بھی ہوتی ہے تاریخ یمینی صفحہ ۲۱۸ میں ہندوؤں کا قلب میں قائم ہونا لکھا ہے جہاں کہ سلطان کا چھوٹا بھائی امیر نصر اور مشہور عرب سپہ سالار عبداللہ طائی کھڑے کئے گئے تھے۔ ہندوؤں کے اس اعتبار و وقار کا باعث سلطان محمود کی بے تعصبی۔ فیاضی۔ سیر چشمی۔ رعایا پروری تھی ؛

سلطان کی وفات کے وقت ہندو جرنیل معہ ہندو فوج غزنی میں موجود تھی۔ تاریخ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ سلطان محمود کی وفات پر جب سلطان محمد بن سلطان محمود تخت نشین ہوا اور خواجہ ایاز معہ غلامان خاصہ اور جرنیل علی خویشاوند کے سلطان مسعود کے پاس ہرات جا نیکو غزنی سے بھاگا تو سلطان محمد نے سوندیرائے سپہ سالار ہندو فوج کو تعاقب میں روانہ کیا تھا جس میں کہ بہادر سوندیرائے معہ بہت سے ہندوؤں کے میدان میں مارا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو دربار غزنی میں کسقدر اعتبار اور اقتدار رکھتے تھے کہ خواجہ ایاز جیسے مشیر سلطانی اور علی حاجب جیسے معزز و مقتدر جرنیل کی گرفتاری کے لئے ہندو سپہ سالار منتخب کیا گیا جو حق نمک ادا کرتا ہوا آل محمود پر قربان ہو گیا ؛

سوندیرائے خالص ہندو آنہ نام ہے اس کے ماتحت فوج کو بھی ہندو فوج لکھا ہے اگر اس فوج کو نو مسلم ہندو فوج کہا جائے تو جبراً بزور شمشیر مسلمان کئے ہوئے ہندو کیوں جانیں قربان کرتے اور نہ سلطان ہی ایسا غیر محتاط تھا کہ ایسے ضرر رسیدہ اور جبراً اسلام لائے ہوئے ہندوؤں کو

فوجی خدمات دیتا اور مسلمان مؤرخ نومسلموں کو ہندو لکھتے اسلام لانے کے بعد سب کے لئے ایک ہی لفظ مسلمان استعمال ہوتا ہے پس یہ امر صاف ہے کہ سوندیرائے کے ماتحت ہندو فوج تھی جو سلطان محمود کے بے تعصبانہ اعمال اور فیاضانہ افعال سے گرویدہ ہوکر محمودی فوج کی قابل اعتبار جزو بن گئی تھی اور محمود کے جانشین نے مخالفوں کے مقابلہ کے لئے اسی ہندو فوج کو منتخب کیا ہندو سپہ سالار سوندیرائے رفاقت رہا یہ فدویانہ جوش سلطان محمود کے منصفانہ اور آزادانہ سلوک کا نتیجہ تھا۔

سوندیرائے کے علاوہ اور بھی ہندو جرنیل تھے۔ جب سلطان مسعود بلخ کی طرف مصروف تھا احمد نیازنچی سلطان محمود جسکو مسعود نے بجرم خیانت جرمانہ اور قید کی سزا دی تھی اور پھر معافی دیکر کچھ حصہ پنجاب کا حاکم مقرر کیا تھا باغی ہوگیا۔ سلطان مسعود نے ایک ہندو جرنیل کو جس کا نام فارسی تاریخوں میں بانھ لکھا ہے جو دراصل ناتھ معلوم ہوتا ہے معہ ہندو فوج کے احمد باغی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ناتھ معہ ہندو فوج کے حق نمک ادا کرتا ہوا میدان جنگ میں معہ ہندو فوج کے مارا گیا سلطان مسعود نے اُس کی جگہ پر ہندو جرنیل تولک (تلک) کو ہندو فوج دیکر پنجاب کو روانہ کیا سباغیوں نے سخت مقابلہ کیا۔ مگر تلک جس کی مدد پر مسلمان سردار بھی پہونچ گئے تھے۔ کئی لڑائیاں لڑا کر غالب آیا۔ باغی کچھ مارے گئے کچھ قید ہوئے خود احمد دریائے سندھ میں بقت عبور غرق ہوگیا ✦

سلطان محمود نے ہندوؤں کی جنگی ملازمت کے بارہ میں جو قاعدہ جاری کیا تھا اُس کی اولاد میں برابر جاری رہا اخیر عہد غزنویہ میں ہندوؤں کی فوجی طاقت سب پر غالب تھی اور سلطنت غزنی کی حفاظت کا بیڑا ہندوؤں نے ہی اُٹھا رکھا تھا چنانچہ جب علاؤالدین غوری اور بہرام شاہ غزنی کا مقابلہ زمیندار اور واقعہ افغانستان میں ہوا تھا۔ تو بعد فتح علاؤالدین غوری نے جو شاعر بھی تھا ذیل کی فخریہ نظم میں رائے رانا یعنے راجگان ہنود کی شمولیت جنگ اور بہرام شاہ کی امداد کا ذکر اور رائے رانا کی شکست و قتل پر فخر کیا ہے یہ نظم طبقات ناصری میں موجود ہے جس کو ہم بہرام شاہ کے تذکرہ میں لکھیں گے یہاں صرف ایک شعر لکھا جاتا ہے

پشتی بخصم گرچہ ہمہ رائے رانا بود ۔۔۔ کردم بگرز خود سر رائے و رانا را

اگرچہ بہرام شاہ کے مددگار رائے و رانا (راجگان) تھے مگر میں نے تمام راجاؤں کے سر کو گرز سے چکنا چور کر دیا اور میدان فتح کیا ✦

(نوٹ)

ناظرین غور فرما سکتے ہیں۔ کہ جب سونڈیرائے۔ ناتھ۔ ملک جیسے معزز اور معتبر جرنیل اور ہندو فوج سلطان محمود کی تربیت یافتہ موجود تھی۔ سلطان محمود اور اُس کی اولاد کو ہندوؤں پر اعتبار تھا۔ اور ہندو محمود اور اُس کے جانشینوں پر جانیں قربان کرتے تھے بہرام شاہ کی فوج کا قابل ذکر حصہ صرف راجگانِ ہند تھے۔ تو اُس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمود کا برتاؤ ہندوؤں سے عادلانہ تھا۔ وہ ہندوؤں کی قدردانی اور عزت مسلمانوں سے کم نہیں کرتا تھا۔ ملکی عہدے تو عموماً ہندوؤں کو دے رکھے تھے مگر فوج میں بھی ہندوؤں کے حقوق مسلمانوں سے کمتر درجہ پر شمار نہ ہوتے تھے۔ ہندوؤں کے لئے ترقی کا ہر ایک دروازہ ویسا ہی کھلا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے لئے دربار سلطانی میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے برابر دیکھا جاتا تھا۔ کیا ایسے فیاض و منصف سلطان پر یہ بے سند الزام کہ بانکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا۔ انصاف و ایمان کے خلاف نہیں اُس وقت کے ہندو تو سلطان محمود پر جانیں قربان کریں اور صدہا سال بعد یہ الزام لگایا جائے۔ یہ الزام سلطان محمود پر ہی نہیں بلکہ اسلام کو بدنام کرنے والا اور اسلام کی طرف سے نفرت دلانے والا اور ہندوستان کے امن و امان میں خلل ڈالنے والا ہے اور اسی ملکی خیال سے ہم تاریخ کا صحیح پہلو پبلک کو دکھانا چاہتے ہیں۔ غالباً یورپین مورخوں نے سلطان محمود کی ہندو فوج کی خدمات فدویانہ اور سلاطین غزنی کے سلوک شاہانہ کا مطالعہ نہیں کیا۔ اگر کسی نے کیا ہے تو اس پر غور نہیں کی اور عادت کے مطابق ایسے زبردست پابند اسلام مدبر نصف ایشیاء کے خود مختار بہادر سلطان پر ناحق بہتان لگایا ہے جو تاریخ سے صحیح ثابت نہیں ہوتا ۔

ضرور ہند و صاحبان سلطان محمود کو فاتح ہندوستان سمجھ کر اور لڑائی کے نتائج قتل و قید لوٹ و غارت کے سبب اچھا خیال نہیں کر سکتے۔ لیکن اولوالعزم سلاطین میں سے ایک بھی اس جرم سے بری نہیں ہو سکتا۔ اور تو اور خود ہندوستان کے راجگان قدیم راجہ رام چندر جی۔ یدھشٹر ارجن۔ سالباہن۔ رام دیو۔ راٹھور۔ مال چند بانی مالوہ۔ بنگل راجہ بنگالہ۔ فور محالف راجہ وہلو بانی دہلی وغیرہ کی لڑائیوں کے نتائج بھی قتل و غارت ہی ہوتے تھے اس لئے سلطان محمود پر فاتحانہ نتائج کے لحاظ سے بدگمان نہ ہونا چاہیئے۔ جواعزاز اور اختیارات سلطان محمود نے ہندوؤں کو عطا کئے تھے اُس کے لئے ہند ہمیشہ ترستے رہیں گے افسوس کہ سلطان محمود کے عمدہ سلوک کو

اخفا کیا گیا اور خلاف کانشنس۔ ظالم۔ لوٹیرا۔ دشمن آزادی متعصب بتلایا گیا۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان نہیں کیا۔ نہ اُس کے سلوک سے ہندو ناراض تھے نہ ہندوؤں پر سلطان کو بے اعتباری تھی بلکہ دونوں فریق ایک دوسرے سے خوش تھے اُسوقت کے ہندوؤں کو ایسی شکایت نہ تھی جس کے لئے لیتھبرج صاحب شکایت کرتا ہے ؛

سُلطان محمُود کی بُت شکنی

رہا بتوں کا توڑنا اور کہیں کہیں مندروں کا گرانا اس میں کوئی ذاتی غرض نہ تھی۔ اسلام کو بُت پرستی سے سخت نفرت ہے اور شرک سے بڑھ کر اور کوئی گناہ روحانی جلال اور انسانی کمال کا مانع دین اسلام میں تصور نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی قلیل مگر صابر جماعت سمیت مشرکین مکہ سے ہر قسم کی اذیت اُٹھائی جلاوطنی اختیار کی مگر شرفائے قریش کی اس درخواست کو منظور نہ کیا۔ بُت پرستی کے خلاف وعظ نہ کی جائے اور وقت پر خاص اپنے مولد و مسکن مکہ میں جہاں اُن کے آباو اجداد کے سینکڑوں بُت رکھے تھے خود اپنے دست مبارک سے توڑ پھوڑ دئے چونکہ شرک اور بُت پرستی کی مخالفت اسلام کی اصل و بنیاد ہے۔ اس لئے اگر سلطان محمُود نے بُت توڑے تو کسی خدا پرست کے نزدیک قابل گرفت نہیں خاص ہندوؤں کے کئی فرقے سکھ۔ برہمو۔ آریا وغیرہ بت پرستی کے مخالف اور قابو پاکر کوئی بھی بُت توڑنے اور بتوں کو درجہ معبودیت سے گرانے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ انصاف سے دیکھا جائے تو سلطان محمُود کا یہ فعل خود غرضی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ بہبودی خلائق پر مبنی تھا اگر خود غرض و طامع ہوتا تو بتخانہ تھانیسر کے عوض (جس کی ابتدا ہندو آفرینش کے ساتھ مانتے تھے) راجہ سرو جیپال کا بیش بہا عوضانہ اور سومنات کی بت کے بدلے کروڑوں کا مال پیش کردہ پجاریاں سے لیتا جبکہ وزرائے سلطنت اس بھاری رقم کے قبول کرنے کی جنگی اور ملکی ضرورت کے اظہار پر زور دے رہے تھے اور وزرائے مذکور سلطان کی طرح بُت کو کھوکھلی یا ٹھوس مورت جانتے تھے مگر ہر ایک متوقعہ پر واحد خدا پرستوں کی طرح سلطان یہی جواب دیتا رہا۔ کہ میں قیامت کے دن بُت فروش لقب کھوانا نہیں چاہتا۔ کیا ایسے سُلطان کی بُت شکنی سے جس نے کروڑوں پر لات ماردی اور عقیدہ خدا پرستی پر طمع اور لالچ کو غالب نہ ہونے دیا۔ کوئی خدا پرست ناراض ہوسکتا ہے بت پرستوں کو بھی سلطان کی نیک نیتی مدنظر رکھتے ہوئے سلطان کو ہرگز انہیں کہنا چاہئے سُلطان بُت شکنی کو

حسب تعلیم اسلام عامۂ خلائق اور بت پرست قوموں کی روحانی و اخلاقی ترقی کے لئے ضروری سمجھتا تھا اُس نے اپنی طرف سے کوئی بدخواہی نہیں کی۔ اسلام نے سلطان کو پختہ یقین کرادیا تھا کہ بت پرستی سے بڑھکر اور کوئی چیز انسانی فضائل کو نقصان پہنچانے والی نہیں۔ بُت پرست اُسکو خواہ کچھ خیال کریں مگر ڈاکٹر کی نیت کو دیکھنا چاہیئے مرض طاعون نے ہندوستان کی ایک کروڑ آبادی کو تباہ کیا ہے جس کی میزان تمام حملہ آوران اسلام کی ایک ہزار سالہ تاخت و تاراج سے بہت بڑھ گئی ہے اور انگریزی گورنمنٹ رعایا کی بہتری کے لئے کوانٹین لگاتی اور طاعون زدہ مقامات کو خالی کراتی رہی جس پر نادان رعایا نے سرکشانہ مقابلے کئے اور یہی ناپسندیدگی طاعونی ٹیکہ کی نسبت ظاہر کی جاتی رہی۔ مگر کوئی عقلمند گورنمنٹ انگریزی کی نیک نیتی پر اعتراض نہیں کرسکتا ؛

یہی خیال سلطان محمود کا تھا۔ وہ بتوں کو توڑکر بُت پرستوں کی ضعیف الاعتقادی کو دور کرنا چاہتا تھا۔ کہ جن بتوں کو تم معبود اور صاحب تصرف خیال کرتے ہو۔ اور نفع و نقصان پہنچانے والا مانتے ہو وہ تو اپنی ذات کی بھی حفاظت نہیں کرسکتے۔ وحدہٗ لاشریک لہ۔ قادر مطلق احکم الحاکمین زندہ و پائیندہ۔ ابدی۔ لایزال۔ الٰہ العالمین کی ذاتِ احدیت سمات کی صفات عالیہ الٰہیہ بوبیہ کی شان ارفع کو کب پہنچ سکتے ہیں ؛

ابیات

بُتے چوں برآرد مہمات کس — کہ نتواند از خود براند مگس
نہ نیروے دستش نہ رفتار پائے — اگر بنگنی برنخیزد ز جائے
ز بیچارگی چوں خدائے کند — کہ کار خدائے خدا را سزد
بتاں را مداں خالقِ دو جہان — کہ تیرہ شود مرد روشن روان
چہ کردن تواند بُتِ بے تواں — چہ خواہی ازیں ناتوانِ جہان
ز مادہ پرستی رسد تیرگی — روان و خرد را شود خیرگی
شود نسلِ آدم ازاں خاکسار — ازیں در بود آدمی خوار زار
خدائے کزو ہر کہ آگاہ نیست — خرد را بداں بے خرد راہ نیست

بتوں کو جو صفات باریتعالیٰ کے شریک مانے جاتے تھے توڑ کر بُت پرستوں کو ذہن نشین شدہ عقیدہ کو نکالنا منظور تھا کہ بت درحقیقت کوئی نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے اِن سے خوف وخطر اور امید وبیم رکھنی فضول ہے اور یہ غلط اور مضر اخلاق خیال تب ہی دور ہو سکتا تھا کہ ایمانی استقامت کے ساتھ بتوں کو توڑ کر بتوں کی بیکسی اور ناتوانی دکھلائی جاتی پس سلطان محمود کا منشا بتقلید اصول اسلام صرف یہی تھا کہ بت پرستوں کے دلوں سے بتوں کی عظمت دور ہو اور بتوں کو لاشئے سمجھ کر معبود حقیقی کی طرف متوجہ ہوں چنانچہ اُسی وقت سے بُت پرستوں کے دلوں میں بت پرستی سے نفرت کی تحریک شروع ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ مسلمان فقرا صوفیا اور صالح علما کی صحبت اور مواحدانہ کلام سننے کا خیال پیدا ہوا اور ہندو اسلام کے قریب آتے گئے۔ اور کچھ مسلمان ہونے گئے حتےٰ کہ کچھ عرصہ بعد ہندوں میں چند ایسے فرقہ نکل آئے جو بُت پرستی سے نفرت اور توحید سے محبت رکھتے تھے مثلاً نانک شاہی۔ داؤ پنتھی۔ کبیر پنتھی۔ چرنداسی وغیرہ کئی ایک خدا پرست فرقہ اسلامی عہد میں پیدا ہو گئے۔ پس جہاں تک غور سے دیکھا جائے۔ یہ بُت شکنی بنی آدم کی بہتری کے لئے کی گئی تھی۔ مقابلہ کرنے والے جوں ہی ہاتھ سے ہتھیار رکھ دیتے جان ومال سے امان پاتے تھے اور کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جاتا اطاعت کو نہ ماننے والے بصورت شکست اصول جنگ کے مطابق قید کئے جاتے اور ایسے مقابلہ کرنے والے مخالفوں کا مال واسباب لوٹنا ہر ایک فاتح قوم کا دستور رہا ہے جیسا کہ غدر ۱۸۵۷ء میں دہلی کا حال ہوا تھا۔

سلطان محمود کے حملات

حملہ اول

سلطان محمود جس کی حدود سلطنت مشرق میں راجہ جیپال سے ملحق ہو گئی تھی اور راجہ چند بار کی عہد شکنی کے باعث قابل اعتبار نہیں رہا تھا۔ اور راجہ جیپال کی مخالفانہ حرکات سے اندیشہ تھا۔ چونکہ سابقہ لڑائیوں میں اسلامی اور ہندو فوج کی مہارت جنگی کا سلطان محمود کو تجربہ ہو چکا تھا اور سلطان ان جنگی رکاوٹوں کو دور کرنا چاہتا تھا جو مخلصین اسلام کو شمالی ہند میں قدم رکھنے سے روکتی تھیں گو سندھ میں بذریعہ مجاہدین عرب اور دکن میں بوسیلہ مسلمان تاجرین اسلام جڑ پکڑ چکا تھا۔ لیکن شمالی ہند میں قرآن کی منادی نہیں ہو سکتی تھی اور اس منادی کے برخلاف راجہ

جیپال اور اُس کے مدد گار راجپوت راجاؤں نے ایکا کر رکھا تھا۔ جہاد جس کی فلاسفی ہم فائدہ بن
وکید اور کتاب ہذا کے حصہ اول میں مفصل کئی موقعوں پر لکھ چکے ہیں۔ وہی ضرورت ہندوستان
میں دکھائی دیتی تھی۔ اشاعت توحید میں سخت رکاوٹ تھی جس رکاوٹ کے دور کرنے کے واسطے
سلطان کو اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سورہ توبہ پارہ ۱۰ کی ندا دینی شروع کی مجاہدین شائق غزا ہر طرف سے
آآ کر جمع ہونے لگے۔ اور اس جاں فروش لشکر کو لیکر ۳۹۲ھ میں جیپال کے دفعیہ کے لئے
پنجاب کو چلا۔ راجہ جیپال پہلے ہی کھیل کانٹے سے درست مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ہندوؤں
کی منتخب فوجیں لیکر اسلامی طاقت کے مٹانے کے لئے تیار تھا۔ اور پشاور کے نواح میں
لاکھوں ہندو سورمے سابقہ شکستوں کا داغ مٹانے اور ملک بچانے کے لئے محمود کی آمد کا بہادرانہ
جوش سے انتظار کر رہے تھے۔ ہندوؤں کی کثرت فوج سے عام مسلمانوں پر ضرور اثر پڑتا۔ مگر بہادر
سلطان اپنی مہارت جنگی اور تجربہ کاری اور اس کے افسر غازیانہ حرکات سے دل بڑھاتے تھے۔
لڑائی شروع ہونے پر سلطان پندرہ ہزار جان باز سوار لے کر الگ کھڑا ہو گیا اور دیگر مسلمان
سرداروں نے لڑائی شروع کر دی۔ ہندوؤں نے نہایت شدت سے حملے کئے اور صبح سے
لیکر دوپہر تک جان توڑ مقابلہ کیا اور قومی جنگ کا بخوبی حق ادا کیا۔ مگر مجاہدین اسلام کو میدان
سے نہ ہٹا سکے۔ جوں ہی ہندو منتوا تر ۶ گھنٹے کی لڑائی سے کچھ تکان زدہ معلوم ہوئے بہادر سلطان
فوج خاصہ کے ساتھ حملہ آور ہوا جس تند سیلاب کو ہندو فوج نہ روک سکی اور بھاگ نکلی۔ بہادر راجہ
معہ معزز ہندو سرداروں کے قید ہو گیا اور ہندوؤں پر مسلمانوں کا اس قدر رعب چھا گیا کہ چند ہزار
مسلمانوں نے ۵ لاکھ ہندوؤں کو قید کر لیا۔ راجہ کے گلے میں ایک مالا ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ
کی تھی اور اسی طرح دیگر سردار جواہرات کی مالائیں اور مرصع جواہرات پہنے ہوئے تھے جو اس وقت
کے عام جنگی دستور کے مطابق فریق غالب کا حق تھا اس کے علاوہ راجہ کا کروڑوں کا مال و اسباب
اور خزانہ فاتح سلطان کے ہاتھ لگا۔ قیدیوں میں سے جو زر فدیہ دے سکے بموجب حکم شریعت
محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام معہ راجہ جیپال آزاد کئے گئے اور اس بات کا مطلق خیال نہ کیا گیا۔
کہ یہ وہی جیپال ہے جو سلطان اور اُس کے باپ کے عہد میں چند بار عہد شکنی کر کے کئی کئی لاکھ
کی جمعیت سے خاندان غزنویہ کی تباہی پر کمر باندھ چکا تھا۔ صرف معمولی خراج پر بدستور تاج پوشی کی
گئی نہ اُس کا ملک چھینا گیا اور نہ کوئی پولیٹیکل اڑنگا لگایا گیا۔ اور نہ ہندوؤں کی جنگی طاقت سلب

کرنے کا جال پھیلایا گیا۔ اگر سلطان محمود درحقیقت واقعی بانکے مغرور راجپوتوں کو بزورِ شمشیر مسلمان کرنے کا شوق رکھتا تو راجہ جیپال اور اس کے معزز سرداروں سے بڑھ کر اور کون مغرور بہادر بانکا جوان تھا جن کی موت وحیات کا فیصلہ سلطان محمود کے ہاتھ میں تھا۔ سلطان کو بانکے اور مغرور راجپوتوں کو مسلمان کرنے کا اس سے بہتر اور کونسا موقعہ مل سکتا تھا یا اسلام لاتے یا قتل کئے جاتے یا قید ہو کر جلاوطن کئے ہوتے اور کوئی جدید راجہ اپنے ڈھب کا مقرر کیا جاتا۔ مگر یہ سب باتیں مذہب اسلام کے برخلاف تھیں۔ ایسے قدیمی دشمن کے ساتھ اس قدر فیاضی کی مثال ہوتے سلطان محمود کو ظالم بے رحم۔ لالچی و خود غرض کہنا سخت بے انصافی ہے۔ راجہ جیپال جو کمر رسہ کر پر جوش معرکہ آرائیوں میں بہادرانِ اسلام سے ہر دفعہ شکست پا چکا تھا اور اپنے آپ کو اس اسلامی سیلاب کے روکنے کے ناقابل سمجھ چکا تھا اس ذلت کو برداشت نہ کر سکا۔ اور چتا میں جلکر مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا انند پال گدی نشین ہوا +

اشاعت اسلام بذریعہ صوفیائے کرام

سلطان محمود کے حملات بارہ ہوں یا سترہ سب کا نتیجہ یکساں فتح و نصرت تھا۔ پشاور سے لیکر قنوج اور کالنجر تک اور دوسری طرف ہندوستان کی منتہائی آبادی سومنات تک کا تمام درمیانی علاقہ جو اس وقت بہادر راجپوتوں کا مسکن اور پیارا وطن تھا اور جس میں لاکھوں سورمے بھارت ماتا (ہندوستان) کے نام پر جانیں قربان کرنا فرض مذہبی جانتے تھے اور شمشیر ہندی کی تیز دھار کے سامنے دنیا کی تمام طاقتوں کو ہیچ مانتے تھے تیغ محمودی کے سامنے سب سرنگوں ہو گئے اور تمام شمالی ہندوستان سلطان کے زیر رسوخ آگیا۔ کروڑوں ہندو بدستور سابق آزادی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں آباد رہے۔ جزیہ (خراج) جو زمانہ حال کے بیشمار ٹیکسوں کی نسبت بہت قلیل اور مستثنیٰ اشخاص کو بکلی قابل ادائیگی اشخاص پر زمانہ حال کے مقابلہ میں بھاری نہ تھا دیتے اگر سلطان واقعی بزور شمشیر مسلمان کرنے کی آرزو رکھتا تو غیر فوجی اشخاص عام رعایا برابا کے زبردستی مسلمان کرنے میں کون مانع تھا جن راجاؤں نے عام لوگوں کی مدد کرنی تھی وہ اجتماعاً و انفراداً محمودی انواج سے منہ موڑ کر مکسور ہو چکے تھے مشہور قلعے جن کی حصانت و رفعت کی نسبت ہندوؤں میں بہت سے افسانے مشہور تھے بہادرانِ اسلام سے فتح کر لئے تھے۔ پس عام رعایا کے مذہب کو بچانے والا سوائے

اسلام کے جس کا پابند سلطان محمود تھا اور کوئی نہیں رہا تھا۔ مگر سلطان نے عام ہندو رعایا کو نہ ستایا اور نہ اسلام لانے پر مجبور کیا۔ ہاں سلطان کا فاتحانہ رعب جمنے کے ساتھ واعظین اسلام مفتوحہ ممالک میں بلا روک ٹوک منادی اسلام کرنے لگے اور حضرات صوفیائے عظام جو حقیقت میں اسلامی مشنری تھے اشاعت اسلام اور اعلان توحید فرمانے لگے ضرور سلطان محمود اور مسلمان سرداروں نے ایسے مشنریوں کی امداد کی ہوگی۔ مگر ایسے مذہبی گروہ کی مدد کون نہیں کرتا مہذب یورپ کا متفقہ حملہ جہین نسلاً بعد نسلٍ عیسائی مشنریوں کی امداد اور انتظام عیسائی مذہب کی اشاعت کی رکاوٹوں کے دور کرنے کے لئے ہوا تھا۔ پس یہی غرض سلطان محمود کے حملات کی تھی۔ جو راجگانِ ہند کی شکستوں سے حاصل ہوگئی اور صوفی درویشوں کو اسلام کے پاکیزہ نمونہ دکھانے اور ہندوؤں کو اسلامی عقائد کے موازنہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ہندوستان کرامات اور خرق عادات کا گرویدہ سب ملکوں سے زیادہ ہے درویشانہ بے لوث زندگی اور تارک الدنیا لوگوں کی زیادہ قدر کرتا ہے سلطان محمود کے زمانہ میں بھی ایسے اشخاص ہی سب سے زیادہ مقدس اور مؤقر مانے جاتے تھے بتوں کی عظمت بھی اسی قسم کی کراماتی روایتوں سے وابستہ تھی جوگی اور سنیاسی وغیرہ ہندو فقیرانہ گروہ محنت اور ریاضت شاقہ سے ہندوؤں کے دلوں کو تسخیر کرتے تھے اور یہی افعال عابدانہ تقدس کی معیار اور استدراجی کمال کی زبان تصور ہوتے تھے۔ مسلمان درویش ان عملی اوصاف اور تجرید و تفرید کے علاوہ جن میں اُن کو کمال تھا اور ہندو جوگیوں کے مقابلہ میں ان باکمال صوفیوں کو ہمیشہ روحانی تفوق ہی رہا۔ نور توحید سے منور تھے ہندو فقیر بت پرستی میں پیدا ہوتا اور بت پرستی میں ہی نشوونما پاتا اور اسی بت پرستی کو تاویلاً توحید سے منسوب کرتا مگر مسلمان درویش ابتدا ہی سے ان خیالات سے آزاد ہوتا اسلئے اسلامی توحید کا درجہ عقلاً و نقلاً بڑھا رہا ہندوؤں میں ویدانتی خدا پرستوں کا ایک گروہ موجود تھا جن کے عقیدہ (ہر میں ہر ہے) کے فلسفہ پر اُس وقت کے ہندوؤں کو کمال موحدانہ فخر تھا۔ مگر اس میدان میں بھی مسلمان متصوفین موحدین کئی درجہ بڑھے ہوئے تھے (ہر میں ہر) ظرف و مظروف یا حلول و سریان کو ثابت کرتا ہے۔ جس سے دوئی وغیریت بدستور قائم رہتی ہے۔ اور ذاتِ مطلق کے مقابلہ میں غیر حقیقی کی ہستی موجود رہتی ہے اور موحد بننے نہیں دیتی یا ویدانتی تمام تعینات عالم کو وہمی اور فرضی جانتے تھے۔ جس سے تمام انتظام ظاہری کو جواب دینا پڑتا ہے مگر مسلمان صوفی وحدت وجود کے قائل تھے جسکی فلسفی ایک ہستی اور ایک وجود مانتی ہے مگر ہندو فلسفہ کے نقصوں سے پاک ہے اُس میں نہ حلول و سریان کا دورہ پایا

جاتا ہے اور نہ انتظام عالم سے انکار کرنا پڑتا ہے خالق و مخلوق معبود و عابد کے احکام کو اپنے اپنے درجہ میں سمجھا جاتا ہے۔ حفظ مراتب کے ہوتے صوفیوں کی روحانی نگاہ میں ہر وقت شعر

بہر جا بنگرم بالا و گر پست　　نہ بینم در دو عالم جز یکے ہست

کا مضمون رہتا ہے اور صلح کل اور نفقہ خلائق کا زبردست ذریعہ ہوتا ہے یہ عقاید اور اوصاف اعمال و افعال ہندو ویدانتیوں۔ جوگیوں۔ سنیاسیوں ہندو مقتداؤں کو مسلمان صوفیوں پر ترجیح نہ دے سکتے تھے اس وجہ سے عام ہندوؤں اور ہندو فقرا کو مسلمان صوفیوں سے نفرت نہ رہی اور صوفیوں کے روحانی اور عملی کمال نے ہندوؤں پر اسلامی کشش ڈالنی شروع کی جس میں ان کو اپنی مرنج و مرنجاں پالیسی اور تصرفات روحانی کی پر زور طاقت کے سبب اشاعت اسلام میں کامیابی حاصل ہوئی اور صوفیوں نے ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں علم الٰہیات کے مدارس کھول دیئے جن کو خانقاہیں کہا جاتا تھا۔ مذہب اسلام کی کشش کے سامان ان مدارس میں کافی موجود ہوتے تھے جن کی مدد اکثر عام مسلمان یا اسلامطلبین اسلام کرتے تھے جو قابل اعتراض نہیں تھا مگر ان روحانی مدارس (خانقاہوں) میں مباحثہ و مجادلہ غیر مذاہب کی توہین و تضحیک کا مطلق ذکر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ انسانی کمال اور روحانی جلال کے حصول و عروج کے باقاعدہ اصول کی تعلیم علمی و عملی دی جاتی پس ہندوؤں کو ایسے روحانی معلموں کے افعال و اعمال سے کوئی نفرت نہ تھی بلکہ کرامات اور خرق عادات ہندوؤں پر زیادہ اثر ڈالتی تھیں اور ارادت و عقیدت کا باعث ہوتیں یہی ارادت آخر اسلام لانے کا ذریعہ ہوتی۔ اور نومسلم لوگوں میں سے بھی بعض صوفیائے کرام کے یمن صحبت سے طریقت کی کڑی منزلوں کو طے کر کے پاکباز عارف اور محقق کامل اور عاشق صادق بنجاتے اور دیگر ہندوؤں کو مسلمان ہونے کا شوق دلاتے۔ یہ اسلامی مشنری (صوفی) باعتبار عمل ظاہری سالک مست رند۔ قلندر وغیرہ کہلاتے مگر سب کے مدنظر عرفان و خداشناسی اور کمال روحانی ہی تھا اور ان جملہ طبقات کے حالات اور واردات ہندوؤں کی نظروں میں اسلامی عظمت کو بڑھاتے اور اسلام کے قریب لاتے۔ یہ طریقہ تعلیم اس قسم کا مؤثر تھا کہ بلا جبر و اکراہ ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ جن کی تعداد آج ہندوستان میں کروڑوں تک پہنچ گئی ہے۔ اس طرز اشاعت مذہب میں جبر و تعدی کو ہرگز دخل نہ تھا۔ یورپ کی قوموں نے بھی اسی اسلامی طرز اشاعت کو اختیار کیا مگر مسلمان صوفیوں کی طرح توکل و قناعت زہد و ریاضت کے عامل مشنری نہ بھیج سکے اسی وجہ سے عیسائی مذہب کو عرصہ تین سو سال میں وہ ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہو سکی۔

جو اسلام کو غزنوی سلطنت میں ہی حاصل ہوگئی تھی اور جس کی تکمیل مغلوں کے پرامن و امان عہد میں ہوئی مسلمان درویشوں کو نہ روپیہ کی ضرورت تھی نہ بنگلہ کوٹھی اور بگھی گھوڑے کی وہ آبادی و جنگل کوہ و صحرا میں ہر ایک جگہ اپنی سادہ طرز معاشرت اور زاہدانہ عادات کے سبب گذارہ کر سکتے تھے اور اپنی غیر پولیٹیکل اور خالص مذہبی زندگی کے سبب ہندو اُن کو ملک و قوم کے لئے چنداں خطرناک تصور نہ کرتے تھے اِس لئے اِس گروہ کو ہندوؤں میں اشاعت اسلام کا کافی اور عمدہ موقعہ ملتا رہا۔ بعض جگہ متعصب ہندوؤں کے ہاتھ سے ان بزرگوں کو تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑیں مگر تحمل و بردباری کی دوامی عادت اور اسلام کی سچی محبت نے جو حقیقی صوفیوں کا شعار تھا اُن کو اپنے مشن سے باز نہ رکھا غرضیکہ ہندوستان اشاعت اسلام کے لئے اور مسلمان درویش ہندوؤں میں کام کرنے کے لئے ہر طرح موزون تھے۔ اسی نکتہ کو سمجھکر عیسائی مشنریوں نے ہمارے دیکھتے دیکھتے مکتی فوج قائم کی جو جوگیانہ لباس پہن کر ہندو سادھو کہلانے لگی مگر صفات درویشی کی عدم موجودگی کے سبب مسلمان درویشوں کی طرح کامیاب نہیں ہو سکی۔ جن پر ہندو پروانہ کی طرح گرتے تھے اور اب بھی جہاں موجودہ پارٹی فیلنگ اور تعصب نہیں ہندو مسلمان درویشوں کی عزت و محبت ہندو سادھوؤں سے کم نہیں کرتے۔ جن صوفیائے کرام نے وقتاً فوقتاً ہندوستان میں اسلامی خدمات کی ہیں۔ اُن کے حالات لکھنے کے لئے اِس کتاب میں گنجائش نہیں اور نہ موزون ہے۔ اگر خدا نے توفیق دی اور صحت و فراغت شامل حال فقیر رہی۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ علیحدہ کتاب لکھی جائے گی۔ اِس کتاب میں خاص خاص مشہور مشائخ کا اسم مبارک کہیں کہیں ذکر کیا جائیگا۔ کتاب ہذا میں جو اس مضمون پر بحث کی گئی ہے محض ناظرین کو یہ جتانے کے لئے کہ ہندوستان میں اسلام بذریعہ صوفیائے عظام پھیلا ہے مسلمان فاتحین اور سلاطین کے جبر و زور سے نہیں پھیلا نہ کوئی مذہب جبر سے پھیل سکتا ہے۔ سلطان محمود پر محض بہتان ہے۔ کہ وہ بلکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا۔ سلطان محمود کے عہد میں ہی کئی ایک بزرگ صاحب کمال سلطانی فوج کے ساتھ داخل ہند ہوئے تھے۔ چنانچہ شیخ المشائخ سید محمد شاہ صاحب قادری فاضلی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لشکر لاہور میں بہادران اسلام کو یہ وقت پیش آئی تھی کہ ایک ہندو جوگی جو مشہور جادوگر تھا قلعہ والوں کی ہمت بڑھاتا اور ایسے شعبدہ دکھاتا تاکہ ہندو فوج کا مدافعانہ حوصلہ کم نہ ہوتا اور سلطانی فوج کی متواتر یورشیں ناکام رہتیں سلطانی فوج کے افسر نے سلطان محمود کو اصل واقعہ سے اطلاع دی خدا پرست سلطان جو ہر ایک

مشکل میں خدا سے ہی رجوع کرتا تھا خدا کے حضور میں سربسجود ہوا۔ اور خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیراہن مبارک کو جو خواجہ ممدوح الصفات کا تبرکاً عطیہ تھا اُس کی حرمت سے اللہ تعالیٰ سے دعائے فتح قلعہ لاہور مانگی۔ رات کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویائی میں سلطان کو بشارت فتحدی اور اُسی رات حضرت شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش کو مجاہدین اسلام کی مدد کا حکم دیا گیا۔ جو غزنی کے محلہ یا مضافاتی گاؤں میں گمنامی کی حالت میں رہتے اور اپنی ولایت کو چھپائے رکھتے ظاہر میں لڑکوں کو قرآن مجید پڑھاتے صبح کو جب لکھی فوج روانہ پنجاب ہوئی تو شیخ علی ہجویری صاحب بھی ساتھ ہو لئے۔ اور سپاہیوں کے لڑکوں کو تعلیم قرآن دیتے رہے۔ لاہور پہنچکر ہندو جادوگر اپنے شعبدوں سے ہندوؤں کے حوصلہ بڑھانے اور مسلمانوں کی ہمت گھٹانے لگا جسکو شیخ علی ہجویری صاحب نے اپنے کمالات صادقہ دکھاکر ایسا رام و مطیع کیا کہ اسلام لاکر قدموں میں گرا۔ اور اس کے ساتھ سینکڑوں ہندو اسلام لائے۔ اور قلعہ فتح ہوگیا۔ روزہ منورہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے موجودہ مجاور اُس ہندو جادوگر کی اولاد مشہور ہیں یہ روحانی مقابلہ تھا جس میں حضرت داتا گنج بخش صاحب غالب رہے اور پنجاب کے دارالصدر میں اسلام کے پاؤں جمائے مگر اس قسم کی اشاعت اسلام میں سلطانی یا فوجی دباؤ کا مطلق دخل نہ تھا۔ اور جبر کا نام تک نہ تھا ہندوؤں میں معیار کمال تصرف روحانی تھا جس میں حضرت داتا گنج بخش صاحب کا پلہ بھاری رہا اور ہندوؤں کا پیشوا خود حضرت کے کمالات دیکھ کر مسلمان ہوا جس کی تقلید میں اکثر ہندو اسلام لائے۔ اور اسلام کی حقانیت سے انکار نہ کرسکے یہی حال بعد میں اکثر ہوتا رہا۔ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بزرگوار خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کے واقعات بھی اسی قسم کے ہیں جو ساسے دیو اور جیپال جوگی سے اجمیر میں پیش آئے تھے۔ پس جس طرح آج کل تقریری مذہبی مباحثے ہوتے ہیں۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اُس وقت ہر دو فریق کے بزرگوں کے روحانی مقابلہ ہوتے تھے جس میں مسلمان درویش غالب رہتے اور فریق ثانی کو مذہب اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔ کیونکہ اُس وقت کے ہندو شیفتہ کمال تھے۔ اور اسلام کے روحانی کمال حاصل کرنے کے لئے ہی مسلمان ہوتے جو ہندو مذہب میں نظر نہیں آتا تھا۔ پس ہندوؤں کے مسلمان ہونے میں سلطان محمود یا کسی اور سلطان کی جبر و تعدی کو دخل نہ تھا یورپین مؤرخوں کا یہ الزام بدنامی سلاطین اسلام اور ہندو مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کے لئے ہے جس سے ہندوستان کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے +

دوسرا حملہ

لیتھبرج صاحب دوسرا حملہ بھیرہ پر لکھتا ہے جو اب ضلع شاہ پور پنجاب میں دریائے چناب اور جہلم کے مابین واقع ہے لیکن جب راجہ جیپال کو والی پنجاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ تو بھیرہ الگ راجدھانی قرار نہیں دی جا سکتی جس پر کہ سلطان کو کوئی جدید مہم روانہ کرنے اور نئے سر سے حملہ آور ہونے کی ضرورت پڑتی۔ راجہ جیپال کی اولوالعزمی اور فوجی طاقت پر غور کرنے سے ماننا پڑتا ہے کہ پنجاب کے علاقہ کا وہی واحد حکمران تھا۔ بھیرہ کو ایک علیحدہ سلطنت ماننے سے جیپال کا ماتحت علاقہ نہایت مختصر رہ جاتا ہے۔ پس اگر واقعی سلطان محمود کا حملہ بھیرہ پر ہوا تو چونکہ بھیرہ اس وقت پنجاب میں ایک بارونق شہر اور جیپال کا یا اس کے کسی باجگذار رئیس کا مشہور جنگی اسٹیشن تھا۔ اس لئے سلطان نے راجہ جیپال کو حملہ اول میں شکست دینے کے بعد بھیرہ کی فوج چھاؤنی کو برباد کرنا چاہا۔ اور بزور شمشیر فتح کیا۔ جدید فوج لیکر غزنی سے بھیرہ پر حملہ نہیں ہوا اور نہ مذکورہ بالا حالات میں جدید فوج کشی کی ضرورت تھی۔ مگر عربی تاریخ فتوحات اسلامیہ اور یمنی میں دوسرا حملہ وہند پر لکھا ہے جس کو بھیرہ خیال کیا گیا ہے۔ اور یہ خیال بھیرہ کی قدامت کے سبب سے پیدا ہوا ہے۔ وہند کا محل وقوع آج کل دریائے اٹک سے پار ضلع پشاور خیال کیا جاتا ہے جس کے کھنڈر اور پرانے سکوں کی برآمدگی۔ نے محققین یورپ کو وہند کے کھنڈرات کا تصور جما دیا ہے ممکن ہے کہ وہند کا محل وقوع اسی جگہ ہو اور راجہ جیپال کے شمالی علاقہ میں ایک زبردست اور مضبوط سرحدی شہر ہو اور سلطان نے راجہ جیپال کو شکست دے کر اس سرحدی قلعہ پر حملہ کیا ہو۔ لیکن راجہ جیپال کا دارالسلطنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ تاریخ یمنی میں لفظ شط الوہند لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہند کنارہ دریا اور دریا کے پار خاص پنجاب میں واقع تھا اور وہ دریا غالباً اٹک تھا۔ لاہور پنجاب میں سب سے قدیم شہر اور وسط پنجاب میں ہونے کے سبب ایک ہندو راجہ کی دارالحکومت ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ابتدائی حملوں میں سلطان کا لاہور کو مستثنیٰ رکھنا اور دیگر امصار و بلاد کو تسخیر کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ مدبر سلطان نے جیپال انندپال اور اس کے بیٹے کو بشرط ادائے خراج اُن کے صدر مقام لاہور میں بدستور راجہ رہنے دیا۔ بالا ہور کے استحکام و حصانت اور وہاں کے راجاؤں کی ظاہری اطاعت کے سبب لاہور پر حملہ نہ کیا اور سلطنت لاہور کے بازو کاٹتا رہا۔ اور دیگر شہر اور قلعہ فتح کرتا رہا۔ بہرحال لاہور پنجاب کا دارالسلطنت اور جیپال اور اُس کے

جانشینوں کا صدر مقام تھا۔ وہیھند اگر دریائے اٹک سے پار تھا یا دار تو راجہ جیپال کا دارالحکومت نہ تھا سرحدی قلعہ تھا جس پر دوسرا حملہ کیا گیا اور بعد محاصرہ کے بزور شمشیر فتح کیا گیا۔ اسی جگہ سلطان کو خبر پہنچی تھی کہ ہندو بہ تعداد کثیر حملہ کے لئے پہاڑوں میں جمع ہو رہے ہیں جنکو اسلامی فوج بھیج کر تہ تیغ کیا گیا۔ اگر وہیھند دریائے اٹک کے پار ہے تو ہندوؤں کا یہ اجتماع خیر آباد یا حضرو اٹک یا مارگلہ واقع راولپنڈی کے نواح میں ہوا ہوگا۔ مگر بقول مولف سیر المتاخرین سلطان محمود راجہ جیپال کو شکست دیکر اکثر شہروں کو فتح کرتا ہوا بھٹنڈا تک پہنچ گیا جو شمالی ہند میں ایک قدیمی مضبوط قلعہ تھا جو اپنی تاریخی روایات اور جنگی شہرت کے سبب راجہ جیپال کا دارالسلطنت اور پنجاب کا صدر مقام بقول بداؤنی ہو سکتا ہے سلطان پنجاب کے شمالی اضلاع کو فتح کرتا ہوا بھٹنڈا پہنچا محصورین نے دیر تک بہادرانہ مقابلہ کیا اگر یہ حملہ بھٹنڈا پر تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اور کوئی حملہ سلطان محمود کا بھٹنڈا پر ثابت نہیں ہوتا اور یہ ناممکن ہے کہ بھٹنڈا جیسا مضبوط جنگی قلعہ فتح کئے بغیر ہندوستان کے دور دراز صوبجات پر حملہ آور ہو سکتا اور اس بغلی گھونسہ سے تکلیف اٹھاتا۔ پس میرے خیال میں جیپال کو شکست دینے کے بعد سلطان ہندوستان کی طرف بڑھا اور نشان فتح اڑاتا ہوا بھٹنڈا پہنچا اور بعد فتح چند روز بھٹنڈا میں مقیم رہا مسجد بنوائی اور موذن و واعظ تبلیغ اسلام کے لئے مقرر کئے وہیھند بھٹنڈا اسے مراد ہے جو وہند مشہور ہو گیا جس کو فارسی تاریخوں میں تبر ہندہ لکھا ہے ۔

تیسرا حملہ

تیسرا حملہ ۳۹۵ھ میں براہ ملتان بھٹنر پر ہوا جو ایک زبردست سلطنت اور بھاٹی راجپوتوں کی راجدھانی تھی وہاں کا راجہ بجی رائے فوج کی عدت اور ہاتھیوں کی کثرت اور عمدہ سامان جنگ کے سبب تمام ہندوستان میں مشہور تھا۔ بھٹنر کا قلعہ بلند مضبوط ناقابل تسخیر تھا۔ قلعہ کے گرد گہری خندق پانی سے لبریز تھی۔ بھٹنر کی فوجیں راجہ جیپال کی مدد میں سلطانی فوج کے منہ پر تلواریں مار چکی تھیں۔ اور وجہ خصومت پیدا کر چکی تھیں۔ اس لئے یہ حملہ انتقامی تھا۔ راجہ بھٹنر نے قلعہ سے باہر نکلکر مقابلہ کیا۔ اور تین دن تک لڑ کر قومی جنگ کا حق ادا کیا۔ مگر آخر بہادران اسلام سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ اور چوتھے روز مجبوراً قلعہ کو واپس ہوا مگر بہادر مسلمان بھی ساتھ ہی قلعہ میں گھس گئے۔ اور قلعہ کے اندر فریقین نے خوب دل کھول کر مقابلہ

کیا۔ مگر مسلمان قلعہ سے باہر نہ نکل سکے راجہ یہ حالت دیکھکر چند ہمراہیوں سمیت سندھ کو بھاگ گیا۔ گرتر کتازان اسلام نے راستہ ہی میں جالیا اور گرفتار ہونے سے پہلے راجہ نے خنجر سے خودکشی کرلی اور سلطان سالماً غانماً واپس غزنی ہوا۔ مال غنیمت میں صرف ہاتھی دو سو اسی تھے جس سے راجہ بھٹنر کی طاقت اور شوکت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ؛

چوتھا حملہ

غزنی سے جدید فوج لیکر ملتان پر حملہ نہیں کیا گیا بلکہ بھٹنر سے واپسی کے وقت ملتان پر ہوا۔ ملتان کا حاکم اس وقت داؤد بن نصیر بن شیخ حمید لودھی تھا جس کو مسلمان مؤرخ ملحد اور بعض قرامطہ لکھتے ہیں۔ ملحد اور قرامطہ اگرچہ عام مسلمانوں میں ایک معنے رکھتے ہیں مگر دراصل دونوں میں فرق ہے ملحد حسن بن صباح کے پیرو کہلاتے ہیں۔ جن کا سلطان محمود کے وقت میں وجود نہ تھا قرامطہ کا زور ٹوٹ چکا تھا اور عام مسلمانوں کے ہاتھ سے حالت گمنامی کو پہنچ چکے تھے ہاں اسماعیلیہ مذہب کا سلطان کے وقت میں رواج ہو رہا تھا سلطان محمود کے وقت میں اسماعیلیہ سلطان الحاکم بامراللہ تھا جس کے ماتحت مصر اور بربر۔ نوبہ۔ افریقی علاقہ کے علاوہ شام اور عرب کا مغربی جنوبی وسطی علاقہ بھی تھا یمن اور بحیرہ عرب کے سواحل پر اسماعیلیہ حکومت اور حکومت کے ذریعہ مذہب اسماعیلیہ پھیل چکا تھا۔ الحاکم بامراللہ سب سے زیادہ سرگرم اشاعت مذہب اسماعیلیہ تھا اور ترمیم و تنسیخ عقائد میں نہایت دلیر تھا جس کی تفصیل حصہ اول میں کی گئی ہے اور اسی سبب سے اس کو بھی الحاد و زندقہ کے مذہب میں شمار کیا گیا ہے پس تمام حالات پر قیاس کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ملتان کا حاکم داؤد جسکو ہیں ملاحدہ لکھا ہے۔ اسماعیلیہ مذہب کا پیرو تھا اور مصر کے سلاطین اسماعیلیہ کی پولیٹکل کوششوں کی وجہ سے سندھ اور ملتان میں اسماعیلیہ مذہب رواج پا چکا تھا مسلمانان سندھ کو چونکہ کمزور خلیفہ بغداد سے کسی دنیوی فلاح کی امید نہ تھی اور اسماعیلیہ سلاطین کا اس وقت عروج تھا اور اشاعت مذہب اسماعیلیہ کے لئے ہر ایک ممکن کوشش کرتے تمام اسلامی بلاد میں داعی و منادر روانہ کرتے اس لئے سندھ میں اسماعیلیہ مذہب کا پھیلنا اور داؤد حاکم ملتان کا اسماعیلیہ مذہب ہونا قرین قیاس ہے ؛

بہرحال داؤد اور اس کی قوم قرامطہ تھی یا اسماعیلیہ سلطان محمود کے پولیٹکل دشمن تھے

چونکہ سلطان محمود خلفائے بغداد کا نام لیوا تھا۔ اِس لئے جس قدر مخالفانہ رقابت خلفائے بغداد اور مصر میں تھی اُسی قدر سلطان محمود اور داؤد میں یقین کی جاسکتی ہے پس ہندوستان اور غزنی کے راستہ میں سے اس پولیٹکل رقیب کا زور توڑنا ضروری تھا سلطان نے اس خیال سے کہ والی ملتان کو خبر نہ ہو۔ راجہ انند پال ولد جیپال کے علاقہ سے گذرنے کا قصد کیا مگر راجہ انند پال جو داؤد سے درپردہ سازش رکھتا تھا اور ملکی ضرورت کے سبب سے ریاست ہمایلیہ ملتان کی کمزوری نہ چاہتا باوجود خراج گذاری سلطان کا مزاحم ہوا۔ سلطان کو مجبوراً جنگ کرنی پڑی انند پال شکست پاکر کوہستان کو بھاگ گیا۔ اور اس کا ملک جس کے بل پر وہ مقابلہ پر آیا تھا اور دو دفعہ پہلے امان پاچکا تھا اب کی دفعہ پائمال کیا گیا۔ چونکہ اس حملہ کی اصل غرض حاکم ملتان کی سزادہی تھی اس لئے انند پال کے تعاقب سے ہاتھ اُٹھایا گیا۔

تسخیر ملتان

علاقہ انند پال سے گذر کر ملتان کا محاصرہ کیا گیا سات روز کی لڑائی اور محاصرہ کے بعد داؤد حاکم ملتان نے عقیدہ ملاحدہ سے توبہ کی اور اپنے علاقہ میں احکام وحدود شرعیہ کے اجراء کا وعدہ کیا اور ہر سال بتیس ہزار درہم بطور خراج دینے کا اقرار کیا۔ سلطان کی غرض داؤد کی درستی اعتقاد تھی جو حاصل ہوگئی اور موسم گرما شروع ہوگیا۔ ملتان کی گرمی کی برداشت فوج غزنی نہ کرسکتی تھی واپس غزنی ہوا۔

عربی تاریخ فتوحات اسلامیہ میں لکھا ہے کہ والی ملتان انند پال کی شکست سن کر اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پاکر مال واسباب لے کر سرانديپ کو چلا گیا۔ لیکن ابوالفتح داؤد بن نصر بن شیخ حمید لودھی اس حملہ میں بشرائط بالا بدستور حاکم ملتان رہا۔

سلطان محمود

اور

ایلک خان شاہ ترکستان کا معرکہ عظیم

سلطان ابھی ملتان میں ہی تھا۔ کہ ارسلان جاذب گورنر ہرات نے اطلاع دی کہ ایلک خان شاہ ترکستان نے علاقہ سلطان پر حملہ کردیا ہے۔ اس لئے سکھ پال ہندو راجہ کو جو سبکتگین کے

عہد میں مسلمان ہوا تھا بٹھنڈا وغیرہ کی حکومت دے کر فوراً واپس چلا گیا۔ ایلک خاں ترکوں کا زبردست سردار اور بخارا کے سامانی خاندان کی تباہی پر بخارا وغیرہ امصار ماوراء النہر کا مالک بن گیا تھا۔ سلطان محمود نے اپنی مشرقی فتوحات کے خیال سے ایلک خاں سے رشتہ اتحاد قائم کر لیا تھا۔ اور ایلک خاں کی بیٹی سے شادی کر کے ایلک خاں کی طرف سے خاطر جمع کر لی تھی مگر ایلک خاں جس کے شمال کی طرف سائبیریا کے دشت و بیابان اور مشرق میں ملک چین کی زبردست سلطنت تھی اپنی سلطنت کو جنوب اور مغرب میں بڑھا سکتا تھا جہاں سلطان محمود کا علاقہ تھا اس لئے رشتہ داری پر طمع غالب آ گئی اور جبکہ سلطان محاصرۂ ملتان میں مصروف تھا اپنے سپہ سالار سیاوش تگین کو فوج جرار دے کر خراسان کو روانہ کیا اور جعفر تگین کو بلخ پر مقرر کیا سلطانی گورنر ارسلان جاذب ہرات دارالصدر خراسان سے غزنی چلا آیا تھا کہ دارالسلطنت کو بچا سکے اور خراسان پر سپہ سالار ایلک خاں کا قبضہ ہو گیا۔ سلطان محمود بھی ملتان سے ایلغار کرتا ہوا غزنی پہنچ گیا۔ خود سلطان بلخ کو گیا۔ اور جعفر تگین جنرل ایلک خاں بلخ سے بھاگ گیا ارسلان جاذب کو ہرات کو روانہ کیا جس کی آمد کی خبر سن کر سیاوش تگین ہرات سے نکل گیا۔ ایلک خاں نے اپنی فوج کے علاوہ قدلاخاں شاہ چین کو مدد کے لئے بلایا۔ بلخ سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر دونوں فوجیں فردکش ہوئیں۔ سلطان محمود جو اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر تجربہ کار جرنیل تھا بذات خود ترتیب صفوف میں مصروف ہوا سب سے آگے پانچسو جنگی ہاتھی کھڑے کئے اس کے بعد فوج سوارہ تھی قلب میں اپنے چھوٹے بھائی امیر نصر اور عبداللہ طائی کو معہ ہندو فوج (یمینی صفحہ ۲۱۸) اور میمنہ میں التونتاش اور میسرہ میں ارسلان جاذب کو مقرر کیا اور خود جانباز بہادروں کا دستہ لے کر الگ کھڑا ہوا۔ تاکہ وقت پر ہر طرف مدد دے سکے اور بہادرانہ شجاعت دکھا سکے۔ دوسری طرف ایلک خاں قلب میں کھڑا ہوا۔ قدر خاں میمنہ پر اور جعفر تگین میسرہ پر مقرر ہوا۔ اسی ترتیب جنگ سے سلطان محمود اور ایلک خاں کے بہادرانہ تہور اور جنگی لیاقت کا پورا پتہ لگتا ہے۔ ایلک خاں بچاؤ کی صورت کرتا ہوا قلب میں کھڑا ہوا جس کے حملہ سے انتظام صفوف کے بگڑنے کا احتمال تھا اور سلطان محمود نے تمام فوج کے بچاؤ کی جان ہار ڈیوٹی اپنے سر لی۔ اور اس طرح کھڑا ہوا کہ اس کے حملہ سے مقررہ انتظام میں کوئی خلل نہ پڑ سکتا تھا۔ آخر لڑائی نہایت زور شور سے شروع ہوئی جس کی نسبت شاہ سخن فردوسی کہتا ہے ؎

ابیات

نہاں گشت خورشید گیتی فروز　　تو گفتی نہ شب بود پیدا نہ روز
شد از سم اسپاں زمیں لالہ رنگ　　زنیزہ ہوا شد چو پشت پلنگ

بہادران طرفین بڑھ بڑھ کر حملات کرتے اور ملکی جنگ کا حق ادا کرتے ہوئے جانیں نثار کرتے تھے بہادر دھڑا دھڑ گرتے تھے۔ نجات وخلاص کا دروازہ بند تھا ترکوں نے گو سخت حملات کئے۔ مگر محمودی بہادروں نے شجاعانہ مدافعت کی اور ایک قدم نہ ہٹے یہ حالت دیکھ کر ایلک خاں سے رہا نہ گیا اور غلامانِ خاصہ کی بہادر فوج کے ساتھ قلب سے مست شیر کی طرح حملہ آور ہوا سلطان محمود نے ابھی تمام لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ فوج کے پاؤں ڈگمگاتے دیکھ کر فوراً گھوڑے سے کود پڑا۔ اور خداوند تعالیٰ کے حضور میں سربسجود ہو کر نہایت تضرع وزاری سے فتح ونصرت کی دعا مانگی اور نذر وصدقات ماننے اور فضل ربانی پر بھروسہ کر کے مست ہاتھی پر سوار ہوا۔ اور فوج خاصہ کو ہمراہ لے کر سب سے پہلے خود ایلک خاں پر جا پڑا۔ افضال الٰہی نے جس پر سلطان کو بھروسہ تھا اپنا اثر دکھایا اور سلطان کے ہاتھی نے ایلک خاں کے علم دار کو سونڈ میں لپیٹ کر دور پھینک دیا اور علم گر پڑا اور بہت سے ترکوں کو ہلاک کیا۔ بہادران محمودی نے جب دیکھا کہ سلطان خود موت کے سمندر میں تیر رہا ہے اور مہیب دشمن ایلک خاں کے گلے جا پڑا ہے ہر طرف سے جاں نثاران فوج نے حملہ کر دیا۔ جس مجموعی حملہ کی تاب ترک نہ لا سکے اور ایلک خاں اور قدر خاں جان بچا کر بھاگ گئے۔ جب تک کہ اپنی حدود ملک میں پہنچ نہ گئے کہیں دم نہ لیا سلطان محمود تعاقب میں تھا۔ اور ایلک خاں کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ موسم سرما تھا برف باری شروع ہو گئی تھی فوج تکلیف اٹھا رہی تھی امراء تعاقب کے برخلاف تھے صرف بیخود الوالعزم سلطان تعاقب پر اصرار کرتا تھا دن رات تعاقب سے ہاتھ نہ اٹھایا تیسری رات کو شدت سے برف وسردی پڑی سلطان کے خیمہ میں کئی انگیٹھیاں جلائی گئیں اور اس قدر کمرہ گرم ہوا کہ حاضرین مجلس سرمائی لباس اتارنے پر مجبور تھے اتنے میں ایک غلام باہر سے آیا محمود نے جو ایک خوش طبع سلطان تھا غلام سے کہا کہ جاؤ سردی کو کہدو کہ تو اسقدر جاں کنی کیوں کرتی ہے ہم تو مارے گرمی کے سرمائی لباس اتارنے لگے ہیں۔ غلام باہر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر عرض کی کہ سردی حضور کے پیغام کے جواب میں کہتی ہے۔ کہ اگرچہ میرا ہاتھ سر دست حضور تک نہیں پہنچ سکتا لیکن آج رات کو سائیسوں اور شاگرد پیشہ ادنے ملازموں کی ایسی خدمت کروں گی کہ کل حضور اور حضور کے امرا گھوڑوں کی خدمت خود کریں گے۔

سلطان جو نہایت ذہین نکتہ فہم تھا اُس وقت نوخوش طبعی میں ٹال گیا مگر صبح کو واپسی کا حکم دیا۔ اور ایلک خاں ضرب محمودی سے بچ گیا ۔

(نوٹ)

ناظرین غور کرسکتے ہیں کہ جب ترکستان کی جنگجو اور قوی ہیکل قومیں اور ایلک خاں جیسے بہادر جنگی بادشاہ محمودی حملہ کی تاب نہیں لاسکتے تھے تو ہندوستان کی کمزور اور نحیف البدن فوجیں افواج محمودی کے مقابلہ میں کس طرح ٹھیر سکتی تھیں۔ محمود اپنے زمانہ میں بے نظیر جرنیل بہادر سپاہی فیاض سلطان فوج کا ہر دلعزیز سپہ سالار تھا۔ ہر ایک مشکل میں خود حصہ لیتا تھا۔ فوج اور رعایا کے آرام کا ہر وقت خیال رکھتا تھا اس کی کامیابی اور عالمگیر فتوحات کا یہی راز تھا ۔

بغاوت سُکھپال

جب سُلطان محمود ایلک خاں کی لڑائی میں مصروف تھا۔ راجہ سُکھپال جس کو بٹھنڈا وغیرہ کی حکومت دیکر سلطان خراسان کو گیا تھا سلطان کی مشکلات خراسان پر خیال کرکے باغی ہوگیا۔ اور ہندو رعایا کے اکسانے اور ہندو راجگان کے بہکانے اور اُن کی امداد کے بھروسہ اور اپنی آبائی خود مختار حکومت قائم کرنے کے لالچ سے مرتد ہوگیا۔ سلطان کو یہ خبر ترکستان میں پہنچی۔ فوراً ہندوستان کو روانہ ہوا۔ اور امرائے پنجاب کو باغی مذکور کی سزادہی کے لئے احکام بھیجدئے۔ جنہوں نے سلطان کے پہنچنے سے پہلے ہی سُکھ پال کو شکست دیکر قید کرلیا۔ اور قید ہی میں مرگیا ۔

حملہ پنجم

اور

ہندوؤں کا قومی جوش و اتحاد

بقول فرشتہ ۳۹۳ھ اور بقول یمینی ۳۹۸ھ میں انندپال یا ابرہمن پال پر ہوا وجہ اُسکی یہ تھی۔ کہ راجہ انندپال نے اُن تمام سُلطانی مراعات کو پس پشت ڈال دیا تھا جو اُس کے باپ جیپال اور خود انندپال سے تاج بخشی وغیرہ کے بارہ میں ہوئی تھیں۔ گذشتہ حملے میں والی ملتان کی امداد میں سلطان کا راستہ روک لیا تھا اگرچہ سلطان نے انندپال کو شکست دیکر کوہستان کشمیر کیطرف بھگا دیا تھا۔ مگر انندپال کی اس حرکت سے ثابت ہوگیا تھا کہ صرف اپنی ہی گردن سے اطاعت کا جوا اُتارنا نہیں چاہتا تھا۔

بلکہ ہندوؤں کے علاوہ باجگذار مسلمان رؤساء کو بھی سلطان کی مخالفت اور بغاوت پر اُبھارتا ہے ابوالفتح داؤد بن نصر لودھی حاکم ملتان کا دادا شیخ حمید عہد سبکتگین سے باجگذار غزنی تھا ابتداء میں داؤد بھی خراج ادا کرتا رہا۔ اور سلطانی عنایت سے سرافراز ہوتا رہا۔ انند پال کے ورغلانے سے باغی ہوا۔ گویا انند پال نے خود اسلامی علاقہ میں ریشہ دوانی شروع کر دی تھی ایسی حالت میں اگر سلطان محمود کی جگہ کوئی اور بادشاہ بھی ہوتا تو اس کو بھی انند پال کی عہد شکنی کا انتقام لینا پڑتا۔ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس جنگ کا بانی خود انند پال ہوا جس نے عہد نامہ کے خلاف عمل کیا۔ جو ایک اخلاقی کمزوری تھی۔ انند پال کی یہ جرأت ایک بڑی بھاری سازش کا نتیجہ تھا جو شمالی ہند کے تمام مشہور راجگان کی متفقہ رائے سے ہوئی تھی۔ جنگ جیپال میں گو ہندوؤں نے مجموعی طاقت سے سلطان کا مقابلہ کیا تھا۔ مگر بعض راجگان خود معرکہ میں شامل نہیں ہوئے تھے اور شکست جیپال کی وجہ ہندو فوج کی کمزوری قرار نہیں دیتے تھے اور نہ انند پال کے مقابلہ کو کچھ وقعت دیتے تھے ہندوستان کے تمول اور کثرت آبادی کے سامنے سلطنت غزنی اور محدود آبادی کو خیال میں نہیں لاتے تھے اور دیکھ چکے تھے کہ سبکتگین اور خود سلطان محمود چند ہزار فوج سے زیادہ ہندوستان کے لاکھوں سورماؤں کے مقابلہ میں نہیں لا سکا۔ پس اُن کو یقین تھا کہ اگر سُورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے پرجوش سورمے اتفاق سے کام لیں تو ایک ایک مسلمان کی تباہی کے لئے سو سو ہندو بہادر معرکہ کارزار میں جا سکتا ہے اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا سکتا ہے۔ اِن جملہ اسباب نے انند پال کو عہد شکنی پر دلیر کیا تھا۔ سلطان اس دفعہ احسان فراموش انند پال کو قرار واقعی سزا دینے کے لئے تیار ہوا راجہ انند پال نے سلطان کی چڑھائی کی خبر سُن کر راجگانِ ہند کو خطوط لکھے اور مذہبی خطرہ دکھا کر مذہب و ملت کے بچانے کے لئے ہندوؤں میں جنگی جوش بھر دیا۔ راجگانِ دہلی۔ کالنجر۔ گوالیار۔ اجمیر۔ قنوج وغیرہ اپنی اپنی فوجیں لیکر پنجاب کو روانہ ہوئے۔ اور اس قومی جنگ کے لئے خزانے خالی کئے گئے۔ ہندو عورتوں نے زیورات اُتار اُتار کر چندہ میں دئے۔ اور اپنے عزیزوں کے جنگی اخراجات کی کفیل ہوئیں۔ بیوگان نے چرخہ کات کر اور مزدوری کر کے جنگی چندہ دیا۔ واعظین ہنود نے ہندوؤں کو سرفروش بنا دیا۔ جس قدر کہ مذہبی جنگ اور قومی لڑائی کے لئے تدابیر ہو سکتی تھیں سب عمل میں لائی گئیں۔ اور ہندوؤں نے پورا اتفاق کیا اور جملہ انتظامی امور پر جوش و ذرائع سے کام لیا گیا +

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کو ہندوؤں کے نفاق یا طوائف الملوکی کے باعث فتح کیا اس سے بڑھ کر اور کیا اتفاق ہو سکتا ہے۔ شمالی ہند کے تمام بہادر میدان پشاور میں جمع ہو گئے۔ عورتوں تک مسلمانوں کے برخلاف جوش میں بھول گئی تھیں بہادران راجپوت کا علاقہ یہی شمالی ہند تھا۔ اور یہی قوم اس وقت ہندوستان میں بہادر ہندو شمار ہوتی تھی طوائف الملوکی ضرور تھی مگر یورپ کی طرح غیر اقوام کے مقابلہ میں سب کی آواز ایک تھی اور ضرورت کے وقت کسی ایک راجہ کے زیر علم لڑنے مرنے کو عار نہ جانتے تھے پس اس قسم کی طوائف الملوکی ہندو طاقت کے لئے نقصان رساں نہ تھی بلکہ یہ تمام راجگان مختلف جرنیل تھے اور اپنی اپنی فوجوں کا خود انتظام کرتے اور ہر قسم کے اخراجات کے خود کفیل ہوتے خاندانی روائتوں اور بزرگوں کی بہادرانہ ناموری کے برقرار رکھنے کے لئے اس جنگی امتحان کے مقابلہ میں بڑھ بڑھ کر کوششیں کرتے پھر یہ طوائف الملوکی باعث افتراق نہ تھی۔ اور نہ اس سے سلطان محمود کو کچھ فائدہ پہنچا ؛

راجہ انند پال جس کو مؤلف تاریخ یمینی و فتوحات اسلامیہ میں راجہ ابرسمن پال لکھا ہے راجگانِ کالنجر۔ گوالیار۔ قنوج۔ اوجین۔ دہلی وغیرہ کی فوجیں لیکر صحرائے پشاور میں مقابل ہوا۔ مگر تاریخ یمینی صفحہ ۲۲۴ میں میدان جنگ شطا الویہند لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویہند سندھ سے مراد ہے یا سندھ کے کنارہ ویہند مشہور شہر اور قلعہ تھا جس کے نام سے دریائے کو ویہند لکھا ہے جس طرح کہ آجکل قلعہ اٹک کے سبب سے دریائے سندھ کا نام اٹک ہی مشہور ہے۔ اور شہر جہلم کے سبب سے دریائے بہت کو دریائے جہلم کہتے ہیں ؛

تاریخ یمینی کی روایت کے مطابق سلطان محمود کنارہ ویہند پر پہنچ چکا تھا کہ انند پال سے مقابلہ ہوا۔ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو چونکہ شکست کے بعد سلطانی فوج نے جس کا عنان ریز تعاقب کیا اور کسی مؤرخ نے ہندو فوج کا دریائے سندھ میں ڈوبنا اور نقصان ہونا نہیں لکھا اس سے پایا جاتا ہے کہ اگر سلطان دریائے سندھ پر پہنچ چکا تھا۔ تو ضرور دریائے سندھ سے اُتر کر علاقہ حضرو کیمبل پور کے میدان سطح میں یہ معرکہ ہوا تھا۔ جہاں سے آگے دریائے جہلم تک مفروروں کے لئے جان بچانے اور بھاگنے کے لئے کافی میدان تھا۔ اگر یہاں لڑائی نہیں ہوئی تو شطا الویہند سے مراد اس دریائے سے ہے جس کو آجکل دریائے لنڈہ (کابل)

کہا جاتا ہے اور علاقہ ضلع پشاور کے حدود سے گذر کر دریائے سندھ میں گرتا ہے اُس کے کنارہ پر ہی وہیند آباد ہوگا جس پر سلطان نے دوسرا حملہ کیا اسی پشاور کے نواح میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جس کا صحیح صحیح تو مقام جنگ یقین نہیں ہو سکتا نوشہرہ سے آگے جہاں کا صاف میدان قابل جنگ ہے یہ معرکہ ہوا ہوگا۔ اور ہندو فوج جس کے پاس عبور دریائے کے سامان موجود تھے بلا نقصان دریا سے پار ہوگئی یا کوہستانی علاقہ ہزارہ۔ کوہاٹ وغیرہ میں منتشر ہوگئی جہاں ہندوؤں کے تعلقات قدیمی موجود تھے ؛

میدان جنگ

جس قدر لڑائیاں ہندو مسلمانوں کی ہوئیں ان میں یہ معرکہ جو سوا جنگ دویم ترادوری سب پر فوقیت رکھتا ہے کیا باعتبار قومی جوش مذہبی حمیت کے اور کیا باعتبار کثرت فوج۔ سلطان محمود نے ہندو فوج کی کثرت کے خیال سے خلاف عادت حملہ کرنے میں توقف کیا اور راجہ انند پال خود دانستہ التوا کرتا رہا۔ تاکہ ہندو فوج سب جمع ہو سکے۔ چالیس روز تک روزمرہ ہندو فوج آ آکر تعداد بڑھاتی رہی سلطان نے کیمپ کے گرداگرد دو طرفہ جدھر سے حملہ کا احتمال تھا۔ گڑھے خندق کھوائی۔ تاکہ پرجوش ہندو بہادر حملہ نہ کر سکیں۔ اس تدبیر کو خوف و جبن پر دلالت نہیں کر سکتے ہر ایک مدبر و آل اندیش جرنیل کا فرض ہوتا ہے کہ ہر ایک ممکن الوقوع حادثہ کے انسداد کی تدبیر عمل میں لائے۔ سلطان سے یہ ضرور تساہل ہوا کہ فوراً جنگ شروع نہ کی۔ مگر اس کی وجہ صرف خوف و دہشت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ پھر بھی حملہ سلطان کی طرف سے شروع ہوا۔ اگر سلطان خوف زدہ ہوتا تو کبھی خود حملہ نہ کرتا خندق کا کھودنا اور کئی روز تک لڑائی شروع نہ کرنا سلطان کی جنگی مہارت کا نتیجہ تھا چنانچہ وہ اسی سے کامیاب ہوا۔ جبکہ خندق و مورچے تیار ہو چکے۔ اور اطراف لشکر کو ہندوؤں کے عام حملہ سے محفوظ کر لیا تو ایک ایک ہزار تیر انداز جوانوں کی پلٹنوں کو ہندو فوج کے مقابلہ کے لئے بھیجنا شروع کیا جو سپاہیانہ کرتب دکھاتے دشمن کو اسلامی مورچوں کی زد میں لئے آتے تھے۔ اور ہزاروں تیر اولوں کی طرح پڑتے اور ہندو حملہ آوران کو ہلاک کرتے اور سلطان کی تدبیر خندق و مورچے سے نقصان اٹھاتے لیکن باوجود اس احتیاطی جنگی تدبیر کے بقول فرشتہ تیس ہزار کفار سروپا برہنہ خندق سے عبور کر آئے یہ لوگ کھوکھر تھے۔ جنہوں نے شمشیر و خنجر سے تین چار ہزار مسلمانوں کا صفایا کر دیا۔ اس پرجوش حملہ سے ہندوؤں کا مطلب یہ تھا۔ کہ

یا سلطان مارا جائیگا یا بھاگ جائے گا مگر بہادر سلطان ذرا نہ گھبرایا اور بہادران اسلام نے حملہ آوروں کا سینہ سپر ہوکر مقابلہ کیا۔ لیکن حملہ آور ہندوؤں کا جوش و مبدم بڑھ رہا تھا اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو کہ شیر دل سلطان غلامان[1] خاصہ کی فوج کے ساتھ شیر غراں کی طرح حملہ آور ہوا اور کھوکھروں کو مورچوں سے مار کر نکال دیا +

بہادر راجہ انند پال اس حملہ میں شریک تھا کیونکہ مورخ کھوکھروں کے حملہ کے ساتھ ہی انند پال کے ہاتھی کے بھاگنے کا قصہ لکھتے ہیں۔ کہ اتفاقاً تیر کے لگنے سے انند پال کا ہاتھی بھاگ گیا اور شکست ہنود کا باعث ہوا۔ اگرچہ راجہ انند پال کھوکھروں کے حملہ میں شریک تھا اور اسلامی لشکر کھوکھروں کو خندق سے نکالنے کے بعد ہندوؤں کی عام فوج سے شمشیر بکف ہوا۔ اور بروایت تاریخ یمینی صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی اس سے بھی پایا جاتا ہے کہ لڑائی ضرور اسلامی مورچوں سے باہر دیر تک رہی ورنہ صبح سے شام تک سلطانی مورچوں کے اندر لڑائی رہتی تو چار ہزار کیا۔ طرفین کے چار چند جوان مارے جاتے اور مسلمان ضرور شکست کھاتے صبح سے شام تک سخت بدست لڑائی کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ پس صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ کھوکھروں نے معہ دیگر ہندوؤں کے حملہ کیا اور خندق عبور کرکے تین چار ہزار مسلمانوں کو قتل کیا اور خاص سلطانی حملہ سے پس پاء کئے گئے۔ خندق سے باہر فریقین نے خوب داد مردانگی دی اور شام تک کسی فریق نے میدان نہ چھوڑا۔ اسلامی بہادروں نے مجموعی حملہ کیا اور اس میں راجہ انند پال کا ہاتھی بھاگ گیا ہندو اس وجہ سے اور نیز مسلمانوں کے سخت ثبات و استقلال اور مجموعی حملہ کی شدت سے بھاگ نکلے۔ سلطان نے عبداللہ طائی کو پانچ ہزار عربوں اور ارسلان جاذب کو دو ہزار ترکوں کے ساتھ تعاقب میں روانہ کیا جو بقول فرشتہ دو رات دن کے تعاقب میں ۸ ہزار ہندو مار کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعاقب ہندوؤں کو محض میدان جنگ سے منتشر کرنیکے لئے تھا ورنہ لاکھوں ہندوؤں کے تعاقب میں سات ہزار فوج کا روانہ کرنا اور صرف آٹھ ہزار کا مقتول ہونا اور ہندوؤں کا زیادہ قید نہ کرنا باور نہیں کیا جاسکتا۔ سلطان نے جو کچھ کیا ایسی عظیم الشان فتح کے موقعہ پر یہی مناسب تھا +

جبکہ میدان جنگ میں دشمن کا نام و نشان نہ رہا اور ہندو فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ تو سلطان راجہ انند پال کے تعاقب میں سوار ہوا۔ اور راجہ انند پال کے اثر[1] و سراغ پر بھیم نگر (نگر کوٹ) پہنچا۔ گویا سلطان کے نگر کوٹ پہنچنے کا باعث خود راجہ انند پال ہوا۔ نگر کوٹ

[1] فتوحات اسلامیہ مصنفہ فتوحات نبویہ ۱۲

پہاڑ پر مضبوط قلعہ بنا۔ اور اپنی حصانت و استحکام اور دشوار گذار پہاڑی راستہ کے سبب، ناقابل فتح شمار ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے انند پال نے نگر کوٹ کا ارادہ کیا تھا جو علاوہ استحکام قلعہ کے مذہبی مکان تھا۔ اپنے عقیدہ کے مطابق نگر کوٹ کے بت سے استداد کا خیال بھی ہوگا مگر اولوالعزم سلطان نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اور انند پال کو نگر کوٹ امن نہ دے سکا۔ اور ہمالیہ کے دور دست علاقوں میں بھاگ گیا۔ مگر نگر کوٹ کی تباہی کا سامان مہیا کر گیا۔ قلعہ کی کوہستانی اونچائی سے اگرچہ تسخیر قلعہ ناممکن دکھائی دیتی تھی مگر جب بہادران اسلام کے حملات شروع ہوئے تو قلعہ والوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور امان لیکر قلعہ حوالہ سلطان کیا۔ سلطان چند معزز سرداروں سمیت قلعہ میں داخل ہوا۔ نہ کسی ہندو کو جان سے مارا اور نہ کسی کا مذہب بگاڑا۔ اور نہ کوئی قید کیا گیا۔ البتہ حسب عادت بت توڑ دیئے گئے اور مندر کا خزانہ جو کئی راجگان کا جمع کیا ہوا تھا اور جن پر میدانِ جنگ میں فتح پا چکا تھا اور بے حد و حساب تھا اپنے تصرف میں کیا۔ ایک مکان تین گز لمبا اور پندرہ گز چوڑا صرف چاندی سے بھرا ہوا تھا اور بیس من جواہرات تھے اور باقی کروڑوں کا قیمتی اور نفیس مال و متاع اور سونے چاندی کے برتن اس کے علاوہ تھے۔ سلطان قلعہ نگر کوٹ معتبروں کے حوالے کر کے غزنی چلا گیا +

(نوٹ)

نگر کوٹ کی لوٹ سے یہ افسوس ضرور ہوتا ہے۔ کہ اس قدر دولت ہندوستان سے باہر چلی گئی۔ لیکن جب غور کیجاتی ہے کہ یہ دولت عظیم نہ غریبوں اور یتیموں کو ملتی تھی اور نہ کسی قومی کام میں آتی تھی۔ اور چھوڑ خود اسی حملہ میں جبکہ تمام ہندو قوم جان و مال سے محمودی حملہ کے روکنے اور بھارت ماتا کو بچانے کے لئے کوشش کر رہی تھی اور مزدوری پیشہ اور رانڈ عورتوں نے چرخہ کات کات کر اس قومی جنگ میں چندہ دیکر جب الوطنی کا ثبوت دیا تھا۔ اس وقت بھی نگر کوٹ کے لالچی پجاریوں نے اپنے قارونی خزانہ سے ایک کوڑی تک نہ دی اگر مندر کے خزانہ سے اخراجات جنگ ادا کئے جاتے تو غریب عورتوں تک سے چندہ لینے کی ضرورت نہ پڑتی اور خود مندر کا خزانہ ہی لڑائیوں کا کفیل ہو سکتا۔ مگر افسوس کہ ایسی مشترکہ قومی غرض کے کام بھی نہ آیا تو پھر ایسے خزانہ کو ہرگز ملکی یا قومی سرمایہ نہیں کہہ سکتے۔ صرف چند پجاریوں کی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کا ذریعہ تھا جب خود ہندو قوم ہندو مذہب کے کام نہ آسکا تو ایسے روپیہ کے باہر

چلے جانے پر کچھ افسوس نہیں ؎ زبہر نہادن چہ سنگ و چہ زر۔ ان مندروں کی حالت اُس وقت کے مذہبی ہندو لیڈروں کے کیریکٹر پر روشنی ڈالتی ہے ۔

قوم گھکڑ اور کھوکھر کی نسبت یورپین مورخوں کی غلطی

تاریخ ہند مرتبہ مدارس پنجاب مصنفہ لیتھبرج صاحب معرکہ مذکورہ بالا میں سلطان محمود کی فوج پر حملہ کرنے والی قوم گھکڑ لکھتے ہیں جو درست نہیں۔ طبقات ناصری جو ایک قدیم تاریخ ہے اور حروف ٹائپ میں چھپی ہے۔ اُس میں صاف لفظ کھوکھر لکھا ہے جو تاریخیں حروف ٹائپ میں نہیں لکھی گئیں اُن میں لفظ کھوکھر کو کھکر بغیر واؤ لکھا ہے۔ اسی سے انگریز مورخ نے کوکر کو گھکڑ تصور کر لیا ہے اور اس تصور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انگریزی عہد میں دریائے جہلم سے پار پہاڑ کے ساتھ ساتھ ضلع ہزارہ وغیرہ میں اکثر قوم گھکڑ آباد ہے اور انہیں موقعوں پر سلطان محمود اور محمد غوری کے مقابلہ ہوتے رہے۔ اس سے انگریزی مورخوں کو قوم گھکڑ لکھنے کا خیال پیدا ہوا مگر بے سند ہے سلطنت غزنی کے بعد محمد غوری اور دیگر شاہان دہلی کا مقابلہ کھوکھروں سے ہوتا رہا اور بعض وقعہ لاہور پر بھی قابض یہی ہوتے رہے جس کا ذکر ہم آئندہ موقعہ موقعہ پر کرینگے ۔

بہلول لودھی کے وقت میں راجہ جسرتھ اور شیخا کھوکھر مشہور سردار تھے، جنکا صدر مقام دریائے چناب کے کنارہ پر واقع تھا اور جو غالباً کری بہلول پور کے نام سے ضلع گجرات میں ایک بہت اونچا قدیمی کھنڈر دکھائی دیتا ہے۔ اور اب بھی یہ قوم کھوکھر چناب اور جہلم کے کنارہ کہیں کہیں ضلع جھنگ تک آباد خود مؤلف نے دیکھی ہے۔ علاوہ اس کے خود گھکڑ بھی سلطان محمود کے مقابلہ سے انکار کرتے ہیں۔ مجھ سے راجہ جہاں داد خاں مرحوم چیف آف گھکڑ نے بیان بالا کی تائید میں کہا تھا کہ گھکڑ لفظ کے گھر (کیانی نسل) سے بگڑا ہوا ہے اور قوم گھکھڑ سلطان محمود کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے ہیں۔ بہرحال میرے نزدیک سلطان محمود کا مقابلہ کرنے والی کھوکھر قوم تھی نہ کہ گھکھڑ۔ اس قوم کی مفصل شرح نے تاریخ اہلیت اقوام ضلع گجرات میں کی ہے جو جناب کپتان المیٹ صاحب بہادر سابق ڈپٹی کمشنر گجرات کو دی تھی۔ جبکہ صاحب ممدوح تاریخ ضلع گجرات لکھ رہے تھے ۔

دربار

سلطان نے غزنی واپس جاکر دربار عام کیا۔ چونکہ ایبک خاں شاہ ترکستان کا ایلچی

غزنی آیا ہوا تھا اس کے دکھانے اور سلطنت غزنی کا رعب جمانے کے لئے جیسا کہ ہر ایک گورنمنٹ کیا کرتی ہے۔ بہت بڑا جشن کیا۔ فوج اور سامانِ جنگ کے علاوہ تمام شاہی خزانہ جس میں قلعہ نگر کوٹ کی غنیمت کا زیادہ مال تھا غزنی سے باہر میدان میں رکھا گیا۔ اور مستحقین غربا و مساکین امراء و کارکن عہدہ داروں کو خیرات۔ انعام۔ اکرام سے مالا مال کر دیا۔ اور اس نمائش شوکت دولت سے ایلچی کو مرعوب کر دیا۔ اور اپنے جود و سخا شاہانہ کو خوب ظاہر کیا۔ شاہی عمارات کی تعمیر شروع ہوئی جس کی تقلید میں دیگر امراء وغیرہ نے بھی قیمتی اور خوبصورت عمارتوں سے غزنی کو عروس ممالک بنا دیا اس سے سلطان محمود کی قدردانی اور شوق صنعت و حرفت اور شاہانہ اولوالعزمی کا ثبوت ملتا ہے۔ کنجوسی کا الزام فضول ہے جس کی بحث ہم آگے کرینگے ✦

فتح غور

۴۰۱ھ میں غور پر حملہ آور ہوا۔ غوریوں کو تاریخ یمینی اور فتوحات اسلامیہ عربی تاریخوں میں کافر لکھا ہے۔ اور بقول منہاج سراج غوری عہد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں ایمان لا چکے تھے اور ہارون رشید کے عہد میں غوری سوار شنبث نامی معہ ایک اور حریف کے بغداد دربار خلیفہ میں حاضر ہوا اور ہارون رشید کی طرف سے غور کا جائز حاکم مقرر ہوا۔ اسی شنبث کی نسبت سے غوریوں کا خاندان شنبثی کہتے ہیں۔ سلطان محمود کے مدمقابل کا نام بھی محمد بن سوری لکھا ہے جو ایک اسلامی نام ہے۔ معلوم ہوتا ہے حکام غور کے خاندان میں اسلام رواج پا چکا تھا۔ لیکن غور کی عام رعایا بدستور کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ چونکہ پہاڑی جنگجو قوم تھی اس لئے حکام غوری شنبثی گو مسلمان تھے۔ لیکن عام غوریوں پر اپنے مذہب کا اثر نہ ڈال سکے۔ ملکی اور قومی ضرورت کے باعث مسلمان حکام اور مشرک رعایا میں اتحاد رہا۔ محمد بن سوری کی فوج میں زیادہ تر کفار غور تھے اور آس پاس کے اہل اسلام کے ستانے اور اسلامی قافلوں کے لوٹنے میں سب متفق رہے اس وجہ سے غوریوں کو کافر لکھا ہے۔ محمد بن سوری نے دس ہزار بہادروں سے صبح سے دوپہر تک سخت مقابلہ کیا۔ اور پہاڑی مورچوں کے سبب فوج غزنی کو سخت نقصان پہنچایا مگر آخر مار سلطان شکست کا نقشہ دکھا کر غوریوں کو مورچوں سے باہر نکال لایا اور پھر ایسا سخت حملہ کیا کہ بے شمار غوری مقتول ہوئے اور محمد بن سوری مارا گیا جو ہیرا چاٹ کر مر گیا۔ اور اس کے بیٹے کو حکومت غور دی گئی جس کا ذکر غوریوں کے حالات میں کیا جائیگا ✦

ملتان کا علاقہ غزنی میں شامل ہونا

ملتان کے ملحد حاکم ابوالفتح لودھی کو ۳۹۵ھ یا ۳۹۶ھ میں اجرائے احکام شرعیہ کا وعدہ لیکر بدستور حکومت ملتان پر قائم رکھا تھا مگر ابوالفتح اور اس کے متعلقین عقیدہ الحاد سے باز نہ آئے چونکہ ان لوگوں سے اور مسلمانوں کے عقاید بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے ۴۰۱ھ کے آخیر میں ملتان پہنچا اور ابوالفتح کو قید کر کے قلعہ غور میں محبوس کیا جو وہیں مر گیا۔ باقی ملحدوں کو تہ تیغ کر کے ملک کو پاک کر دیا جسقدر سلطان نے ملحدین ملتان کو سخت و دردناک سزائیں دیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے۔ کسی ہندو مفتوح کو اختلاف مذہب کی وجہ سے نہیں دی گئیں ۔

فتح تھانیسر

فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان نے سنا کہ تھانیسر ہندوؤں کی نزدیک ویسا ہی محترم و معظم ہے جیسا کہ اہل اسلام میں مکہ معظمہ۔ وہاں کے بت جنگ سوم کو صفات اللہ سے موصوف یعنے خالق و رازق جانتے ہیں۔ اور آغاز عالم کے ساتھ ہی بت مذکور کا وجود مانتے ہیں اور اسی سے بت پرستی کو بنی آدم کا ابتدائی مذہب گردانتے ہیں۔ یہ عقیدہ کفر و شرک کے علاوہ بت پرستی کو جملہ مذاہب عالم پر ترجیح قدامت دینا اور آدم صفی اللہ جیسے پیغمبر برگزیدہ کو بھی بت پرست بناتا ایسے عقیدہ باطل اور ضعیف الاعتقادی کا دفیعہ ہر ایک خدا پرست موحد کا فرض ہوتا ہے زبان سے ہو سکے یا ہاتھ سے سلطان محمود کی خاموشی اسلام کی موحدانہ تعلیم کے نزدیک ہرگز مقبول نہ تھی۔ اس لئے ۴۰۲ھ میں روانہ ہندوستان ہوا۔ چونکہ راستہ میں لاہور کا علاقہ تھا۔ جو راجہ انند پال کی مانحت تھا اور انند پال سے سلطان کی صلح تھی اس لئے بقول فرشتہ راجہ انند پال کو بپاس عہد نامہ لکھا کہ فوج اسلام بت خانہ تھانیسر کے توڑنے کے لئے جاتی ہے۔ تمہارا علاقہ راستہ میں ہے اپنے معتبر ساتھ کر دو تاکہ وہ تمہارے علاقہ کا نشان بتاتے رہیں۔ اور فوج سلطانی سے تمہاری رعیت کو کسی قسم کا آسیب نہ پہنچے۔ انند پال نے بقالوں اور تاجروں کو حکم دیا کہ ہر ایک پڑاؤ پر سامان رسد جمع رکھیں تاکہ فوج سلطانی کو تکلیف نہ ہو۔ اور دو ہزار سوار اپنے بھائی کی سرکردگی میں مہم تھانیسر میں شریک ہونے کے لئے سلطان کی خدمت

میں آئے اور یہ درخواست کی ؛

درخواست انند پال بخدمت سلطان محمود

میں آپ کا مطیع و فرمانبردار ہوں۔ دفور اخلاص و نیاز سے عرض پرداز ہوں کہ تھانیسر کا بت خانہ اس ملک کے باشندوں کا معبد ہے اگرچہ حضور کے مذہب میں بتوں کا توڑنا حصول حسنات اور رفع درجات کا باعث ہے۔ مگر یہ ثواب نگرکوٹ کی بت شکنی سے حاصل ہو چکا ہے اب التماس خاکسار ہے کہ رعایائے تھانیسر کو خراج گذار بنا کر واپس تشریف لیجاویں اسکے شکرانہ میں نیازمند خود پچاس ہاتھی ہر سال معہ تحف و ہدایہ حضور کی خدمت میں ارسال کیا کرے گا ؛

جواب سلطان محمود

مسلمانوں کے مذہب میں جس قدر وحدانیت کو رواج اور بت خانوں کو مسمار کیا جائے اسی قدر قیامت کے روز زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔ اور ہمارا دلی منشاء یہ ہے کہ رسم بت پرستی ہندوستان سے زائل و دور کیجائے جو بتوں کے توڑنے کے سوا حاصل نہیں ہوتی اسی ارادہ سے ہم نے تھانیسر پر چڑھائی کی ہے۔ جس الٰہی کام سے ہم ہرگز باز نہیں رہ سکتے ؛

(نوٹ)

فرشتہ نے انند پال اور یمینی نے راجہ کا نام سروجیپال لکھا ہے کہ جس نے جنگ سوم کے نہ توڑنے کے عوض میں پچاس ہاتھی دینے وغیرہ کا لالچ دیا لیکن شکست پشاور اور فتح نگرکوٹ میں انند پال کی قید یا موت کا کہیں ذکر نہیں آیا اور لاہور بھی ابتک فتح نہیں ہوا تھا غالب قیاس یہ ہے کہ انند پال نے اطاعت قبول کی اور سلطان نے بہ تقلید شریعت منظور کی تھانیسر کا راستہ لاہور کے علاقہ میں سے گذرتا تھا۔ سلطان نے امداد رسد رسانی کے لئے انند پال کو لکھا جو شرائط عہد نامہ میں درج ہوگا۔ انند پال نے انتظام رسد رسانی کر دیا۔ اور دو ہزار سوار جو آجکل کے کنٹنجنٹ فوج رؤسائے کے مطابق تھی سلطان کے ساتھ کی اور جنگ سوم کا توڑنا بھی نہیں چاہتا ہوگا اور سلطان کو لکھا بھی ہو۔ مگر تھانیسر کی نسبت وعدہ ادائے خراج

کس طرح کرسکتا تھا جبکہ تھانیسر اُس کے ماتحت ہی نہ تھا بلکہ بقول فرشتہ راجہ دہلی کے ماتحت تھا۔ پس سرو جیپال جو دہلی یا تھانیسر کا راجہ نہ تھا اُس نے خود بت خانہ تھانیسر کے نہ توڑنے کے عوض میں پچاس ہاتھی اور خراج دینا منظور کیا۔ اور خدا پرست سلطان نے بت فروشی کو منظور نہ کیا ؛

اس واقعہ سے ہماری اُس رائے کی تائید ہوتی ہے جو بت شکنی کی وجوہات میں لکھی ہے کہ سلطان بتوں کو توڑ کر بُت پرستوں کے دلوں سے بتوں کی خدائی عظمت دور کرنی چاہتا تھا اور بتوں کیطرف سے بُت پرستوں کے دِل ہٹا کر ان کو معبود حقیقی کی تلاش کی رغبت دلاتا تھا ؛

بت جگ سوم

بقول فرشتہ راجہ دہلی نے سُلطان کے مقابلہ اور جگ سوم کو بچانے کے لئے ہندوؤں کو جوش دلایا۔ مگر قبل اس کے کہ ہندو کچھ ہاتھ پاؤں ہلا سکیں۔ سلطان محمود تھانیسر پہنچ گیا۔ جگ سوم کے سوا اور سینکڑوں بتوں کو توڑ کر بتخانہ تھانیسر کو مسمار کر دیا۔ جگ سوم کو غزنی لیجا کر پائے سپہر خلایق کیا۔ تھانیسر کی غنیمت مندر سے ایک یاقوت سرخ وزنی چار سو پچاس مثقال ملا تھا۔ جو چمک دمک میں بے نظیر تھا۔ اور وزن و قیمت میں ثانی نہ رکھتا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان دہلی کی فتح کا ارادہ رکھتا تھا مگر امراء نے کہا کہ جب تک پنجاب پر کامل تسلط نہ ہو اور انند پال سے دلجمعی نہ ہو دہلی کی فتح مشکل ہے ضرور سلطان اس دفعہ واپس غزنی چلا گیا۔ مگر آئندہ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رائے پر عمل نہیں کیا گیا۔ اور لاہور کی فتح و تصرف سے پہلے قنوج مہاون متھرا وغیرہ کئی ایک شہر اور سلطنت فتح کی گئیں۔ اگر واقعی انند پال کا خیال ہوتا۔ تو تھانیسر پر حملہ نہ کرتا۔ اور اُس کی درخواست منظور کیجاتی۔ سلطان جس ارادہ پر اس دفعہ آیا تھا وہ پورا ہو گیا اور گرمی کا موسم بھی شروع ہو گیا۔ غزنی کی فوج کو حسب عادت موسم گرما غزنی کے سرد علاقوں میں بسر کرنے اور تازہ دم ہونے کے لئے واپس لے گیا ؛

سُلطان محمود اور خلیفہ کا بگاڑ اور صفائی

واپس جا کر سُلطان نے ابو نصر حاکم شاہ سار کو قید کیا جس کا قصہ اس کتاب کی غرض تالیف سے خارج ہے۔ ہاں خلیفہ بغداد کا معاملہ جو اسی سال ہوا اخلاقی قصہ کے خیال سے لکھا

جاتا ہے۔ بغداد کا عباسی خلیفہ القادر باللہ تھا خاندانی عظمت کی رو سے اور اس عقیدہ و خیال سے کہ خلیفۃ المسلمین صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اسلامی دنیا میں خلیفہ بغداد کو ہی یہ منصب حاصل تھا۔ گو آج کل کے گدی نشین پیرزادوں سے مشابہت رکھتا تھا مگر پھر بھی بعض ممالک خصوصاً ایشیا میں اُسی کی سند سے حکومت کا جواز تصور ہوتا تھا۔ بغداد سے باہر ہر ایک صوبہ میں جُدا جُدا حاکم مقرر تھا۔ خود القادر باللہ بہاء الدولہ دیلمی کی مدد سے تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔ جس نے الطائع اللہ کو خلافت سے معزول کیا تھا۔ مگر باوجود اسقدر کمزوری کے سکہ و خطبہ خلیفہ بغداد کا بغداد اور مشرقی ممالک میں جاری تھا۔ زبردست طاقتیں کمزوروں کو مغلوب کر کے قابض ملک ہو جاتیں۔ پھر خلیفہ بغداد سے سند طلب کرتیں یا وہ خود لمبے چوڑے خطاب کے ساتھ بھیج دیتا۔ یہی حال القادر باللہ کا تھا۔ سلطان محمود کو جو اپنے باپ کا جائز جائے نشین ہوا تھا اور قوت بازو سے فتوحات ہندوستان کا دروازہ کھولا تھا۔ امین الملۃ و یمین الدولہ کا خطاب دیا۔ اور مشرقی ممالک کا سلطان تسلیم کیا۔ گو سلطان محمود کو ان باتوں کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ مگر اُس زمانہ کی مصلحت ملکی کے خیال سے ان عنایات کا سلطان محمود کی طرف سے شکریہ کے ساتھ خیر مقدم ہوتا رہا۔ خراسان کا کچھ علاقہ تو سلطان محمود نے خاندان بنی لیث سے چھین لیا تھا اور کچھ امرائے دیلمی کے قبضہ میں تھا جو خلیفہ بغداد کے جان و مال پر اختیار رکھتے تھے۔ سلطان محمود نے خلیفہ القادر باللہ سے باقی حصہ خراسان طلب کیا جو دیدیا گیا اب جو سمرقند کی سند حکومت طلب کی تو القادر باللہ نے انکار کیا اور لکھا کہ اگر سلطان بغیر ہماری اجازت کے سمرقند پر قبضہ کرے گا تو میں تمام اسلامی دُنیا کو سلطان پر چڑھا لاؤنگا۔ سلطان محمود جو خلیفہ کی حیثیت و طاقت سے بخوبی واقف تھا بھڑک گیا اور خلیفہ کو لکھا کہ تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو میں ایک ہزار ہاتھی لاکر بغداد کی خاک تک اُٹھا کر غزنی لے اُونگا خلیفہ نے اس کا جواب سربمہر دیا جب سلطان محمود نے کھولا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد صرف الٓمٓ لکھا تھا اور بعد میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ درج تھا اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ سلطان اور تمام درباری حیران تھے مطلب سمجھ میں نہ آتا تھا۔ آخر ابوبکر قہستانی نے عرض کی الٓمٓ سے اشارہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ کی طرف ہے کہ اگر سلطان دار السلام بغداد کے لئے آتا ہے تو اس کا انجام وہی ہوگا جو ابرہہ اصحاب الفیل شاہ یمن دشمن مکہ کا ہوا تھا۔ سلطان یہ آیت سنتے ہی بیہوش ہو گیا اور جب ہوش میں آیا تو بغداد کے ایلچی سے معذرت کی اور قیمتی تحفے دیکر خلیفہ کی خدمت میں روانہ

کیا اور ابو بکر قہستانی کو قیمتی خلعت دے کر منصب امارت عطا کر کے قدردانی علوم کا ثبوت دیا ۔

نتیجہ

اس قصہ سے سلطان محمود کی قرانی عزت و عظمت کا ثبوت ملتا ہے کہ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ خلیفہ بغداد اس کا جنگی مقابلہ نہیں کر سکتا جو اس جوابی آیت کے مفہوم سے بھی ظاہر ہے لیکن اصحاب فیل کی مشابہت نے اُس کے خدا پرست دل کو ایسا ہلا دیا کہ اُس تمام روحانی جبار کی سیاست نے جو عموماً مغروروں متکبروں کو اپنی حقیر مخلوق سے ہلاک کرا سکتی ہے ۔ محمود جیسے صف شکن شیر شکار کو بیہوش کر دیا ۔ اور ہوش آنے پر اپنی زبردست فوجی طاقت کے غرور و تکبر سے تائب ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان خدا سے بہت ڈرنے والا اور انقلاب دوران کو مدنظر رکھنے والا قرآن مجید اور اُس کی پاکیزہ تعلیم کے سامنے گردن جھکانے والا اور دل سے ماننے والا تھا ۔ ایسا پابند شرع سلطان کبھی ہندوؤں کو جبراً مسلمان نہ کر سکتا تھا جبکہ اسلام بآواز دہل کہہ رہا ہے کہ "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" یعنے اسلام میں جبر جائز نہیں تو پھر جبراً مسلمان کرنے سے عذاب عقبیٰ کو سلطان محمود جیسا ذرا سے اسلام کب خرید سکتا تھا ۔

فتح قلعہ نندنہ

کوہ بالنا تھ واقع ضلع جہلم جس کو آج کل ٹلہ کہتے ہیں وہاں اُن دنوں ایک مضبوط قلعہ تھا انند پال مر چکا تھا اُس کا بیٹا سرہ جیپال یا ابرہمن پال باپ کی جگہ فرمانروا تھا ۔ قلعہ مذکور جو غزنی کے راستہ میں تھا اُس سے جنگی خطرات دن بدن بڑھ رہے تھے ۔ انند پال کا بیٹا جو باپ سے کم جنگجو نہ تھا ۔ قلعہ مذکور کے استحکام کے درپے تھا اس لئے سلطان نے قلعہ مذکور پر ۴۰۸ھ میں حملہ کیا ۔ راجہ قلعہ معتبر بہادروں کے حوالہ کر کے آپ کوہستان کشمیر میں جو اس کے قریب تھا چلا گیا ۔ سلطان نے قلعہ بزور شمشیر فتح کیا اور پھر راجہ کے تعاقب میں کوہستان میں گھس گیا ۔ راجہ گو ہاتھ نہ آیا جو دشوار گذار درروں میں بھاگ گیا ۔ مگر باشندگان کشمیر اکثر مسلمان ہوئے ۔

(نوٹ)

تمام تاریخ میں یہ ایک واقعہ ہے کہ مفتوحہ علاقہ کی رعایا کو سلطان نے مسلمان کیا ۔

اور اسی کو جبریہ اسلام کہہ سکتے ہیں مگر غور و انصاف کا مقام ہے کہ کشمیر اور پنجاب وغیرہ صوبجات ہندوستان کی بود و باش اخلاق و اطوار جرات و حوصلہ پر غور کیجائے تو اس اسلام لانے کے اسباب معلوم ہو سکتے ہیں۔ پنجاب وغیرہ میں وہ ہندو قومیں آباد تھیں جو اخلاقی جرات اور مذہبی سپرٹ رکھتی تھیں۔ وہ مذہب کو جان و مال سے عزیز جانتی تھیں۔ جب سلطان محمود یا دیگر مسلمان حملہ آوران نے حملہ کیا اور حسب اصول اسلام قبل از جنگ اسلام۔ جزیہ۔ تلوار کا پیغام دیا گیا۔ تو اگر ہندوؤں نے لڑائی کا موقعہ مناسب نہ دیکھا۔ یا ہندو طاقت کو کمزور پایا تو اطاعت مان لی اور جزیہ دیکر پیچھا چھوڑایا اور ہندو مذہب کو نہ چھوڑا اور روپیہ مقررہ دے دیا۔ بعد فتح بھی ہندو قیدی قاعدہ ادائے فدیہ سے فایدہ اٹھاتے رہے۔ حتےٰ کہ جیپال نے سلطان محمود سے اسی اسلام کے رحیمانہ قانون کی بدولت رہائی پائی تھی۔ مگر باشندگان کشمیر پنجاب وغیرہ کے ہندوؤں کی نسبت زیادہ زر پرست تھے۔ جب اُن کو دعوت اسلام دی گئی۔ تو چونکہ نہ جزیہ کا روپیہ دینا چاہتے تھے اور نہ راجپوتوں وغیرہ ہندوؤں کی طرح لڑکر میدان میں جان دینا پسند کرتے تھے اس لئے اسلام کو قبول کیا گیا اور حسب روایت مؤرخین دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس میں سلطان محمود کے جبر و اکراہ کو کچھ دخل نہیں ہے عقلمند باشندگان کشمیر نے قواعد اسلام سے فائدہ اٹھایا۔ یہ اعتراض کہ جزیہ اور لڑائی کا خوف نہ ہوتا۔ تو شاید اسلام نہ لاتے۔ یہ بحث مذہب اسلام کے اصول کی فلسفی کی بابت ہے۔ جس پر ہم سوانح عمری خالد بن ولید میں بحث کر چکے ہیں جس کو شوق ہو اسکو پڑھے۔ یہ واقعہ اسلام باشندگان کوہستان کشمیر تمام مسلمان مؤرخوں نے لکھا ہے کسی نے اخفا نہیں کیا۔ اگر کسی اور حملہ میں بھی سلطان کے ہاتھ سے ہندو جبراً مسلمان ہوتے تو مسلمان مؤرخ ضرور بیان کرتے۔ مگر سلطان محمود کی تاریخ جو عربی و فارسی میں بیسیوں مورخوں نے لکھی ہے۔ کسی نے بھی ہندوؤں کا مسلمان ہونا سوائے کوہستان کشمیر کے اور کسی جگہ نہیں لکھا اس لئے یہ محض بہتان ہے کہ سلطان محمود بالکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا۔

کشمیر پر حملہ

۴۰۶ھ میں کشمیر پر حملہ کیا بعض مورخوں نے اُس کو دوسرا حملہ کشمیر لکھا ہے۔ لیکن پہلا حملہ کشمیر پر نہیں ہوا تھا۔ راجہ سرو جیپال کے تعاقب میں کوہستان کشمیر میں جانا پڑا۔ اور نہ راجہ

ہاتھ آیا۔ اور نہ کشمیر کے کوہستانی قلعہ قبضہ میں آسکے۔ چونکہ راجہ انند پال اور اُس کے بیٹے کو کشمیر کے مستحکم اور دشوار گذار پہاڑی مقامات اور قلعوں نے ہی بچایا تھا اس لئے سلطان نے قلعجات کشمیر پر مستقل قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ قلعہ لوہ کوٹ کا جو رفعت و حصانت میں نہایت مشہور تھا محاصرہ کیا مگر کوہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں اور گہری عمیق غاروں نے سلطان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہونے دی۔ چند ماہ کے محاصرہ کے بعد برف باری شروع ہوگئی۔ اور کشمیر کی شدت سرما نے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور سلطان واپسی پر مجبور ہوا۔ راستہ بھول کر ایسی جگہ جا پڑا کہ پانی سے راستہ مسدود تھا۔ فوج کے بہت سے لوگ غرقاب اور ہلاک ہوئے۔ اور یہ پہلا صدمہ تھا۔ جو حملاتِ ہندوستان میں فوج سلطانی کو برداشت کرنا پڑا +

حملہ قنوج

فتح متھرا حملہ قنوج کے وقت ہوئی بعض فتح سے پہلے اور بعض فتح قنوج سے پیچھے لکھتے ہیں مگر واقعات اور نتائج یکساں ہیں اس لئے ہم اس تقدم و تاخر کی فضول بحث کو چھوڑ کر اصل واقعہ کو لکھتے ہیں۔ میرے خیال میں جب سلطان محمود نے فتح قنوج کے لئے اسقدر سامانِ کثیر جمع کیا اور کمال حزم و احتیاط سے ایسا راستہ اختیار کیا کہ جس میں اخفائے فوج کشی کا زیادہ احتمال تھا اور فوجی موانع بھی کم تھے اور یہ تمام احتیاطی تدابیر قنوج کے مشہور عظیم الشان صدر مقام کا قومی اور جنگی عظمت کے لحاظ سے کی گئی تھیں۔ ایسی حالت میں سلطان کا قبل از فتح قنوج یا کسی اور مہم میں ہاتھ ڈالنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ تسخیر قنوج کے بعد متھرا کی غارت و فتح جو قنوج کے راستہ سے ایک طرف تھا ممکنات سے ہے۔ ہاں خواہ وہ براہ انبالہ گیا یا اُس سے اُپر بجنور کو نکل گیا ہر صورت میں (برن) مراد آباد کے راجہ سے مقابلہ ممکن ہے پنجاب کے مشہور مقامات قلعہ جات فتح ہو چکے تھے۔ بُت و بتخانہ ٹوٹ چکے تھے۔ اب قنوج اپنی قدامت و عظمت کے روایات کے لحاظ سے سلطان محمود کی ٹکر کا شمالی ہند میں رہ گیا تھا راجہ قنوج عموماً ہندوستان میں مہاراجہ ادھراج (شاہنشاہ) تسلیم کیا جاچکا تھا۔ شمالی ہند میں پرتھور راجپوتوں کا دارالسلطنۃ اور دولت و شوکت میں ہندوستان بھر میں مشہور تھا۔ باعتبار علم و فضل ہندو مذہب کا مرکز تھا سلطان محمود جیسے کشور کشا کی نگاہ قنوج پر تھی۔ ایک لاکھ بیس ہزار سوار جن میں مجاہدین (والنیٹر) بیس ہزار سوار تھے۔ یہ لوگ علاقہ ماوراء النہر کے رہنے والے محض

حصول ثواب کے لئے شامل جہاد ہوئے تھے سلطان نے خیال کیا کہ اگر پنجاب کے متعارف راستوں سے چلوں تو ممکن ہے کہ ہندو جوش قنوج کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑا ہو اور پنجاب کے دریاؤں سے عبور کرنے میں زیادہ وقت لگے اور زیادہ وقت پیدا ہو اور قیام ہندوستان کا موسم ایام سرما قنوج پہنچنے سے پہلے ہی گذر جائے۔ اور اسلامی فوج ناکامی کا داغ لے کر واپس جائے۔ اس لئے مدبر العزم سلطان نے فوج کو پنجاب کے دریاؤں کے ایسے مقامات سے عبور کرایا کہ جہاں دریاؤں کا پاٹ بہت کم چوڑا تھا اور وہاں پل کا باندھنا یا بذریعہ کشتی عبور کرنا زیادہ آسان تھا اور کسی مخالف کے روکنے کا اندیشہ نہ تھا۔ عام مؤرخین نے موقعہ عبور دریاؤں کا منبع لکھا ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتا پنجاب کے جملہ دریاؤں کا منبع کوہستان ہمالہ ہے۔ وہاں جانا اور عبور کرنا محال اور بعض جگہ پہنچنا بھی مشکل تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علاقہ کشمیر وجموں وچمبہ کے پہاڑی مقامات میں سے جہاں سے پنجاب کے دریا پہاڑ سے میدان پنجاب میں گرتے ہیں اور وہاں عرض بھی کم ہے سلطان نے عبور کیا ہوگا۔ اور اسی جگہ کو منبع قرار دیا گیا ہے۔ اس راستہ کا راہبر راجہ کشمیر تھا جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ علاقہ راجہ کشمیر یا اُن پہاڑی راجاؤں کا تھا جو راجہ کشمیر کے متعلق یا کم سے کم راجہ پنجاب وغیرہ سے علیحدہ تھے۔ بہرحال سلطان اس وقعہ خاص پنجاب میں سے نہیں گذرا۔ کوہستان ہمالیہ یا اُس کے دامن کوہ دروں سے اس قدر فوج کثیر کا معہ ساز وسامان گذرنا اور اُن پہاڑی مقامات میں رسد رسانی کا انتظام کرنا سلطان محمود کی کمال جنگی لیاقت کو ثابت کرتا ہے۔ سہارنپور سے گذر کر آگے ہردت راجہ برن (مراد آباد) کا علاقہ تھا۔ اُس کو قنوج کی فتح سے پہلے یا پیچھے فتح کیا۔ اور یہاں کا راجہ خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بطوع ورغبت معہ فوج اسلام لایا۔ اور بقول فرشتہ بھاگ گیا اور باشندوں نے دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ نقد اور تیس زنجیر فیل پیش کش دیکر امان حاصل کی۔

راجہ گل چند کا معرکہ

برن سے چلکر قلعہ مہابن پہنچا۔ یہاں کا راجہ گل چند بہادر اور فوج جرار رکھتا تھا۔ ایک گھنے جنگل میں فوج لے کر گھس گیا۔ مگر سلطان نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جنگل میں فریقین میں کئی لڑائیاں ہوئیں جنمیں ہندوؤں کو شکست ہوئی آخر راجہ نے مایوس ہو کر خودکشی سے جان کھودی اور قلعہ پر سلطان کا قبضہ ہوگیا۔ اس لڑائی میں پچاس ہزار ہندو ہلاک ہوئے۔ بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا۔

لگا۔ برن اور مہابن کا واقعہ قنوج سے واپسی کے وقت زیادہ قرین قیاس ہے جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے۔

قنوج

بقول مورخین قنوج کی فصیل پندرہ کوس تھی تیس ہزار تنبولیوں کی دکانیں تھیں۔ راجہ کے پاس پانچ لاکھ پیادہ تیس ہزار سوار تھے اسی ہزار زرہ پوش تھے۔ قنوج کی قدامت سلطنت پر خیال کرنے سے یہ تعداد کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ راجپوت عموماً سپاہی پیشہ اور سلطنت کے حصہ دار وہ بھی اس تعداد کے لگ بھگ ہونگے قدیم دستور کے موافق راجپوتوں کے علاوہ عام ہندو جنگی مذاق ہی نہ رکھتے تھے بلکہ مسلح شمشیر زن ملک و قوم کے بچانے والے تھے۔ پس ہر طرح اس قدر فوج قنوج کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ راجہ قنوج جس کا نام کورہ یا کنور تھا۔ سلطان کے مقابلہ کی کافی طاقت رکھتا تھا مگر مسلمانوں کی تین سو سال کی مظفرانہ دھاک اور خود سلطان محمود کی شجاعانہ فتوحات خصوصاً فتح جنگ پشاور نے جس میں ہندوؤں کی مجموعی طاقت اور کمال مذہبی جوش و اتفاق سے مقابلہ کیا تھا ہندوؤں کے دلوں میں محمودی رعب جما دیا تھا۔ اسی رعب میں راجہ قنوج آگیا۔ قنوج کے سات حفاظتی قلعہ جب سلطان نے بزور شمشیر فتح کر لئے اور قنوج پہنچ گیا تو راجہ کورہ نے مآل کار پر خیال کر کے معہ اہل و عیال قلعہ سے نکلکر سلطان کی قدمبوسی حاصل کی راجہ نے قتل نفوس سے کنارہ کیا اور اطاعت مان لی سلطان نے خوش ہو کر قنوج کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ اور راجہ کو بدستور سابق گدی پر بٹھا کر واپس ہوا تین روز قنوج رہا اور قنوج کو کوئی صدمہ نہ پہنچا۔

رفع اختلاف رائے

راجہ قنوج کا خود بخود مطیع ہونا اور جنگ و جدل نہ کرنا اور صلح کا ہونا سب مؤرخ تسلیم کرتے ہیں۔ اطاعت کی صورت میں کوئی گورنمنٹ مفتوحہ شہر کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ سلطان محمود جو پابند اسلام تھا ہمیشہ بہ تعمیل اسلام شریعت اسلام کے پہلے اطاعت باداء جزیہ یا قبول اسلام یا تلوار سے فیصلہ کا پیغام دیتا تھا۔ اطاعت کی صورت میں قتل و غارت حرام ہے سلطان محمود اور راجہ قنوج کا اتحادی تعلق تھا وہاں غارتگری کا بالکل امکان نہ تھا۔ لیکن پروفیسر دہلوی اپنی تاریخ جلد اول صفحہ ۲۱۸

سطر ۲۲ میں لکھتا ہے "بیشمار قیدی اور غنیمت سلطان کے ہاتھ لگی"۔

صلح و اطاعت کی حالت میں قید و غارت مذموم خلاف شرع الزام ہیں ہاں سات حفاظتی قلعوں کی تاراج ممکن ہے۔ اس صورت میں بھی خاص شہر قنوج کا تاخت و تاراج سے محفوظ رہنا سلطان محمود کی سیر چشمی کی دلیل ہے اگر وہ طامع و حریص ہوتا اور بقول معترضین اس کے حملات ہند کی غرض دولت سمیٹنا ہی ہوتی تو قنوج سے بہتر اس کو اور کوئی موقعہ نہ مل سکتا تھا۔ شمالی ہندوستان کے اس دولتمند شہر کو لوٹ کر وہ اپنی آتش حرص کچھ بجھا سکتا تھا جس کے لئے وہ اس خاص اہتمام و انتظام سے راستہ کی کٹھن مشکلات اٹھاتا اور تمام احتیاطی تدابیر کرتا ہوا پہنچا تھا۔ مگر قنوج کو نہ لوٹنا اور راجہ سے مہربانی سے پیش آنا اور تاج بخشی کرنا اور آئندہ وعدہ امداد دینا سلطان کے جبلی لطف و کرم رحم و علم جود و سخاوت اور نیکذاتی کو ثابت کرتا ہے۔ غاصب ظالم لالچی ایسے کام نہیں کرتے۔ سلطان محمود نے جو سلوک راجہ قنوج سے کیا اس سے وہ اولوالعزم نیک دل سلطان ثابت ہوتا ہے۔

فتح قلعہ منج دے واسی

قنوج سے سلطان قلعہ منج دے (مجھاؤں) منصلہ کانپور گیا وہاں سے قنوجی برہمنوں کی طاقت زائل کرتا ہوا آسی یا آسونی کو گیا یہاں کا راجہ چندیل مشہور بہادر تھا۔ قلعہ کے گرد گھنا جنگل تھا اور جنگل میں سانپ بکثرت تھے۔ قلعہ کے گرد گہری خندق تھی مگر سلطان ان تمام مشکلات پر غالب آگیا۔ راجہ بھاگ گیا۔ سلطان نے قلعہ سرنگیں لگا کر اڑا دیا۔ اور قلعہ کے باشندے وہیں دب کر رہ گئے۔

راجہ چندر رائے

قلعہ آسی یا آسونی سے چل کر قلعہ شروا میں پہنچا۔ یہاں کا راجہ چندر رائے مقابلہ پر آمادہ تھا۔ مگر ایک اور راجہ کے مشورہ سے جنگل میں گھس گیا۔ سلطانی فوج نے تعاقب کیا اور جنگلی اور پہاڑی کانٹوں سے تکلیف اٹھائی۔ یہ موقع غالباً بندھیل کھنڈ کے پہاڑوں میں تھا۔ راجہ گرفتار ہوا اور بیشمار مال و دولت ہاتھ لگی۔ اس راجہ کے پاس ایک ہاتھی تھا جس کی سلطان بہت

بڑی قیمت دیتا تھا وہ لڑائی سے پہلے خود بخود سلطان کے پاس چلا آیا۔ اُس کا نام خداداد رکھا اس واقعہ کو فرشتہ وغیرہ نے فتح متھرا کے بعد لکھا ہے اصل بات یہ ہے۔ کہ واقعات کے تقدم و تاخر کی صحت و غلطی عموماً تاریخوں میں پائی جاتی ہے۔ اس غلطی سے بچنا ممکن نہیں ہے ٭

متھرا

متھرا سری کرشن کا مولد ہونے کے سبب ہندوؤں میں مقدس اور متبرک خیال کیا جاتا تھا اور کئی ہزار سال سے ہندوؤں کا معبد تھا جسقدر کہ سری کرشن کو دیگر اوتاروں میں عظمت حاصل ہے اسی قدر متھرا کو عزت حاصل تھی۔ ہندو راجاؤں کے گوباہم جنگ ہوتے رہے مگر متھرا کی شوکت بڑھتی رہی۔ سلطان محمود متھرا کی خوبصورت اور عالیشان عمارتوں کو دیکھ کر دنگ رہ گیا شہر کی فصیل پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اُس کے جو دروازہ جمنا کی طرف بنے ہوئے تھے وہ اس قدر مضبوط تھے کہ اُن کو جمنا سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکتا تھا۔ دونوں طرف شہر کے ہزار قصر تھے یہ عمارتیں گچ کی بنی ہوئی تھیں جن میں بُت رکھے تھے۔ سب سے عظیم الشان مندر شہر کے بیچ میں تھا۔ سونے کے پانچ بت ہوا میں لٹک رہے تھے ایک کی آنکھوں میں یاقوت جڑے تھے ہر ایک یاقوت کی قیمت پچاس ہزار دینار سے کم نہ تھی ایک بُت کی آنکھیں صاف چمکدار یاقوت ارزق کی تھیں اُس کا وزن ساڑھے چار سو مثقال کا تھا ایک بُت کے دو پاؤں سونے کے وزنی چار ہزار چار سو مثقال تھے۔ اِن بتوں میں کل سونا وزن میں اٹھانوے ہزار تین سو مثقال تھا۔ چاندی کے بت تعداد میں دو سو تھے جن کی چاندی سو اونٹ کا بوجھ تھی بقول بعض سلطان نے اِن بتوں کو آگ لگادی جس کے ساتھ ہی مندر بھی جل گئے۔ بتوں کا توڑنا اور جلانا عام نگاہوں میں یکساں ہے۔ لیکن سُلطان نے اس دفعہ عقیدہ اسلام کے مطابق کہ "بُت آگ میں ڈالے جائینگے" ثابت کر کے ہندوؤں کی نظروں میں ان کے معبودوں کی بیکسی دکھلادی۔ بتوں سے جو سلوک سلطان نے کیا عموماً اِس خیال سے کیا کہ ہندو معبود حقیقی کی طرف توجہ کریں اور شرک بُت پرستی سے ہٹیں ٭

سلطان نے متھرا کے مندر کی تعمیر کا اندازہ ایک لاکھ دینار لگایا تھا متھرا کے نواح میں سات قلعہ تھے جو بقول فرشتہ راجہ دہلی کے تابع تھے اُن کو مفتوح کیا گیا۔ مگر نہ تو راجہ دہلی کہیں میدان

میں نکلا اور نہ سلطان نے دہلی کو فتح کیا اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ اگر دہلی اس وقت عظیم الشان یاکم سے کم دولت مند سلطنت ہوتی تو محمودی فتوحات کی فہرست سے خارج نہ رہتی۔ اسی حملہ یا کسی بعد کے حملہ میں تسخیر کی جاتی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سلطان محمود کے عہد میں کوئی قابل توجہ راجدھانی نہ تھی اس حملہ کا مال غنیمت ایک لاکھ دینار کروڑوں درم پچاس ہزار قیدی ساڑھے تین سو ہاتھی اور دیگر نفائس تھیں۔ یہ قیدی اسیرانِ جنگ تھے۔ جو برن۔ مہابن علاقہ قنوج متھرا آسی۔ شروا۔ قلعہ جات نواح متھرا سے مسلح فوجی اشخاص گرفتار ہوئے تھے۔ ایسے سپاہیوں کی گرفتاری جنگی قانون کے موافق درست تھی۔ اور اس قدر طویل سفر اور اسقدر امصار و قلاع کی افواج پر غیال کرنے سے قیدیوں کی یہ تعداد زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ عام ہندو۔ زراعت صنعت۔ تجارت پیشہ بھی اگر قید کئے جاتے تو کروڑوں تک نوبت پہنچتی۔ جن کی گرفتاری میں کوئی مشکل نہ تھی مگر عام رواج یا کہ ہرگز نہیں ستایا گیا صرف وہ لوگ جو لڑائی سے پیش آئے اور آخیر دم تک لڑتے رہے اور اطاعت پذیر نہ ہوئے وہی لوگ قید کئے گئے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے لکھا ہے +

جامع مسجد غزنی اور اسلامی کالج

متھرا کی عمارتوں نے سلطان کے دل پر شوق عمارت کا نقش کر دیا اور سلطانی یادگار کے لئے ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جس میں سنگ مرمر اور سنگ رخام کے ثمن مسدس۔ مدور۔ مربع طرز کے پتھر کاٹ کر لگائے گئے تھے۔ نقش و نگار اور استواری و نقاشی کو دیکھنے والے محو حیرت ہوتے تھے۔ فرش فروش قندیل و شمع دیگر سامان زیبائش و آرائش اعلے پیمانہ پر مہیا کیا گیا تھا۔ یہ جامع مسجد ایشیا میں بے نظیر تھی۔ دمشق کی جامع مسجد بنا کردہ خلیفہ ولید اور بغداد کی جامع عباسی اگرچہ رقم کثیر لگی تھی۔ لیکن مسجد محمودی سب سے بڑھ گئی۔ اور سیاحوں نے اس کا نام عروس الفلک رکھا +

مسجد کے پاس ہی ایک اعلے درجہ کا مدرسہ تعمیر کیا علوم معقول و منقول کی اعلے تعلیم ہوتی تھی۔ چیدہ اور مشہور مدرس درس دیتے تھے اور بیش بہا تنخواہیں پاتے تھے۔ طالب علم مفت بلا فیس تعلیم پاتے تھے اور مسافر طلبہ کو خوراک اور سامان کتب دیا جاتا تعلیمی شوق بڑھایا جاتا۔ اس کالج کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ لائبریری تھی جس میں نفیس و نادر و کمیاب کتابیں دور دراز سے بصرف کثیر منگا کر رکھی گئیں۔ طلبہ اور دیگر شائقین علوم کے لئے سہولتیں

پیدا کی گئیں۔ سلطان کی توجہ علمی کو دیکھ کر شاہزادوں۔ امیروں نے بھی مذہبی علمی عمارات اور شگین مکانات رفیع الشان بنا کر غزنی کو عروس ممالک بنا دیا۔ سلطان نے کالج کے مصارف کے لئے بہت بڑا علاقہ بطور معافی دوامی کالج کے نام وقف کر دیا۔ جس سے اخراجات مدرسہ آسانی سے چلتے تھے۔

اسلامی اوقاف

ہندوستان میں جس قدر معافیات مساجد و خوانق وغیرہ کے نام ہیں اور جن پر متولی و مجاورین قبضہ دوامی کے رو سے واحد مالک بن کر رہن بیع کرتے اور اپنی جائداد تصور کرتے ہیں وہ تمام معافیات موہوبہ شاہان ہندوستان بغرض تعلیم علوم ظاہری و باطنی و آبادی مسجد و خانقاہ بصیغہ وقف دی گئی تھیں مگر افسوس کہ یہ کروڑوں کی جائداد اب ابتدائی متولیوں یا علماء و مشائخ کے ناخلف جانشینوں کی ملکیت قرار دی گئی۔ یہ غلطی غیر ملک کے حکام وقت کی ناواقفیت رسوم ملک و مذہب کے رو سے واقع ہوئی ہے وہ قیمتی جائداد جو شریعت و طریقت کی اشاعت اور علم و فنون کی حمایت کے لئے وقف کی گئی تھی اب میخواری و زناکاری میں برباد ہو کر مخالفان اسلام کے ہاتھ چلی گئی۔ مسلمانوں کی غفلت اور حکام کی غلطی سے اُن لوگوں کے نام ملکیت لکھی گئی۔ اور جس غرض کے لئے سلاطین و امرا نے وقف وہبہ کیا تھا وہ غرض ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ گورنمنٹ انگریزی جو نہایت ہی محتاط ہے اس کو مذہبی دست اندازی خیال کر کے ایسی اوقاف کی جانب توجہ نہیں فرماتی۔ حالانکہ سلاطین اسلام کا جائے نشین ہونے کی حیثیت سے عطیہ سلاطین میں اگر وہ جائز طور سے خرچ نہیں کئے جاتے تو دست اندازی کرنے کی مجاز ہے جبکہ چند سال سے خود تعلیم یافتہ مسلمان اس ضرورت کو محسوس کر کے ان اسلامی اوقاف کے انتظام مصارف جائزہ کے لئے گورنمنٹ کو توجہ دلا رہے ہیں۔ اندراج کاغذات مال یا قبضہ کے شرائط عہد انگریزی سے شروع ہوتی ہیں ابتدائی شاہی کاغذات جن کے ذریعہ سے معافی دی گئی ملاحظہ کئے جاویں اور اُن شرائط مندرجہ معافیات کا پابند کرایا جاوے۔ جب انگریزی گورنمنٹ قدیمی شاہی عمارات کی سرپرستی کرتی ہے تو اُن شاہان و شاہی امرا کی علمی عطیات کی نگرانی بھی اس کا فرض ہے وہ زمانہ گیا جب ایسی تحریکوں کو مذہبی دست اندازی خیال کیا جاتا تھا۔ اب مسلمانوں کو علمی ضرورتوں نے مجبور کیا ہے اور ایسے غاصب لوگوں کے ساتھ اُن کو کوئی ہمدردی نہیں۔ بلکہ اگر گورنمنٹ عالیہ ان

اسلامی اوقاف کو ابتدائی وقف کنندہ کی منشائے کے مطابق خرچ کرانے کا انتظام کرائے تو اسلامی تاریخ میں انگریزی گورنمنٹ کا نام ہمیشہ سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا اور مؤرخین اسلام اس جائز انتظام کو خاص عطیہ گورنمنٹ انگریزی لکھا کریں گے۔ اور مسلمانوں کو اس جائز رعایت سے گرویدہ احسان بنالیا جائے گا +

عجیب تحفے اور ہندوستانی صنعت

قنوج سے واپس ہو کر خلیفہ بغداد کو فتحنامہ معہ تحائف قیمتی روانہ کیا گیا اور بغداد میں اس فتح کی خوشی میں ایک بھاری جشن منعقد ہوا۔ تحائف میں ایک جانور قمری کی شکل کا تھا اس کا خاصہ تھا کہ جس وقت طعام زہر آلود اس کے سامنے مجلس سلطانی میں لایا جاتا وہ مرغ بیقرار ہو جاتا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہوتے۔ یہ جانور غالباً ہندوستان کے کاریگروں کی ذکاوت و صنعت کا نتیجہ تھا۔ خواص ادویہ کی کمال مہارت سے یہ لیاقت پیدا ہو سکتی ہے ہندو طبیبوں نے ایسی اشیاء معلوم کیں کہ جو زہر کے سامنے پانی کی طرح بہنے لگتیں وہ شے از قسم نباتات تھی یا معدنیات اس جانور کی آنکھوں میں لگا دی گئی اور یہ بھی کسی چیز کا خاصہ تھا کہ زہر کے سامنے جانور میں حرکت پیدا ہو جاتی اور مضطرب دکھائی دیتا وہ چیز جانور میں مناسب جگہ رکھی گئی ہوگی ایسی اشیا کی دریافت اور ان کے خواص سے کام لینا اور ایک ایسا آلہ تیار کرنا ہندوؤں کی اعلیٰ درجہ کی طبی اور سائنٹیفک اور صناعی لیاقت کو ثابت کرتا ہے۔ دوسرا تحفہ ایک پتھر تھا جس کو گھس کر لگانے سے ہر ایک قسم کا زخم اچھا ہو جاتا تھا۔ یہ ایک قدرتی چیز تھی جو کسی راجہ کو مل گئی جس سے پایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں نادر اشیاء موجود تھیں اگر واقعی ہر ایک قسم کے زخم کو فائدہ بخش تھا تو بھی ہندوستان کو اس قدرتی تحفہ پر کمال فخر ہو سکتا ہے +

اعتراف فتوحات

چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فتوحات کے بعد اسی پیمانہ اور طریق کی اسلامی فتوحات صرف سلطان محمود غازی نے ہندوستان میں کیں اور محض رضاء الٰہی و حصول خوشنودی رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کفر و شرک کے مٹانے کے لئے عموماً ہر سال ہندوستان پر حملات کرتا رہا اور شعائر اسلام کو رواج دیتا رہا مساجد و خانقاہوں کو تعمیر اور علماء و مشائخ

کی تعیناتی سے اعلائے کلمۃ اللہ سلطان محمود کی بدولت ہوتا رہا۔ عربوں نے بالعموم جو کچھ کیا سندھ ہی میں زیادہ تر کیا مگر اب اُس کے آثار قریباً منہدم ہو چکے تھے اور جسقدر تھے وہ قابل ترقی نہ تھے اور اُن مروہ وسائل سے ترقی اسلام کی ہرگز اُمید نہ تھی اسلئے ہندوستان میں نئے سر سے رواج اسلام اور اشاعت توحید کا کام سلطان محمود نے ہی کیا۔ اور اسلامی خدمت نے اس کو قوم کا محبوب بنا دیا۔ بغداد جو اس وقت اسلام کا صدر مقام تھا گو ضعف خلفاء کے سبب سے بغدادیوں کو جنگی جوش کے اظہار کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ لیکن طبیعتوں میں وہی جہاد کی امنگیں اور وہی مذہبی تھور موجود تھا۔ دنیا کے کسی گوشہ میں فتوحاتِ قومی کا آوازہ سن کر وہی خوشی و سرور ان کو حاصل ہوتا تھا جو ہر ایک زمانہ میں سچے مسلمانوں کو قومی ترقی خبر سُن کر ہوا کرتا ہے۔ پس سلطان محمود کے فتوحات ہند کی قدردانی عقلمند خلیفہ اور باشندگانِ بغداد نے شاہی جشنوں کے علاوہ پرائیویٹ جلسوں۔ شہر کی سجاوٹ۔ اور سلطان محمود کے غازیانہ افعال کے اعتراف اور تعریف وغیرہ سے کی۔ اسی قسم کے جلسے زندہ دل قوموں میں عموماً ہوا کرتے ہیں۔ اور یہی قومی کاموں کا حقیقی اعتراف ہوتا ہے اور عملی طور پر کام کرنے والوں کو تحریک دلاتا ہے بغداد میں سلطان محمود کی فتوحات ہند پر اسی خیال سے خوشیاں منائی گئیں +

حاجیوں کی مدد

۴۱۷ھ میں ایک جماعت کثیر علماء اور صلحاء اور اہل اسلام کی متفق ہو کر درگاہ سلطانی میں گذارش پرواز ہوئی۔ کہ ملک ہندوستان کی فتوحات سے ہر سال اعلام اسلام بلند کئے جاتے لیکن بدو عربوں اور قرامطہ نے بیت الحرام کا راستہ بند کر رکھا ہے۔ حاجیوں کو لوٹتے مارتے ہیں۔ حج کی فضیلت کے حصول سے مسلمان محروم ہیں۔ مہم ہندوستان سے حاجیوں کے مشکلات کا حل کرنا سلطان کا مقدم فرض ہے کیونکہ خلیفہ بغداد اس قدر طاقت نہیں رکھتا کہ ان لوٹیرے ڈاکوؤں کی گوشمالی کر سکے۔ اور حاجیوں کو صحیح و سلامت منزل مقصود تک پہنچا سکے۔ حامی اسلام سلطان نے اپنے قاضی القضاۃ ابو محمد ناصحی کو تیس ہزار دینار سرخ اور مختصر چیدہ فوج دیکر امیر حاج مقرر کیا اور چونکہ حج کئی سال سے بند تھا اس لئے اعیان و اشراف اکابر و اصاغر میں سے اکثر اس قافلہ میں شامل ہوئے۔ یہ قافلہ جب بیابان قیصد واقصہ عرب میں پہنچا تو عرب ڈاکو راستہ روک بیٹھے۔ امیر حاج نے پنج ہزار دینار دیکر پیچھا چھوڑانا چاہا مگر اس لالچی امیر و زداں

نے منظور نہ کیا اور حاجیوں پر حملہ کیا۔ حاجیوں میں عموماً وہ لوگ تھے جن کی شمشیر براں کئی معرکوں میں مخالفین اسلام کے سر کاٹ چکی تھی سلطانی تیر انداز جو بطور محافظ تھے وہ علاوہ تھے۔ ایسے بہادر لڑائی سے کب گھبراتے تھے لڑائی شروع ہوئی اور سلطان کے ایک ترک غلام نے جو مشہور نشانہ باز تھا ڈاکوؤں کے سردار کو ایک ایسا تیر جوڑ کر لگایا کہ زین اسپ سے نیچے گرا باقی ڈاکو بھاگ گئے اور یہ قافلہ بخیریت مکہ معظمہ زادا اللہ شرفا پہنچکر مناسک حج بجا لایا اور سلطانی رعب عرب میں جما کر واپس ہوا۔

حملہ کالنجر

راجہ قنوج نے سلطان کی اطاعت منظور کی تھی اور عام مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس وجہ سے نندا راجہ کالنجر نے بمعیت دیگر راجگان راجہ قنوج سے لڑائی کر کے اُس کو قتل کیا اور سلطان بغرض انتقام کالنجر پر حملہ آور ہوا۔ راجہ کالنجر اور قنوج کی وجہ عداوت صرف اطاعت سلطان قرار نہیں دی جا سکتی۔ اطاعت بلا جنگ کئی راجاؤں نے کی اور بعض خود بخود اسلام بھی لائے تھے مگر صرف اطاعت کے جرم میں ہندوؤں میں معتوب نہیں ہوئے اور نہ کوئی راجہ قنوج کی طرح مارا گیا۔ اس لئے قنوج اور کالنجر کے راجاؤں کی عداوت کی وجہ مشتبہ ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان محمود اور راجہ قنوج کے عہد نامہ میں کوئی ایسی شرط تحریری یا تقریری تھی۔ کہ سلطان محمود نے وسط ہندوستان میں قنوج کے راجہ کی طاقت کو بڑھانے اور اُس کے ذریعہ دیگر راجگان نواحی کو دبانا مقصود تھا۔ راجہ کالنجر وغیرہ نے سلطان محمود اور راجہ قنوج کے باہمی اتحاد اور سلطانی سلوک سے جو ایک ممتاز صورت میں کیا گیا تھا یہ سمجھ لیا تھا کہ سلطان محمود راجہ قنوج کی طاقت بڑھا کر ہندوستان کے مرکز میں ایک ایسی خیر خواہ سلطنت قائم رکھنی چاہتا ہے جو اسکی فتوحات آئندہ میں رسد رسانی وغیرہ میں آسانی پیدا کر سکے یا کم از کم ایک آرام بخش اسٹیشن بن سکے۔ راجہ قنوج کے مطیعانہ برتاؤ اور سلطان محمود کے فیاضانہ سلوک اور سلطان کے اس وعدہ نے کہ میں تمہارے ہر ایک دشمن کے لئے سپر ہونگا۔ راجہ کالنجر کو متوہم کر دیا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ راجہ قنوج اور کالنجر میں کوئی ذاتی عداوت بھی ہو۔ اور راجہ قنوج اب سلطان کی امداد سے کبھی کالنجر کے لئے وجہ تکلیف ہو سکتا ہو۔ راجہ کالنجر نے "علاج واقع پیش از واقع" پر عمل کر کے راجہ قنوج کا کام تمام کر دیا۔ اگر ایسی کوئی وجہ نہ ہو تو پھر محض سلطان کی اطاعت کے جرم میں راجہ قنوج کا مارا جانا خلاف

قیاس ہے ہاں اگر راجہ قنوج اسلام لاتا یا قنوج کے ہندوؤں کو سلطان سے نقصان پہنچتا تو راجہ کالنجر کے اشتعال طبع کی وجہ ہو سکتی تھی۔ مگر جملہ مورخین متفق ہیں کہ خاص قنوج تاخت و تاراج سے محفوظ رہا کسی ہندو کو راجہ قنوج کی اطاعت کے بعد تکلیف نہیں دی گئی اور نہ راجہ قنوج یا اس کا کوئی عزیز و رشتہ دار مسلمان ہوا۔ اطاعت سے راجہ نے اپنی ذات اور رعایا کی جان و مال کو بچایا تو یہ امر راجہ کالنجر وغیرہ کی ناراضگی کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔ بہرحال میرے نزدیک راجہ کالنجر کی قنوج پر چڑھائی پولیٹکل اغراض کے لئے تھی جس کا اثر آئندہ خود ریاست کالنجر پر پڑنے کا احتمال تھا +

ہندوؤں کا دریا جمنا پر مقابلہ

سلطان محمود یہ سُن کر کہ اُس کے دوست راجہ قنوج پر راجہ کالنجر نے چڑھائی کی ہے ۴۱۲ھ میں فوج جرار لے کر روانہ ہوا۔ دریائے جمنا پر سرو جیپال بنیرہ راجہ جیپال جو چند مرتبہ لشکر اسلام سے شکست پاکر بھاگا تھا اور ملتجی عفو ہوا تھا۔ راجہ نند کی مدد پر مانع عبور دریائے ہوا اور دریا چڑھا ہوا تھا۔ کشتیاں ہندوؤں کے قبضہ میں تھیں۔ دوسرے کنارہ ہندو فوج مستعد قتال کھڑی تھی۔ کوئی صورت عبور نظر نہ آتی تھی۔ آٹھ جاں باز سرداروں نے گھوڑے دریائے میں ڈالدئے اور چند بہادروں کے ساتھ دریا پار ہو گئے۔ اس بیباکی اور سابقہ بہادرانہ رُعب سے ہندو فوج پر ہراس چھا گیا۔ غازیوں کے حملے کی تاب نہ لاسکے اور بھاگ نکلے۔ اور سلطان معہ فوج بھی دریا سے پار ہو گیا سرو جیپال کے متعلقہ شہر اور اُس کے بتوں کو تاراج و منہدم کیا گیا +

راجہ کالنجر کا مقابلہ اور وجوہ شکست

سلطان محمود کے مقابلہ کے لئے راجہ کالنجر تیار تھا چھتیس ہزار سوار اور پنتالیس ہزار پیادے چھ سو چھیالیس ہاتھی راجہ کے ساتھ تھے۔ سلطان نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر ہندو فوج کو دیکھا اسقدر فوج دیکھ کر بقول مؤرخین چڑھائی سے پشیمان ہوا۔ خدا کی درگاہ میں حسب عادت گڑگڑایا۔ دعا مانگی جو قبول ہوئی اور رات کو یکایک راجہ کالنجر تمام سامان جنگ وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ صبح کو سلطان نے حزم و احتیاط سے کمین گاہوں کی دیکھ بھال کرا کر راجہ کا کیمپ لوٹ لیا۔ پانچسو اسی ہاتھی یہاں سے

ہاتھ لگے۔ اسی سے دیگر مال غنیمت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب ہمراہیاں راجہ ہاتھیوں کو بھی ساتھ نہ لے جاسکے تو دیگر مال منقولہ تو ضرور وہیں میدانِ جنگ میں رہا ہوگا۔ بقول فرشتہ چونکہ سلطان کو پنجاب کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس لئے اسی قدر فتح کو غنیمت جان کر واپس ہوا۔ واقعہ تو اسی قدر ہے جو لکھا گیا۔ لیکن چند باتیں اس میں ایسی ہیں جو تاریکی میں ہیں ؛

(۱) اول تو سلطان محمود کا پیچھا ہائی سے چھڑانا باور نہیں کیا جاسکتا۔ اس معرکہ کی ہندو فوج جنگ پشاور سے زیادہ نہ تھی اور نہ ہندوؤں میں اُس قدر اتحادی جوش تھا برخلاف اسکے سلطان کی فوج تعداد میں بھی زیادہ اور متواتر فتحیابیوں سے ہندو فوج کو خیال میں نہ لاتی تھی۔ اس لئے سلطان کا پیچھا نہ آنا یا خوف کرنا خلاف قیاس ہے۔ اگر کچھ اندیشہ بھی کیا ہو۔ تو اسی قسم کا ہوگا جو ایک محتاط اور مدبر جرنیل کرسکتا ہے ؛

(۲) دوسری بات راجہ کا بلا جنگ رات کو بدحواسی کے عالم میں بھاگ جانا زیادہ حیرتناک ہے جو راجہ اس قدر دلیر اور غیور ہو کہ راجہ قنوج کو سلطان کی اطاعت کے جرم میں ہلاک کرے اور زور شور سے تیاری جنگ کرے اور مقابلہ پر بھی ڈٹے پھر اس طرح بھاگ جائے۔ عام مسلمان مورخ اسکو سلطان کی اجابت دعا کا نتیجہ سمجھنے میں غلطی پر نہیں خیال کئے جاسکتے۔ لیکن ایک محقق اس سے تسلی خاطر نہیں کرسکتا۔ میرے خیال میں راجہ کالنجر کو یہ یقین نہ تھا کہ سلطان راجہ قنوج کے انتقام کے لئے اس قدر دور دراز سفر کے مصائب اُٹھا کر جلدی ہی آپہنچیگا سلطان کے آنے پر راجہ کالنجر مقابلہ پر آیا۔ لیکن اس کو دیگر راجگان سے اس قدر مدد نہ مل سکی جو سلطان کے مقابلہ کے لئے کافی ہوتی۔ مقابلہ پر اُس کو سلطانی فوج کی حقیقت معلوم ہوئی۔ سلطان کی ظفر جنگی کی دھاک نے راجہ کالنجر کی فوج کے دلوں کو پژمردہ کردیا۔ راجہ کو کامیابی کی اُمید تو ہرگز تھی ہی نہیں اور شکست یقینی تھی بصورت شکست راجہ قنوج کے انتقام میں ریاست کی بربادی کے علاوہ اپنی ہلاکت اہل وعیال کی قید و جلا وطنی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا تھا۔ ان خیالات نے راجہ کالنجر کو میدانِ جنگ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ رات کو نہ بھاگتا تو صبح کو ذلیل موت سے مرتا۔ راجہ اور اُس کی فوج گو بہادر تھی مگر قنوج یا کسی ہندو ریاست کے مقابلہ میں غازیان اسلام کے سامنے اُن کی پائداری محال تھی۔ جس شمشیر محمودی نے کئی ایک معرکوں میں مخالفوں کے سر گاجر مولی کی طرح اُڑا دیئے تھے اُس سے راجہ کالنجر کب نجات پاسکتا تھا۔ پس راجہ کالنجر کا بغیر لڑائی بھڑائی رات کو بھاگنا اُس خوف وہراس کا نتیجہ تھا جو بہادرانِ اسلام نے اپنے مجاہدانہ

تھور سے ہندو قوم کے دلوں پر بٹھا دیا تھا۔ ایسے واقعات ہر ایک اقبال مند قوم کو پیش آیا کرتے ہیں۔ انگریزی قوم نے قلیل قلیل فوج کے ساتھ رؤسائے ہند کی فوج کثیر کو شکست دی ہے جس کی تاریخ ہند میں بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ اس کو ہندوستانیوں کی عام جبلی کمزوری پر محمول کریں یا تحمل شدائد کے ناقابل خیال کریں لیکن بات یہ ہے کہ جس قوم کی ظفرمندی اور شجاعت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے عموماً اُس کا مظفرانہ اقبال ہی اپنا اثر دکھا جاتا ہے ٭

مُسلمانوں کا زمانہ اقبال

اس عہد کے مُسلمان صرف ہندوستان ہی میں نشان فتح نہ اُڑا رہے تھے۔ بلکہ سپین واقعہ یورپ میں بہادر منصور نے جو عیسائی بہادروں کے خون کی ندیاں بہائی تھیں۔ ابھی خشک نہ ہوئی تھیں۔ اور سینٹ یاگو واقعہ ساحل خلیج بسکی سے لے کر دیوار چین تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی موحدانہ گونج دشت وجبل سے آرہی تھی۔ جان دینا اور بہشت مول لینا اُس وقت کے مسلمانوں کی عام تجارت تھی اور اسی قیمتی تجارت نے ان کو یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ اور جزائر کا شاہنشاہ بنا دیا تھا۔ دُنیا کی کوئی قوم اُن کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ ایسے واقعات کے ہوتے راجہ کالنجر کا بغیر جنگ بھاگ جانا کوئی حیرت انگیز نہیں۔ بلکہ اس کی عقلمندی پر دلالت کرتا ہے جس میں کہ اہل ہند عموماً مشہور ہیں سلطان کا بلا فیصلہ واپس جانا موسم گرما کی آمد کے سبب سے تھا۔ وہ بہار کے آتے ہی واپس غزنی چلا جایا کرتا تھا کیونکہ سُلطان اور اُس کی فوج ہندوستان کی گرمی کی برداشت نہ کر سکتی تھی ٭

فتح قیرات و ناردین

قیرات بقول مؤلف طبقاتِ ناصری و فرشتہ ایک سرد سیر ملک تھا۔ وہاں میوے بہت پیدا ہوتے تھے اور ہندوستان و ترکستان کے درمیان واقعہ تھا وہاں کے باشندے شیر پرست تھے شیر ہندوؤں میں ایک اوتار ہے غالباً اُس فرقہ کے بت پرست ہونگے یا بقول بعض بدھ سُلطان نے کئی ہزار لوہار و سنگتراش ساتھ لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیرات علاقہ کوہستانی تھا۔ اس کی سرد سیری و سرسبزی و شادابی اور سرحد ہندوستان پر واقعہ ہونے سے علاقہ باجور یا کچھ حصہ کافرستان یا سوات معلوم ہوتا ہے۔ باقی حصہ کوہستانِ سُلیمان خشک پہاڑ

ہے۔ ہاں کوہستان ہزارہ واقعہ صوبہ سرحدی جس کا منتخب مقام آج کل ایبٹ آباد اپنی پُر فضاء سین کے رو سے کشمیر سے دوئم نمبر دکھائی دیتا ہے۔ اس علاقہ کا کبھی قیراط نام ہوگا اس کا صدر مقام پہاڑی ناقابل گذر ہوگا۔ یہاں کے باشندے بت پرست یا بدھ تھے۔ بغاوت کے مرتکب ہوئے اور سلطان کی چڑھائی سنکر وہاں کا حاکم بطوع و رغبت مع رعایا اسلام لایا وہاں سلطان اپنا کوتوال مقرر کرکے نارودین کو گیا جس کی نسبت بھی وہی مشکل ہے تعیین مقام نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً یہ بھی سرحدی جگہ تھی۔ اس جگہ ایک جرنیل روانہ کیا گیا۔ دعوت اسلام دی گئی باشندے مسلمان ہوگئے یہاں پر ایک نہایت قدیم بت خانہ مسمار کیا گیا۔ یہاں سے ایک پتھر کا کتبہ ملا جسکو ہندو چالیس ہزار سال کا لکھا ہوا بتلاتے تھے غالباً یہ کتبہ مذہبی احکام کا ہوگا۔ جس کو ہندو اس قدر عظمت سے یاد رکھتے تھے اور فرشتہ جیسے مورخ نے بھی اس کو قلمبند کیا ہے۔ ورنہ عمارت کا کتبہ ہندوؤں میں جو تاریخ سے کچھ شوق نہ رکھتے تھے۔ اس قدر عزت کے قابل نہیں ہوسکتا افسوس کہ مورخین اسلام نے اس کتبہ کی حقیقت بیان نہیں کی۔ غالباً شائق علوم سلطان محمود نے یہ کتبہ کسی سنسکرت کے فاضل سے پڑھوایا ہوگا۔ اور بصورت مذہبی ہونے کے کسی ہندو کو دیدیا ہوگا +

لاہور میں اسلامی لشکر کی مستقل چھاؤنی

قیراط و نارودین سے لوہ کوٹ واقعہ کشمیر گیا اس دفعہ بھی ناکام رہا کشمیر سے لاہور کو روانہ ہوا۔ لاہور اب تک راجہ جیپال اول کے پوتے سروجیپال ولد انند پال کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ سوائے شمالی سرحدی علاقہ کے پنجاب کا باقی حصہ بدستور سابق سروجیپال کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ راجہ خراج گذار تھا۔ مگر باپ دادے کی طرح بارہا عہد شکنی کرکے مخالفان سلطان سے سازش کرتا رہا حملہ کالنجر میں مانع عبور دریائے جمنا ہوا۔ یہ ایسا جرم تھا کہ سلطان کیا کوئی گورنمنٹ بھی درگذر نہ کرسکتی تھی۔ بقول فرشتہ سلطان پنجاب کی شورش کے خیال سے راجہ کالنجر کو کافی سزا نہ دے سکا اور بغیر فیصلہ کن جنگ کے عاوت کے خلاف واپس چلا آیا تھا اس سے پایا جاتا ہے کہ راجہ لاہور سلطان محمود کے ارادوں میں کس قدر خلل انداز تھا گو تاج بخشی کی گئی مگر یہ خاندان کبھی بھی ممنون احسان نہ ہوا۔ سلطان کے سامنے ابھی کالنجر کی ادھوری مہم پڑی تھی اور عقب میں سروجیپال جیسے مخالف کو اپنے حال پر

چھوڑ جانا خلاف عقل تھا اس ضرورت ملکی نے سلطان محمود کو مجبور کیا کہ لاہور پر دوامی قبضہ کر کے اس کانٹے کو بیچ میں سے نکال دے۔ راجہ کے مقابلہ کا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا مگر سلطان کی تاخت و تاراج اور غنیمت کثیر سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ سرو جیپال کے متعلقین نے خفیف لڑائیاں لڑیں جسکی پاداش میں سلطان کو غنیمت کا موقعہ ملا۔ لاہور کے گدام خانہ اور خزینہ تو فاتح سلطان نے لینے ہی تھے۔ جو کروڑوں کی تعداد میں تھے۔ راجہ سرو جیپال اجمیر کو بھاگ گیا سلطان نے اپنا ایک امیر لاہور میں حاکم مقرر کیا۔ اسلامی چھاؤنی اخیر ۴۱۲ھ میں ڈالی گئی۔ پنجاب غزنی کا صوبہ قرار دیا خطبہ و سکہ سلطان کے نام جاری کیا گیا۔ فتوحات ہند کا فوجی کوارٹر آئندہ لاہور مقرر ہوا۔ سلطان بہار کے آنے پر حسب عادت واپس غزنی چلا گیا +

گوالیار اور کالنجر

پہلی دفعہ موسم گرما کی آمد یا راجہ سرو جیپال والی پنجاب کی مخالفت کے سبب راجہ کالنجر کو کافی سزا نہ دے سکا تھا۔ صرف اُسکے میدان جنگ سے بھاگنے پر ہی اکتفا کر کے اور مال غنیمت لیکر واپس چلا گیا تھا اب ۴۱۳ھ مطابق ۱۰۲۴ء میں براہ لاہور کالنجر پر چڑھائی کے راستہ میں قلعہ گوالیار آیا۔ محاصرہ کیا گیا۔ چار روز کے بعد راجہ گوالیار نے بتیس ہاتھی پیشکش دے کر اطاعت کی۔ راجہ نے انجام پر خیال کیا اور سلطان نے طول محاصرہ کے سبب مہم کالنجر میں توقف پڑنے کے اندیشہ سے صلح منظور کر لی۔ گوالیار سے چلکر کالنجر پہنچا یہ قلعہ ہندوستان میں نہایت مضبوط اور محکم قلعہ تھا اور شائد محاصرہ کی صورت میں مدت تک مقابلہ کر سکتا مگر الوالعزم سلطان اس دفعہ بغیر فتح ٹلنے والا نہ تھا۔ راجہ نندا اس دفعہ بھی مقابلہ پر نہ نکلا۔ تین سو ہاتھی نذرانہ دیکر طالب صلح ہوا اور ہاتھی قلعہ کے دروازہ سے باہر ہانکدئے گئے سلطان نے ترکوں کو حکم دیا وہ فوراً کود کر ہاتھیوں کی پیٹھ پر سوار ہو گئے۔ اس نظارہ نے راجہ نندا کو اور مرعوب کر دیا کہ مسلمان سپاہی قوی ہیکل ہاتھیوں کی کچھ حقیقت نہیں جانتے اور بہ تعمیل حکم سلطانی جانوں سے ہاتھ دھو کر مست جنگی ہاتھیوں پر شیرانہ صولت سے سوار ہو گئے ہیں۔ راجہ نندا نے جو زبان سنسکرت کا شاعر تھا قصیدہ سلطان کی تعریف میں بنا کر بھیجا۔ سلطان نے سنسکرت جاننے والے پنڈتوں کو بلا کر مضمون پوچھا۔ اشعار اعلیٰ درجہ کے معلوم ہوئے۔ قدردان سلطان نے قصیدہ کے صلہ میں پندرہ قلعہ اور راجہ نندا کو عطا کئے اور راجہ نے بھی بہت سے زر و جواہر اسباب

نذر دیا اور سلطان واپس غزنی ہوا ۔

سلطان کی تاج بخشی

سلطان نے عموماً بعد فتوحات تاج بخشیاں کیں۔ اور راجگان ہند اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ ان میں سے قنوج جس کی فتح کے لئے سلطان سینکڑوں کوس سے چلکر ہر ایک قسم کی احتیاط کرتا ہوا پہنچا تھا مگر عین کامیابی کے وقت تمام فوائد سے ہاتھ اُٹھا کر راجہ قنوج کو صرف تاج بخشی ہی نہ کی بلکہ اُس کی سلطنت کی حفاظت کا ذمہ لیا اور حقیقی دوستوں کی طرح رابطہ اتحاد قائم کیا اور جو وعدہ کیا تھا اس کے ایفا کے لئے دو دفعہ راجہ کالنجر پر چڑھ کر آیا۔ تکالیف ذاتی اور نقصان فوجی کو برداشت کیا۔ دوسری نظیر کالنجر کی ہے اس پر راجہ قنوج سے بھی زیادہ لطف و احسان کیا گیا۔ راجہ کالنجر نے سلطان کے دوست راجہ قنوج کی ہلاکت سے سلطان کی کمال درجہ کی تحقیر کی تھی۔ ایسے شخص کو جو کچھ سزا دی جاتی کم تھی پہلی بار راجہ قابو نہ آیا اور سلطان موسمی مشکلات یا کسی اور سبب سے راجہ کا کافی تدارک نہ کر سکا۔ دوسری دفعہ تو راجہ کو محصور کر لیا تھا۔ قلعہ شکن آلات سلطان کے پاس وافر اور عمدہ تھے فوج بہادر اور جانباز اور سلطان کے اشارے پر جان دینے والی تھی راجہ کالنجر کا پہلی بار میدان جنگ میں تمام ساز و سامان چھوڑ کر بھاگنا سلطان کو یاد تھا اور اب کی بار محاصرہ میں آنا ضعف پر دلالت کرتا تھا۔ باہر کی علاقہ سلطان سے ڈرتا تھا ہر ایک قسم کا سامان رسد علاقہ سے چلا آتا تھا اگر محاصرہ طول بھی پکڑتا تو بھی محصورین کو بہ نسبت محاصرین زیادہ تکلیف ہوتی اور سامان کا پلہ بھاری رہتا۔ ان تمام مفید اور کامیاب صورتوں کی موجودگی میں سلطان کا راجہ کالنجر جیسے خونخوار دشمن کو صرف تین سو ہاتھی لے کر امان دینا اُن لوگوں کے اعتراض کی تردید کرتا ہے۔ جو سلطان کی مہمات ہندوستان کو کشید زر اور لوٹ مار کرنے کے لئے قرار دیتے ہیں۔ اگر سلطان واقعی زر دوست لالچی ہوتا تو نہ قابل رحم قنوج کی صدیوں کی دولت بچ سکتی اور نہ کالنجر کے قیمتی ذخیرہ اور بیش بہا خزانے تاراج سلطانی سے سلامت رہتے۔ دونوں جنگوں کی لوٹ سے اُس کو اُس قدر دولت ملتی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ملی تھی ہاتھی کوئی نایاب شے نہ تھے ہندوستان خصوصاً پنجاب کے لکھی جنگل و اقعہ ضلع حصار میں ہاتھیوں کی کافی تعداد پائی جاتی تھی دیگر حصص ہندوستان میں تو ان کی ہرگز کمی نہ تھی۔ بس تین سو ہاتھی لیکر ایسے کینہ ور دشمن

کو امان دینا بلکہ علاقہ کالنجر کے علاوہ اور پندرہ قلعہ عطا کرنے سے اس نذرانہ کی کوئی وقعت نہیں رہتی پس جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے ان رعائتوں کی وجہ شاہانہ فیاضی کے علاوہ تعمیل احکام قرآن مجید۔ خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے "وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ الخ" اسلام خواہ کیسا ہی دشمن ہو جب ہتھیار رکھدے تو پھر لڑائی کی اجازت نہیں دیتا صلح کا رد کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ راجہ کالنجر نے اس حکم قرآنی سے فائدہ اٹھایا اور سلطان کو حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم کرنا اور راجہ کالنجر کی گستاخی مخالفانہ کو معاف کرنا پڑا مال غنیمت کی طمع ہوتی اور واقعی لالچی ہوتا تو ہرگز کم قیمت نذرانہ پر صلح نہ کرتا بلکہ اپنی شاہانہ فیاضی راجہ کالنجر کے قصیدہ کے صلہ میں دکھا کر اور پندرہ قلعہ راجہ کو دیدیئے اور اس کی ملکی اور فوجی طاقت کو بڑھا دیا۔ یورپین مورخ جو سلطان کو لوٹیرا اور ظالم ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ یورپ کی ترقی گذشتہ صدی میں کوئی ایک بھی ایسی نظیر دکھائیں کہ راجہ کالنجر جیسے دشمن کے ساتھ اس قسم کی فیاضانہ صلح کسی یورپین سلطنت نے کی ہے اور بغیر کسی قومی یا ملکی فائدہ اٹھانے کے بغیر کسی قسم کی پولیٹیکل شرائط کے سلطان محمود کی طرح دشمن نوازی کی گئی ہو۔ اس لئے ان واقعات کے دیکھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سلطان جسقدر کہ شجاعت اور فیروز جنگی میں بڑھا ہوا تھا اسیقدر لطف و کرم اور سیر چشمی میں بے نظیر تھا۔ اس کی مہمات بقلب صحابہ کرام شعائر اسلام کے قیام اور راہ توحید کے موانعات کے دور کرنے اور اعلام اسلام بلند کرنے کیلئے تھیں ہر ایک موقعہ پر اصول اسلام کی پیروی کرتا رہا اور اسی اسلامی فیاضی سے رایہ قنوج و کالنجر وغیرہ ہندو راجگان تاج و تخت حاصل کرتے رہے۔ آج کل اسکو ملکی پالیسی کہا جاسکتا ہے اس حالت میں بھی سلطان محمود اعلیٰ درجہ کا مدبر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی فتوحات کسی پولیٹیکل چال کا نتیجہ نہ تھیں۔ تبلیغ اسلام ہندوؤں کو اسلام۔ جزیہ۔ تلوار کا صاف صاف پیغام دیا جاتا رہا راجگان ہند نے عموماً تلوار پر ہاتھ رکھا۔ جس میں سلطان محمود کا ہاتھ ہر ایک معرکہ میں زبردست رہا ایسے شمشیر زن کشمکشا کو کسی پالیسی سے کام نکالنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور راجہ کالنجر وغیرہ کی طاقت بڑھانے اور استحکام سلطنت سے آئندہ خطرات کا سامنا تھا ملک پر قبضہ نہ بھی کیا جاتا تاہم قنوج و کالنجر کی لوٹ کچھ کم نہ تھی بصورت لالچ کبھی ایسے موقعہ کو ترک نہ کیا جاتا پس یہ

[illegible] طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور خدا پر بھروسہ کر ۱۲ سورہ انفال پ ۹ ۔

تمام تاج بخشیاں اسلامی فیاضی کا نتیجہ تھیں ۔

روانگی بلخ

تلک نگین حاکم بلخ کی ظالمانہ شکایت سُن کر سلطان بلخ کی طرف گیا۔ اس وقت خاص الخاص میں چون ہزار سوار اور تین سو ہاتھی موجود تھے باقی قلعوں چھاؤنیوں اور دیگر ولایتوں میں متعینہ فوج اِس کے علاوہ تھی۔ اس سے سلطان محمود کی جنگی طاقت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے علی تگین تو سلطان کی آمد کی خبر سُن کر بھاگ گیا اور یوسف خاں شاہ ترکستان مدارات سے پیش آیا۔ دوستانہ ملاقاتیں اور تحفہ تحائف سے رشتہ اتحاد بڑھایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ علی تگین کی سرکشی کا باعث یوسف خان تھا جو سلطان محمود کی بہادرانہ الوالعزمی سے ڈر کر علی تگین کا ساتھ چھوڑ گیا اور علی تگین گرفتار ہو کر ہندوستان میں قید کیا گیا۔ اور علاقہ بلخ کی رعیت کی جملہ شکایات دُور کر کے غزنی کو واپس ہوا ۔

وجہ حملہ سومنات

سومنات سمندر کے کنارہ ہندوستان کے مغربی صوبہ جزیرہ نمائے گجرات میں ایک مشہور معبد ہندو تھا۔ حملہ آوران اسلام کے راستہ سے دور ہونے کے سبب اب تک ہر ایک صدمہ ترکتازی سے بچا رہا تھا ضعیف الاعتقاد ہندوؤں نے اسکو سومنات کی کرامات پر حمل کر لیا یہ اعتقاد تو پہلے ہی تھا کہ جملہ ارواح اجسام سے جُدا ہونے کے بعد بت سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور سومنات ہی بطریق تناسخ آئندہ ارواح کو ہر ایک حیوان کے بدن میں داخل کرتا ہے۔ سمندر کا مد و جزر سومنات کی عبادت کے لئے ہوتا ہے۔ سومنات کو جملہ بتوں کا بادشاہ خیال کیا جاتا تھا۔ اب برہمنوں نے مشہور کر رکھا تھا۔ کہ چونکہ سومنات ان بتوں سے ناراض تھا اس لئے محمود غلبہ پاتا رہا ورنہ سومنات ایک چشم زدن میں محمود وغیرہ جس کو چاہے ہلاک کر سکتا ہے ایک دن یہ حالات مخبروں کے ذریعہ سلطان کے گوش گذار ہوئے۔ خدا پرست سلطان اِن مشرکانہ عقائد کو سُن کر متاثر ہوا۔ کہ بُت پرست اب تک ایک بے حس و حرکت مجسمہ کو اُن صفات عالیہ الٰہیہ ربوبیہ سے متصف جانتے ہیں۔ جو خاصہ باریتعالیٰ ہیں۔ اُس نے خیال کیا کہ ہندوستان میں بُت شکنی سے میری جو غرض تھی۔ اب تک پوری

نہیں ہوئی ایسے معبد منبع شرک وکفر کے ہوتے مبرا وعوٰے بت شکنی غلط ہے اگرچہ سومنات کے راستہ کی مشکلات بیشمار تھیں۔ اور سومنات پہنچنا ناممکن تصور ہوتا تھا لیکن خدا پرست سلطان نے جو اعلانِ توحید کا بیڑا اُٹھا چکا تھا اور اپنی جان ومال کو اس راہ خدا میں وقف کر چکا تھا۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[1] کا اعلان کر دیا ملازم فوج کے علاوہ تیس ہزار مجاہدین ترکستان خراسان افغانستان سے ساتھ ہوئے۔ ۴۱۵ھ مطابق ۱۰۲۴ء میں براہ ڈیرہ اسماعیل خاں ملتان پہنچا۔ یہاں سے آگے راستہ بالکل جنگل ہی جنگل تھا۔ نہ راہ میں آدمی ملتا تھا نہ کھانا پینا تھا دق دشت وبیابان تھا۔ پنجاب دہلی کا راستہ آبادی بخوف مقابلہ ہنود ترک کیا گیا۔ سومنات کی عظمت سے یہ خیال کیا گیا۔ کہ عام ہندوؤں تک اس معبود سومنات کے بچانے کے لئے جان لڑائیں گے اگرچہ سب کا نتیجہ فتح ہوگا۔ مگر ان خفیف خفیف لڑائیوں میں وقت خرچ ہوگا۔ اور سومنات پہنچنے سے پہلے ایام سرما جو فوج غزنی کے قیام ہندوستان کا موسم ہے گذر جائے گا۔ ان موانعات سے بچنے کے لئے جفاکش مدبر بہادر سلطان نے ملتان سے بہاول پور اور بیکانیر کے بیابانوں کا راستہ اختیار کیا۔ آب ودانہ کی قلت کا یہ انتظام کیا کہ تمام فوج کو حکم دے دیا کہ ہر ایک سپاہی چند یوم کے لئے پانی وگھاس آذوقہ وغیرہ اپنے ساتھ اُٹھائے علاوہ اس کے بیس یا تیس ہزار اونٹ سرکاری پانی وغیرہ سے لاد لئے اور اونٹوں کو چند یوم پیاسا رکھ کر پانی پلا دیا گیا۔ پہلی منزلوں میں فوج کا اپنا اپنا آب علف کام آیا اور پھر ہر ایک منزل پر چند اونٹ حسب ضرورت ذبح کئے جاتے اونٹوں کا گوشت انسان کھاتے اور جو پانی اُن کے پیٹ سے نکلتا صاف کر کے گھوڑوں وغیرہ کو پلایا جاتا اور جو پانی اونٹوں پر لدا ہوتا وہ فوج کے پینے کے کام آتا اس تدبیر سے وہ بے آب وگیاہ کئی سو میل لمبا بیابان طے کر کے اجمیر میں جا نکلا اور راجہ اس برق آسمانی کو دیکھ کر بھاگ گیا۔ شہر تاخت وتاراج کیا گیا۔ قلعہ نارائن کوٹ جو پہاڑ پر تھا سلطان اُس کا مزاحم نہ ہوا۔ اسی طرح اور راستہ کے قلعوں کو بلا جنگ چھوڑتا ہوا آگے بڑھا۔ سلطان تو تضییع اوقات اور توقف فتح سومنات کے خیال سے ان راستہ کے قلعوں پر متصرف نہ ہوا مگر یہ تمام قلعہ اگرچہ بہادرانِ جنگی سے بھرپور تھے مگر بلند اقبال

---

[1] قولہ (سامان خواہ تم ہلکے، وبے ہتھیار) خواہ بوجھل، ہتھیار بند) ہو خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے نکلو اور اپنے مال وجان کو جہاد میں خرچ کرو۔ اگر تم جہاد کی مصلحتوں کو جانتے ہو۔ ۱۲ صوفی

سلطان کو تحفہ و نذرانہ دیکر اظہار اطاعت کرتے اور اپنا پیچھا چھوڑاتے رہے پس یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ سلطان محمود نے راجپوتانہ کو پے سپر کرتے ہوئے سب کو حلقہ بگوش بنالیا تھا۔ شاہی اثر خواہ کسی قسم کا ہو نشان اطاعت ہوتا ہے ٭

سلطان کا مدعا چونکہ سومنات تھا اس لئے وہ راجپوتانہ کے عین وسط سے بزور شمشیر گذر کر انہلواڑہ پاٹن تخت گجرات پہنچ گیا۔ راجہ بھاگ گیا اور انہلوارہ لٹ گیا۔ راجہ کے بھاگنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ سلطان بے اطلاع یکایک سر پر پہنچ گیا۔ اکیلا راجہ انہلوارہ مقابلہ نہ کرسکتا تھا باقی راجگان دور تھے۔ عام مذہبی جوش کو تحریک نہ دی گئی تھی۔ سلطان یہ فتح پاکر سومنات کیطرف روانہ ہوا۔ سومنات کی حفاظتی چوکیوں کو فتح کرکے سومنات پہنچا ٭

برہمنوں کا سلطان کو ڈرانا

پجاریوں نے جب فوج سلطانی کو دیکھا تو فصیل قلعہ پر چڑھ کر پکار کر کہنے لگے کہ تم اپنے لشکر کے گھمنڈ پر ہم کو لوٹنے آئے ہو مگر یہاں ہمارے سومنات نے تم کو بلایا ہے۔ تاکہ جو مندر۔ شوالے۔ بت تم نے ہندوستان میں توڑے ہیں اُسکی سزا تم کو دی جائے اور تمہاری تمام فوج کو اس جگہ ہلاک کرے خیر چاہتے ہو تو اُلٹے پاؤں واپس چلے جاؤ ورنہ ایک مسلمان بھی زندہ بچ کر واپس نہ جائے گا۔ اور ہمارا سومنات تم سب کو اسی زمین میں پیوست کردے گا۔ سومنات جملہ صنام کا بادشاہ بتوں کا افسر معبودوں کا بزرگ ارواح کو ابدان میں ڈالنے والا ہے اُس کی بے ادبی کرنے والا کب اُس کے قہر و غضب سے نجات پاسکتا ہے اور مخالفانہ ارادے سے آنے والا کب جان بچا سکتا ہے ٭

جنگ سومنات

سلطان محمود نے برہمنوں کے یہ کلمات سُن کر تیر اندازی کا حکم دیا۔ اولوں کی طرح پجاریوں پر تیر پڑنے لگے اور سر دیوار سے بھاگ گر سومنات کے پاؤں جا پڑے۔ بہادران اسلام فوراً کمندیں ڈال کر فصیل قلعہ پر چڑھ گئے۔ جب ہندوؤں نے یہ حالت دیکھی تو ایسا ہلّہ کیا کہ جس قدر مسلمان فصیل پر چڑھے تھے اُن کو فوراً مار کر گرادیا۔ اور مسلمانوں کا حملہ اکارت کردیا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی حملہ آور نقصان کثیر اُٹھا کر پس پا کئے جاتے رہے معلوم

ہوتا ہے کہ سومنات پر سلطان نے قلعہ شکنی کے آلات سے کام نہیں لیا۔ یا تو قلعہ سومنات اس قابل نہ تھا کہ اُس کی تسخیر کے لئے کوئی اور جنگی تدبیر کیجاتی یا مجاہدین اسلام اسقدر جوش غزا میں بھرے ہوئے تھے کہ وہ بتوں کے معبود (خدا) کی بیکسی کمزوری جتلانے کے لئے عام ہلہ سے بزور شمشیر قلعہ سومنات فتح کرنا چاہتے تھے ورنہ سلطان محمود سیسالار جنگ اور قابل جرنیل ایسے ناکام حملوں سے فوج نہ کٹواتا۔

ہندو راجگان کا سلطان محمود سے جنگ

جس قدر راجگان پہنچ چکے تھے سومنات کے بچانے کے لئے اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے۔ سلطان جو سومنات پر ایک عام سلطانی حملہ کرنا چاہتا تھا یہ سُن کر کہ ہندو فوج آرہی ہے، تھوڑی سی فوج کو محاصرہ سومنات پر چھوڑ کر نئے دشمن کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ دونوں فوجیں مذہب کے لئے جانیں لڑا رہی تھیں۔ مسلمان اگر سومنات کو شریک صفات باری تعالیٰ جانکر توڑنے کے درپے تھے تو ہندو اس کو معبود اور متصرف فی الموجودات سمجھ کر اُس کے بچانے کے لئے قربان ہو رہے تھے۔ فریقین پورے جوش کے ساتھ برابر تول کی لڑائی لڑ رہے تھے اور سورمے قومی جنگ کی داد دے رہے تھے کہ اتنے میں ایک طرف سے گرد اُٹھی معلوم ہوا کہ راجہ انہلوارہ فوج عظیم لیکر آرہا ہے۔ اب سلطان کو دو طرفہ مقابلہ کرنا پڑا۔ ایسے موقعہ پر اگر کوئی اور ہوتا تو ضرور ہمت ہار چکتا مگر حسب عادت کیا تو یہ کیا کہ جھٹ گھوڑے سے اُتر کر شیخ المشائخ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ جو شیخ موصوف سے ایسے ہی مشکل وقتوں کے لئے عطا ہوا تھا پہنکر بدرگاہ قاضی الحاجات سربسجود ہوا اور خشوع قلب سے دعا مانگی اس دعا و نیاز کو خواہ باطنی کہو یا صداقت ایمانی خوف کہو یا نیاز مسلمانی بہرحال قبول ہوئی اور اول راجہ انہلوارہ پر شہباز کیطرح جا پڑا اور ہزاروں ہندوؤں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور راجہ انہلوارہ کو بھگا کر اپنی باقی فوج کی مدد پر پہنچ گیا جو دیگر راجاؤں کے مقابلہ میں لڑ رہی تھی۔ اب ہندو کب ٹھیر سکتے تھے۔ میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور ہزاروں کشتہ اور لاکھوں کا ماں چھوڑ کر بھاگ گئے اور سلطان فتح پاکر سومنات کے محاصرہ میں مشغول ہوا۔ اب سومنات کو کوئی بچانے والا نہ رہا۔ جسقدر لڑنے والے تھے دست بشمشیر مقابل ہوئے مگر بہادران اسلام فصیل پر سیڑھیاں لگا کر چڑھ گئے اور مارتے کاٹتے سومنات تک پہنچ گئے چار ہزار ہندو کشتیوں پر سوار ہو کر براہ دریا بھاگ نکلے۔ سلطان نے اُن کے

تعاقب میں کشتیاں روانہ کر کے اکثر کو گرفتار اور غرق آب کر دیا۔ اور سومنات فتح ہو گیا۔

بُت سومنات

سومنات مہادیو کا مندر تھا۔ گرہن کے دن لاکھوں جاتری دور دور سے زیارت کو آتے تھے۔ مندر سومنات میں جواہر و الماس اس قدر در و دیوار میں جڑے تھے کہ اُن کی ہی جگمگاہٹ سے مندر اندھیری راتوں میں بھی روز روشن کی طرح نظر آتا اور چراغ شمعدان وغیرہ کی ضرورت نہ پڑتی چھپّن ستون مرصع جواہرات وہاں کھڑے تھے۔ طلائی زنجیر ونی دو سو من وہاں لٹکتی تھی۔ جس میں پوجا کے لئے گھنٹہ اور گھڑیال بندھے تھے۔ دو ہزار بھنڈاری پجاری پانچسو گانے والی عورتیں اور تین سو گانے والے مرد ملازم تھے۔ اور تین سو حجام جاتریوں کی حجامت کے لئے مقرر تھے۔ دو ہزار گانوں اخراجات مندر کے لئے معاف تھے۔ بُت سومنات پانچ گز لمبا تھا۔ دو گز زمین کے اندر اور تین گز زمین کے باہر تھا۔ گنگا جل ہر روز چھ سو کوس سے منگوایا جاتا اور اس سے بُت سومنات کو غسل دیا جاتا۔

سلطان نے اپنے ہاتھ سے بُت مذکور کی ناک اُڑا دی اور توڑنے کا حکم دیا۔ پجاری سلطان کے پاؤں پر گر پڑے اور عرض کی کہ بُت نہ توڑا جائے اور رقم کثیر ہم سے لی جائے۔ سلطان نے مشیروں سے پوچھا چونکہ وہ بُت کو ایک سنگین خالی بُت سمجھتے تھے اور برہمنوں کا پیش کردہ نذرانہ کروڑوں کا تھا انہوں نے سلطان کو صلاح دی کہ بُت کے عوض میں یہ بھاری نقدی لیجائے جنگی اور ملکی ضرورتوں کے کام آئیگی۔ مگر خدا پرست سلطان نے تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد کہا کہ قیامت کو بُت فروش نام رکھوانا نہیں چاہتا۔ بُت شکن بننا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر گرز اُٹھا کر بت پر ماری کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سلطان کی خوش قسمتی سے بُت کے اندر سے اس قدر قیمتی جواہرات ہیرے موتی نکلے کہ پجاریوں کے نذرانہ سے قیمت میں گنی گنا زیادہ تھے۔ اور اسی خزانے کے بچانے کے لئے برہمن گڑگڑاتے اور پاؤں پڑتے تھے اور پجاریوں کا دھوکہ نیک نیت سلطان سے نہ چلا۔ دس کروڑ کا تخمیناً مال غنیمت ملا۔ بُت کے دو ٹکڑے مدینہ منورہ میں اور دو ٹکڑے غزنی بھجوائے گئے ایک ٹکڑا جامع مسجد کی سیڑھیوں میں اور ایک ٹکڑا دیوان عام کے دروازہ پر ڈال کر پیر خلائق کیا گیا۔

بُت کے ٹکڑے سومنات کے قیدی پجاری گھسیٹتے ہوئے لے گئے تھے جس سے

پجاریوں اور عام ہندوؤں کو یہ سمجھانا منظور تھا کہ جسکو تم معبود اور متصرف فی الارواح مانتے تھے وہ بے کس و ناتواں ہے۔ اگر معبود (خدا) ہونا تو اس قدر ذلیل نہ ہو سکتا۔ عبادت اور نذرت مطلق خاصہ ذات باریتعالیٰ ہے۔ اس علمی تعلیم سے شرک و بت پرستی سے ہٹانا مقصود تھا نہ کہ دل دکھانا جس کے لئے قید و غارت ہی کافی تھی جس علاقہ میں سے بُت سومنات کا یہ نظارہ گذرا ہوگا وہاں کے بُت پرستوں کو بتوں کی حقیقت سوچنے کا موقعہ ملا ہوگا اور اسلامی وعظ کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ اس سے ضرور نکلا ہوگا۔ پس سلطان کی یہ کارروائی بھی شاعت توحید اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھی جس کو کوئی خدا پرست معیوب خیال نہیں کر سکتا۔

بُت سومنات کی صورت و شکل

تمام مؤرخ بت سومنات کا سلطان کے ہاتھ سے ٹوٹنا اور اُس کے پیٹ میں سے جواہرات بیش بہا کا نکلنا بیان کرتے آئے ہیں۔ لیکن پروفیسر ہلوی اس کو غیر محقق اور بیہودہ خیال کرتا ہے اور دلیل صرف بیرونی کا بت مذکور کو بصورت لنگ لکھنا اور لنگ کا عموماً ٹھوس ہونا بیان کرتا ہے مگر یہ بیان بھی خالی از اعتراض نہیں ہے۔ یہ بت زمین کے اندر دو گز گڑا تھا اور لنگ کی ہیئت کے خلاف تھا۔ علاوہ اس کے سلطان محمود کے حملے کے بعد پھر اُسی موقعہ پر مندر بنایا گیا۔ اور بت سومنات کا نمونہ رکھا گیا۔ اسی بت کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے دیکھا تھا۔ کہ ایک برہمن کے زنجیر ہلانے سے ہاتھ اُٹھا تا تھا اور ہندو اس امر کو بُت کی کرامات مان کر نذر و نیاز چڑھاتے تھے اُسی برہمن کو فلاسفر سعدی نے قتل کیا اور بُت سومنات کی حقیقت اور واقعیت حالات اصلی کے لئے ؎ بہ تقلب کافر شوم روز چند ۔ برہمن پجاری بنا رہا۔ اور معلوم کیا ؎ کہ ناچار چوں در کشد ریسماں ۔ برآرد صنم دست فریاد خواں

فلاسفر سعدی کی تحقیقات سے بُت انسانی شکل کا تھا جو ہاتھ اُٹھاتا تھا۔ چونکہ یہ مندر مہادیو کا تھا اور مہادیو ہندوؤں کے اعتقاد میں پہلا انسان (آدم) ہے۔ اور ذریعہ تخلیق عالم اور آلہ تخلیق لنگ عموماً ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں مہادیو اور اس کے اعضاء لنگ کی پرستش بھی ہوتی ہوگی اور اس مندر کے احاطہ میں غالباً لنگ کی مورت علیحدہ بھی رکھی ہوگی۔ پیدائش اولاد کے لئے عوام کالانعام زیادہ لنگ کی پرستش کرتے ہونگے اور بیرونی نے شاید اسی قسم کے لنگ کی مورت کی نسبت کچھ لکھا ہوگا ورنہ بُت مذکور جس کو سلطان محمود نے توڑا ٹھوس نہ تھا۔ اور

جس امر کو جملہ مورخ بلا اختلاف لکھتے آئے ہیں۔ اس کو غیر تحقیق اور بیہودگی سے منسوب کرنا انصاف سے بعید ہے +

بت شکنی سلطان بتقلید پیغمبر علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام

حکیم ثنائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ کی بابت خوب کہا ہے اور سلطان کی تقلید شریعت کا نہایت عمدگی سے خاکہ کھینچا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کے اہل اسلام سلطان کی بت شکنی کی نسبت کیا خیال رکھتے تھے +

نظم ثنائی

کعبہ و سومنات چوں افلاک — شد ز محمود و از محمد پاک
ایں ز کعبہ بتاں بروں انداخت — وآں ز کیں سومنات را پرداخت

فتح گجرات

جن راجاؤں نے سومنات کی حمایت میں ہتھیار اٹھائے تھے اُن میں سے والشلیم اور پرم دیو زیادہ مشہور تھے۔ پرم دیو کا صدر مقام انہلواڑہ تھا۔ جو سلطان کے راستہ میں تھا۔ جاتی دفعہ بھی پرم دیو انہلواڑہ خالی چھوڑ کر بھاگ گیا تھا اور جنگ سومنات میں عین موقعہ پر شامل ہوا تھا اور سلطانی لشکر صرف ایمانی طاقت سے میدان جیتا تھا اور پرم دیو ہاتھ نہ آیا اور معرکہ جنگ سے اول انہلواڑہ کو بھاگا مگر سلطان کے خوف سے قلعہ کاٹھیاوار میں جو سومنات سے چالیس فرسنگ دور ایک ساحلی جزیرہ میں تھا بھاگ گیا۔ بہادر سلطان جب تک اس زبردست غنیم کو مجبور و مقہور نہ کرتا اسکی فتح نامکمل رہتی۔ اور سلطان کی مظفرانہ شجاعت پر داغ رہتا۔ اس لئے غیور سلطان نے پرم دیو کا تعاقب کیا۔ قلعہ مذکور اور ساحل خشکی کے درمیان بحر مواج تھا۔ سلطانی غوطہ خوروں کو پانی کی نہ اور موقعہ عبور معلوم کرنے کے لئے حکم دیا گیا۔ مگر سب ناکام رہے کاٹھیاوار کے غوطہ خوروں نے ایک موقعہ قابل عبور بتلایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اگر بوقت عبور سمندر میں تموج ہوا اور چڑھاؤ شروع ہوا تو تمام فوج گھسنے والی غرق ہو جائیگی۔ غالباً اُن کی مراد مد جزر سے ہوگی یا سمندر کی موجیں ایک غیر معین وقت میں

اٹھتی ہونگی اور غوطہ خور اپنی بے علمی کے سبب اُس کی علمی حقیقت نہ جانتے ہونگے اور کوئی اصول مقرر نہ کر سکے ہونگے۔ بہر حال خدا پرست سلطان نے قرآن مجید سے استخارہ کیا۔ اور توکلاً علی اللہ گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا الخ پڑھتا ہوا صحیح وسلامت معہ فوج وسامان کنارہ پر پہنچ گیا اور پرم دیو جزیرہ طور سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ قلعہ فتح ہوا۔

اسلامی شجاعت کا راز

اس جزیرہ کو جس طرح سے بہادرانِ محمودی نے فتح کیا اور جہاں سے گذرنا بغیر کشتی محال تھا اور غوطہ غوطوں کے بیان سے ہلاکت یقینی تھی۔ اِن باتوں پر خیال کرنے سے سلطان ایک غیر متاط جرنیل پایا جاتا ہے کہ اُس نے فوج کو موت کے مُنہ میں دھکیل دیا لیکن جنکو نورِ ایمان حاصل ہے اور انوارِ روحانی سے بہرہ مند ہیں اور بزرگانِ رُوحانی کی محبت سے مستفیض ہوتے ہیں وہ دِل سے "اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" اور آیت "وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ ؎ شب گور وعدہ محال است خفت" وہ جانتے ہیں کہ موت ٹل نہیں سکتی اور بغیر موت کے کوئی مر نہیں سکتا۔ بقول ؎

اگر زندگانی بہشت است و بیر ۔۔۔ نہ مارت گزائد نہ شمشیر و شیر

علاوہ اس اعتقاد کے ایسے اسلامی کاموں میں جان دینا نجات ابدی اور سرور سرمدی دخول بہشت کا موجب جانتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ تحریک تھی کہ سلطان محمود نے متعدد سخت موقعوں پر اپنی دعائے نیاز مندانہ کی اجابت سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ؎ با اخلاق پاکیزہ و روشن باش کا حقیقی نمونہ ہے اگر یہ درجہ اسکو حاصل نہ بھی تھا تاہم مومن صادق تھا اور "اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ" سے بہرہ تام رکھتا تھا مومن پاکباز کی فراست و فہمید کشف و شہود کے لگ بھگ ہوتی ہے سلطان نے اسی نورِ روحانی یا فراستِ ایمانی سے اس موقعہ کے پانی کے اوتار چڑھاؤ کو اندازہ کر لیا ہوگا۔ اور اُس کے مطابق صحیح وسلامت عبور کر کے عوام کو ششدر کر دیا۔

سلطان کے دوامی قیام گجرات پر بحث

یہ روایت تو درست معلوم نہیں ہوتی کہ سلطان غزنی کی جگہ گجرات کی دوامی رہائش کو پسند کرتا تھا اور انہلواڑہ کو دارالصدر مقرر کرنا چاہتا تھا سلطان تمام شمالی ہند کو فتح کر چکا تھا الحاق ممالک

یا جبریہ اسلام قرآن کے برخلاف تھا۔ راجاؤں کی اطاعت یا مناسب طریق سے اسلام کی اشاعت ہو رہی تھی مالی آمدنی خراج اور جزیہ کے ذریعہ ہوتی تھی۔ اِس لئے اِس سے زیادہ آرزو راجگانِ ہند کے استیصال اور صوبجاتِ ہندوستان کے الحاق کی ہو سکتی تو گجرات میں دوامی قیام کا خیال پیدا ہو سکتا۔ مگر سلطان نے کبھی بھی ہندو راجگان کا بصورت اطاعت متاصل کرنا پسند نہیں کیا اور نہ ہندو ریاستوں کے الحاق پر عمل کیا۔ پھر گجرات کو صدر مقام بنانا اور غزنی پر ترجیح دینا باور نہیں کیا جا سکتا۔ گجرات ہندوستان کے گوشہ مغربی پر واقع تھا۔ ہندوستان کا دار الصدر ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ آب و ہوا سو غزنی کے موسم بہار سے ٹکر نہ کھا سکتی تھی برفانی علاقہ کا رہنے والا سلطان اور اُسکی فوج کبھی ہندوستان کی سکونت کو گجرات ہو یا کوئی اور مقام کب پسند کر سکتی تھی۔ اسی سردی کا لطف اُڑانے کے لئے وہ ہندوستان میں موسم گرما میں نہیں ٹھیرتا تھا۔ علاوہ اسکے غزنی اور گجرات کے راستہ کے مشکلات دیکھ چکا تھا۔ اُن کی موجودگی میں وہ غزنی سے اسقدر دور ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتا تھا۔ گو سلطان محمود ایشیا کا بہت بڑا بلند اقبال سُلطان گذرا ہے ہمعصروں میں سے کوئی بادشاہ اس کا مدِ مقابل نہ تھا مگر پھر بھی اُس کو جسقدر شمالی ترکوں اور ڈاکو سلجوقیوں سے خطرہ تھا اسقدر ہندوؤں سے نہ تھا کہ ہندوستان خصوصاً گجرات کو صدر مقام بناتا۔ لنکا اور پیگو کے جواہرات معدنیات کا طمع بھی کافی وجہ نہیں ہو سکتی سُلطان کی فوج خشکی کے جنگوں میں مشاق اور مہارت رکھتی تھی۔ لیکن بحری لڑائیوں کا تجربہ نہ رکھتی تھی۔ لنکا اور پیگو کی فتح بیڑہ جہازات بحری فوج کے سوا ناممکن تھی۔ اور بحری مہمات کے لئے کافی فوج اور جہازات کی بہرسانی کے لئے کافی وقت درکار تھا۔ اِس لئے واقعی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اولوالعزم سلطان نے لنکا کی فتح کا ارادہ کیا۔ اور گجرات وغیرہ مغربی سواحل سمندر یا دیگر جہازران قوموں سے فوج بھرتی کرنی چاہی ہو۔ چونکہ اُس زمانہ میں مصر۔ شام۔ یمن کے مسلمان ملاح دُور دور تک سمندروں میں گشت کرتے تھے۔ اِس لئے ایسی قوموں سے بحری فوج کا مرتب ہونا اور لنکا وغیرہ جزائر کا تسخیر ہونا قرینِ قیاس ہو سکتا ہے۔ اور اس مطلب کے لئے سُلطان کا غزنی کو خیرباد کہنا اور گجرات کو ہمیشہ کے لئے دار الصدر بنانا ضروری نہ تھا۔ پس میری رائے میں سلطان نے گجرات میں دوامی قیام کا ارادہ نہیں کیا۔ لنکا وغیرہ جزائر کی فتح کا ارادہ کیا تھا جو پُورا نہ ہو سکا +

راجہ گجرات کو تاج بخشی

انہلوارہ کا راجہ بھاگ گیا اور مطیع نہ ہوا۔ سلطان نے گجرات کی حکومت ایک ایسے شخص کو عطا کی جو قدیم راجاؤں کے خاندان سے تھا اور اب خلوت نشین سادھو تھا۔ جنگی یا ملکی طاقت نہ رکھتا تھا یہ راجہ اسی دابشلیم کی نسل سے تھا جس کا افسانہ انوار سہیلی (پنج تنتر) وغیرہ میں درج ہے اس تقرری کو خواہ کسی مصلحت پر تصور کیا جائے۔ لیکن ایک سادھو گوشہ نشین کو سابق راجہ انہلوارہ کے جیتے جاگتے راج تاک دینا سلطان کی کمال فیاضی اور زبردست فاتحانہ اقتدار کو ثابت کرتا ہے کہ ایک بے خانماں شخص کو گمنامی سے درجہ شاہی تک پہنچا دیا اور شاہانہ بندہ نوازی کو دوست دشمن کے دل میں بٹھا دیا۔ اور سلطان کے تقرر کو تمام باشندگان گجرات نے تسلیم کر لیا۔ اور سابقہ راجہ انہلوارہ یا جدید رقیب دابشلیم کا معدوم اور قید ہونا سلطان کی کامل فتحیابی گجرات اور اس سلطانی رعب کو ظاہر کرتا ہے۔ جو ہندوؤں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا۔ گویا گجرات غزنی کا ایک جزو ہو گیا تھا کہ سلطان جسکو چاہے بخشدے حقیر ہو یا امیر سلطان کا دست شفقت جس کے سر پر رکھا جائے وہی گجرات کا راجہ بن سکتا ہے سلطان کی اس تاج بخشی کا مقابلہ تاریخ میں نہیں پایا جاتا ؛

اس جدید راجہ نے اپنے ایک رقیب کو حوالہ سلطان کیا یا اپنے تخت کے نیچے ایک قید خانہ تیار کیا۔ دشمن کو قید خانہ میں ڈالنے سے پہلے ہی خود کسی اتفاقیہ سبب یا کسی عارضہ سے اندھا ہو گیا۔ اور دستور ملک کے مطابق اندھا راجہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اُس قید خانہ میں ہی قید کیا گیا۔ اور "چاہ کن را چاہ در پیش" کا مصداق بنا۔ فرشتہ نے یہ قصہ مفصل لکھا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ؛

غزنی کو واپسی اور مشکلات

سلطان جب گجرات کا انتظام کر چکا تو آسان اور آباد راستہ راجپوتانہ۔ دہلی۔ پنجاب کا تھا مگر راجہ اجمیر۔ انہلوارہ اور دیگر راجپوت راجگان کی جمعیت سے مقابلہ کا اندیشہ تھا۔ اگرچہ سلطان اُن پر فتح پا سکتا تھا لیکن فوج کو اس دفعہ خلاف معمول دو سال اس مہم میں لگ گئے تھے اور موسم گرمی کا آگیا تھا راستہ میں لڑائی چھڑ جاتی جو بالکل ممکن تھی تو شاید ایام گرمی

یا زیادہ عرصہ لگ جاتا۔ اور ہندوستان کی گرمی کی فوج غزنی برداشت نہ کر سکتی۔ جانوں کے نقصان کے علاوہ سومنات کا مال غنیمت بھی معرض خطر میں تھا۔ ان خطرات کے مقابلہ میں مذکورہ بالا راجاؤں پر فتح پانے سے کچھ زیادہ فائدہ نہ تھا اجمیر اور انہلواڑہ وغیرہ تمام راستہ کے مشہور مقامات فتح ہو چکے اور عموماً باجگذار تھے اُس علاقہ سے بھی کسی فائدہ کی اُمید نہ تھی۔ بہرحال نقصان یقینی تھا۔ اِس لئے سلطان نے یہ راستہ چھوڑ دیا اور سندھ کے راستہ مراجعت کی۔ ہندو راہبر سلطان کو معہ فوج ایک بے آب و گیاہ بیابان میں لے گئے اور لوگ شدت پیاس سے مرنے لگے۔ راہبر سومنات کے سیوک (مرید) تھے جنہوں نے دھوکہ دہی سے انتقام لیا +

سلطان کی اجابت دعا

سُلطان نے جو عموماً ایسی مشکل کے وقت خدا تعالیٰ کے حضور میں دست بدعا ہوا کرتا تھا۔ وضو کر کے دو نفل ادا کئے اور خشوع و خضوع سے پانی کے لئے دُعا مانگی سُلطان کے عجز و نیاز کی برکت سے دور سے روشنی نمودار ہوئی۔ اودھر کوچ کیا گیا۔ صبح کے وقت ایک چشمہ پر پہنچے اور ہلاکت سے نجات پائی۔ مگر سندھ کے بیابانوں سے گذرنے میں سُلطان کو سخت تکلیف ہوئی +

جاٹوں کی سرکشی

سلطان جب واپس جا رہا تھا۔ اور مراجعت کے وقت کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرنی چاہتا تھا جاٹوں نے چھیڑ چھاڑ راہزنی شروع کی اور سلطانی فوج کو ستایا۔ سُلطان نے اس قوم کی سزا کو دوسرے وقت پر موقوف رکھا اور اس وقت صرف گذر جانا ہی مناسب تصور کیا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سندھ میں کوئی ایسی ہندو طاقت نہ تھی جو مزاحم ہوتی۔ سندھ کی ہندو سلطنت عربوں کے ہاتھ سے تباہ ہو چکی تھی۔ اور عربی سلطنت بھی بگڑ چکی تھی بجائے کسی طاقتور ریاست کے ہندو مسلمانوں کی کمزور دیہاتی ریاستیں ہونگی۔ جن کو کسی قسم کا دعوے سلطنت نہ تھا۔ اسی واسطے سلطان محمودؒ کا مقابلہ سندھ میں کسی نے نہ کیا +

جاٹ محمد بن قاسم کے عہد میں تھے۔ غالباً یہ قوم مٹھن کوٹ کے نواح یا اُس سے

بھی کچھ نچلے علاقہ میں آباد ہو گئے۔ اس قوم نے سلطان کو کسی ملکی رقابت سے نہیں ستایا تھا۔ بلکہ لوٹ گھسوٹ کی طمع دامنگیر ہوئی تھی۔ جو عموماً دیہاتیوں میں ہوا کرتی ہے۔ قرامطہ یا ملحد ملتان یا سندھ میں تھے تو اُن کی خاموشی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ سبکتگین شیخ حمید لودھی کو ملتان کی حکومت دے چکا تھا۔ اور سلطان محمود بھی فتح کر چکا تھا ؛

خطابات خلیفہ بغداد

۴۱۷ھ میں سلطان اس دور دراز سفر کو دو سال کے بعد طے کر کے بخیریت غزنی پہنچا۔ کمال خوشی اور جشن کئے گئے۔ خلیفہ بغداد نے فتح سومنات کے بعد سلطان کو کہف الدولہ والاسلام اور اُس کے بیٹوں میں سے مسعود کو شہاب الدولہ اور محمد کو جلال الدولہ اور بھائی یوسف کو عضد الدولہ لقب دیا اور خراسان۔ ہندوستان۔ نیمروز خوارزم کا فرمان حکومت ارسال کیا۔ یہ فرمان آج ایک تمسخر معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود جو بزور شمشیر ان ممالک کو تصرف میں لا چکا تھا۔ اُس کو بے اختیار خلیفہ بغداد کا یہ عطیہ کیا معنی رکھتا ہے ؛

اسلام کی مرکزی طاقت

لیکن یہ ایک اسلامی عقیدہ ہے کہ اسلامی دنیا میں خلیفہ ایک ہی ہو سکتا ہے اگرچہ اس عقیدہ کی مدت سے اہل غرض نے توڑ پھوڑ کر دی ہے۔ لیکن سلطان محمود اس مفید عقیدہ کی کی فلاسفی کا قائل تھا۔ اتحاد قومی کے لئے کسی نہ کسی مرکزی طاقت کی ضرورت ہوا کرتی ہے آج اسلامی دنیا میں ایسی طاقت کے بحال کرنے کے لئے کہیں بصورت پان اسلام ازم صدا بلند ہوتی ہے۔ اور کہیں مصر میں دُنیا کے اہل اسلام کو جمع کیا جاتا ہے۔ گو یہ اجتماع پولیٹکل نہیں ہے مگر مخالفین اسلام اسکو بنظر وحشت دیکھتے ہیں۔ خلیفہ بغداد کی ہستی پولیٹکل ہستی تھی اُس کا خطبہ ہر جگہ پڑھا جاتا تھا۔ اُس کی موجودگی میں اور کوئی شخص خواہ کس قدر سلطان با وقار ہو امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین نہیں کہلا سکتا تھا۔ مصر کے بنی فاطمیہ کے سوا جو مذہبًا امت محمدی کے جم غفیر سے علیحدگی رکھتے تھے اور بڑے بڑے مقتدر سلاطین۔ سامانی۔ غزنوی۔ سلجوقی۔ اتابکیہ۔ ایوبیہ نے خلافت بغداد کی مقدسانہ یادگار کو قائم رکھا اور اس کے عوض میں عام مسلمانوں کی مجاہدانہ بزدآزمائی سے فائدہ اُٹھایا۔ جنگ صلیبی میں گو کوئی خلیفہ شامل نہ

ہوسکا۔لیکن بغداد کی عام ترغیب تحریک غازیوں کو سرفروش بناتی رہی۔اِس لئے خلیفہ بغداد گو کمزور وضعیف تھا۔لیکن اُس واحد طاقت خلافت سے سلطان محمود اور دیگر فاتحین اسلام کو فائدہ پہنچتا رہا۔بغداد کی مرکزی طاقت سے کئی مدعی دب جاتے تھے۔خراسان ونیمروز پر امرائے دیلم قابض تھے۔سلطان گو اُن کو مغلوب کرسکتا تھا اور کسی قدر کرچکا بھی تھا۔لیکن خلیفہ بغداد جو حقیقی وارث تھا اُس کے فرمان نے آئندہ وراثت کا فیصلہ کر دیا۔اور مسلمانوں کی خونریزی بغیر محمودی علاقہ کی حد بست ہوگئی +

جاٹوں پر چڑھائی

سومنات سے واپسی کے وقت چونکہ جاٹوں نے تکلیف دی تھی اس لئے اب سلطان غزنی میں تمام سامان پہنچا کر چیدہ فوج لیکر جاٹوں پر چڑھ آیا جاٹ قزاق تھے سلطانی فوج کا مقابلہ میدان میں کب کرسکتے تھے۔دریائے اٹک کے جزیروں میں بھاگ گئے یہ جزیرے غالباً مٹھن کوٹ سے نیچے ہونگے۔جہاں پنجاب کے پانچوں دریا اٹک میں ملجاتے ہیں اور دریا کئی پاٹ ہوکر بہتا ہے۔دوامی یا عارضی جزیرہ بن جاتے ہیں۔اُن جزیروں میں جاٹوں نے اپنا اہل وعیال مال ومنال بھیجدیا۔سلطان نے چودہ سو کشتیاں بھجوائیں۔ہر ایک کشتی میں لوہے کی تین سلاخیں نوکدار مضبوط کاٹنے والی لگائیں ایک سامنے اور دو پہلوؤں پر۔ہر ایک کشتی میں بیس سپاہی تیرانداز بٹھا دیئے اور جاٹ بھی بقول فرشتہ چار ہزار یا آٹھ ہزار کشتیاں لے کر مقابل ہوئے جس تعداد پر الفنسٹن صاحب معقول اعتراض کرتا ہے۔لڑائی شروع ہوئی سلطانی کشتی کے مقابل جاٹوں کی جو کشتی آتی تھی چور چور ہوکر غرق ہوتی تھی۔اِس طرح جاٹ مارے گئے اور اُن کے اہل وعیال قید کئے گئے۔اور سلطان مظفر ومنصور ہوکر واپس غزنی ہوا +

مقناطیسی بُت

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے سفر سومنات میں ایک مندر میں ایک بت ہوا میں معلق دیکھا تھا اور جس کو بُت پرست کرامت اور خرق عادت سمجھ کر نذر ونیاز چڑھایا کرتے تھے۔سلطان حیران ہوا اور اپنے درباری حکمائے سائنس دان کو تحقیقات کا حکم دیا دریافت ہوا کہ مندر کی دیواریں سنگ مقناطیس کی بنی ہوئی ہیں۔اور بُت لوہے کا ہے۔اطراف و

جوانب سے مقناطیس کی قوت جاذبہ بُت کو برابر کشش کرتی ہے اور ہوا میں معلق رکھتی ہے۔ پجاریوں نے عوام کے پھُسلانے اور روپیہ بٹورنے کے لئے یہ انوکھی تصویر بنا رکھی ہے سُلطان نے جوں ہی ایک دیوار گرائی بُت مذکور زمین پر گر پڑا اور دھوکا باز پجاریوں کا جال ٹوٹ گیا۔

سلجوقیوں کی بغاوت

سلجوقیوں کا حال ہم حصّہ اوّل میں لکھ چکے ہیں۔ یہ قوم اسلام لاکر اور کفار ترک سے لڑبھڑ کر ممالک اسلام ماوراالنہر میں بطور خانہ بدوش اقوام کے رہنے لگی۔ گھاس چارہ کی افراط و تفریط کے موقعوں کی تلاش کے سبب کہیں مستقل سکونت اختیار نہ کرسکی۔ لیکن جفاکشی عام سادگی کے سبب اُن کا تمول اور عدت جمعیت بڑھنے لگی۔ ماوراالنہر کے امن پسند اور آرام طلب باشندوں پر وقتاً فوقتاً دست درازی کرنے لگے۔ ابتدا میں کبھی سزا کبھی معافی کا برتاؤ ان سے کیا جاتا رہا۔ سلطانی عہدہ دار سلجوقیوں کو معمولی خانہ بدوش قزاق جان کر زیادہ سزا دہی پر کمربستہ نہ ہوئے اور سلطان محمود بھی اُن کو بے حیثیت ہی جانتا رہا۔ اس تساہل نے سلجوقیوں کے حوصلہ بڑھا دیئے۔ اور سلطانی رعایا کی جان و مال کو خطرے میں ڈال دیا۔ سلطان کی غیبت سومنات کے وقت سلجوقیوں نے زیادہ سرگرمی دکھائی اور سُلطان نے ابوالحرب امیر طوس کو سلجوقیوں کی سزا دہی پر مقرر کیا۔ امیر طوس نے ابتدا میں چند فتوحات حاصل کیں۔ لیکن آخر کو سلطان سے عرض کرنی پڑی کہ حضور کے آئے بغیر یہ فتنہ فرو نہیں ہوسکتا اب سلطان کی آنکھیں کھُلیں۔ فوج جرار لیکر چڑھا بھلا سُلطان کے پرجوش حملہ کی کون تاب لاسکتا تھا سلجوقی قوم نے ایک سخت مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور بہت سے مارے گئے۔ باقی خواہان امان ہوئے۔ چونکہ اُس وقت یہ قوم کوئی مدعی سلطنت نہ تھی۔ اس لئے سلطان نے اُن کو بدستور اپنے ملک میں رہنے دیا اور اُن کو خراسان کی جانب نکال دیا لیکن یہ سخت غلطی تھی۔ خراسانی زیادہ کمزور تھے سلجوقیوں کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے سُلطان نے غلطی کھائی۔ خیر یہ پہلا واقعہ بغاوت آل سلجوق ہے جس کو سُلطان نے دبالیا اور اُن کا سردار میکائیل قید کرکے گوالیار بھیجا گیا۔

فتح ایران

خاندان غزنی کے عروج سے پہلے بغداد پر آل بویہ غالب ہوچکی تھی۔ اور خلیفہ

بغداد کٹھ پتلی کی طرح اُن کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن سلطان محمود کے عہد میں آل بویہ (دیلمی) بھی ضعیف ہو چکی تھی۔ سلطان محمود کے ابتدائی عہد میں فخر الدولہ دیلمی ایران کے ایک حصّہ پر قابض تھا سلطان نے اُس وقت تو ایران کا خیال نہ کیا وجہ یہ تھی کہ ابتک خراسان کا ملک باضابطہ طور سے خلیفہ بغداد نے نہ دیا تھا۔ اب فتح سومنات کے بعد خراسان کا فرمان حاصل ہوا۔ اور حدود ملک ایران سے ملحق ہوئیں۔ ہندوستان کی فتوحات بھی کنارہ سمندر تک مکمل ہو چکیں۔ اور کوئی میدان جنگ نظر نہ آیا۔ اب (رے) واقعہ ایران کا خیال باندھا۔ چند سال پہلے بھی جب کہ فخر الدولہ مرا تھا اور اُس کے صغر سن بیٹے مجد الدولہ کی طرف سے اُسکی والدہ حکمران تھی۔ پردہ میں بیٹھ کر دربار کرتی مناسب احکام دیتی۔ سلطان محمود نے اُسکو لکھا تھا۔ کہ خطبہ و سکّہ محمودی جاری کرے یا جنگ کے لئے آمادہ ہو۔ بیگم نے جواب دیا کہ جنگ وہ حال سے خالی نہیں اگر سلطان کو فتح ہوگی تو ایک بیوہ عورت پر فتح ہوگی کوئی فخر کا مقام نہیں ہوگا۔ اگر شکست ہوئی تو سلطان کی سخت بدنامی ہوگی ؎ چہ مردے بود کز زنے کم بود ۔

سلطان یہ جواب سُن کر اُس وقت تو خاموش ہو رہا مگر جب وہ مردانہ صفت بیگم مرگئی اور مجد الدولہ کو اختیار ملا۔ وہ ایک مطالعہ پسند طالبعلمانہ مزاج رکھتا تھا۔ کتابیں ہر فن کی جمع کر رکھی تھیں علم دوست تھا لیکن شمشیر زن نہ تھا۔ اِس لئے ملک میں ہرج واقع ہوا۔ سلطان جو ایسے موقع کی تاڑ میں تھا جھٹ عراق پر چڑھ گیا۔ ماژندراں میں شمس المعالی قابوس آملا سلطان مجد الدولہ کی فوجی بے انتظامی سُن کر (رے) کو روانہ ہوا۔ مجد الدولہ جو مرد میدان نہ تھا خود آملا اور قید کیا گیا۔ اور معہ بیٹے کے غزنی بھیجا گیا ۔

مجد الدولہ کی پچاس عورتیں تھیں۔ جن میں سے تیس کی اولاد تھی سلطان نے پوچھا کہ اس قدر بیویاں کس مذہب کے موافق کیں ہیں مجد الدولہ نے جواب دیا کہ ہمارے بزرگوں کی یہی عادت تھی اور چند باطنی بھی اُسکے ملازم تھے اُن کو سولی چڑھایا گیا اور جس قدر (رے) میں معتزلہ تھے سب کو خراساں بھیجدیا۔ اُس کے کتب خانہ میں سے معتزلہ اور ملحدین کی کتابیں جسقدر برآمد ہوئیں جلائیں گئیں۔ باقی غزنی کے شاہی کتب خانہ میں لائی گئیں۔ ایران اور عراق کی حکومت اپنے بیٹے سلطان مسعود کو دے کر واپس غزنی ہوا ۔

اب سلطان محمود کی سلطنت سومنات سے لے کر دریائے دجلہ تک اور کوہ یورال سے لے کر کوہ ہمالہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ گویا ایشیا کا شاہنشاہ سلطان محمود تھا ۔

سُلطان محمود کی وفات

اب سلطان کو مرض سوء القنیہ یا سل لاحق ہوئی۔ شاہی ڈاکٹر جسقدر علاج کرتے رہے مرض بڑھتی گئی۔ مگر اولوالعزم اور قوی دل سلطان بیماری کی حالت میں بھی بدستور کارِ سلطنت کرتا رہا۔ اور اسی حالت بیماری میں بلخ کو گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سلطان محمود اُن شاہانہ آرام طلبیوں اور عیاشیوں کی عادت نہ رکھتا تھا جو کہ مؤرخین یورپ مشرقی سلاطین کا خاصہ بیان کرتے ہیں اسی سے سلطان کی عام جفاکشی محنت پسندی اور کاروبار سلطنت سے دلبستگی ثابت ہوتی ہے۔ جاڑے کا موسم سلطان نے بلخ میں بسر کیا اور بہار کے آنے پر غزنی کو واپس آیا اور بیماری بڑھ گئی اور کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ اور ۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۱۹۔ اپریل ۱۰۳۰ء کو ۶۱ یا ۶۳ سال کی عمر میں ۳۵ یا ۳۶ سالہ سلطنت کے بعد وہ شمشیر زن کشور کشا دنیا کا سب سے زبردست شاہنشاہ تیغ اجل سے جان برنہ ہو سکا اور راہی فردوس بریں ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ فلاسفر اور عالم محمود کا اپنا قطعہ صحیح ثابت ہوا ؎

قطعہ

ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست — بے مصاف شکستم بیک اشارت پاء
چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت — بقا بقائے خداست ملک ملک خدا

سلطان میانہ قد خوش اندام چیچک رو چست و چالاک محنتی جفاکش تھا۔ قصر فیروزہ میں دفن کیا گیا ؎

سلطان محمود کے پانچ بیٹے تھے۔ محمد اور مسعود جو توام ایک روز پیدا ہوئے اور یہی غیر فصیل تولید باعث مخالفت آئندہ کی ہوئی باقی تین بیٹے احمد عبدالرحمن۔ عبدالرحیم تھے۔ خزانہ بیشمار تھا صرف سات سو طل جواہرات بیش بہا۔ پچیس سو ہاتھی جنگی اور چار ہزار غلام خاصہ تھے جن میں سے دو ہزار چار گوشہ کلاہ پہن کر اور سنہری گرز لے کر سلطان کی دائیں طرف کھڑے رہتے اور دو ہزار غلام دو گوشہ کلاہ پہن کر چاندی کی گرز لے کر بائیں طرف کھڑے ہوتے۔ اور اسی قسم کے اور سامانِ شوکت تھے جو پچھلی فسوں میں شوکت محمودی کو ضرب المثل بناتے رہے ؎

خزانہ کی جائزہ قبل از مرگ پر نوٹ

سلطان نے قبل از مرگ تمام خزانے ۔ ہاتھی گھوڑے سامانِ سلطنت کا معائنہ کیا۔ کثرت دبوقلمونی وخوشنمائی سے میدان وسیع چمنستان بن گیا۔ یہ ایک واقعہ ہے۔ جس کی فلاسفی کسی مورخ نے بیان نہیں کی کہ کیوں مرض موت میں سلطان نے ایسا کیا۔ مگر فرشتہ جس کو یورپین مورخ مسلمان مورخوں سے مستند اور معتبر جانتے ہیں اور عموماً انگریزی تاریخیں اسی کتاب کی سند پر لکھی گئی ہیں جیسا کہ الفنسٹن صاحب جیسا جلیل القدر مورخ بھی اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۱۵ کے حاشیہ تذکرہ سکندگین میں لکھتا ہے۔ کہ "ہماری تاریخ کی سند خاص تاریخ فرشتہ ہوگی"۔

یہی فرشتہ لکھتا ہے کہ "سلطان محمود ان تمام خزانوں وغیرہ کو دیکھ کر نہ زار زار روتا رہا"۔ سلطان نے کروڑوں روپیہ تیغ وقلم کی قدردانی رعیت کی بہبودی پر خرچ کیا۔ محمودی شان وشکوہ ایشیا میں مدت تک ضرب المثل رہا۔ جو خرچ کثیر اور فیاضانہ عادات کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پس اس قدر خرچ کرنے والے سلطان کو زر ودولت نے نہیں رلایا تھا۔ بلکہ دُنیا کی بے ثباتی اور عدم بقا اور حصول دُنیا کے لئے عام انسانی جدوجہد اور اس کے فناء پذیر نتائج اور اپنی یقینی رحلت اور دنیا ومافیہا سے دوامی جدائی نے اُسکے دل میں رقت پیدا کی اور آنسو بھر لایا یا زار زار روتا رہا۔ اس واقعہ کی اصلیت کو وہ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے جو مہلک بیماریوں میں گرفتار رہ چکا ہو اور حالت بیماری کے خیالات انسانی کو یاد رکھتا ہو یا جس کے سامنے صاحبانِ مناصب وجاہ کی موت کے واقعات گذرے ہوں خدا پرست انسان جو دار عقبیٰ کو مانتا ہے وہ ضرور مرض موت میں رقیق القلب بن جاتا ہے اُسکو موجودہ قوت واقتدار اور آئندہ کی بیکسی وجواب دہی گھبراتی اور زار رولاتی ہے سلطان کا رونا کوئی انوکھی بات نہ تھی یہ خیال کہ سلطان زرہ ودولت کی جدائی کی حسرت کرتا معتقد درست نہیں سلطان ایک پکا مسلمان تھا اسلامی تعلیم نے "کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" کا مضمون اس کے بخوبی ذہن نشین کر دیا تھا۔ مورخ بے مثال تھا۔ شاہنامہ کی داستیں اور طبری کے واقعات سُن چکا تھا۔ شاہانِ عجم وعرب کے اقبال وزوال کی حکائتیں اسکو یاد تھیں۔ دربار کے فضلا وشعرا ان مرضامین کو مؤثر عبارتوں میں سلطان کے سامنے بیان کرتے رہے کیا ایسا سلطان دنیا

فانی پر حسرت کھا سکتا تھا خود سلطان نے جو فقطہ کہا ہے اور اوپر لکھا گیا ہے اس کا مصرعہ
ع "بقا بقائے خدا است ملک ملک خدا" صاف ہماری رائے کی تائید کرتا ہے
پس سلطان کی رقت زر و جواہر کی محبت کے واسطے نہ تھی بلکہ دنیاوی فناء اور دار عقبیٰ کی بقا
کے سبب سے تھی جس کا نمونہ ہم روزمرہ کی وعظوں میں دیکھتے ہیں۔ کہ سامعین وعظ روتے اور
چیختے ہیں۔ اور یہ اسلامی تسلیم کا خاصہ ہے جس نے سلطان محمود جیسے بہادر کے دل کو موم
کر دیا تھا ٭

اور یہ اعتراض کہ سلطان نے کچھ نہ دیا غلط ہے الفنسٹن صاحب بھی تاریخ اردو صفحہ
۵۵۰ پر لکھتا ہے۔ کہ "تھوڑا بہت اُن لوگوں پر تقسیم کیا جن سے وہ رخصت ہونے والا تھا" علاوہ
اس کے قدیم مورخ منہاج سراج بھی اس موقع پر سلطان کی داد و دہش کا ذکر کرتا ہے
جو ایسے رقت آمیز موقعہ اور مرض موت کی حالت میں ملکی دستور کے مطابق بالکل قرین قیاس
ہے۔ افسوس کہ متاخرین نے بلا تحقیق ایسے شہنشاہِ اعظم پر ایسا رکیک الزام لگا دیا جس
کی وجہ ہم تذکرہ فردوسی میں لکھیں گے ٭

سلطان کا تمام مال و دولت کو خزانوں میں واپس بھیجنا قابل اعتراض نہیں ہو سکتا
کوئی گورنمنٹ یا سلطان اپنے احتیاجی خزائن کو لٹا نہیں سکتا حفظ ماتقدم کے لئے شاہی
خزینوں کے علاوہ رعیت کا روپیہ نوٹوں بنکوں کے ذریعہ اپنے قابو میں محفوظ رکھتی ہے اور
ہم نے کسی تاریخ میں نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ نے مرنے کے وقت تمام شاہی خزانوں کو تقسیم
کر دیا ہو۔ اس بے معنی اعتراض کو فارسی مورخوں خصوصاً ہندوستانی وقائع نگاروں نے نفرت
دلانے والے لفظوں میں لکھ کر ناظرین کو سلطان کی طرف سے بدگمان کرنے کا موقعہ نکالا
ہے جو اصول واقعہ نویسی کے خلاف ہے سلطان محمود کے عہد میں دولت کا دریا بہتا
تھا۔ اسی دولت نے غزنی کو عروس ممالک بنا دیا تھا۔ فوجی اور سولین شاہی ملازمت سے
علما فضلا انعام و اکرام جاگیر و معافی سے کاروباری لوگ تجارت و حرفت سے ساکین
سلطانی لنگر شاہی صدقات اور امراء و وزراء کی عام جود و سخا سے نہال ہو رہے تھے اور
جس قدر مستحق سے اُن کو بقول منہاج سراج اور الفنسٹن صاحب دیا گیا۔ اب سلطان
اور کس کو دیتا اور کہاں دیتا۔ افسوس کہ یہ اعتراض غیر منصفانہ بلکہ ظالمانہ کیا گیا ہے ٭

سلطان محمود کے عادات اور مؤرخین

سلطان کی عادات پر مؤرخین اسلام نے علیحدہ بحث نہیں کی جو نہایت ضروری تھی واقعات لکھ دئے ہیں جن سے مطالعہ کرنے والا حسب لیاقت نتیجہ نکال سکتا ہے۔ یورپین مؤرخ جو اس فن میں مشتاق ہیں ضرور لکھتے ہیں۔ مگر استخراج نتائج میں اختلاف رکھتے ہیں ہم نامور مؤرخ انفسٹن صاحب کی تحریر پیش کرتے ہیں اور اسی ضمن میں سلطان محمود کے عادات پر بحث کرینگے۔ انفسٹن صاحب اپنی تاریخ اُردو صفحہ ۵۵۰ و ۵۵۱ پر لکھتا ہے کہ "سلطان محمود اپنے زمانہ کا بہت بڑا بادشاہ تھا اور مسلمانوں کے نزدیک اپنے وقت میں بڑا بادشاہ ہے۔ اگرچہ بعض بعض اوصاف اُسکے بہت مبالغہ سے بیان کئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بہرحال اس شہرت کا مستحق تھا جو اُس نے حاصل کی تھی۔ ہوشیاری اور چستی و چابکی اور دلیرانہ کاموں کی جسارت حد سے زیادہ رکھتا تھا اور ایسی بات کے ملاحظہ سے کہ اُس نے اپنے ملک سے اکثر باہر رہنے کے زمانہ میں اپنی سلطنت کا انتظام و انجام بخوبی قائم رکھا یہ امر صاف واضح ہے کہ وہ حکمرانی کی عمدہ لیاقت رکھتا تھا"

انفسٹن صاحب کا اعتراف اور اعتراض

انفسٹن صاحب نے سلطان محمود کی شاہانہ عظمت۔ فاتحانہ شہرت۔ شجاعانہ جسارت مدبرانہ لیاقت کو تسلیم کیا ہے۔ اور زمانہ حال کے ایک انگریز گورنر کی قلم سے ایسے الفاظ کا نکلنا سلطان محمود کی وقعت کو اُس سے بہت کچھ بڑھا دیتا ہے جسقدر کہ مسلمان مؤرخ لکھتے رہے ہیں ہماری رائے میں صفات مذکورہ سے بڑھکر ایک بادشاہ خود مختار کے لئے اور کسی صفت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ان طبعی اور علمی اوصاف سے سلطنت کی کامیابی متصور ہے جو سلطان محمود میں تسلیم کی گئی ہیں۔ مگر انفسٹن صاحب وسعت سلطنت اور فتوحات کا سبب آس پاس کے ملکوں میں خانہ ویران ہونا بیان کرتا ہے جو ٹھیک نہیں ہے ضرور مسلمان سلطنتیں کمزور تھیں سامانی خاندان کا ابتداء میں وقار قائم رکھتا رہا۔ جب بڈھی ترکوں نے بخارا پر حملات شروع کئے تو محمود کو تلوار نکالنی پڑی۔ خونخوار ترکوں سے کئی معرکہ ہوئے اور جب سلطان ہندوستان کی طرف متوجہ تھا تو ایلک خاں شاہ ترکستان نے

خراسان تک غزنی کا علاقہ دبا لیا۔ سلطان محمود نے ایلک خاں اور اس کے کئی لاکھ خونخوار ترکوں کو جنگ عظیم کے بعد متاصل کیا تھا۔ کیا ایسے خونی واقعات کے ہوتے فتوحات محمودی کے لئے خالی میدان کہا جا سکتا ہے۔ الفنسٹن صاحب یا کوئی اور مورخ زمانہ حال کے شاہان یورپ کی مثال ایسی پیش کر سکتا ہے کہ ایسے خونخوار دشمن کی موجودگی میں کسی غیر ملک پر کامیاب حملہ کیا گیا ہو اگر کسی سخت دشمن نے ملک پر قبضہ کر لیا ہو تو اس طرح پسپا کیا گیا۔ یورپ کی پالیسی کو قطع نظر کیا جائے تو ایسی بہادرانہ مثال ہرگز نہیں مل سکتی ؛

دوسری طرف ہندوستان بھی خالی میدان نہ تھا۔ نتیجہ جنگ نے ہندوؤں کو کمزور ثابت کیا۔ ہندوؤں نے جس قومی اتحاد حب الوطنی جوش مذہب سے محمود کے مقابلے کئے اور جس کثرت و عدت کے ساتھ ہندو سورمے محمود کے سامنے آتے رہے۔ اُس سے ہندوؤں کی شجاعت و بسالت تہور و جسارت جان بازان تھرموپلی (یونان) سے کم درجہ شمار نہیں ہو سکتی۔ نہ بہادروں کی کمی تھی نہ دولت کی۔ پہاڑی وحشی قوموں تک ملک و ملت پر جانیں قربان کرتی رہیں اور محمود کو متعدد موقعوں پر مشکلات میں ڈالتی رہیں۔ ہندوستان سرسبز و آباد تھا۔ رسد رسانی بار برداری کی قلت نہ تھی۔ غزنی کی نوخیز چھوٹی سی ریاست کے مقابلہ پر ایک برِ اعظم تھا۔ اندرونی انتظام میں گو راجگان آزاد تھے۔ لیکن بیرونی مخالفوں کے کاٹنے کے لئے یورپ کی طرح سب کی ایک آواز تھی اور یہ طوائف الملوکی کچھ ضرر رساں نہ تھی۔ اگر ایک سلطنت ہوتی تو ایک دو معرکوں کے بعد ہندوستان فتح ہو جاتا مگر اسی طوائف الملوکی کا نتیجہ تھا کہ سلطان محمود کو قریباً ہر ایک سلطنت کی تسخیر کے لئے نئے سرے سے حملہ کرنا پڑا اور سترہ دفعہ فتح ہندوستان کے لئے فوج کشی کا جدید انتظام کیا۔ اس لئے ہندوستان جس کی تسخیر سے سلطان محمود کو شہرت اور عظمت حاصل ہوئی ایسا خالی میدان نہ تھا۔ کہ ایک معرکہ نکبر ۱۰۰۱ء سے تمام اسلامی طاقت نے برٹش جھنڈے کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور ایک دہلی کے عارضی قبضہ ۱۸۰۳ء نے شاہان مغل کا قائم مقام بنا دیا۔ مرہٹہ اور سکھ دو آزاد طاقتیں تھیں وہی انگریزی سلطنت کی مانع ہوئیں اور سلطان محمود کو ایسی کئی خود مختار جنگجو طاقتوں سے اجماعی اور انفرادی طور سے دست و گریباں ہونا پڑا۔ خود الفنسٹن صاحب اپنی تاریخ اردو صفحہ ۱۰۱ پر اس طوائف الملوکی کو اسلامی فتوحات کا مانع بیان کرتا ہے۔ پھر کس طرح سلطان محمود کے وقت میدان خالی تھا ؛

انفسٹن صاحب کا دوسرا اعتراض

اور

اسلامی قانون سے ناواقفیت

انفسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ "معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ملکوں کے انتظاموں میں کوئی نئی بات اپنی طرف سے ایجاد نہیں کی اور نہ کوئی نیا قانون اور قاعدہ جاری کیا" ضرور جدت پسند یورپین اس کو عیب خیال کرتے ہوں۔ لیکن یہ اُن کی اسلامی قانون (فقہ) سے ناواقفیت کا سبب ہے۔ اگر انفسٹن صاحب قانون اسلام کا مطالعہ فرماتے تو اچھی طرح سمجھ سکتے کہ مجتہدین اسلام (واضعان قانون) نے انتظام ملکی و مالی۔ ملٹری۔ وسول فاتح و مفتوح کے حقوق اور سلوک کی جس وضاحت سے تشریح کی ہے۔ اور جس پر مسلمانوں کے تمام متمدن اور مہذب خلفائے راشدین رضی اللہ علیہم اور خلفائے بنی امیہ اور عباسیہ وغیرہ کا عمل رہا ہے اور اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ ابھی ایک صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی۔ کہ ہمالیہ سے لے کر کوہ یورال اور دیوار چین سے لے کر کوہ پری نیز واقعہ جنوبی فرانس تک تمام قوموں نے فاتحین اسلام کے سامنے گردن جھکا دی اور یہ اثر محض تلوار کا نہیں تھا۔ اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ اس قدر عالمگیر فتوحات اسلامی قوانین کی عمدگی سے حاصل ہوئی نہیں رہ جو ماتحت رعایا سے برتا جاتا تھا۔ سلطان محمود انہیں قوانین کا پابند تھا۔ جن کی پابندی کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں بن سکتا امیر ہو یا فقیر سلطان ہو یا وزیر اسلامی قانون کا ماخذ قرآن ہے جس میں کمی بیشی تغیر و تبدل کا کسی کو اختیار نہیں۔ کیا ایسے مضبوط اور محفوظ اصول قانون کی موجودگی میں سلطان محمود کوئی نیا قانون یا قاعدہ جاری کر سکتا تھا یا کسی نئے قانون کے اجراء کی ضرورت تھی نہیں ہرگز نہیں۔ اگر سلطان محمود ایسا خبط کرتا تو آج وہ بھی اعتزال والحاد سے موسوم ہوتا۔ اور اسلامی قواعد کے قطع برید سے مخرب اسلام کہلاتا۔ اور جس دینی محبت اور اسلامی جوش سے مسلمان اسکے جھنڈے تلے جاں نثاری کیلئے جمع ہوتے رہے اور اس کو مظفر و منصور بناتے رہے کبھی اُس کی تائید نہ کرتے +

ہم یہ بات دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ کسی اسلامی گورنمنٹ کو یورپ کی طرح قانون سازی کی ضرورت نہیں بشرطیکہ شریعت محمدی پر بغیر کسی نفسانی غرض کے عمل کیا جائے

بیت المال کے روپیہ کا مصرف بہبودی رعایا ہے نہ کہ نمایشی کام۔ ٹیکس وخراج کی مقدار محدود وقلیل۔ نہ کہ غیر منتہی اور کثیر غیر قوموں سے سلوک عادلانہ اور اُن کے اسباب وجہ معیشت میں دست اندازی نہ کرنے کی سخت تاکید ہے۔ آزادی اسلام کا اصول ہے ان تمام اصول کا سلطان محمود بہ تقلید شریعت پابند تھا۔ جو ملک فتح کرتا رہا وہ ہندو راجگان کو بخشتا رہا۔ پنجاب کا مجبوراً الحاق کیا تو بھی ملکی انتظام عموماً ہندوؤں کے ہاتھ رہا۔ فوج میں ہندو مسلمانوں کی کوئی تمیز نہ تھی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں اور کون سا جدید قانون وقاعدہ جاری کرتا۔ ضرور آج کل قانون بازی کا زمانہ ہے اور اسی کو لیاقت وتدبیر تصور کیا جاتا ہے۔ مگر اسلام ایسے زبانی جمع خرچ کو انصاف حقیقی سے کوسوں دُور جانتا ہے۔ پس سلطان محمود کو جو شریعت محمدی کا پابند تھا۔ جیسا کہ خود الفنسٹن صاحب مانتا ہے دیکھو تاریخ اُردو الفنسٹن صاحب صفحہ ۵۵۶ سطر ۱۳۔ اُس کو شریعت کے واضح اور مفصل قوانین کی موجودگی میں نہ کسی جدید قانون وقاعدہ کی ضرورت تھی اور نہ سلطان محمود کیا کرسکتا تھا۔ اصول اسلام نہایت مضبوط اور جامع ہیں اُن سے جزئی مسائل ہر زمانہ کی ضرورت کے موافق نکل سکتے ہیں اسلام ٹھہرا نہیں جیسا کہ ایک انگریز نے لکھا ہے البتہ اس کے اصول غیر متغیر ہیں اور جو مسلمان آج تبدیلی چاہتے ہیں ایک دن پچھتائیں گے ؎

ایک اور مؤرخ کی غلطی

پروفیسر صاحب دہلوی تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۳۱ سطر ۴ میں لکھتے ہیں۔ "اگرچہ محمود کی فوج میں کہیں یہ ذکر نہیں آیا کہ ہندوؤں کی فوج نے بھی کوئی کام اُس کی زندگی میں کیا" افسوس کہ فاضل پروفیسر نے تاریخ یمینی میں جنگ ایلک خاں کا ملاحظہ نہیں کیا۔ جہاں ترتیب صفوف کے بیان میں ہندو فوج کا قلب میں کھڑا ہونا لکھا ہے۔ اور ہندوؤں کی فوجی خدمات اور سلطانی الطاف ومرحمت کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور آئندہ سلطان مسعود اور بہرام کے بیان میں بھی کیا جائیگا۔ ہماری تحریر کو کوئی بطور اعتراض نہ سمجھے صرف اصلاح منظور ہے وہ بھی اس خیال سے کہ ہم نے سلطان محمود کی ہندو فوج کے بارہ میں خاص بحث کی ہے اور اسی سے لیتھبرج صاحب کے اعتراض جبریہ اسلام کی تردید لکھی ہے پروفیسر صاحب دہلوی کی تحریر کے مقابلہ میں ہماری تردید ناظرین کو متردد کرتی اس لئے

غلطی مذکور کی اصلاح کرنی پڑی۔ شائقین مطالعہ تاریخ سے خود صحت وسقم کا اندازہ کر سکتے ہیں +

غلط اتہام

الفنسٹن صاحب تاریخ اردو صفحہ ۵۵۷ سطر ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ "مسلمان مورخ محمود کو پکا مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ دہریہ ہونے کا عیب لگاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عاقبت کے معاملہ میں اس کو شک تھا" ہم نے کوئی تاریخ نہیں دیکھی۔ کہ جس میں سلطان محمود کو پکا مسلمان نہ لکھا ہو۔ اگر کسی نے لکھا ہو تو محض تعصب ہے تاریخی استناد سے خالی۔ خود فرشتہ جس پر الفنسٹن صاحب کی تاریخ کا مدار ہے۔ اس بارہ میں ایک لفظ نہیں لکھتا۔ ہاں جو قصہ اس نے العلم درجۃ الانبیاء کے ذیل میں لکھا ہے۔ جس کی صداقت میں شک ہے۔ اس میں بھی صرف یہ لکھتا ہے۔ کہ قیامت کے ہونے میں اس کو شک تھا۔ لیکن اگر کسی شخص کو ایسا شک ہو تو بھی دہریہ نہیں ہو سکتا۔ قیامت کے نہ ماننے سے عقائد اسلام کے مطابق معتزلہ۔ ملحد۔ کہلا سکتا ہے۔ جن کا تمام عمر سلطان محمود دشمن رہا۔ ملتان اور سندھ کے قرامطی۔ ملحد۔ سلطان کے ہاتھ سے اسی جرم الحاد سے تباہ و برباد ہوئے۔ خلیفہ مصر کے ایلچی کو جو ملحد مشہور تھا دربار میں آنے نہ دیا۔ مجد الدولہ دیلمی کو مشتبہ عقیدہ کے عوض قید کیا گیا۔ ایمان کے معتزلہ۔ قرامطہ۔ ملحدین کو قتل کیا گیا۔ رے (اصفہان) کی لائبریری میں جس قدر عقیدے اعتزال والحاد کی کتابیں تھیں جلائی گئیں۔ ہر ایک مشکل کے وقت عاجز بندوں کی طرح خدا کو قاضی الحاجات جاننا اور اس کے حضور میں رو رو کر دعائیں مانگتا رہا۔ اور (بتوں کے) بت شکن کہلانے کی آرزو کرتا رہا۔ کیا دہریوں کے عقاید یہی ہوتے ہیں۔ اگر ایسا شخص پکا مسلمان نہیں ہو سکتا تو کون ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ الفنسٹن صاحب جیسا فاضل ایسا بے بنیاد اتہام لگاتا ہے۔ اور مشہور فرقہ دہریہ کے عقائد سے اپنی عدم واقفیت ثابت کرتا ہے +

سلطان کی خواب اور یورپین مورخ

فرشتہ نے یہ قصہ بحوالہ طبقات ناصری لکھا ہے۔ جس سے پروفیسر دہلوی کو انکار اور مجھ کو بھی پروفیسر صاحب سے اتفاق ہے +

ایک دن سلطان کہیں جاتا تھا فراش شمعدان طلائی اور شمع آگے لئے ہوئے جاتا تھا سلطان نے دیکھا کہ ایک طالب علم اس سبب سے کہ چراغ جلانے کے لئے اسکے پاس خرچ نہ تھا۔ ایک بقال کی دکان کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتا تھا۔ سلطان کو اُس پر رحم آیا شمع و شمعدان اُس کو دیدیا۔ رات کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ "یا ابن امیر ناصر الدین سبکتگین اعزک اللہ فی الدارین کما اعززت درشتی" اس سے سلطان کو حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء اور قیامت کے ہونے پر جو شبہ تھا۔ جاتا رہا۔ اس خواب کو یورپین مورخ حسب عادت ایک فرضی من گھڑت ڈھکوسلا لکھتے ہیں اور سلطان کی چالاکی بتلاتے ہیں +

قصہ مذکور کی اصلیت صحیح ہو یا غلط اور خواب کی خلاسفی خواہ کچھ قرار دی جائے لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ بعض واقعات جزءاً یا کلاً انسان پر قبل از وقت بذریعہ خواب ظاہر ہو سکتے ہیں اور روحانی لوگوں پر غلبہ روحانیت کے وقت بیداری میں ہی القاء الہام وحی کے ذریعہ آئندہ کے حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ حکمائے اسلام (متصوفین) نے عالم ظہور کے جو مرتبہ۔ ارواح۔ مثال۔ جسم قرار دئے ہیں۔ اسی عالم مثال کے سیر کا نام کشف و شہود الہام۔ رویائے صادقہ۔ خواب ہے۔ مثال متصل و منفصل کی بحث کتب تصوف میں موجود ہے۔ جن کے لکھنے کا یہ موقعہ نہیں ہے منفصل کا نتیجہ رویائے صادقہ وغیرہ اور متصل کا پریشان خوابیں جو انسان کے روزمرہ خیالات تصورات اور دنیاوی کاروبار کا مخلوط خاکہ ہوتا ہے۔ میری پچاس سال سے زیادہ عمر ہے اور اس عرصہ میں مجھ کو چند ایسی خوابیں آئیں جن کا نتیجہ درست نکلا اور میرے دوستوں کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مشائخ کبار کی زیارت ہوئی اور اُن میں کوئی بھی مدعی سلطنت یا اعزاز دنیوی کا خواہاں نہ تھا۔ پس سلطان محمود کو اگر واقعی ایسی کوئی خواب آئی ہو اور جناب رسول کریم صلعم نے بشارت دی ہو۔ تو اسلامی فلسفہ (تصوف) انکار نہیں کر سکتا۔ اور سلطان کی فرضی بناوٹ نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ آئندہ کے نتائج اور سلطان کی اسلامی خدمات اور مذہبی شوق نے اُس کو مسلمانوں کی نگاہ میں سچا مسلمان اور معزز فی الدارین ثابت کر دیا +

لہ اے سبکتگین کے بیٹے دونوں جہان میں تم کو اللہ عزت دے تم نے میرے وارثوں (علماء) کی عزت و مدد کی ہے +

سلطان کی درویشوں سے عقیدت

یہ ذکر ہم اس لئے لکھتے ہیں کہ آج کل کے نوجوانوں کو جو صحبت مشایخ سے نفرت اور تعلیم روحانی سے جو اصل الاصول اخلاق ہے۔ کراہت ہے دور رہو۔ اور اُن کو معلوم ہو کہ سلاطین عالیشان اور نامور فاتحان اِس پاکیزہ انفاس گروہ سے کس قدر عقیدت رکھتے آئے ہیں۔ زمانہ اقبال میں اس گروہ کی کسقدر عزت اور ضرورت تھی۔ اور اُن بزرگانِ دین کی راستبازی اور صداقت شعاری غرور سلطنت کو کس طرح دور کرکے اخلاقی تعلیم دیتی تھی۔ اِس ستودہ صفات گروہ کے اسلامی خدمات پر پہلے ہم بعنوان "اشاعت اسلام بذریعہ صوفیائے کرام" کسی قدر لکھ چکے ہیں اور حصہ اول میں بھی فتوحات عظیمہ کے ضمن میں اِن اولیاء اللہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور جس قدر مسلمانوں کو ان بزرگوں سے سرگرمی اور حوصلہ حاصل ہوتا رہا وہ لکھا گیا ہے۔ ہندوستان میں مشایخ چشت۔ سہروردی۔ قادری۔ نقشبندی کو سلطنت دہلی سے تعلق رہا وہ آئندہ لکھا جائیگا۔ اکبر جیسا بانی مذہب بھی۔ اجمیر۔ پاک پٹن وغیرہ مزارات متبرکہ پر جبین نیاز رگڑتا رہا۔ اور شیخ سلیم دوانیال کی کنار عطوفت میں پیارے فرزندوں کو پرورش دلاتا رہا۔ اس لئے یہ گروہ اسلام میں نہایت کارآمد ہے۔ ضرور ہے اے بسا ابلیس مردم روئے ہست کے نمونے بہت ہیں لیکن حقیقی درویشوں کی بھی کمی نہیں صرف سچی تلاش شرط ہے۔

سلطان محمود کا قصہ ذیل اُس شاہنشاہ اعظم کی عقیدت راسخہ کو بخوبی ظاہر کرتا ہے جو اس کو اہل اللہ سے تھی اور ہر ایک مسلمان کو ایسی ہی محبت چاہیئے۔

شیخ المشایخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

اور

سلطان محمود کی ملاقات

فرشتہ بحوالہ تواریخ بنائے گیتی لکھتا ہے کہ جب سلطان محمود خراسان کی طرف گیا۔ تو شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا ارادہ کیا لیکن اس خیال سے کہ میں خراسان کے ملکی انتظام کے لئے غزنی سے چلا ہوں۔ دنیاوی خواہشات کے ضمن میں دوستان خدا کی زیارت کرنی شرط ادب سے دور ہے۔ اس لئے اس سال خراسان سے ہندوستان گیا اور سفر

ہندوستان سے واپس آکر زیارت شیخ کا احرام باندھ کر خرقان پہنچا اور خرقان جا کر شیخ ممدوح کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ سلطان غزنی سے خرقان آیا ہے۔ اگر آپ اپنے مکان سے اٹھ کر بارگاہ سلطانی تک آئیں تو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی فضیلت حاصل ہوگی۔ اس مرد خدا نے جواب دیا کہ میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول سے نادم ہو رہا ہوں۔ اولی الامر منکم کی جانب کس طرح مشغول ہو سکتا ہوں۔ سلطان یہ پیغام حقانی سن کر رو پڑا اگر اطمینان قلب کے لئے امتحان کرامت کرنا چاہا۔ اپنی پوشاک ایاز کو پہنائی اور دس کنیزوں کو غلاموں کا لباس پہنا کر خود ایاز بن کر ساتھ چلا۔ دروازہ صومعہ پر پہنچکر السلام علیکم کہا شیخ نے جواب دیا لیکن تعظیم کے لئے نہ اٹھا ایاز کی طرف جو شاہی لباس پہنے تھا متوجہ نہ ہوا۔ اور سلطان محمود جو حیثیت غلامی میں کھڑا تھا اُدھر توجہ مبذول رکھی سلطان محمود نے کہا کہ اے شیخ تو نے سلطان عہد کی تعظیم کیوں نہیں کی شیخ صاحب نے کہا کہ یہ تمام جال ہے میں اس جال میں پھنسنے والا مرغ نہیں ہوں سلطان نے کچھ ارشاد فرمانے کے لئے کہا شیخ صاحب نے فرمایا کہ نامحرم عورتوں کو باہر نکال دو۔ سلطان نے لونڈیوں کو جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھیں باہر نکال دیا۔ سلطان نے کہا کہ اقوال بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ میں سے کچھ سنائیے۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے دیکھا رقم شقاوت سے ایمن ہوا۔ سلطان نے اعتراض کیا کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا درجہ بایزید سے زیادہ تھا۔ ابوجہل اور ابوسفیان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مستفیض ہوئے تھے وہ کیوں نہ دیدار کرتے ہی سعید ہو سکے۔ شیخ صاحب نے جھڑک کر کہا محمود ادب نگاہ رکھ تو دنیا دی سلطنت کی باتیں سمجھ سکتا ہے یہ رمز معنوی ہے۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو شان مصطفوی میں کس نے سوا چار یار اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے دیکھا چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ سلطان محمود اس دلیل قرآنی کو سن کر بحث سے باز آیا اور مریدان باصفا کی طرح درخواست نصیحت کی شیخ صاحب نے پرہیزگاری۔ نماز باجماعت۔ سخاوت۔ شفقت برخلق کی چار نصیحتیں کیں۔ اور انہیں چار میں حقوق اللہ اور حقوق العباد اور فرائض سلطنت آجاتے ہیں۔ سلطان نے درخواست دعا کی شیخ نے کہا کہ میں تمام پنجگانہ میں اللھم اغفر للمومنین والمومنات۔

کی دعا مانگا کرتا ہوں۔ سلطان نے کہا کہ یہ تو دعائے عام ہے خاص کیجئے۔ شیخ نے کہا عاقبت محمود ہو۔ سلطان نے مہروں کی تھیلی پیش کی شیخ صاحب نے جَو کی روٹی کھانے کو دی سلطان نے ایک لقمہ کھایا حلق میں اٹکا۔ شیخ صاحب نے کہا کہ کیوں نہیں کھاتا سلطان نے کہا کہ گلے میں پھنستی ہے شیخ صاحب نے کہا کہ اسی طرح تیرا بدرہ نذر میرے گلے میں پھنستا ہے۔ اس کو اٹھالے میں دولت دنیا کو طلاق دے چکا ہوں سلطان نے کوئی نشانی تبرکاً مانگی۔ شیخ نے اپنا پیراہن (خرقہ) عنایت کیا۔ سلطان جب رخصت ہوا تو شیخ صاحب تعظیماً کھڑے ہوئے۔ سلطان نے دریافت کیا کہ جب میں آیا تو آپ نے تعظیم نہ کی اور اب جاتی دفعہ تعظیم کی۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو غرور شاہی اور امتحانِ درویشی کے لئے آیا تھا اس لئے تعظیم نہ کی گئی۔ اور اب انکسار درویشی کے ساتھ جاتا ہے۔ اس لئے تعظیم دی گئی +

سلطان کو جب کبھی کوئی مشکل پڑتی خرقہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حرمت سے دعا مانگتا اور قبول ہوتی۔ حملہ سومنات کے وقت جب راجگان ہند کی کثرت اور دیگر جنگی مشکلات نے سلطان کو فتح سے مایوس کر دیا تھا تو بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہو کر دعا کی تھی۔ کہ الٰہی اس صاحب پیراہن کی برکت سے مجھے مخالفوں پر فتح عطا کر دعا منظور ہوئی اور دفعتہً رعد و باراں کی کثرت نے فوج مخالف میں ابتری ڈال دی۔ اور سلطان کو فتح حاصل ہوئی۔ اور نذر معینہ کے موافق مال غنیمت میں سے مال کثیر غربا و مساکین پر تقسیم کیا گیا +

اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان کو رکورانہ اعتقاد رکھنے والا نہ تھا۔ بلکہ ہر ایک کو خوب ٹھونک ٹھانک لیا کرتا تھا متلاشی محقق تھا۔ دوئم صداقت کا تسلیم کرنیوالا منکسر مزاج حلیم الطبع تھا۔ اخلاقی اور سچی تعلیم کو دل و جان سے مانتا تھا۔ اہل اللہ کی خدمت کرتا تھا۔ عطائے خرقہ سے اگر سلطان کو شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ معنوی کہا جائے تو زمانہ حال کے دستور کے موافق غلط نہیں۔ اس سے یا جامع الحکایات کی اس روایت سے جو فرشتہ نے لکھی ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا۔ کہ لوگ حرمین شریفین سے حرم باندھ کر تیرے پاس آیا کریں گے۔ سلطان کی مذہبی حیثیت دیگر مسلمان سلاطین سے بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ خلفائے راشدین کے بعد ایک دو کے سوا اور کوئی سلطان درجات محمودی کو پہنچ نہیں سکتا اس کے غزوات خلافت راشدہ کے مشابہ ہیں اس کی فوج کا اسلامی

جوش قرن اولے سے کم پایا نہیں جاتا اسکی غازیانہ ہمت تہور خالدی کو تازہ کرتی ہے۔ اس کا منصفانہ سلوک اور رحیمانہ برتاؤ امین الملتہ ابو عبیدہ کے سلوک کو یاد دلاتا ہے۔ اسکی عدالت فاروقی عدالت کو زندہ کرتی ہے ؎

سلطان محمود کی عدالت

سلطان محمود کی عدالت گستری کی جسقدر داستانیں مؤرخین نے لکھی ہیں۔ اُن میں سے ہم ذیل کے ایک واقعہ پر کفایت کرتے ہیں جسکی نظیر بقول فرشتہ اور کسی شہنشاہ خود مختار میں پائی نہیں جاتی۔ کہتے ہیں کہ ایک روز ایک شخص فریادی آیا۔ اور عرض کی کہ مضمون استغاثہ سر دربار عرض نہیں کرسکتا شاہِ عدالت پناہ علیحدہ خلوت میں لے گیا اُس نے عرض کی کہ بادشاہ کا بھانجا مدت سے میرے گھر آتا ہے اور مجھ کو کوڑے مار کر باہر نکال دیتا ہے اور میری عورت کے ساتھ صبح تک ہم بستر رہتا ہے۔ میں تمام حکام مجاز سے فریاد کر چکا ہوں مگر کسی کا حوصلہ نہیں پڑتا کہ خود میرا انصاف کرے یا حضور کی خدمت میں گذارش کرے اب میں سب طرف سے مایوس ہو کر حضور کی بارگاہ میں پہنچنے کا منتظر تھا آج موقعہ ملا۔ خدا تعالےٰ نے آپ کو بادشاہ بنایا ہے۔ حقوق رعایا کی جوابدہی بارگاہ الٰہی میں آپ کو کرنی پڑے گی۔ اگر آج مجھ مظلوم کی داد رسی کرینگے۔ تو بہتر ورنہ منتقم حقیقی انتقام لے گا۔ خدا پرست سلطان جو یوم جزا پر پورا اعتقاد رکھتا تھا۔ انتقام الٰہی اور جوابدہی قیامت سے ڈر کر زار زار رونے لگا۔ سلطان نے نہایت پیار و دلاسا سے فرمایا کہ یہ حال کسی اور سے نہ کہنا اپنے گھر چلے جاؤ جب وہ ظالم حسب عادت آئے اور تم کو گھر سے نکال دے آکر مجھ کو خبر کرو۔ اُس مظلوم نے کہا کہ اے شاہ عدالت پناہ مدت سے میں موقعہ تاڑ تا رہا اور آج بہزار مشکل حضور کے اردلی و دربانوں پاسبانوں سے نظر بچا کر حضور تک پہنچا۔ ایسا موقعہ ہمیشہ نہیں مل سکتا میرے جیسے مسکین کو شاہی بارگاہ تک کون پہنچنے دیتا ہے۔ سلطان نے دربانوں کو بلا کر کہا یہ شخص جس وقت آئے مانع نہ ہونا اور جہاں میں ہوں اس جگہ میرے پاس پہنچا دینا اور اس شخص کے کان میں کہا۔ کہ اگر یہ دربان عذر کریں کہ سلطان خواب استراحت میں ہے۔ تو تم نے فلاں مکان پر آکر آہستہ آواز دینا میں سن سکونگا اور تم کو بلا لونگا۔ شخص مذکور اپنے گھر واپس گیا۔ ایک رات دو ساعۃ کے بعد بادشاہ کا بھانجا آدھی رات کو اسکے گھر آیا۔ اور

شخص مذکور کو گھر سے نکال دیا۔ وہ شخص گرتا پڑتا سلطانی محل پر پہنچا۔ پہرہ والوں نے کہا کہ اس وقت سلطان مجلس رائے میں سوتا ہے وہاں ہم اطلاع نہیں کر سکتے۔ وہ مظلوم اس مکان پر گیا جس کا پتہ سلطان نے دیا ہوا تھا۔ آواز دی سلطان فوراً شمشیر بند باہر نکل آیا اور مسکین کے گھر پہنچکر سب سے پہلے شمع کو گل کر دیا جوان بدکاروں کے سر ہانے جل رہی تھی۔ اور تلوار کی دار سے بھانجے کا سر قلم کر دیا اور گھر والے سے پانی منگا کر پیا۔ مسکین نے سلطان سے شمع گل کرنے اور قتل کے بعد پانی منگا کر پینے کی وجہ پوچھی سلطان نے کہا کہ شمع اس واسطے گل کی تھی کہ بھانجے کی شکل دیکھ کر صلہ رحمی کی محبت مانع نہ ہو۔ پانی اس لئے پیا کہ تین روز سے پیاسا تھا جب سے تم نے اپنا پُر درد ماجرا سُنایا میں نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک تمہاری دادرسی نہ کروں اور ظالم کو سزا نہ دوں کھانا پینا مجھ پر حرام ہے اب جو تمہاری تکلیف و مصیبت دور ہو گئی اور میرا عہد پورا ہو گیا۔ پیاس سے بے تاب تھا اس لئے فوراً پانی پیا +

اس قصہ کو اکثر مؤرخوں نے لکھا ہے۔ انگریز مؤرخ ملکم صاحب نے بھی نقل کیا ہے اختلاف صرف اس قدر ہے کہ فرشتہ نے بھانجا لکھا ہے۔ اور ملکم لکھتا ہے کہ قتل سے پہلے معلوم نہ تھا کہ ظالم کون ہے اور سلطان کو کسی شاہزادہ کے مرتکب ہونے کا گمان تھا دونوں میں نتیجہ بے نظیر عدالت پر دہی۔ رحم دلی۔ غریب نوازی ہے اُس کا دروازہ مظلوموں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا وہ مظلوم مسکین کی سخت سے سخت بات بھی سُن لیتا تھا اُس کی عادلانہ نگاہ میں خویش و بیگانہ کی کوئی تمیز نہ تھی۔ زنا وغیرہ جرائم کبیرہ کا سخت دشمن تھا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک مثال کے سوا اور کسی خلیفہ یا سلطان کے حالات میں ایسی حکایات نہیں ملتی اور سلطان محمود سے بڑھ کر کوئی بادشاہ عادل و منصف ثابت نہیں ہوتا۔ نوشیروان جس کی نسل سے ہونے کا سُلطان محمود کو دعوے تھا محمودی عدالت کے سامنے بے وقعت ہو جاتا ہے۔ نوشیروان اگر رحم دل عادل تھا تو سلطان محمود کی طرح شمشیر زن کشور کشاء نہ تھا جنگجو سپاہی کا رحیم و رقیق القلب اور اس درجہ کا عادل ہونا اور عادات متضادہ کا ایک واحد شخص میں پایا جانا مشکل ہوتا ہے۔ اکثر داد خواہ سخت سُست کہتے جیسا کہ ایک بڑھیا نے انتظام سلطانی پر اعتراض کیا تھا اور خدا ترس سُلطان کو بُرا نہ لگا بلکہ ڈاکوؤں کو سزا دے کر رستہ صاف کر دیا۔ اس قدر حلم کی داستانیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا اور کسی میں پائی نہیں

جاتیں۔ اس کے انتظام ملکی۔ عدل گستری۔ مظلوم کی فریاد رسی کی کئی حکایتیں مشہور ہیں ؛

سلطان کی علمی سرپرستی

دو تین خلفائے عباسی اور ایک دو خلفائے سپین کے سوا اور کوئی سلطان اس قدر قدردان علوم نہیں ہوا جس قدر کہ سلطان محمود تھا۔ اُس کی عام فیاضی اور علمی سرپرستی کا شہرہ سنکر رُوم اور مصر تک کے اہل کمال دربار غزنی میں جمع ہو گئے تھے۔ چنانچہ متاخرین کا شاعرانہ مذاق زیادہ بڑھ گیا۔ جو آخر مسلمانوں کے زوال کا موجب ہوا۔ اِس لئے مورخین نے سلطان محمود کے دربار کے صرف شاعروں کے نام لکھے ہیں یہ شاعر اپنے اپنے عہد کے فاضل بھی تھے لیکن مسلمانوں کے غلط مذاق کے سبب سے شاعری کی طرف جھکے ہونگے۔ اور اشخاص میں کامل سمجھے گئے ابوریحان منجم بیرونی جو نجوم و ہیئت وغیرہ علوم عقلیہ کی اعلےٰ لیاقت کے علاوہ کئی زبانیں خصوصاً سنسکرت بھی جانتا تھا۔ محمود کے علمی دربار کا رکن تھا۔ غزنی کا اسلامیہ کالج جو مشرق میں اپنے علمی شان و شوکت میں نرالا تھا۔ اُس میں مشہور فضلائے ایشیا، پروفیسر تھے۔ ان کو اور طلبہ کو شاہی خزانے سے تنخواہ وظیفہ اور تعلیمی سامان دیا جاتا۔ عام فقیہ، مفسر، محدث سلطان کے ماتحت ملکوں میں ضروری مقامات پر درس علوم اور اشاعت اسلام کے کام کرتے اور شاہی امداد پاتے۔ صوفیوں کا متوکل گروہ گو کسی انسانی امداد کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ مگر سلطان کی عقیدت راسخہ کی تقلید میں جو اس روحانی اور پاکباز طائفہ سے رکھتا تھا امراء و عہدہ داران سلطان بقول الناس علےٰ دین ملوکھم" ان لوگوں کی مدد کرتے اور یہ روحانی معلم کو خانقاہیں یونیورسٹی کالج، نئے نئے علاقوں میں کھولتے اِن خالص دینی کالجوں کے اخراجات لنگر عموماً سلطانی اور دیگر امراء کے عطیات سے چلتے تھے۔ غزنی کی لائبریری ہر ایک علم فن کی کتابوں کی مخزن تھی۔ اور یہی علمی سرپرستی ہے جو آج یورپ کی زندہ دل قوم کر رہی ہے۔ مگر محمودی گورنمنٹ کے علمی اخراجات کا مقابلہ یورپ کی کوئی گورنمنٹ نہیں کر سکتی ؛

فردوسی

باوجود اس قدر علوم و فنون کی قدردانی کے پھر سلطان کو زر دوست اور لالچی کہا جاتا ہے اور بخل و حرص کی نسبت دیجاتی ہے وجہ اس کی فردوسی کا معاملہ ہے۔ اس لئے ہم اس قصہ

تنقید کرتے ہیں ۔

فردوسی شاداب ضلع طوس میں پیدا ہوا۔ اصلی نام بقول مؤلف تالیف التذکرہ حسن بن اسحاق بن شرف یا باپ کا نام فخر الدین تھا جو حاکم طوس کا باغبان تھا اس باغ کا نام فردوس کہتے تھے۔ اسی مناسبت سے فردوسی تخلص رکھا اور معنی بھی اس کے بہشتی (جنتی) کے ہیں، وجہ تسمیہ کچھ کہو بہرحال فردوسی تخلص مبارک اور عمدہ ہوا۔ اور اس کی کلام فردوس سے کم مرغوب نہیں ہے۔ شاہنامہ کے پھل پھول بیل بوٹوں کی مہک اہل علم کے داغوں کو ویسے ہی معطر کرتی ہے جیسے کہ فردوس بریں کی ریاحیں مومنین کو سرور دیتی ہے ۔

فردوسی کی عام علمیت کی بابت تو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس زمانہ کے دستور کے موافق ضرور مروجہ علوم کی ڈگری حاصل کی ہوگی۔ اس کی کلام علمی فضیلت کی شاہد ہے۔ اس کی شاعری اکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہے طبیعت کا زور خداداد ہے۔ نظم میں غضب کی آمد ہے آورد نہیں۔ قدرت نے اسکو شاعری کے لئے ہی پیدا کیا تھا اور شاعروں کا سرتاج ہوا۔ اگرچہ اس کی اور کوئی تصنیف اعلیٰ پایہ کی نہیں ہے۔ لیکن ایک شاہنامہ ہی فن شاعری میں ایسی جامع و مانع کتاب ہے جب تک کہ دنیا میں زبان فارسی کا چرچا ہے فردوسی کا درجہ تقدم ایشیائی شاعروں میں وہی ہے جو ہومر یونانی کا یورپ میں۔ آج قریباً نو سو سال گذر چکے لیکن فردوسی کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکا۔ جب زبان فارسی کے اقبال کے زمانہ میں کوئی فردوسی نہیں بن سکا تو آج ادبار و زوال کے وقت کب اُمید ہو سکتی ہے ۔

فردوسی ابھی طوس ہی میں تھا کہ اس کی کلام مقبول ہو چکی تھی۔ اور اعلیٰ پایہ کے شعرا میں شمار ہونے لگی تھی۔ طوس کا حاکم ابو منصور محمد امیر فردوسی کا مربی تھا۔ سلطان محمود کی قدردانی علم و فضل کا ڈنکا بج چکا تھا۔ سلطان کی فیاضی ہر طرف سے ارباب ہنر و کمال کو غزنی میں کھینچ رہی تھی۔ اور چار سو شاعروں کی ایک بلیڈن دربار محمودی میں گونج رہی تھی جن کے سرگروہ (جرنیل) حکیم عنصری۔ رشیدی طوسی۔ فرخی۔ عسجدی منوچہری عصائر رازی وغیرہ تھے۔ فردوسی کے لئے دربار محمودی سے بڑھ کر اظہار لیاقت کا اور کون سا میدان ہو سکتا تھا۔ حاکم طوس نے فردوسی کو سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ اور غزنی میں گیا عنصری کے ذریعہ دربار میں پہنچا۔ اور قصیدہ پیش کیا۔ جس کا ایک مشہور شعر یہ تھا ؎

چو کودک لب از شیر مادر بشست　　بگہوارۂ محمود گوید نخست

قدردان سلطان نے تاڑ لیا کہ یہ شخص پاستان نامہ کو عمدہ نظم میں لکھ سکیگا ؛

پاستان نامہ ماخذ شاہنامہ

یزدجرد شاہ ایران نے ایران کے تمام بادشاہوں کے حالات کیومرث کے زمانہ سے لے کر خسرو پرویز کی تخت نشینی تک جمع کرا کر ایک کتاب پاستان نامہ لکھوائی تھی ۔ فتح ایران کے وقت یزدجرد کی لائبریری (کتب خانہ) سے مسلمانوں کے ہاتھ لگی ۔ یعقوب بن لیث والی خراسان نے ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ معتمد الملک کو حکم دیا کہ خسرو پرویز سے لے کر یزدجرد اخیر شاہ ایران کے فوت ہونے تک حالات پاستان نامہ میں اضافہ کرے اس حکم کی تعمیل میں یہ کتاب ۳۴۶ھ میں مرتب ہوگئی اور مسلمانوں کی تاریخی دلچسپی کے سبب اسکی نقلیں خراسان ۔ تاتار ۔ عراق میں پھیل گئیں ۔ بخارا کے قدردان آل سامان نے پارسیوں کی اس قومی تاریخ کو نظم کرنے کے لئے دقیقی شاعر کو حکم دیا ۔ جس نے ابھی ایک ہزار شعر لکھے تھے ۔ کہ غلام کے ہاتھ سے قتل ہوگیا ۔ فردوسی اسی واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے ؎

یکایک ازو بخت برگشتہ شد　　بدست یکے بندہ برکشتہ شد

زگشتاسپ ارجاسپ بیتے ہزار　　بگفت و سرآمد بر و روزگار

یزدجرد کا کتاب خانہ معہ دیگر مال و اسباب بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا ۔ اور وہ عہد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تھا ۔ دقیقی شاعر تک قریبًا تین صدی گذر چکی تھیں اس وقت تک پاستان نامہ کا محفوظ رہنا اور یعقوب بن لیث کا چند باقی شاہان آل سامان کے حالات کا اضافہ کرا کر ایران کی مجوسی سلطنت کی تاریخ کو مکمل کرنا اور سلاطین آل سامان کا تاریخ مذکور کو پُرجوش اور عام پسند نظم میں لکھنے کی بنیاد ڈالنا اس امر کی قوی شہادت ہے کہ اُس زمانہ میں جبکہ یورپ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی ۔ مسلمان علوم خصوصًا تاریخ کے کسقدر شائق و فریفتہ تھے اور تاریخ قدیم کی خواہ کسی قوم اور مذہب کی ہو کس سرگرمی اور بے تعصبی سے حفاظت اور رفد کرتے تھے ۔ اُن کے اولوالعزم دلوں میں یہ کمینہ خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ مفتوحہ اقوام کی تاریخ اور زبان کا مٹانا استحکام سلطنت کے لئے ضروری ہے ۔ اور نہ مفتوح اقوام کے

بہادروں کے روشن پہلو کو چھپانے اور تاریک پہلو کو دکھانے کی کوشش کرتے تھے وہ غیر مذہب اور غیر قوم کے بہادروں کی تاریخ لکھنے والوں کی اُس سے زیادہ قدر کرتے تھے جسقدر کہ اسلامی تاریخ کے لکھنے والوں کی۔ اور اس قدردانی میں سلاطین اسلام کا مقابلہ مہذب یورپ کبھی نہیں کرسکا۔ گو علمی مذاق میں یورپ بہت کچھ بڑھا ہوا ہے ٭

شاہنامہ جس کی بنیاد سامانیوں نے رکھی تھی سلطان محمود کی سرپرستی میں تصنیف ہوا جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ایشیا کے اسلامی لٹریچر میں رستم زابلی کی شجاعت اور نوشیرواں کی عدالت ضرب المثل ہوگئی اور شمشیر خالدی اور عدل فاروقی پر سبقت لے گئی نظم میں نثر میں جس بہادر یا سخی کو تشبیہ دیتے رستم و نوشیرواں کا تاتی تبلاتے حالانکہ اسلام کے بہادرانِ یکتہ تاز کے متہورانہ کارنامے رستم سے بڑھے ہوئے ہیں اور رستم جیسے شہ زور بہادر زمانہ اقبال میں ہر ایک عہد کے اندر ہوتے رہے خود فردوسی رستم کا معمولی پہلوان ہونا تسلیم کرتا ہے اور لکھتا ہے ؎

منش کردہ ام رستم پہلوان وگرنہ یلے بود در سیستان

خلفائے و سلاطین عادل کی دادگستری نوشیرواں سے کم نہیں۔ خود سلطان محمود کا واقعہ قتل زانی اس کا گواہ ہے مگر باوجود اسکے اسلامی لٹریچر میں صرف رستم و نوشیرواں کا نام ہی زندہ ہے جس کا باعث مسلمانوں کی بے تعصبی عالی ہمتی۔ کریم النفسی ہے اور محمود جس کو متعصب لالچی کہا جاتا ہے۔ اس صفت میں ممتاز ہے ٭

شاہنامہ کی تصنیف

اب یہاں سے اختلاف روایات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور سلطان محمود نشانہ ملامت بنتا ہے لیکن سلطان محمود اور اس کی اولاد کے ہمعصر مؤرخوں نے سلطان محمود کی وعدہ خلافی اور ناقدردانی کا ذکر نہیں کیا اگر اسکو سلطان اور اس کی اولاد کا خوف وہراس کہا جائے۔ تو غزنویوں کے رقیب غوریوں کے نمک خوار منہاج سراج جرجانی مؤلف طبقات ناصری کو کس کا خوف یا لحاظ تھا جو اس قسم کا الزام سلطان محمود پر نہیں لگاتا۔ اور ایسے واقعہ کو جس کو متاخرین نے نہایت اہمیت دے رکھی ہے اور سلطان محمود و فردوسی کے تذکرہ کی جزو اعظم بنا رکھی ہے۔ نہیں لکھتا ٭

فاضل ضیاء برنی جو تاریخ نویسی میں فرد ہے اور کوئی بھلی بُری بات چھپا نہیں رکھتا

اپنی تاریخ فیروز شاہی تذکرۂ علاء الدین خلجی میں حضرت امیر خسرو دہلوی کے جہاں کمالات اور سلطنت کی ناقدردانی کی شکایت کرتا ہے وہاں سلطان محمود غزنوی کی قدردانی و فیاضی جود و سخا کی مثال پیش کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ کاش امیر خسرو جیسا باکمال عہد محمودی میں ہوتا اور فیاض و قدردان سلطان انعام و اکرام و جاگیرات سیر حاصل سے امیر خسرو کو مالا مال کرتا۔ گویا سلطان محمود علم و فضل کی قدردانی میں مورخین ہندوستان و خراسان میں مضرب المثل تھا۔ اس سے بھی پایا جاتا ہے کہ عہد تغلق تک یہ سلطان محمود مورد طعن نہ کور نہ تھا۔ علاوہ اس کے شاہنامہ کی تصنیف و ناقدردانی میں روایات کا اختلاف ہے جو غالباً متاخرین کا اختراع ہے ؛

فردوسی کی شہرت اس کی شاعرانہ لیاقت ہے۔ عہد محمود میں بھی یہ گروہ کثرت سے موجود اور درباروں میں کافی سے زیادہ تصرف رکھتا تھا۔ دہلی میں امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ایک انقلابات میں شاعری کی ٹھاٹھ جمائے رکھی۔ عہد محمد تغلق میں بھی علوم عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ ساتھ شاعری کا رتبہ بھی قائم رہا۔ بعد ازاں طوائف الملوکی میں جبکہ دہلی۔ جونپور گجرات۔ مالوہ۔ دکن کی چند ایک خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ دہلی میں شاعری کا بازار سرد رہا۔ مگر مغلوں کے پر امن عہد میں شاعری تمام علوم سے قدم بڑھانے لگی۔ اکبر کے عہد میں ایرانیوں کی آمد شروع ہوئی۔ اور ہوشیار ایرانیوں نے اہل زبان کی حیثیت میں مغلوں اور ہندوستانیوں افغانوں پر فوقیت جمانے کے لئے فارسی لٹریچر کو زیادہ آب و تاب سے دکھایا۔ عہد اکبر کے فارسی شعرا کی فہرست آئین اکبری وغیرہ کتابوں میں موجود ہے ایرانی منشی و شاعروں کے لئے دہلی ہی قدر و عافیت کی جگہ تھی۔ جہانگیر کے عہد میں تو نور جہان بیگم کی طفیل سلطنت ہندوستان پر ایرانیوں کا ہی قبضہ تھا شاہجہان نے ان فارسی شاعروں کا اسقدر قدر کیا کہ ایک ایک شعر کے صلہ میں انکو سونے چاندی سے تول کر انعام دیدیا۔ پس ان وجوہات سے مسلمانوں میں فن شاعری شریف پیشہ قرار دیا گیا امراء تک شاعری کی طرف جھک گئے۔ اور عام اہل علم نے شاعری کو وجہ معاش بنا لیا حتے کہ علوم مفیدہ کو چھوڑ چھاڑ کر ایک شاعری ہی مسلمانوں کے پاس رہ گئی۔ اور اخیر میں ان کی شاہ سواری کا میدان ایک مشاعرہ بن گیا ؛

ان تمام واقعات نے فردوسی کے قصہ کو خصوصیت دے دی اور اس خیال سے

کہ آئندہ امراء و رؤسا شعرا کی بے قدری نہ کریں اور انعام و اکرام کثیر سے مدد کیا کریں قصہ کی اصلیت کو اُلٹ پلٹ کر اس صورت پر لے آئے کہ سلطان انعام موعودہ کی رقم کثیر کو دیکھ کر اپنے وعدہ سے پچھتایا اور انعام موعودہ کا ۱/۲ حصہ دینا چاہا فردوسی نے انکار کیا اور سلطان کی ہجو لکھ کر شاہنامہ کے ساتھ لگا دی اس ہجو کا ورد عموماً شعرائے مابعد کی زبان پر رہتا تھا اور اہل دول کو سنا کر ڈرایا جاتا اور اپنا اُلّو سیدھا کیا جاتا۔ ورنہ اصل معاملہ اُسی قدر معلوم ہوتا ہے۔ جو مولف تالیف التذکرہ نے لکھا ہے۔ یہ قلمی کتاب کتب خانہ میاں صاحب واقعہ حصار پنجاب میں موجود ہے جو نانویں صدی ہجری میں لکھی گئی تھی ٭

فردوسی عنصری کے ذریعہ دربار محمودی میں پہنچا۔ اور سلطان نے پاستان نامہ کو فارسی نظم میں لکھنے کی خدمت فردوسی کی سپرد کی جس خدمت سے عنصری دل جُدا تھا۔ اول کچھ امتحاناً دیا گیا۔ فردوسی پورا نکلا۔ تالیف التذکرہ میں لکھا ہے کہ سلطان نے تنخواہ مقرر کی اور رہنے کے لئے شاہی باغ میں مکان دیا گیا۔ چار سال تک غزنی میں رہا۔ کبھی کبھی بادشاہ کو تالیف شدہ نظم سُنا آتا اور انعام پاتا۔ چار سال بعد باجازت سلطان طوس چلا گیا چار سال طوس رہا۔ اب چوتھائی شاہنامہ بن چکا تھا سلطان کی خدمت میں پیش کیا نکتہ سنج عالم سلطان نے بہت پسند کیا اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی وزیر سلطان مربی تھا اور ایاز مخالف یا ایاز سے موافقت اور وزیر سے مخالفت بہرحال کوئی نہ کوئی شیر سلطانی فردوسی کا مخالف تھا۔ فردوسی پر قرمطی ہونے کی تہمت لگائی گئی جن کو سلطان عموماً قید و قتل کی سزا دیا کرتا تھا۔ فردوسی نے انکار کیا اور اشعار ذیل فی البدیہہ پڑھے ٭

اشعار

چو در ملک سلطان کہ چرخش ستود — بسے ہست ترساء و گبر و یہود
گرفتند در ظلِ عدلش قرار — شدہ ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردون شکوہ — رہے را شمارد یکے زاں گروہ

سلطان کا غصہ فرو ہوا۔ مگر اس سے اور دشمن وزیر کی چغلخوری سے بادشاہ کو فردوسی سے وہ الفت نہ رہی۔ جو سابق میں تھی۔ مگر تنخواہ وظیفہ برابر جاری رہا۔ شاہنامہ جب ختم ہوا تو پیش کیا گیا۔ بقول مولف تالیف التذکرہ فردوسی کو امید تھی۔ کہ شاہنامہ کے صلہ میں

سلطان کی ندیمی کا منصب اور بھاری جاگیر ملیگی سلطان نے شعر

بہ چشم چو بکشود گنج گہر کنوں پیلوانش دہم گنج وزر

واقعی پڑا۔ اور ایک ہاتھی سونے کی مہروں سے لدا ہوا انعام دینے کا حکم دیا۔ مگر اُس وزیر مخالف نے ساٹھ ہزار درم دئے اور فردوسی نے نہ لئے اور ہجو کہہ کر بھاگ گیا۔ اور باوجود تلاش وجستجو کے نہ ملا۔ ہجو مذکور منوچہر بن قابوس ایک رئیس نے الجیواٹی مثقال سونا دے کر شاہنامہ سے نکلوانے کی کوشش کی اور فردوسی نے منظور کی۔ فردوسی محمود کے خوف سے کہیں ٹھیر نہ سکتا تھا۔ آخر طوس میں آکر چھپ رہا ٭

سلطان محمود نے ایک سرکش گورنر کو بطور تنبیہ خط لکھا۔ اور خواجہ احمد بن حسن کو کہا کہ اگر جواب حسب مراد نہ آیا تو پھر کیا کیا جاویگا۔ وزیر نے شاہنامہ کا یہ شعر پڑھ دیا۔

شعر

اگر نہ بکام من آید جواب من وگزرد میان وافراسیاب

سلطان کو رقت آگئی اور فردوسی کو عطائے انعام کے لئے یاد کیا۔ اور مہربان ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ طوس میں چھپا ہوا ہے۔ ساٹھ ہزار دینار روانہ طوس کیں مگر جس وقت انعام طوس پہنچا۔ اس وقت فردوسی کا جنازہ لئے آتے تھے ٭

نتیجہ

تالیف التذکرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فردوسی ملازم شاہی تھا۔ تنخواہ پاتا تھا اور شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت اُس کے ذمہ تھی اثنائے تالیف میں جب سلطان کو شاہنامہ سُنایا انعام کثیر پایا۔ فردوسی صلہ تالیف میں جاگیر چاہتا تھا اور سُلطان کی ندیمی جس سے لاکھوں روپیہ کی آمدنی ہوتی تھی اور عزت علاوہ۔ سُلطان نے کسی مقررہ انعام کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ اگر ساٹھ ہزار دینار کا وعدہ ہوتا تو پھر جاگیر اور ندیمی کی خواہش فضول تھی ٭

البتہ یہ روایت صحیح ہے کہ ایک ہزار دینار ہزار ابیات کے ذریعہ خواجہ احمد بن حسن میمندی نے بحکم سلطان فردوسی کے پاس بھیجے تھے تو ممکن ہے کہ فردوسی کو اس سے فی شعر ایک دینار

کے صلہ کا خیال بندھ گیا ہوگا۔ یہ وعدہ نہیں ہوسکتا۔ اول تو تنخواہ دار ملازم جس کام کا ملازم ہو اس کام کو سرانجام کرنے پر اگر انعام نہ دیا جائے تو بھی قابل اعتراض نہیں جیسا کہ آج کل ملازمانِ نگسٹ بک کمیٹی کتابیں بحکم گورنمنٹ انگریزی تصنیف کرتی ہے۔ اگر گورنمنٹ انعام دیدے تو اس کا احسان و مروت ہوسکتا ہے کوئی استحقاق نہیں ہوتا۔ اسی طرح فردوسی کی ڈیوٹی شاہنامہ کی تالیف تھی ایام تالیف میں مقررہ تنخواہ کے علاوہ انعام بھی ملتے رہے۔ اور اخیر میں ساٹھ ہزار درم بھی وزیر کی شرارت سے دئے ورنہ بادشاہ دیناروں سے لدا ہوا ہاتھی عطا کرنا چاہتا تھا۔ اور آخیر میں ایک شعر سُن کر اس قدر خوش ہوا کہ معافی قصور کے علاوہ ساٹھ ہزار دینار روانہ کئے۔ اِن تمام باتوں سے نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ کہ سلطان نے کوئی وعدہ نہ کیا تھا۔ فردوسی نے کسی تقریب سے ایسا سمجھ لیا یا جس صلہ کی امید رکھتا تھا اور عنصری کی طرح ندیم بننا چاہتا تھا وہ کسی کی شرارت سے جو عموماً نوو دولتوں کے برخلاف ہوا کرتی ہیں یا فردوسی کے قرمطی یا معتزلہ ہونے کی بدگمانی نے فردوسی کی امیدیں پوری ہونے نہ دیں ساٹھ ہزار روپیہ فردوسی کی اُمید سے کم ہوگا۔ اِس لئے قبول نہ کئے یا وہیں خدمتگاروں کو تقسیم کئے گئے ؛

فرشتہ بھی سُلطان کی قدردانی علماء کو بیان کرتے ہُوئے اس قصہ کی اصلیت پر یقین نہیں کرتا اور ابوالفضل فردوسی کو لالچی سخن فروش کہنے پر کفایت کرتا ہے۔ اور حسب عادت کچھ فیصلہ نہیں کرتا ؛

یہ روایت بھی قابل وثوق نہیں کہ فردوسی نے جو نسخہ سلطان کو دیا تھا اُس کو واپس لیکر اُس میں ہجو اضافہ کردی نہ تو تحویلدار ایسا نادان بچہ تھا اور نہ فردوسی سے ایسی دلیری کی امید ہوسکتی ہے ہاں جو نسخہ فردوسی کے پاس ہوگا اس میں ہجو ایزاد کی گئی ہوگی۔ بشرطیکہ ہجو مشہورہ فردوسی نے لکھی ہو۔ ایسی ہجو زبان سے نکالتے ہی مشہور ہوجاتی ہے سو منوچہر بن قابوس نے ۱۸۰ مثقال سونا دے کر اُس نسخہ سے نکلوادی ہوگی۔ جو فردوسی کے پاس ہوگا مگر اس سے کچھ فائدہ نہ تھا۔ ہجو لوگ سُن چکے تھے۔ اب نسخہ مذکور سے نکلوانا فضول تھا البتہ منوچہر نے سلطان کی خیر خواہی کا بخوبی ثبوت دیا ؛

اب فیصلہ یہ ہوا۔ کہ سلطان نے فردوسی سے مقررہ رقم کا وعدہ نہیں کیا تھا ہاں جو اخیر میں دیا گیا جس میں وزیر کی شرارت تھی یا کسی اور کی اس کو فردوسی نے قبول نہ کیا۔

اور ناقدردانی کا خیال کر کے ناراض ہو گیا جس پر ابوالفضل فردوسی کو لالچی سخن فروش لکھتا ہے اس صورت میں اگر صلہ کم دیا گیا تو کوئی وعدہ خلافی نہ تھی اور نہ بخل و لالچ سلطان کا ابتدائی خیال ؎ کنوں پیلوانش دہم گنج زر ؎ کا اظہار اور اخیر میں شعر ؎

اگر نہ بکام من آید جواب　　من و گرز و میدان و افراسیاب

سُن کر رقت سے آنسو بھر لانے اور فوراً ساٹھ ہزار دینار روانہ کرنے سے فیاض و جواد سلطان محمود کا دامن الزام حرص و بخل سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور یہی رائے الفنسٹن صاحب کی تاریخ اردو صفحہ ۵۵۴ سے مفہوم ہوتی ہے ؎

فوج محمودی اور جہادی جوش

تاریخ اسلام سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتوح و مطیع اقوام کو اسلامی فوج میں بھرتی کرنا اور جنگی حقوق مسلمانوں کے برابر دینا ابتدائے اسلام سے ہی معمول رہا عہد صدیقی میں جب ایرانیوں سے لڑائی شروع ہوئی۔ تو عرب۔ عیسائی۔ بنی نمر وغیرہ اسلامی لشکر میں شامل تھے مصر۔ افریقہ۔ ترکستان۔ ہندوستان کی دیسی قومیں بنی اُمیہ کے جرنیلوں کے حُسن سلوک اور منصفانہ برتاؤ سے فوجی ملازمت کرتی رہیں۔ سلطان محمود بھی اسلام کے اِسی عالمگیر اور فیاض اصول کا پابند تھا۔ اس کی فوج میں۔ عرب۔ ترک۔ افغان۔ ہندو موجود تھے۔ عربی فوج کا سردار عبید اللہ طائی اور ہندوؤں کے تلک ناتھ۔ سکھ پال جرنیل تھے۔ آزاد ترکوں کے علاوہ چار ہزار ترک غلام تھے۔ اور کئی ایک ترک جرنیل۔ خراسان اور ماوراء النہر کے سردار بھی اپنی اپنی قوموں کی کمان کرتے تھے۔ ہر ایک گروہ سے حسب موقعہ کام لیا جاتا تھا۔ فتح ہندوستان میں ہندو فوج عموماً راستوں کی حفاظت۔ رسد و باربرداری کی صیانت۔ پیغام و راہبری کا کام دیتی تھی۔ اور ہندوؤں کو اطاعت کی طرف مائل کرتی تھی۔ فتح و ظفرمندی کا مدار فوج کی برجستگی اور قومی جوش پر موقوف تھا۔ جہاد جسکو بھیانک شکل میں دکھلایا جاتا ہے فوج محمودی کا اصول تھا چونکہ اس جہادی جوش نے دنیا کی تمام قوموں کو پست کیا اس لئے اسلامی جوش معیوب قرار دیا گیا۔ ورنہ جہاد کا دوسرا نام قومی جنگ ہے جو مدافعانہ یا جارحانہ طور سے کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے جنگ کو جہاد سے نہ تعبیر کئے گئے ہوں۔ لیکن ہر ایک فاتح قوم اپنے اپنے اقبال

کے زمانہ میں کرتی رہی اور اُس کا نتیجہ بھی اسلامی جہاد کی طرح - فتح ممالک - قتل و اسیر تاخت و تاراج کلیتاً رہا - آریہ - خالدی - مصری - یونانی - ایرانی - رومی - قومونکی لڑائیوں کے اسباب اور نتائج اسی قسم کے تھے اہل کتاب کے پیشوا حضرت موسےٰ علیہ السلام اور ہندوؤں کے پیشوا رام چندر جی اور سری کرشن کے جنگی کارنامے مسلمانوں کی جہادی لڑائیوں سے کچھ کم نتیجہ خیز نہ تھے - جنگی جوش بڑھانے اور فدائی بنانے کیلئے ہر ایک قسم کے امید و بیم کے وعدہ و وعید دیئے جاتے اور مخالفوں کو کافر - راکھس - ملیچھ کہا جاتا خونریزی میں لنکا کی تباہی اور آتشزدگی مشہور ہے پھر معلوم نہیں کہ ہر ایک قوم کے مقدس بربادی بخش جنگوں کے ہوتے اسلامی جہاد کو مذموم کہا جاتا ہے - حالانکہ مجاہدین اسلام نے مفتوحہ اقوام سے جس قدر احسان و مروت کیا ہے اُس کی نظیر آج یورپ پیش نہیں کر سکتا سلطان محمود نے مقابلہ کرنے والوں کو تکلیف دی مارا - لیکن تاجدار قوموں کے معاملات اندرونی میں دست اندازی نہیں کی - مذہبی یا کچھ جوڈیشل مقدمات کا فیصلہ قوم مفتوح کے ججوں کے ہاتھ تھا - انتظام ملکی میں ہندوؤں کا زبردست ہاتھ رہا - فوج میں مسلمانوں کے برابر حقوق رکھتے تھے ایک جزیہ تھا جس کی مقدار آج کی بیشمار ٹیکسوں کے مقابلہ میں ہیچ تھی عام شرح جزیہ چھ روپیہ اور تین روپیہ سالانہ تھے زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ بیس برس سے کم اور پچاس سال سے زیادہ عمر والے اور عورتیں مفلوج معطل العضو - نابینا - مجنون مفلس جس کے پاس دو سو درم سے کم ہو یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے کسی کے پاس کروڑوں روپیہ ہو اور لاکھوں کی آمدنی رکھتا ہو مقرر جزیہ (ٹیکس) بالا سے زیادہ نہ لیا جاتا تھا کیا ایسا ہلکا ٹیکس جس کی مقدار اس قدر قلیل تھی جس کے ادا کرنے سے فوجی خطرہ خدمت سے نجات مل جاتی تھی جس کی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی کیا ایسی نامعقول چیز ہو سکتی ہے جیسے کہ اہل یورپ نے خیال کی یا ناگوار دکھانے کی کوشش کی کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی جزیہ سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا :-

سلطان محمود نے بقول انفسٹن صاحب کسی ہندو کو مذہب کے لئے قتل نہیں کیا پھر سلطان کی جنگی کارروائی کا سوا کشور کشائی کے اور کوئی نتیجہ نہیں رہتا ہے اور کشور کشائی اگر الزام ہے تو اس سے یورپ ایشیا کی کوئی قوم نہیں بچ سکی اور ہندوؤں کے مقدس دیوتے بھی

ملزم قرار دئے جا سکتے تھے ۔

پس جہاد اور جزیہ کو اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو اُس کے موجد اور مرتکب کوئی مسلمان ہی نہیں ہوئے صرف نام کی تبدیلی اور لفظی بحث ہے ۔ جہاد ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم میں کیا جاتا رہا ہے اور جزیہ کے قلیل مقدار اور چند فوائد کے مقابلہ میں بیشمار ٹیکسوں اور غیر مستقل خراج کا سلسلہ جاری رہا ۔ البتہ جس طرح جہاد سے مسلمانوں نے کام لیا دوسری کوئی اور قوم نہیں لے سکی مگر یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قواعد اسلام کی ترتیب و تعلیم ایسے آسان اور مفید طریقہ پر رکھی کہ جان و مال کا قربان کرنا مسلمانوں میں ایک معمولی کام ہو گیا اور اسلامی شرافت کا مدار جان نثاری پر رکھا گیا ۔ جب کبھی کوئی دیندار سلطان یا لیڈر ہوا تو اُس نے اسی مفید اصول سے بخوبی کام لیا اور مخالفوں کی صدیوں کی کوششوں کو توڑ تاڑ دیا ۔ جن واقعات مجاہدانہ کی تفصیل ہم حصہ اوّل میں لکھ چکے ہیں اور جب کبھی حدیث شریف "ما ترک قوم الجہاد الا عمہم العذاب" کی تعمیل نہ کی اور سلاطین اسلام عیاشی کاہلی کے شکار ہو گئے اور زنانہ خصایل بن گئے ۔ مسلمانوں پر ادبار کی گھٹا چھا گئی اور عزت و عظمت جاتی رہی ۔ سلطان محمود نے اسلام کے اس اصول سے کام لیا اور جہاد کا جوش پھیلایا مسلمان جو صدیوں سے جہاد کا نام بھولے ہوئے تھے اور کسی مجاہد فی سبیل اللہ کے ظہور کی انتظار کرتے تھے ۔ سلطان محمود کی ندائے الجہاد الجہاد سُن کر چاروں طرف سے امنڈ آئے اور بہادر و مدبر سلطان کی کامیابیوں نے اُس کی تلفر جنگی کا ڈنکا بجا دیا ۔ سلطان اور اُس کی فوج مجاہد و غازی کہلانے لگی جس سے بڑھکر اسلام میں اور کوئی خطاب نہیں ہو سکتا اسی جہادی جوش اور جنگی قواعد دانی فوج سے سلطان کو ہندوؤں کی کثیر فوج پر ہر میدان میں فتح حاصل ہوتی رہی ۔ اسلامی فوج کا زیادہ حصہ سوار تھے اور ہندو فوج کا انحصار رتھوں اور ہاتھیوں پر تھا ۔ مگر رتھ ایک بلند و مدمہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا نہ تو سواروں کی طرح دشمن پر حملہ کر سکتا ہے اور نہ سواروں کی طرح بھاگ سکتا ہے نہ دشمن کی زد سے بچا سکتا ہے ۔ لیکن پیادہ فوج میدان میں اس سے زیادہ کام دے سکتی ہے ۔ ہندوؤں کے جنگی ہاتھی بھی بہادران اسلام کو ڈرا نہ سکتے تھے ان ہاتھیوں کے بھگانے اور ہٹانے کے لئے مسلمان کئی مفید تجویزیں نکال لیتے ۔ اور یہی ہاتھی عموماً ہندو فوج کی شکست اور بربادی کا باعث ہوتے ۔ لیکن مسلمانوں کی سواری میں عربی ۔ عراقی ۔ ترکی ۔ بادرفتار

گھوڑے ہوتے جو سوار کے اشارے پر جدھر چاہتے شہباز کی طرح جا پڑتے اور اس حملہ سواروں کے تند سیلاب کو بیل۔ ہاتھی کوئی چیز نہ روک سکتی۔ پیادہ فوج تو شہسواروں کے ہلہ کی تاب کبھی نہ لا سکتی تھی۔ جب مسلمان نیزوں کو تان کر جھپٹتے۔ ہندو صفوں کا ترتیب و انتظام ٹوٹ جاتا اور شکست ہو جاتی۔ پس یہ کہنا بے جا نہیں کہ سلطان محمود کو ہندوؤں کی بیشمار فوج پر ظفرمندی فوج سوارہ اور مسلمانوں کی تنومندی۔ جفاکشی۔ اسلامی جوش سے حاصل ہوئی ہندو بہادر غیور تھے لیکن ایک تو سوار کم رکھتے تھے اور جو تھے وہ شہ سواران اسلام جیسے نہ تھے دوم قوی ہیکل مسلمانوں کی طرح دیر تک جنگی صعوبت برداشت نہ کر سکتے تھے ہتھیار بھی مسلمانوں کے عمدہ تھے۔ ہندوؤں کے ہتھیار پرانی وضع کے تھے اور پھر مسلمانوں کی طرح ورزش نہ رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے تیر باقاعدہ یک لخت اولوں کی طرح پڑتے اور دشمن کا صفایا کرتے بہادران اسلام شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں شہرہ آفاق تھے ان وجوہات سے سلطان محمود اور دیگر مسلمان حملہ آوروں کو ہندو فوج پر فتح حاصل ہوتی رہی :-

سلطان محمودؒ کی مذہبی خدمات

ہم لکھ چکے ہیں کہ سلطان محمود نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان نہیں کیا۔ لیکن جائز طریقوں سے جس قدر ممکن تھا ترقی اسلام میں کوشش کی اول تو اصول اسلام کے مطابق ہندوؤں کو اسلام۔ جزیہ۔ تلوار کا پیغام دیا جاتا۔ کشمیر کے سوا اور جگہ ہندوؤں نے بہت کم اس پیغام سے فائدہ اٹھا کر اسلام قبول کیا کہیں کہیں خال خال ہندو اس طرح اسلام لائے۔ ہاں جو اس طرح اسلام لائے اُن کی تالیف قلوب کی گئی جو ہر ایک قوم کرتی ہے اور اب بھی کر رہی ہے۔ اس تالیف قلوب نے جو شروع اسلام سے جاری تھی ہندوؤں پر ضرور اثر ڈالا ہوگا۔ اور تالیف قلوب کی غرض بھی یہی ہوتی ہے اس کو مذہبی کہو یا پولیٹیکل بہرحال ایک مفید اور پراسن تجویز ہے :-

ممالک مفتوحہ میں سلطان نے مسجدیں تعمیر کرائیں اور نومسلموں کی استقامت اور تعلیم دین کے لئے موذن۔ واعظ۔ معلم مقرر کئے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی صوفیائے کرام نے روحانی مدارس۔ خانقاہیں جاری کر دیں جن کو اگرچہ سلطانی مدد کی ضرورت نہ تھی۔

لیکن سلطانی اقبال راہبری کا کام دیتا تھا اور مسلمان درویشوں کی تلقین و تعلیم میں ہندو مزاحم نہ ہو سکتے تھے۔ اور درویش اپنے اعمال صالحہ کا اثر ڈالتے اور اسلام کی طرف کھینچتے۔ پس سلطان محمود کے عہد میں اگرچہ کچھ زیادہ ہندو مسلمان نہیں ہوئے لیکن ابتدائے عہد کا خیال کریں تو خواہ کس قدر تعداد کم تھی مگر کافی تھی بنیاد رکھنے والا سلطان محمود ہے جس بنیاد پر آج اس قدر وسیع عمارت اسلام تعمیر ہو رہی ہے کہ نو کروڑ متنفس ہندوستان میں اسلام کے نام لیوے ہیں۔ پس اس قدر آبادی اسلام کا بانی سلطان محمود ہے :-

فارسی زبان کا رواج

سلطان محمود کے عہد تک اسلامی گورنمنٹ کے دفتر کی زبان عربی تھی۔ گو ایشیا میں خاندان سامانی خلیفہ بغداد سے جو عربی زبان کا حقیقی سرپرست تھا آزاد تھا اور باطنی برائے نام تھی۔ لیکن اس خاندان کا اقتدار محمود سے کم رہا اور خلافت بغداد کے اثر کے سبب دفتر کی زبان عربی رہی علاوہ اس کے سامانی تاتاری تھے اُن کی ابائی زبان ترکی تھی ایک ترکی زبان اُس وقت فارسی کی طرح مشترک زبان نہ تھی اور رومی فارسی زبان کی طرح عربی کی جگہ لینے کی صلاحیت نہ رکھتی تھی۔ سو تم خود ترک و تاتاری سپاہی پیشہ جنگی لوگ تھے لیکن ایرانی ایشیا کی کل قوموں میں سے زیادہ ہوشیار۔ چالاک۔ زمانہ شناس معاملہ فہم تھے۔ علمی میدان میں بھی ترکوں و افغانوں بلکہ اُس عہد کے عربوں سے بڑھے ہوئے تھے سیاق و سباق میں ایرانی دیگر اقوام میں ممتاز تھے۔ اور دفاتر شاہی میں ایرانیوں ہی کا بالعموم قبضہ و دخل تھا۔ مسلمانوں سے پہلے صدیوں تک فارسی زبان شاہان سلطانی و کیانی کے عہد میں نصف ایشیا کی زبانِ دفتر رہ چکی تھی۔ سلطان محمود کے عہد تک ہوشیار ایرانی اکثر سرکاری ملازمت کے لئے عربی زبان سیکھتے رہے اور عربی کے مشہور ادیب ہوئے لیکن غیر زبان کا ہر ایک ایرانی کو سیکھنا آسان نہ تھا اور اہل زبان عربوں کا مقابلہ مشکل تھا اس لئے ایرانی عربی کی جگہ فارسی کو رواج دینے کے خواہشمند تھے۔ سلطان محمود جس کے دربار میں زیادہ تر علماء اور شعراء ایرانی و خراسانی تھے اور اُن کی تصانیف کا ذریعہ زبان فارسی تھی خود سلطان محمود بھی فارسی کا ہی نکتہ سنج تھا۔ اور غالباً نوشیروانی نسل ہونے کے سبب فارسی کے زندہ کرنے کا خیال بھی گذرا ہو۔ ان تمام بواعث نے

ایرانیوں کو فارسی زبان کے فوقیت دلانے کا حوصلہ دے دیا :-

سلطان محمود کا اول وزیر ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی تھا یہ شخص امیر فائق ملازم سلاطین سامانی کا منشی تھا۔ فائق کے زوال پر سبکتگین کا وزیر ہوا۔ اور سبکتگین کے بعد سلطان محمود کا دس سال وزیر رہا۔ ابو العباس انتظام ملکداری اور سرانجام مہام شاہ و رعیت میں کمال رکھتا تھا۔ لیکن عربی زبان میں ایسا عالم متبحر نہ تھا کہ سلطان کے احکام عربی زبان میں لکھ سکتا اس لئے عربی کی جگہ فارسی میں احکام سلطانی لکھنے شروع ہوئے اور فارسی زبان شاہی دفتر کی زبان قرار دی گئی۔ ابوالعباس کے عہد وزارت دہ سالہ میں فارسی زبان کی طرف میلان ہو گیا اور ترک و افغان وغیرہ اس سلیس اور آسان شیرین زبان کے مخالف نہ ہوئے۔ اور عام ایرانیوں نے جو عموماً اہل قلم تھے اس تبدیلی کا خیر مقدم کیا۔ عربوں کا فخر و مباہات جو عجمیوں پر تھا جاتا رہا عربی زبان جو مذہبی حیثیت سے ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری تھی اور حصول ملازمت اور عزت و عظمت کے لئے مسلمان عربی میں اعلیٰ لیاقت حاصل کرتے تھے اب وہ خیال جاتا رہا ایرانیوں نے عربی کو تار تار کرنے اور فارسی کو ابھارنے کے لئے یہانتک کوشش کی کہ فارسی ادب کی عمدگی اس میں خیال کی گئی کہ عربی الفاظ سے خالی ہو چنانچہ شاہنامہ کی نسبت یہی روایت مشہور ہے عربی الفاظ بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ غرضیکہ اس موقعہ سے جس قدر ایرانی فارسی زبان کو فائدہ پہنچا سکتے تھے اُس قدر پہنچایا گیا۔ ابو العباس کی معزولی پر خواجہ احمد بن حسن میمندی وزیر ہوا۔ جو سلطان کا بادر رضاعی اور ہم سبق تھا۔ اُس کا باپ حسن میمندی عہد سبکتگین میں قصبہ بست کا حاکم تھا بوجہ خیانت صلیب پر چڑھایا گیا وہ کبھی وزیر نہیں ہوا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی جو عربی زبان کا فاضل تھا اُس نے کمر فارسی کی جگہ عربی میں احکام سلطان لکھنے شروع کئے اس کی وجہ تو صحیح صحیح معلوم نہیں ہو سکتی کہ سلطان محمود نے خود بخود ایسا حکم دیا اور کیوں دیا یا وزیر احمد نے ابو العباس معزول شدہ وزیر کی کم لیاقتی اور اپنی اعلےٰ لیاقت کے اظہار کے لئے ایسا کیا کیونکہ دونوں وزیر ایرانی تھے اور نسل کے اعتبار سے دونوں فارسی کے مربی تھے۔ بہرحال گو عربی کو دوسری دفعہ دفتروں میں دخل ملا۔ لیکن یہ دخل عارضی تھا۔ فارسی عربی کی نسبت اہل عجم کے لئے آسان تھی۔ سولہین حکام عموماً ایرانی تھے۔ دفتر عموماً ایرانیوں کے ہاتھ میں تھے۔ غزنی میں تصانیف اکثر فارسی میں ہوتی تھیں اس لئے فارسی مضبوط جڑ پکڑ چکی تھی۔ اور عربی کی اگر عام مخالفت نہ تھی تو صرف مذہبی زبان کی وجہ سے

بیٹھی - ورنہ آرام طلب اور دولت مند باشندگان غزنی عربی زبان کے ادیب بننے سے دل چرانے لگے تھے - سلطان محمود نے اگرچہ خواجہ احمد بن حسن میمندی کے عہد وزارت میں پھر عربی کی سرپرستی شروع کی لیکن ایک دفعہ کے انقلاب نے فارسی زبان کو عربی کا حریف بنا دیا جو سلطان محمود کے بعد عربی کو دفاتر سرکاری سے نکالنے میں کامیاب ہوگئی :-

سلطان محمود نے جہاں ترقی اسلام کے کارہائے نمایاں کئے وہاں اسلام کی مقدس زبان کی کمزوری کی بنیاد بھی رکھی جس کا نتیجہ بعد میں یہ نکلا کہ صرف فارسی انشا پردازی ہی مسلمانوں کا حزینہ ادب رہ گیا - اور عربی کا حصول دوم نمبر پر رکھا گیا اور گھٹتے گھٹتے آج یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ عربی نظم علم ادب مدت سے مسلمانوں سے رخصت ہو چکا ہے اب اسلام کی مقدس کتاب قرآن حمید کا بلا فہم معانی پڑھنا بھی بہت کم دیکھنے میں آتا ہے اور اس تبدیلی نے جو سلطان محمود کے عہد میں شروع ہوئی اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اور آج مسلمان عربی سے ناواقف ہونے کے سبب احکام اسلام سے نابلد دکھائی دیتے ہیں نہ کوئی پاکی و ناپاکی کو جانتا ہے اور نہ حلت و حرمت کو پہچانتا ہے ہزاروں مسلمان ہیں جن کو بمشکل کلمہ شہادت آتا ہو یہ تمام نادانی عربی زبان کے نہ جاننے کے سبب سے پیدا ہوئی ہے - جس کا رواج دنیا زمانہ حال میں بہت مشکل ہے جبکہ مسلمانوں کو اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے ایک اور غیر زبان انگریزی میں کمال پیدا کرنا اور دیگر اقوام سے مقابلہ کرنا ضروری اور لازمی ہے - تو پھر عربی کی دوبارہ زندگی ہندوستان کے مسلمانوں میں کس طرح ہو سکتی ہے :-

اب ہم سلطان محمود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے حال کو ذیل کے قصیدہ عبرت انگیز پر ختم کرتے ہیں

قصیدہ عبرت ناک

اے دل چو خضر آب بقا را چشیدہ گیر — در بر و بحر ہمچو سکندر رسیدہ گیر
گر آرزوئے ساقی و مے و سرت بود — از دست حور بادہ کوثر چشیدہ گیر
آوازہ بزرگی و جاہ و جلال خویش — تا کوہ قاف رفتہ شمار و شنیدہ گیر
گر فی المثل بہ تخت سلیمان نشستہ — روزے چو مور در بن غارے خزیدہ گیر

روزے سہ چار تار ہوس عنکبوت وار
در گوشۂ خرابۂ عالم تنیدہ گیر

خوابیست ایں جہان بمثل نزد عاقلان
ایں خواب را تو عاقبت الامر دیدہ گیر

گنج نہان کہ ہست رسیدن بآں محال
آں را بدست خویش تو ہم آوریدہ گیر

سیر فلک کہ نیست میسر بہر کسے
در عالم مثال ہمہ را دو دیدہ گیر

عمر تو قادری چو فسون و فسانہ ہست
افسانہ را شنیدہ و افسوں دمیدہ گیر

دستِ اجل چو جیبِ بقائے تو میدرد
دستے برآر و دامن یارے گزیدہ گیر

فقط

تمدّن ہند (یعنی ترجمہ اُردو) کتاب الہند

المعروف البیرونی

مصنفہ علامہ ابوریحان بیرونی معاصر و مقرب سلطان محمود غزنوی

جس زمانہ میں کہ سلطان محمود غزنوی اپنے زور بازو سے ہندوستان کو فتح کر رہے تھے اسی زمانہ میں علامہ ابوریحان بیرونی مشہور فلاسفر اسلام بھیس بدل ہندوؤں کے مارل وشوشل۔ غرض ہر قسم کے تمدن کی جستجو کرتے ہوئے ہندوؤں کی پُرانی تہذیب وجملہ علوم ومتبرک کتب اور کمالات روحانی واحوال جسمانی کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندو مسلمانوں میں عداوت ونفرت زوروں پر تھی اور ہندو بزرگ اپنے علوم کو اپنی ہی قوم کے شودروں تک کے لئے محفوظ رکھتے تھے اور کسی کو بتاتے نہ تھے۔ لیکن اپنی اعجاز نما الوالعزمی اور استقلال اور کمالات کے لئے نہایت شوق کے سبب علامہ ابوریحان ہندوانہ فنون میں ہندو علماء سے بڑھ گئے خاص کمال جس کا آپ نے اس بے نظیر تصنیف میں اظہار کیا ہے یہ ہے کہ ہندوؤں کے فلسفہ اور مذہب کو یونانی فلسفہ اور اسلامی مذہب سے مقابلہ کر کے مابہ الامتیاز کو مبّین فرما دیا ہے علاوہ ازیں بعض اہم تاریخی واقعات پر بھی نظر ڈالی ہے بہر کیف قدیم ہند کے تمدن کے متعلق اس سے بہتر کتاب آج تک نہ کسی نے لکھی نہ کوئی لکھ سکا اور نہ کوئی ابوریحاں جیسا عالم اس ملک میں آیا۔ کہ لکھتا لہذا ہم نے اس کا اردو میں ترجمہ کرا کر چھاپنا شروع کر دیا ہے عنقریب خدا نے چاہا ہدیہ ناظرین ہوگی +

العـــــــ

سلطان محمود کے جانشین اور زوال سلطنت

محمدؒ بن محمود

بقول منہاج سراج سلطان محمود کے سات بیٹے محمدؒ مسعودؒ ابراہیمؒ اسمٰعیلؒ عبدالرشیدؒ نصرؒ محمودؒ تھے محمدؒ اور مسعود سب سے بڑے اور ایک دن کی پیدائش دونوں اعلےٰ تعلیم یافتہ اور اخلاق حسنہ سے مزین تھے مگر شجاعت پہلوانی اور عام سخاوت اور رعب و سیاست شاہانہ میں مسعود کل ہمعصروں سے بڑھا ہوا تھا بقول بعض خود سلطان محمود بھی مسعود کے ان اوصاف پر رشک کھاتا تھا مسعود کے زور و طاقت کا اس زمانہ میں کوئی نظیر نہ تھا۔ اس کی گرز کو کوئی پہلوان ایک ہاتھ سے اٹھا نہ سکتا تھا جسکو خود مسعود نہایت آسانی سے اٹھاتا تھا آہنی چادر دوتا خواہ کسقدر موٹا ہوتا اس شہ زور کا تیر پار نکل جاتا سخاوت میں حاتم ثانی مشہور تھا۔ ایام شاہزادگی میں قزوین۔ رے۔ ہمدان۔ طارم کو فتح کیا۔ ملوک دیلمی کو مقہور کیا۔ سلطان محمود جانتا تھا کہ میرے بعد مسعود سلطان ہوگا مگر محمدؒ کی نرم مزاجی اور اخیر کی ناکامی پر خیال کرکے ہر ایک موقعہ پر محمدؒ کی عزت افزائی کرتا اور چاہتا کہ اس کے عہد میں چند روز عزت و آرام سے گذارہ کرے ان وجوہات اور چند ساعت کی بزرگی کے خیال سے سلطان محمود کی وفات کے بعد جبکہ مسعود ہرات میں تھا محمدؒ نے تخت محمودی پر جلوس کیا اور انعام و اکرام جود و سخا میں کوتاہی نہ کی مگر ایک آئین اور پابند ضابطہ فوج کے لئے یہ فعل ضرر رساں تھا مسعود کی عظمت خاص و عام کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی مسعود نے تخت حاصل کرنے کیلئے کوشش شروع کی۔ اور محمدؒ بھی مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ بروایت طبقات اکبری خواجہ ایازؒ اور جرنیل علی معہ غلامان خاصہ کے مسعود کے پاس ہرات کو چل نکلے محمدؒ نے ہندو جرنیل سوندیرائے کو معہ ہندو فوج کے تعاقب میں روانہ کیا۔ فریقین میں سخت جنگ ہوا۔ ہندو جرنیل ہندو بہادروں سمیت مارا گیا اور خواجہ ایاز معہ جرنیل علی کے بخیریت نیشاپور پہنچ گیا۔ اس مقام پر یہ امر قابل غور ہے کہ سلطان کو ہندوؤں پر کامل اعتماد تھا اور ہندوؤں کو سلطان محمود کی فیاضی اور داد و گستری پر اطمینان دربار غزنی میں ہندو اسقدر طاقت و اعتبار رکھتے تھے کہ خواجہ ایاز جیسے مشیر سلطانی اور علی خویشاوند جیسے بہادر سپہ سالار کے تعاقب میں ہندو جرنیل اور ہندو فوج روانہ کیگئی اگر سلطان محمود متعصب ہوتا اور ہندوؤں کو جبراً مسلمان

کرنیوالا ہوتا۔ اور ہندوؤں سے عداوت ونفرت رکھتا تو کبھی اس کے دربار خصوصاً فوجی عنصر میں ہندو اسقدر رسوخ اور عزت نہ پا سکتے اور نہ ہی ہندو ایک ظالم ہندو دھرم کو بگاڑنے والے سلطان کے جانثار ملازم بن سکتے +

مسعود نے بھائی کی تخت نشینی کی خبر سن کر محمدؒ کو لکھا کہ تخت غزنی مبارک ہو مجھکو اپنے مفتوحہ صوبجات بلاد وجبال۔ عراق۔ طبرستان ہی کافی ہیں صرف خطبہ میں میرا نام شامل اور مقدم کر لو محمدؒ نے انکار کیا۔ اور جواب سخت لکھا اور مقابلہ کو تیار ہو گیا اور یکم ماہ رمضان ۴۲۱ھ میں موضع نگینہ آباد کے قریب پہنچا تمام ماہ رمضان وہیں پڑا رہا اس تساہل اور سلطان مسعود کی عام شاہانہ دیانت نے امرا کو محمدؒ سے دل برداشتہ کر دیا اور شوال کی تیسری شب کو محمدؒ کے چچا امیر یوسف اور علی خویشاوند اور امیر احسن میکائیل نے محمدؒ کو گرفتار کر کے خلیج میں قید کر دیا اور تمام امراء معہ فوج ہرات سلطان مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان محمدؒ نابینا کیا گیا اور پانچ ماہ بعد معزول ہوا نمک حرام امرا علی اور حسین مارے گئے اور امیر یوسف سکستگین قید میں مر گیا مسعود کی یہ پہلی غلطی تھی +

ہندو جرنیل اور ہندو فوج

جب سلطان مسعود بلخ کیطرف مصروف تھا۔ احمد خزائنچی سلطان محمودؒ کو بجرم خیانت سلطان مسعود نے جرمانہ کر کے قید کیا تھا اور پھر معافی دیکر کچھ حصہ پنجاب کا حاکم بنا دیا تھا۔ انتقام سابقہ کیلئے باغی ہو گیا سلطان مسعود نے ایک ہندو جرنیل کو جسکا نام فارسی تاریخوں میں ناتھ لکھا ہے اور دراصل ناتھ معلوم ہوتا ہے معہ ہندو فوج کے احمد کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ ناتھ معہ ہندو فوج کے حق نمک ادا کرتا ہوا میدان جنگ میں معہ ہندو فوج کے مارا گیا سلطان نے ہندو سپہ سالار تولک کو جو غالباً لفظ تلک سے مراد ہے ہندو فوج دیکر پنجاب کو روانہ کیا۔ احمد جس کے پاس تمام وہ لوگ جمع ہو گئے تھے جو سلطان مسعود سے ناراض تھے فوج کثیر سے مقابلہ کیا۔ مگر تولک جس کی مدد پر مسلمان سردار بھی پہنچ گئے تھے کئی لڑائیاں لڑ کر غالب رہا۔ باغی فوج کچھ ماری گئی۔ اور باقی قید کی گئی خود احمد دریائے سندھ میں بوقت عبور غرق ہو گیا۔

نوٹ قابل غور نسبت سلطان محمود

ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ جب سو ندیرائے۔ ناتھ تلک جیسے معتبر جرنیل اور ہندوؤں

کی کثیر فوج سلطان محمود کی تربیت یافتہ اور قابل اعتبار جزو فوج تھی تو پھر یہ الزام کہ سلطان ظالم اور ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنیوالا تھا درست نہیں رہتا۔ بتصریح مصاحب اور دیگر یورپین مورخوں نے معلوم نہیں یہ کس تاریخی واقعہ سے سلطان محمود نہیں بلکہ خود اسلام کو بدنام کرنے والا فقرہ لکھدیا ہے کہ سلطان محمود بانکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا غالباً یورپین مورخوں نے سلطان محمود کی ہندو فوج کے خدمات کو مطالعہ نہیں کیا اگر کیا ہے تو غور نہیں کیا اپنی عادت کے مطابق مورخانہ کانشنس کے خلاف ایسے زبردست اور پایندہ اسلام ملکی تدبر اور نصف ایشیا کے خود مختار بہادر سلطان پر ناحق الزام لگادیا ہے جو تاریخ سے صحیح ثابت نہیں ہوتا ہندو سلطان کو فاتح ہندوستان سمجھکر اور لڑائی کا نتیجہ قتل و اسر اور نہب غارت کے سبب اچھا خیال نہیں کرسکتے۔ لیکن اولوالعزم سلاطین میں سے ایک بھی اس جرم سے پاک نہیں خود ہندوستان کے راجگان قدیم۔ راجہ رامچندر جی۔ جودھشٹر۔ ارجن۔ سالباہن۔ رام دیو راٹھور۔ مال چند بانی مالوہ۔ بنگل راجہ بنگالہ۔ فور مخالف راجہ دہلو بانی دہلی وغیرہ کی لڑائیوں کے نتائج بھی قتل و غارت ہی تھے۔

سلطان مسعود کی فتوحات اور سلجوقی حادثات

محمدؒ کی معزولی اور چند مقتدر امرائے محمودی کی تباہی اراکین غزنی میں نفاق کا باعث تھی جو لوگ قتل و ہلاک ہوئے انکے متعلقین سلطان مسعود کو دل سے پسند نہیں کرتے تھے اگرچہ مسعود کے خوف سے کوئی ناجائز حرکت نہیں کرتے تھے لیکن وہ شوق جہاد اور جان فروشی جو سلطان محمود کے عہد میں ظاہر کیجاتی تھی کم ہوگئی۔ سلطان مسعود نے باپ سے بڑھ کر یہ کیا کہ حکام کبیج کمران بھی اسکی ماتحتی میں آگئے اور ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی فتوحات حاصل ہوئیں لیکن سلجوقی ترکمانوں کے روز افزوں فساد نے اسکو ہندوستان میں کوئی بڑی مہم نہ کرنے دی سلجوقی ترکمان ترکستان کی ایک خانہ بدوش قوم تھی جنگلی معاشرت اور خونخوار عادات کے سبب سلطان محمود کی ترکستانی رعایا کو ہمیشہ تکلیف دیتی تھی حکام انتظام سے عاجز تھے اسلئے سلطان محمود نے سلجوقیوں کو خراسان کی طرف جلاوطن کردیا اور ان کے ایک سردار کو قلعہ کالنجر میں قید کیا اسیوقت تک محمود نے اس جلاوطنی کو سلطان محمود کی پولیٹیکل غلطی خیال کیا تھا اور ایسا ہی ہوا بادشاہان خراسان جو ترکستان کی نسبت زیادہ مہذب اور کارباری اشخاص تھے وہ خوارزم سلجوقیوں کا مقابلہ کرسکتے تھے سلطانی افواج سے ہر بار مدد لیتے شاہی فوجیں ان قزاقوں کو [illegible]

لیکن اِن لڑائیوں سے سلجوقیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور سلطانی فوج کو خیال میں نہ لانے لگے اور سلطان مسعود اپنی شاہی جاہ و جلال اور وسیع اور زبردست سلطنت کے بھروسے آوارا گرد اور بے خانماں سلجوقیوں کے فساد و سرکشی کو ایک معمولی بات تصور کرنے لگا۔ اور (سر چشمہ شاید گرفتن بہ بیل) پر عمل نہ کیا اپنے فرزند کلاں مودود کو بلخ کی طرف اور خود ہندوستان کو چلا آیا +

فتوحات سرہند۔ ہانسی سونی پت وغیرہ

اول قلعہ سرستی (سرہند) کو بزور شمشیر فتح کیا جس میں مسلمان تاجروں کو لوٹ کر قید کیا گیا تھا۔ فتح پاکر تاجروں کو تمام مال غنیمت دے دیا اور پھر قلعہ ہانسی کو جسکو اب تک کسی مسلمان فاتح نے تسخیر نہ کیا تھا اور جسکو ہندو ناممکن الفتح خیال کرتے تھے ۴۰ روز کے لگاتار خونخوار جنگ سے فتح کیا اثنائے محاصرہ میں ہندو بہادر قلعہ سے نکلکر بھی دھاوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عین ادائے نماز کے وقت ایک حصہ فوج کو تہ تیغ کر گئے مگر آخر بہادران اسلام نے جانوں پر کھیل کر فصیل قلعہ کو لے لیا محصورین اخیر دم تک لڑتے رہے اور جنہوں نے ہتھیار رکھدیئے۔ بچ گئے یہاں سے سلطان مسعود سونی پت کے قلعہ پر حملہ آور ہوا۔ جو اب تک بہادران اسلام کے ہاتھ سے بچا ہوا تھا معلوم ہوتا ہے کہ محمود اور مسعود کے عہد میں دہلی کوئی زبردست سلطنت نہ تھی اس نواح میں راجہ سونی پت نہایت طاقتور تھا۔ کیونکہ مسعود کا دہلی کو چھوڑ کر سونی پت کی فتح میں ہمہ تن مصروف ہونا سونی پت کی عظمت کو ثابت کرتا ہے اور سلطان محمود نے بھی دہلی پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ راجہ سونی پت دینال ہر نام تھا مقابلہ سے عاجز ہو کر پہاڑوں میں بھاگ گیا اور اس کی ہمراہی فوج قتل و اسیر ہوگئی۔ سونی پت کے بت توڑ دیئے یہاں سے فارغ ہو کر سلطان کوہستان ہمالیہ کے راجہ پر حملہ آور ہوا جس نے بال کشیدہ کی اطاعت اختیار کی۔ اب موسم گرما آگیا۔ اور ترکمانوں کے فساد کی خبریں بھی آنے لگیں اسلئے سلطان اپنے پیچھے ابوالنصر مودود کو بہ نیابت خواجہ ابوالحسن عقیلی وزیر حکومت لاہور دے کر غزنی کو واپس چلا گیا۔

سلجوقی ترکمانوں سے مقابلہ لڑائی اور شکست

(جب سلطان ہندوستان میں آیا ہوا تھا سلجوقیوں نے ماوراء النہر اور خراسان میں لوٹ

مچا رکھی تھی۔ اسلئے ۴۲۸ھ یا ۱۰۳۶ء میں غزنی سے بلخ کو روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں قدر خان شاہ ترکستان کے فوت ہونے اور اُس کے ملک میں خلل و فساد کی خبر ملی۔ سلطان نے چاہا کہ اس موقعہ پر قدر خان کے ملک کو فتح کر کے سلطنت کو وسیع کریں ہر چند امرائے دربار عرض کرتے تھے کہ سلجوقی ترکمان دو سال سے ملک کو تاخت و تاراج کر رہے ہیں لوگ شاہی امداد سے مایوس ہو کر سلجوقیوں کی اطاعت اختیار کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں سب سے مقدم باغی سلجوقیوں کو قرار واقعی سزا دے کر ممالک محروسہ کا انتظام کرنا چاہیئے بعد ازاں غیر ملک پر چڑھائی اور جدید علاقہ کی فتح کا خیال کریں سلطان مسعود نے اپنی ذاتی شجاعت و طاقت اور غرور سلطنت سے اس مفید مشورہ پر عمل نہ کیا اور دریائے جیحون پر پل باندھ کر ماوراء النہر پر حملہ آور ہوا۔ کوئی بھاری مقابلہ نہ ہوا۔ تمام سرداروں نے اطاعت قبول کی۔ مگر ترکمان اس فرصت کو غنیمت جان کر پوری طرح سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے بلخ کے سلطانی گورنر نے اطلاع دی کہ جعفر بیگ داؤد جمعیت کثیر جمع کر کے سلطانی رعایا کو تاخت و تاراج کر رہا ہے سلطان مسعود فوراً بلخ کو روانہ ہوا۔ مگر جعفر بیگ داؤد مرو کو چلا گیا۔ اور طغرل بیگ نے غزنی پہنچ کر سلطانی اصطبل کو لوٹ لیا اور سلطنت غزنی کی آبرو کو خاک میں ملا دیا سلطان مسعود داؤد کے تعاقب میں مرو کو چلا جعفر بیگ داؤد جو ایک دستہ فوج سلطانی کو کچھ عرصہ پہلے شکست دے چکا تھا اسوقت دفع الوقتی کیلئے بشرط عطائے جاگاہ طالب صلح ہوا سلطان جو ترکمانوں کو غرور سلطانی سے کچھ زیادہ طاقتور نہ جانتا تھا معافی دیکر سند تقرری حدود جاگاہ مقرر کر دی اور دوستی سے ہرات کو روانہ ہوا۔ راستہ میں ترکمانوں کی فوج نے سلطانی فوج پر حملہ کر کے نقصان پہنچایا۔ مگر سلطان نے سب کو معہ زن و فرزند قتل کر کے اُن کے سر گھوڑوں پر لاد کر بفیو سردار ترکمانوں کے پاس بھیجدیئے بفیو نے لاعلمی ظاہر کی سلطان ہرات سے نیشاپور اور نیشاپور سے طوس کو گیا۔ جہاں پر ترکمانوں سے مقابلہ ہوا اور شکست دیکر سب کو قتل کیا بعد ازاں قلعوں کو جو ترکمانوں کے متبع ہو گئے تھے فتح کیا۔ اور وہاں کے باشندوں کو ترکمانوں کی اطاعت قبول کرنیکے جرم میں سخت سزائیں دیں۔ طغرل بیگ جسنے خاص دار الخلافہ پر جا ہاتھ مارا تھا اسکی سزا دہی کے لئے ادھر اُدھر دوڑتا پھرا وہ مقابلہ پر نہ آیا کہ اتنے میں موسم سرما آ گیا برف شروع ہو گئی غزنی وغیرہ کے راستہ بند ہو گئے جسقدر فوج خاص سلطان کے ہمراہ تھی اس کو کسی طرف سے مدد نہ ملسکتی تھی یہ چال دیکھکر ترکمان چاروں طرف سے امنڈ آئے اور راہ آمد و رفت بند کر دیا۔ نادان اور متکبر

سلطان جنے ایک خیر خواہ شاعر کے۔ شعر

مخالفان تو بودند مور مار شدند　　برآر از سر موران مار گشتہ وار

عدوے را مدہ ہرگز اماں ایں رہ بیش　　کہ از زہر ہا شود ار روزگار یا بد مار

پر عمل نہ کیا تھا اب جنگ صف پر آمادہ ہوا اور سمجھ لیا کہ جو کچھ خیر اندیش کہتے تھے درست تھا اور ترکمان عجز والحاح دفع الوقتی کیلئے کرتے تھے اب تدبیر کا وقت نکل چکا تھا لڑائی زور شور سے شروع ہوئی تین دن تک خونخوار لڑائی ہوتی رہی تیسرے روز چند امرائے غزنی بقول فرشتہ ترکمانوں سے جا ملے یہ لوگ غالباً وہی تھے جو مسعود کے ہاتھ سے ضرر رسیدہ تھے یا وہ ابن الوقت جو ترکمانوں کی فتح وغلبہ کے آثار دیکھکر جدید انقلاب میں اپنا ذاتی فائدہ خیال کرتے تھے بہرحال کوئی وجہ ہو ان بیوفا امرا کی علیحدگی باقی فوج کی دل شکستگی کا باعث ہوئی اکثر میدان جنگ میں مارے گئے سلطان نے یہ حالت دیکھکر بہ نفس نفیس حملہ کردیا اور ترکمانوں کے کئی بہادروں کو گرز وسناں شمشیر وغیرہ سے مار کر ہلاک کیا اور اس قدر تہور وشجاعت دکھائی کہ رستم واسفندیار کے افسانے بھلا دئے۔ ایسے خونخوار معرکہ میں جو بہادر سلطان کیساتھ تھے افسوس کہ ان کے حوصلے پست ہوگئے اور اس بہادر سلطان کو تن تنہا میدان جنگ میں چھوڑ گئے سلطان یہ حالت دیکھکر فوج دشمن سے باہر نکلنے لگا۔ جدہر منہ کرتا تھا دشمن خود بخود اس کو راستہ دیتے اور مقابلہ سے ہٹ جاتے کسی سلجوقی بہادر کا حوصلہ نہ ہوا کہ اس شیر مرد کو روک سکے سلطان صحیح وسلامت قلعہ مرو میں پہنچا جہاں چند شکست یافتہ سپاہی بھی آملے دشمن سلطان مسعود کی ذاتی شجاعت کے خوف سے تعاقب نہ کرسکا اور سلطان غزنی میں خیر پہنچ گیا اور شکست یافتہ سرداران فوج کو ہندوستان کے قلعوں میں قید کیا یہ شکست طالقان ایسی سخت ہوئی کہ آل محمود کی کا رعب داب ترکستان وخراسان عراق وایران وغیرہ سے اٹھ گیا اور سلجوقی ترکمان وہاں سے سلطان بن گئے اور اسی ایک حادثہ سے خاندان غزنی کا زوال بلکہ استیصال ہوگیا۔

سلطان مسعود کی شہادت

جب سلطان مسعود ترکمانوں کو شکست نہ دیسکا اور امرائے غزنی کے انحراف اور فوج وسامان کی کمی کے سبب مقابلہ نہ کرسکا تو امیر مودود فرزند کلاں کو حکومت بلخ اور امیر یزدیار کو ہندوستان غزنی

اور شاہزادہ مجدود کو ملتان کی حکومت پر مقرر کیا اور خود تمام خزانہ و اسباب لیکر ہندوستان کو روانہ ہوا تاکہ ہندوستان سے تازہ دم فوج لیکر ترکمانوں سے انتقام لے مگر یہ ایک علانیہ کمزوری کی علامت تھی جب غزنی میں رہکر غزنی کی تمام فوجوں سے فائدہ نہ ہوا تو اب ہندوستان کے مسلمان امرا اور چند ہندو ماتحت راجگان پر جو شکر ترکمانوں کے مقابلہ میں کس کام آسکتے تھے۔ مگر بقول "اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِاَحْشَائِشِ" مسعود نے ہندوستان کو امید گاہ خیال کیا جو غلط ثابت ہوا جب بروایت طبقات ناصری مارگلہ واقع ضلع راولپنڈی سے گذر ہوا۔ غلاموں نے جن میں زیادہ تر ہندو غلام تھے شاہی خزانہ کو جو اونٹوں پر لدا ہوا تھا لوٹنا شروع کر دیا اور چونکہ وفادار مخلص جانبازوں کی کمی تھی وہ تمام زر و جواہر جو کبھی ہندوستان سے غزنی گیا تھا ہندوستان کی زمین ہی میں ہندو اور ترک غلاموں نے تاراج کر لیا اور خوف سیاست سے اندھے محمد کو جس کو سلطان مسعود بخیال دور اندیشی ساتھ لایا تھا بادشاہ بنا لیا اور ہجوم کیسے سلطان مسعود کے ڈیرہ پر جا پڑے سلطان سرائے مارگلہ میں قلعہ بند ہوا چونکہ فوج عموماً سلطان مسعود سے ناراض تھی۔ اس لئے اکثر مخالف ہو گئی اور مسعود قید ہو کر سلطان محمد کے روبرو لایا گیا اور ایک قلعہ میں قید کا حکم دیا گیا جہاں سلطان محمد کے خصی فرزند احمد اور سلیمان بن یوسف سبکتگین اور علی خویشاوند کے بیٹے نے جن کے باپ سلطان مسعود کے ہاتھ سے قید و قتل ہوئے تھے بغیر اطلاع سلطان محمد قلعہ میں جا کر سلطان مسعود کو ۴۳۳ھ میں شہید کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۵۴ سال کی عمر میں قتل ہوا مسعود کے فرزند حسب ذیل تھے۔ مودود ۲ مجدود ۳ محمد ۴ ابراہیم ۵ ایذ دیار ۶ فرخ زاد ۷ شجاع مراد ۸ علی ۹

سلطان مسعود کی یادگاریں

بروایت فرشتہ و منہاج سراج یہ بادشاہ کریم النفس بہادر شجاع تھا سخاوت بافراط کرتا تھا۔ خود عالم اور علما و فضلا کا قدردان تھا۔ البوریحان خوارزمی منجم نے بنجوم و ریاضی میں کتاب قانون مسعودی اور علم ریاضی سلطان کے نام گرامی پر معنون کی اور ایک فیل نقرہ انعام پایا قاضی ابو محمد ناصحی نے کتاب فقہ مسعودی اس شاہ فضیلت پناہ کے نام پر تالیف کی مسعود کے اوائل عہد میں جبکہ حوادث کا ظہور نہیں ہوا تھا تمام ممالک محروسہ ہندوستان۔ افغانستان۔ ترکستان خراسان وغیرہ میں اسقدر مدارس اور مساجد تعمیر ہوئیں کہ شمار نہیں ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ سلطان

کے علاوہ امرائے سلطنت نے بھی علمی ترقی میں خوب مدد کی یہ بادشاہ اس قدر سخی و کریم تھا کہ ایک ایک دن میں لاکھ لاکھ درم غربا و مساکین کو تقسیم کرتا تھا۔

ناظرین حیران ہوں گے کہ باوجود اس قدر صفات حمیدہ اُس کو کیوں کامیابی نہ ہوئی۔ جسکو ہم مکرر بطور نتیجہ دوہراتے ہیں تاکہ سلطنت محمود کے زوال کے اسباب معلوم ہو سکیں +

مسعود کی شکست اور زوال سلطنت

مسعود کی مسلمان مورخ بہت تعریف لکھتے ہیں لیکن بعض عیب بھی رکھتا تھا جن کو مورخین اسلام نے نظر انداز کر دیا ہے اگرچہ وہ عیوب اخلاقی اور مذہبی نہ تھے مگر انتظامی نکتہ خیال سے سلطنت کے لئے ضرر رساں تھے +

(۱) سلطان مسعود سخت سزائیں دیتا تھا! و بعض موقعہ پر خلاف مصلحت ملکی عمل کرتا تھا سلطان محمود کو جن امرا نے سلطان مسعود کی خیر خواہی میں معزول کیا یا رہا کی پر علی خویشاوند کو قتل اور اپنے چچا یوسف بن سبکتگین کو قید کیا اور شاہی خاندان اور مقتدر امرا کو بہ ظن کر لیا اگرچہ امرائے مذکور کا فعل نسبت سلطان محمد ہیوفائی پر دلالت کرتا تھا اور مسعود آئندہ اس قسم کی بیوفائی کا دروازہ بند کرنا چاہتا تھا مگر اس نے عام فطرت انسانی اور تاریخی تجربات پر غور نہ کی دنیا میں اس قسم کی بیسیوں نظائر واقع ہو چکی تھیں کہ ایک نے دوسرے مخالف کے ملازموں سے فائدہ اٹھایا۔ نظامی نے سکندر سے الزام قتل دارا بیت کہ خرگوش ہر مرزدا بے شگفت + سگ آں ولایت تواند گرفت • کی ضرب المثل سے دور کیا ہے اور نہیں تو سلطان محمود اور اسماعیل کی لڑائی کے نتیجہ کو دیکھتا کہ مدبر و آلہ اندیش سلطان محمود اسماعیل کے ہمراہیوں سے کس طرح پیش آیا۔ غرض اس غلطی سے امرائے غزنی کو مسعود کی ناقدر دانی اور انتظامی امور سے بے پرواہی اور ناعاقبت اندیشی ثابت ہو گئی۔ اگر اٹھارہویں صدی عیسوی میں مسعود ہوتا تو یورپ کی ترقی دولت کی پالیسی دیکھ کر اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا جس پالیسی سے تمام ایشیا زیر و زبر کیا گیا ہے تدبیر و شمشیر ہر ایک کا اپنا اپنا موقعہ ہوتا ہے۔

(۲) سلطان مسعود خود رائے تھا مشورت و مشورائے جس کی اسلام میں سخت تاکید ہے اور جسکی پابندی اسکا مدبر باپ سلطان محمود کرتا رہا اور ہر ایک طرف کامیاب رہا اس سلطان مسعود بے پرواہ تھا سلجوقی ترکمانوں کی متمردانہ دست و برد کو ابتدا میں معمولی تصور کیا اور اس اغماض سے سلجوقیوں کا حوصلہ بڑھتا رہا اور شاہی رعب گھٹتا رہا۔ تاریخ میں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں

کہ گورنمنٹ کی سہل انگاری سے وہ قومیں جو ہنگامۂ تسلیم کہلاتی تھیں چند روز کامیاب شرارت اور مفسدانہ حرکات سے اس عہد کی گورنمنٹ کے متزلزل کا باعث ہوئیں اور بعض فوجیں تخت فوج کی وارث نیگیئں لیسبوجہ ہر ایک مدبر اور مآل اندیش گورنمنٹ رعایا کے خیالات کی نگراں رہتی ہے اور بغاوت (سڈیشن) کو ہوا کو ملک میں پھیلنے نہیں دیتی اور حتی المقدور اُن لوگوں کے قلع و قمع میں سعی رہتی ہے جنکو وہ سڈیشن (بغاوت) پھیلانے والا خیال کرتی ہے جو شخص ایسی گورنمنٹ کو برا کہے وہ انصاف و دانش سے بہرہ نہیں رکھتا پس سلطان محمود نے شیران بارکی رائے تو نہ کی اور جو سلجوقی فساد کے دفعیہ کا انتظام نہ کیا سلجوقی ترکمان بھیڑ بکری رکھنیوالے شاہسوار اور سلطانی عادت سے تاخت تاراج سے دولتمند بنگئے اور عوام کے اوپر انکی شجاعت کا سکہ بیٹھ گیا اور فوج سلطانی کو انتظام سے قاصر سمجھ لیا اور بھنجوائے ؎

ہزاں جوکہ باز دلو بیم عیار ۔ بترخ زر آرندش اندشمار ۔ سلطان کے مقابل خیال کئے گئے شروع شروع میں جسطرح کہ انقلاب پسند بد باطن فرقوں کا قاعدہ ہوتا ہے سلطان مسعود کو اطاعت کا دھوکہ دیتے رہے اور تیار کیلئے وقت نکالتے رہے سلطان مسعود جسکی سلطنت کوہ یول سے لیکر بحیرہ عمان اور چین سے لیکر دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی مغرور گورنمنٹ کیطرح منافق سلجوقیوں کے زبانی دم جھانسے میں آتا رہا اور برباد ہوا۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ محمودی فتوحات سے امرائے غزنی فارغ البال دولتمند بن گئے تھے اور دولت کا مشہور خاصہ آرام طلبی اور عیاشی ہے جسکے اثر سے ارکان سلطنت غزنی بھی بچ نہ سکے اور اُن جان فروش اور نثار نفس کمیاب نہ ہوئی جو پہاڑ اور غیر قوم سلطان کے سامنے کرتی تھی مقابلہ میں وہ قوم سلجوقی تھی جو ہمیشہ سے تمام دنیا کی دولت کو دونوں کی باہمی کوشش بقول ؎ گرسنہ جو با سیر غائد کباب ۔ بفرہنگ اندر شتاب ۔ کمیاب تھیں اسلئے سلجوقی ترکمان بازی جیت گئے۔ اور غزنیکی فوجیں سلجوقی تلوار کا مقابلہ نہ کرسکیں اور اس قسم کے نازکی نتائج پر پیشگوئی

(۳) جہانتک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے اور طغرل بیگ وغیرہ سلاطین سلجوقیہ کے حالات مطالعہ کئے ہیں جنکا حال کتاب ہذا کے حصہ اول مولفہ فقیر میں درج ہے یہ قوم ابتدائی عہد کے مسلمانوں کیطرح پرجوش جانباز اور پابند اسلام تھی اور اسی پابندی اسلام کے سبب انہوں نے بجائے سلجوقی کے دارالخلافہ غزنی کو فتح کرکے آل محمود کا خاتمہ ان ہی عیسائیوں کے مقابلہ کیلئے کھڑی ہوگئی اور اسلامی فتوحات کی قسطنطنیہ تک دھاک بندھ گئی عام مسلمان ہر عہد میں ایسے پر جوش آزاد اور کارآمد اسلام سلاطین کا خیر مقدم کہتے رہے ہیں سلطان محمود اسی صفت محمودہ کے سبب مظفر و منصور اور عزیز ملت محمدی تھا۔ مگر سلطان مسعود کی نادانی اور ارکین سلطنت کی بزدلانہ مرعوب طبع سے فوج غزنی کی وہ شہرت نہیں رہی تھی اسلئے اسکی جگہ سلجوقیوں نے لی غرضیکہ سلجوقی حوادث نے سلطنت غزنی کو زوال پہنچایا گو اسکا بھی آل محمود میں کئی پشت تک تخت و تاج رہا اور ابراہیم بہرام نام سلاطین گذرے لیکن سلطان محمود کی نسبت انکے پاس بقائے ملک تھا اگر ہندوستان کو نکال دیا جائے تو خالص علاقہ غزنی وغیرہ کوئی بیسواں حصہ رہ جاتا ہے سلجوقی اس علاقہ کو بھی نہ چھوڑتے

لیکن انکی توجہ عمومی عیسائیوں کی طرف ہوگئی اور بعد میں رشتہ داری نے اتحاد پیدا کر دیا اور بعض سلاطین غزنی شاہان سلجوقی کے دست گرفتہ بن گئے اور غیروں کی امداد کے محتاج ہوگئے ۔

مودود بن مسعود

سلطان مسعود کے واقعہ جانکاہ کی خبر سنکر اسکا بیٹا مودود غزنی پہنچکر تخت نشین ہوا اور فوج کثیر لے کر سلطان محمد کا مقابلہ کیا دو روز کی سخت لڑائی کے بعد سلطان محمد معہ اپنے بیٹے احمد وغیرہ اور معزز سرداران لشکر کے قید ہوا محمد اور تمام خاندان مسعود اور اولاد محمد سوائے عبدالرحیم کے قتل کئے گئے عبدالرحیم بن محمد کی رہائی کا یہ سبب تھا کہ جب سلطان مسعود قید ہوا تو عبدالرحیم اور عبدالرحمن دونوں بھائی سلطان مسعود کو دیکھنے گئے عبدالرحمن نے شرارت بے ادبانہ سے سلطان مسعود کے سر سے کلاہ اتار لی اور تمسخر شروع کیا مگر عبدالرحیم نے بھائی کو ملامت کی اور نہایت ادب کیساتھ کلاہ سلطان مسعود کے سر پر رکھدی مودود نے اس خدمت کا صلہ دیا اور عبدالرحیم سے متعرض ہوا اور من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیہا کا نتیجہ اور اٹل نتیجہ ظاہر ہوا اسکے بعد جو علاقہ پنجاب و پشاور وغیرہ سلطان محمد کے بیٹے کے پاس تھا اسکو فتح کیا مگر متلون مزاج اور سخت گیر تھا وزیر اعظم ابونصر احمد جیسے فاضل خیر خواہ کو معزول اور بعض امراء کو بھی معتوب و مقتول کیا بالآخر تمکر امراء کا عروج اسی عہد میں ہوا فوج غزنی کا سپہ سالار تھا تمکر امراء کو چند شکستیں دیں مگر آخر باغی ہوا اور شکست پاکر سلجوقیہ نے جا ملا اگرچہ جعفر بیگ سلجوقی کی لڑکی کا سلطان مودود سے نکاح ہوا مگر سلجوقی ترکمانوں کی تاخت و تاراج سے علاقہ غزنی محفوظ نہ رہا سلطان مودود کی ذاتی شجاعت اور مستعدی اور عام لیاقت نے بقیہ علاقہ غزنی کو بچایا مگر بہ تمام معرکے مدافعانہ تھے اور ترکمانوں کے جارحانہ ایسی سلطنت غزنی اور سلجوقی کے طاقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ہندوستان میں اسکا بھائی مجدود ملتان و سندھ ہانسی و تھانیسر کا حاکم تھا مگر دونوں بھائیوں میں اختلاف تھا مجدود نے مسعود جسکا وزیر خواجہ ایاز تھا قلعہ ہانسی میں متیم اور دہلی پر چڑھائی کرنیکی تیاری کر رہا تھا جبتک شادان غزنی اسکا مطیع رہا اور اپنے خرچ سے ہندو طاقت کو ٹٹولتا رہا تھا مودود نے لشکر جرار مجدود کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا مجدود بھی فوراً ہانسی سے لاہور پہنچ گیا جسکو مودود کے لشکر نے گھیر رکھا تھا اور امراء غزنی جو عموماً انقلاب پسند تھے مودود کی خفیہ طور پر مخالفت کرنیکو تیار تھے کہ ناگاہ عید الضحی کی صبح کو مجدود اپنے خیمہ میں مردہ پایا گیا اور کیفیت ظاہر ہوئی کہ مودود کی خفیہ سازش کا نتیجہ ہوا اسکے بعد خواجہ ایاز بھی لاہور میں مر گیا اور لشکر لاہور مودود کی فوج کا حصہ ہو گیا اور دہلی کے سوا تمام علاقہ مودود کے تصرف میں آگیا اور ترقی اقبال کی علامتیں پیدا ہوئیں اور امید تھی کہ سلطان مودود ہندوستان میں فتوحات کا دروازہ کھولیگا مگر سلجوقی ترکمانوں کے خوف سے غزنی سے زیادہ عرصہ کیلئے جدا نہ ہو سکتا تھا اور ہندوستان میں اعلیٰ پیمانہ پر کوئی مہم روانہ نہ کر سکتا تھا ۔

ہندو راجگان کا اپنی طاقت بڑہانا اور تہانیسر نگرکوٹ کا مسلمانوں سے چھیننا

محمد داود اور اسکے تجربہ کار وزیر خواجہ ایاز کی موجودگی اور مستعدی سے ہندو راجگان سر نہ اٹھا سکتے تھے۔ اور کم و بیش خراج ادا کرتے اور اظہار وفاداری سے جو بخوف دفع اولیٰ تھی سلاطین غزنی کو دم جہانسلیتے تھے جوں ہی محمد داود خواجہ ایاز فوت ہوا اور مودود ترکمانوں کے فساد روکنے میں مصروف ہوا علاقہ پنجاب وغیرہ صرف امراء اسلام کے سپرد رہا جو سلطان غزنی کی طرف سے ملتعین تھے ایسے وقت میں ہندوؤں نے پر پرزے نکالنے شروع کئے ۴۰۴ھ میں راجہ دہلی نے راجگان کے اتفاق سے قلعہ تہانیسر امراء اسلام سے چھین لئے اور لاہور تک تمام علاقہ فتح کر لیا نگرکوٹ کو چار ماہ کے محاصرہ کے بعد بڑے اہتمام اور تدبیر سے فتح کیا جسکا ذکر ہم آگے چلکر کرینگے مودود کی فوجیں پنجاب میں علی کوتوال کیساتھ بھیجی گئیں مگر سند پنجاب سے آگے نہ بڑھ سکیں صرف پنجاب کے سرحدی علاقوں کو ہی سنبھال سکیں ہیں +

ہندو جرنیل نوج غزنویہ

علی کوتوال پنجاب نے بجرائے ہندو کے جو سلطان محمود کے عہد میں ایک معتمد سپہ سالار تھا اور سلطان محمود کے سامنے عمدہ خدمات ادا کر چکا تھا مودود کے عہد میں ناراض ہو کر غزنی سے بھاگ آیا اور کوہستان کشمیر میں سرکشانہ طور سے رہتا تھا علی کوتوال نے اسکو وعدہ وعید دیکر اپنے پاس بلا لیا اور غزنی بھیجدیا جہاں سلطان مودود نے بجرائے کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا اور بجرائے خدمات سلطانی میں بدستور عہدہ جرنیلی معروف ہوا +

نوٹ

بجرائے ہندو جرنیل کا سلطان محمود کے عہد میں جانفشانی سے خدمات ادا کرنا اور مودود کے عہد میں جدا ہونا اور پھر سلطنت غزنی کا ملازم ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اسوقت کے ہندو سلطان محمود کے سلوک سے ناراض نہ تھے +

ہندوؤں کی پولیٹکل لیاقت اور ہندو سلطنت کی بحالی

ذیل کا واقع تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے جو آجسے چار صدی پیشتر کی تصنیف ہے جبکہ مسلمان مورخوں کو آجکل کیطرح کسی معترض و مخالف کا خوف و خطر نہ تھا اور نہ انکو زمانہ حال کیطرح بیشمار پالیسیوں کو لگاہ میں رکھنے کیضرورت تھی اسلئے انکی روایت میں خانہ ساز افسانہ گوئی اور دروغ بافی کو زمانہ حال کیطرح امکانی گنجائش نہیں تھی میں اس واقعہ کو محض اس خیال سے قلمبند کرتا ہوں کہ اسوقت کے ہندوؤں کے پولیٹکل دماغوں اور زمانہ اور وقت کیضرورتوں کے مطابق تجویز سوچنے اور ہندوستان کے عام رجحان عقاید کا علم ناظرین کو ہو سکے ہندو ناظرین مجھکو معاف فرمائینگے یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عقیدہ اور مذہب کو لوگوں کے دلوں پر کسقدر دخل ہے اور جو کام کسیطرح سے ڈنکل سے اسکا انجام مذہبی روایات سے آسان ہے ہندوستان میں خواہ کتنی ہی زبردست پولیٹکل مشکلات کی دیوار کھڑی کیجائے مذہبی روایت اسکو توڑ سکتی ہیں۔ اور یہ طاقت

ہندوؤں میں جبتک کوئی خالص ہندو رہینگے موجود رہے گی اور ہندوؤں کو اس قسم کا فخر کرنا بجا ہے ہر ایک زمانہ کے اندر ہندو قوم میں ایسی تجاویز سے کام لینے والے نکلتے رہے ہیں قوم کے مردہ جوش کو تازہ اور زندہ کرتے رہے ہیں واقعاتی قسم کی مثال سے فرشتہ لکھتا ہے کہ جب سلطنت غزنی میں ضعف پیدا ہوا اور اولوالعزم سلطان محمود جیسا کوئی فاتح نہ نکلا اور آل محمود کی میں تلوار چلنے لگی تو زمانہ شناس ہندوؤں نے کروٹ بدلی اور اطاعت کا جوا اتار کر اپنی سابقہ عظمت کے بحال کرنیکی درپے ہوئے انکا سرغنہ راجہ دہلی تھا کیونکہ پنجاب سے آگے پہلے دہلی ہی تھی جسکو سب سے پہلے اسلامی سیلاب کا صدمہ برداشت کرنا پڑتا تھا اس مدبر اور دوراندیش راجہ نے ہندو راجاؤں کو مسلمانوں کے برخلاف متفق کر لیا مگر عوام کے دلوں پر جو بہادران اسلام اور سلاطین غزنی کا دبدبہ برس بیٹھا ہوا تھا وہ راجہ دہلی کی تجویز کو کامیاب ہونے نہ دیتا تھا اور عام ہندو مسلمانوں کے مقابلہ سے ٹل جاتے تھے اور غفلتہً راجہ دہلی کی مدد پر آمادگی ظاہر کرتے تھے میدانی علاقہ کا دوبارہ فتح کرنا تو آسان تھا مگر نگرکوٹ کا کوہستانی اور ناممکن الفتح دشوار گذار قلعہ کا قبضہ تصرف میں لانا خوف زدہ ہندوؤں کی مدد سے مشکل تھا راجہ دہلی نے مشورہ ایک برہمن مشہور کیا کہ خواب میں مجھکو بت نگرکوٹ دجوالامکھی نے فرمایا ہے کہ میں چند سال غزنی میں اسوا سطے مقیم رہا اس بت کو سلطان محمود نے حسب عادت غزنی لیجاکر پیسپر کیا تھا کہ سلطنت غزنی کو زوال پہنچاؤں اور محمود کی اولاد میں اختلاف و ضعف پیدا کروں جو غزنی رہ کر بخوبی کر چکا ہوں اب میں اپنے معتقد ہندوؤں کی مدد کیلئے ہندوستان واپس آیا لاہور تم ہندوؤں کو کہدو کہ ہندو علاقہ جو مسلمانوں نے فتح کیا ہے واپس لیں اور نگرکوٹ کو فتح کریں میں بھی تمہاری مدد کیلئے اپنی اصلی مرکز نگرکوٹ میں آتا ہوں۔ راجہ جسکو پرمیشر کا روپ کہا جاتا ہے اسکی بناوٹی خواب کو عام ہندوؤں نے صحیح تسلیم کیا اور بت نگرکوٹ کی واپسی اور امداد کو یقینی تصور کر لیا اور خاندان غزنی کے اختتال کو جو بت شکن کو قرار دیا اور اس غیبی تائید کی امید پر مسلمانوں کے برخلاف عام ہندوؤں کے دلوں سے اٹھایا گیا ہوشیار راجہ نے خفیہ طور سے ایک بت اسی قسم کا بنوالیا اور نگرکوٹ کے مسلمان قلعہ دار نے چار ماہ تک مقابلہ کیا آخر راجہ کے وہ خود ساختہ بت ایک رات کو ایک باغیچہ میں رکھوا دیا یا غیبان نے بت مذکور دیکھا ہوا تھا فوراً راجہ کے پاس دوڑ گئے۔ اور خوشی کا عام شور مچ گیا راجہ معہ سرداران و پنڈتان وغیرہ برہنہ پا معہ نذر و عدد قات بت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بت کے پاؤں پر سر رکھکر شکریہ قدوم بجا لایا اور یہ کہکر چونکہ مہاراج ایک رات میں غزنی سے یہاں پہنچے ہیں آج آرام کریں کل یہاں دربار عام ہوگا دوسرے روز راجہ اور دیگر معززین ہندو و سنقدگران بہا نذریں لیکر حاضر ہوئے کہ حملہ محمود سے جسقدر پہلے نگرکوٹ میں دولت تھی اسیقدر مال و دولت جمع ہو گیا اسی برہمن مشیر بت کے پاس گیا تھا حاضرین کو کہا کہ مہاراج بت کا حکم ہے کہ جلدی میری اصلی جگہ واقعہ قلعہ نگرکوٹ کو تسخیر کرو ہندو اس حکم کو سنکر اس جوش و خروش سے قلعہ پر حملہ آور ہوئے کہ مسلمان حاکم قلعہ جو چار ماہ سے لڑ رہا تھا لاہور کیطرف سے کسی امداد کے نہ پہنچنے کے سبب طالب امان ہوا اور محض جان لیکر لاہور کو روانہ ہو گیا

قلعہ پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا اس واقعہ سے نگرکوٹ کے بت کی کرامات کا دور دور تک شہرہ ہو گیا اور بت پرستی کا رواج بدستور پڑ گیا ہندو جانتے ہیں سابق سے زیادہ نگرکوٹ جانے لگے اور چڑھاوے دینے لگے ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ موحدانہ نگاہ سے یہ افعال کیسا ہی شرمناک ہوں مگر پولیٹیکل نگاہ سے معیوب نہیں اس تجویز سے قوم کے جنگی جوش کو تازہ کیا گیا مسلمانوں کا خوف ہندوؤں کے دلوں سے اٹھایا گیا اور اس تجویز سے ہندوؤں کو سرفراز بنایا گیا راجہ دہلی کی یہ ایک پولیٹیکل تجویز تھی جس سے کامیابی حاصل کی گئی اور ہر آن بدست آور د ہمکناں خیم خور اخکست آمد پہ کیصداق تھی بعد میں بھی کسی کسی مذہبی تحریک سے ہندو قوم کو ابھارا گیا کی تفصیل کا یہ مقام نہیں فہمیدہ ناظرین خزانہ کیحالات سے واقف ہیں تھوڑی سی غور سے میری اس چیز لئے کی تصدیق کر سکتے ہیں ؛

ہندوؤں کا لاہور پر حملہ اور ناکامیابی

نگرکوٹ کی فتح کے بعد ہندو طاقت بڑھ گئی اور بت نگرکوٹ کی واپسی اور مصنوعی حکایت سے ہندوستانی اسلامی سلطنت کے استیصال اور ہندو سلطنت کے استحکام کا یقین واثق کر لیا گیا نگرکوٹ کا فتح ہونا غزنی کو فتح کر کے ہندو فوج نے لاہور پر حملہ کیا لاہور میں اسوقت تین مسلمان سردار تھے اور تینوں ذاتی اغراض کے سبب باہم چھیڑی کٹاری ہو رہے تھے اور ہندو راجگان کو اسی وجہ سے زیادہ حوصلہ ہوا تھا غزنی کیطرف کسی مدد کے پہنچنے کی امید نہ تھی مگر ان مسلمان سرداروں نے جب دیکھا کہ اب پنجاب سے جلا وطن ہوا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی اسلام کا ہندوستان میں خاتمہ ہے حمیت اسلامی واقعہ ہوئی اور ذاتی مخالفتوں کو چھوڑ کر ہندو فوج کے مقابلہ کیلئے متفق ہو گئے اور دس ہزار شائقین شہادت کی ستر فوج لیکر ہندو راجاؤں کے مقابلہ کو نکلے گویا اسود دس ہزار مجاہدین نے بغیر کسی سلطانی کے ہندوستان کے مقابلہ پر مستعدی دکھائی ہندو فوج مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی مگر اس قلیل اور جانباز فوج کو کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ ۔ پر پورا ایمان تھا وہ دشمن کو پشت دکھانا گناہ کبیرہ جانتے تھے جان دینا اور ملک و ملت پر فدا ہونا انکا مذہبی شعار تھا جن ہندوؤں کو وہ بھگاتے اور گاجر مولی کیطرح میدان جنگ میں کاٹتے رہے آج انکے آگے سے بھاگنا موت سے نہ ڈرنا سلطان محمود یا ایلوت کا خیال ٹھان کر مقابلہ کو نکلے تھے اسپر عزم تیار یکے حالات سنکر راجہ دہلی وغیرہ بغیر جنگ واپس ہٹ گئے اور مسلمانوں کی بہادرانہ اولوالعزمی نے ہندو فوج کو مرعوب کر دیا ان واقعات کے بعد سلطان مودود کے فوجیں بھی پنجاب میں آتی رہیں مگر صرف پنجاب کے سرکشوں کو ہی سزا دیتی رہیں ہندو طاقت کو زوال نہ پہنچا لیکن مودود کے عہد میں عموماً داخلی اور خارجی فساد رہے اور اسکی تمام توجہ اور طاقت ترکمانوں کی روک تھام میں مصروف رہی اور دارالخلافہ غزنی کو بچاتا رہا مغل نکمحرم کی مانتحتی میں ایکدفعہ ترکمانوں کو شکست بھی ہوئی مگر ہاتھ سے گیا ہوا علاقہ پھر نہ ملسکا اور خراسان پر ترکمانوں کا شاہانہ تسلط قایم رہا۔

سلطان نو سال کی حکومت کے بعد ۴۴۱ھ ۳۹ سال کی عمر میں فوت ہوا اس کے بیٹے حسب ذیل تھے۔ منصور۔ محمد۔ سلیمان۔ محمود ؛

علی بن مسعود محمد بن مودود عبدالرشید بن محمود

مودود کے مرنے کے بعد ترکی امراء و غلاموں کے ہاتھ سے سلطنت غزنی کا وہی حشر ہوا جو خلافت بغداد کا ہوا تھا بروایت منہاج سراج علی بن مسعود اور محمد بن مودود چار سال مشترک طور سے سلطان بنائے گئے جو بالکل نرالی تجویز تھی مگر اختیار ایک کا بھی نہ تھا غالباً خود غرض امرانے دو سلطان اسی غرض کیلئے مقرر کئے تھے کہ دو ملاں میں مرغی حرام کی مثال سے کوئی سلطان نافذ الحکم نہ بن سکے اور ہمارا تو سید ہار ہے مگر اس سخت بے انتظامی ہوئی تو دو ماہ بعد دونو کو معزول کر کے قلعہ میں نید کر دیا اور عبدالرشید بن سلطان محمود تخت نشین کیا گیا ؎

عبدالرشید بن سلطان محمود اور طغرل نمکحرام اور فتح نگرکوٹ

عبدالرشید بروایت طبقات ناصری فاضل محدث شجاع مگر بہادر اولوالعزم تھا غزنی کی متواتر عزل و نصب اور کمزوری سے سلجوقیوں نے غزنی لینے کا ارادہ کیا داؤد سلجوقی حاکم خراسان معہ اپنے بیٹے الپ ارسلان کے دو طرف سے حملہ آور ہوئے عبدالرشید نے جو خود مرو میدان نہ تھا طغرل غلام سلطان محمود کو سلجوقیوں کے مقابلہ پر فوج جرار دیکر روانہ کیا الپ ارسلان کو خونریز معرکے کے بعد شکست ہوئی اور پھر طغرل آگے بڑھا داؤد سلجوقی بغیر جنگ بھاگ گیا ان فتوحات پر مغرور ہو کر عبدالرشید کو قتل کر کے خود تخت نشین ہوا۔

عبدالرشید ڈھائی سال کی حکومت اور تیس سال کی عمر میں مارا گیا طغرل سلطان محمود کا زرخرید ترک غلام تھا بیباک بہادر اور مشہور شجاع تھا سلطان مودود کی طرف سے خراسان میں جرنیل تھا گستاخ اور منچلی طبیعت کے سبب باغی ہوا اور شکست کھا کر سلجوقیوں سے جا ملا انکے طریقہ جنگ اور عادات و اطوار اور تمام حالات سے واقف ہو گیا چند سال بعد واپس چلا آیا عبدالرشید نے اس کو سپہ سالار کر دیا اور فتح پا کر خود اپنے مربی و آقا عبدالرشید کو قتل کر کے تخت نشین ہوا۔ ملعون و نمک حرام کے لقب سے مشہور ہوا۔ نوکس شاہزادگان محمودی کو قتل کیا اور دختر سلطان مسعود کو بیاہ نکاح میں لایا چالیس روز کے بعد نوشتگین ترک نے بہمراہی ایک غلام سلطانی کے طغرل کو جبکہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا قتل کیا اس کا سر کاٹ کر شارع عام میں لٹکا دیا اور لاش کی تشہیر کیگئی طغرل اپنی نمکحرامی کی سزا کو پہنچا۔ نمکحرامان خاندان محمودی کا یہ بہادرانہ فعل آئندہ نسلوں کیلئے وفاداری کی قابل تقلید مثال ہے۔ عبدالرشید نے نوشتگین صاحب کرخی کو ہندوستان بھیجا تھا ہندو طاقت کو جو گذشتہ سالوں میں بڑھ گئی تھی توڑنا شروع کیا۔ اور نگرکوٹ کو ہردنہ کے محاصرہ سے فتح کیا حالانکہ ہندو راجگان نے چار ماہ تک محاصرہ کیا تھا صاحب کرخی آگے دہلی کیطرف بڑھنا چاہتا تھا کہ طغرل نمکحرام کے فساد بغاوت کے دور کرنے کے لئے عبدالرشید نے اس کو واپس بلا لیا

ابھی پشاور پہنچا تھا کہ عبد الرشید قتل ہوگیا۔ مگر اس وفادار نے باغی کی اطاعت نہ کی اور اسی کی تحریک سے طغرل قتل ہوا تھا۔

فرخ زاد اور ابراہیم

طغرل نکھرام نے شاہزادگان محمودی کو استقلال سلطنت کے خیال سے تہ تیغ کر دیا تھا۔ بروایت طبقات ناصری دو شاہزادہ فرخ زاد اور ابراہیم پسران مسعود قلعہ بغنده میں قید تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے قتل کرنے کے لئے بھی جلاد روانہ کئے گئے قلعہ دار نے کہلا بھیجا کہ آج ٹھیرو کل شاہی حکم کی تعمیل میں قلعہ کے اندر آنا اسلئے اُس رات وہ جلاد قلعہ میں داخل نہ ہو سکے صبح کو جب جلاد قلعہ میں داخل ہوگئے۔ اور شاہزادوں کو قتل کے لئے تیار تھے کہ غزنی سے سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا پہنچ گیا۔ اور طغرل نمک حرام کے قتل اور شاہزادوں کی رہائی کا پیغام دیا۔ ابراہیم بسبب کمزوری و علالت جو ایام قید میں اس کو لاحق ہوئی تھی۔ بادشاہ نہ ہو سکا۔ فرخ زاد کو ۴۴۳ھ میں بادشاہ بنایا گیا۔ حلیم و عادل تھا۔ علاقہ کابل جو دبا کے سبب سے برباد ہوگیا تھا اس کا خراج معاف کیا۔ تمام مظالم کو دور کیا۔ داؤد سلجوقی نے غزنی پر حملہ کیا اس کو شکست دی پھر خراسان میں سلجوقی فوج کو تہ تیغ کیا تیسری لڑائی میں الب ارسلان سے شکست کھائی اور صلح قرار پائی ۴۵۱ھ میں ۷ سال کی حکومت کے بعد بعمر ۳۴ سال فوت ہوا۔ اور باتفاق جملہ امرا ابراہیم تخت نشین ہوا۔ ابراہیم عالم و عادل منتظم بارعب علم دوست سلطان تھا۔ اس کی قابلیت کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ داؤد ترکمان جو سلطنت غزنی کے لئے خوفناک دشمن تھا صلح پر آمادہ ہوا اور کچھ عرصہ بعد مر گیا۔ ابراہیم نے ملک کی آبادی اور رعیت کی خوشحالی پر توجہ کی کئی قلعہ اور قصبہ تعمیر کئے۔ طبقات ناصری میں خیر آباد اور رامین آباد اس کے تعمیر شدہ قصبے لکھے ہیں خیر آباد دریائے اٹک کے کنارہ پر اس وقت ایک ریلوے اسٹیشن ضلع پشاور میں واقع ہے اور رامین آباد غالباً وہی قصبہ ہے جو ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں ایک بارونق قصبہ ہے اس بادشاہ نے ملک کو سرکشوں سے صاف کر دیا اور قواعد آئین محمودی کو از سر نو تازہ کر کے ملک کو امن و امان دیا ملک شاہ سلجوقی نے غزنی پر حملہ کرنا چاہا۔ اور بقول فرشتہ سلطان ابراہیم نے چند خطوط امرائے ملک شاہ کے نام اس مضمون کے لکھے کہ جس سے ثابت ہو کہ سلطان ابراہیم اور امرائے ملک شاہ میں خفیہ سمجھوتا ہوگیا ہے اور یہ

خطوط اس طرح روانہ کئے کہ ملک شاہ جب اکیلا بغیر امرا آئندہ کو رشکارگاہ میں تھا قاصد ابراہیم پکڑا گیا اور خطوط ملک شاہ پڑھ کر امرا سے بدظن ہوا۔ اور حملہ غزنی کا ارادہ ترک کیا اور سلطان ابراہیم کے بیٹے مسعود کو اپنی لڑکی بیاہ دی اور خاندان غزنی اور سلجوقی میں صلح ہوگئی لیکن یہ قصہ غالباً ملک شاہ کے خوشامدیوں کا ساختہ معلوم ہوتا ہے ملک شاہ ایک عالیشان الجثہ العزم اور ترکستان۔ خراسان۔ ایران۔ ترکی (روم) عرب کا سلطان اور نائب و محافظ خلیفہ بغداد تھا نظام الملک جیسے مشہور فلاسفر اس کے وزیر مشیر تھے اس قسم کے خطوط سے دھوکہ کھانا اور اپنے ارکین دولت سے بغیر تحقیقات بدگمان ہونا بعید از قیاس ہے اصل بات یہ ہے کہ ملک شاہ کا باپ دادا یا وہ خود کبھی خوارزم و عمر کوٹ کے غزنی کو قبضہ تصرف میں نہیں لا سکے تھے اور طرفین سے ہر ایک جنگ میں ہزاروں مسلمان تہ تیغ ہوئے تھے ملک شاہ ایک پابند شرع سلطان تھا۔ اسکو مسلمانوں کی باہمی کشت و خون سے نفرت ہوگی علاوہ اس کے سلطان ابراہیم اپنے ماقبل سلاطین غزنی سے جو سلطان محمود کے بعد تخت نشین ہوئے زیادہ قابل پابند شرع منتظم مہربان تھا رعایا اس کی عبادت و عدالت کی عاشق تھی شہرت نے ملک شاہ پر ضرور اثر ڈالا ہوگا اس کے علاوہ حسن بن صباح کا داخلی فساد اور رومی عیسائیوں کے خارجی حملات کا تدارک سب سے ضروری تھا ان جملہ وجوہات نے اس کو سلطان ابراہیم سے صلح پر مائل کیا اور اپنی دختر سلطان ابراہیم کے فرزند مسعود سے بیاہ کر رشتہ اتحاد مضبوط کیا۔

سلطان ابراہیم کی فتوحات ہندوستان

جب سلطان ابراہیم کو سلجوقیوں کی طرف سے اطمینان ہوا تو ہندوستان کی طرف توجہ کی گذشتہ فتوحات میں باجگذار ہندو راجہ سرکش ہو گئے تھے اور خاص سلطانی علاقہ واقعہ پنجاب پر وقتاً فوقتاً یورش کرتے اور مسلمانوں کی تاخت و تاراج قتل و قید سے ستاتے رہتے تھے سلطان ابراہیم نے چند امراء کو باغی راجگان کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا جنہوں نے وہ تمام امصار و قلعجات جو ہندوؤں نے حکام غزنی سے چھینے تھے مکرر فتح کر لئے۔ اور کئی ایک جدید شہر اور قلعہ بھی تسخیر کئے گئے ۴۷۲ھ میں خود سلطان ابراہیم فتح ہندوستان پر آمادہ ہوا۔ اول اجودہن (پاک پٹن) واقعہ پنجاب کو فتح کیا اور پھر قلعہ رویال کی طرف بڑھا اس قلعہ کا صحیح موقعہ تو نہیں بتایا جا سکتا لیکن فرشتہ نے قلعہ رویال کے خواص و صفات اس طرح بیان کئے ہیں۔

(۱) قلعہ روہاں پہاڑ کی چوٹی پر واقعہ تھا۔ قلعہ کی ایک طرف نیچے دریا بہتا تھا۔ اور دوسری طرف خاروار جنگل گھنا موجود تھا انسان کا گذرنا تو کجا شعاع آفتاب تک درختوں کی انبوہی سے وہاں نہ پہنچ سکتی تھی۔ اکثر درختوں پہ زہریلے سانپ ہوتے تھے اس سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اگر واقعی بعض درختوں پر زہریلے سانپ تھے تو وہ علاقہ گرم آب وہوا یا زمین کے جزا میں شورہ زار کا حصہ تھا۔ کیونکہ سرد ملکوں میں سانپ زہر دار کم پایا جاتا ہے ہمالہ کے پہاڑ عموماً سرد سیر ہیں اس لئے یہ پہاڑی قلعہ غالباً منطقہ حارہ میں تھا اور بندھیاچل کے جنوب میں ممالک متوسط چھوٹا ناگپور وغیرہ میں کسی پہاڑی مقام پہ واقع تھا اور ہمارے اس قیاس کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے۔ کہ سلطان ابراہیم نے ہندوستان کے اسقدر دور دراز شہروں کو فتح کیا کہ سلاطین اسلام میں سے کوئی وہاں تک نہ پہنچا تھا۔ سورت بھروچ تک جنسید پہ سالار اور سومنات اور کالنجر واقع بندھیل کھنڈ اور قنوج تک سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ فتح کا ڈنکا بجا چکا تھا ان امصار سے آگے بڑھنا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ سلطان ابراہیم بندھیل کھنڈ سے جنوب اور قنوج سے مشرق کی طرف یا اطاعہ بہئی کے جنوبی حصہ میں فتوحات ابراہیمی کو تسلیم کیا جائے بہئی کی طرف ابراہیم کی پیش قدمی کئی وجوہات سے تسلیم نہیں ہو سکتی بہر حال روہاں علاقہ متوسطیا چھوٹا ناگپور کے علاقہ گنگا سے دور تھا سلطان ابراہیم نے جو عزم شاہانہ میں اپنے بہادر دادا سلطان محمود کا نمونہ تھا اس قلعہ کو بزور شمشیر فتح کر لیا۔ اور قلعہ کی ہندو فوج قتل وقید اور باقیماندہ بھاگ گئی +

اس کے بعد سلطان ابراہیم آگے بڑھا اور ایک حصن حصین جسکا نام فرشتہ نے ورہ لکھا ہے اُس کی فتح پہ متوجہ ہوا یہ قلعہ خراسانی قوم کے قبضہ میں تھا جنکو کبھی افراسیاب نے جلاوطن کیا تھا یہ قوم عادات وتمدن میں ہندوؤں سے الگ تھی اور اپنی ذاتی شجاعت کے سبب جگان ہند کی اطاعت سے آزاد تھی بلکہ اصلی ہندوؤں کو ستاتی اور دباتی رہتی تھی + + + اس مقام کا محل وقوع بھی ٹھیک نہیں بتایا جا سکتا لیکن اگر سلطان ابراہیم کی اس مہم کو بندھیل سے آگے ممالک متوسط پہ تسلیم کیا جائے تو برار کا ریلوے اسٹیشن ورڈھا نظر وہ کا بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے یا چھوٹا ناگپور یا بہار کا کوئی شہر ہوگا جہاں کی برسات نے بتن ماما تک سلطان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور بیکار بٹھا رہا اور یہ تکلیف وہ خاصہ صرف بہار و بنگال اور لبیہ کی برسات کا ہے شہر مذکور ایک بہت بڑے گھنے جنگل سے محفوظ تھا اسی وجہ سے کوئی ہندو راجہ شہر مذکور کو

فتح نہ کر سکا۔ قلعہ میں ایک ایسا تالاب جھیل تھی جسکا قطر نصف فرسنگ اور گہرائی نامعلوم تھی پانی کبھی خشک نہ ہوتا تھا شہر والوں کو اس بات سے بہت سہارا تھا سلطان ابراہیم نے فوج بیلداران (سفر مینا) کو جنگل کاٹنے اور راستہ کشادہ کرنیکا حکم دیا تھوڑے عرصہ میں لشکر اسلام کے حملات کرنے کے لئے کافی راستہ تیار ہوگیا اور سلطان نے شہر پر حملے کرنے شروع کر دیئے کہ اتنے میں موسم برسات آگیا اور سلطان کو تین ماہ تک بیکار رہنا پڑا اچھوں ہی برسات کا موسم گذرا شہر کے قریب پہنچکر مورچال تقسیم کئے اول شہر والوں کو بہ تقلید اصول اسلام دعوت اسلام دی گئی جسکا جواب تیر و سنان سے دیا گیا بہادران اسلام کے دھاوے شروع ہوئے جن کی تاب خراسانی الاصل بہادر نہ لا سکے اور چند روز کی خونخوار لڑائی کے بعد قلعہ فتح ہوگیا قلعہ میں اسقدر آبادی تھی کہ ایک لاکھ قیدی گرفتار کئے گئے جن میں فوجی اشخاص زیادہ تھے سلطان یہ فتح پاکر واپس غزنی ہوا +

نوٹ

جو تاریخیں مدارس ہندوستان میں آجکل پڑھائی جاتی ہیں اُن میں اُن قیدیوں کی ایک لاکھ تعداد کو ظاہر کرکے سلطان ابراہیم کو ہندوؤں کی نگاہ میں ایک ظالم سلطان بتلایا گیا ہے اور سلطان ابراہیم کے عدل و انصاف زہد و ورع کو جسکا ذکر ہم آگے کریں گے چھپایا گیا ہے لیکن تھوڑی سی غور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سلطان کا کوہ سلیمان سے چلکر وسط ہندوستان یا بنگال تک جانا اور صرف ایک لاکھ قیدی لیجانا اس بات کی قوی دلیل ہے۔ کہ درمیانی ممالک و امصار کے ہندوؤں سے تعرض نہیں کیا گیا اگر کیا جاتا تو کروڑوں تک نوبت پہنچتی۔ یہ ایک لاکھ قیدی صرف اُن قلعجات مفتوحہ کے فوجی اشخاص تھے جنہوں نے اخیر دم تک سلطان کا مقابلہ کیا اور مخالفانہ مقابلہ کے سبب مراحم سلطانی کا موقعہ کھو دیا۔ اجود ہن رو پال۔ درہ تیں مشہور اور زبردست قلعوں کے اسیران سلطانی ایک لاکھ تھے اور اتنی تعداد میں سپاہیوں کے متعلقین بھی جو اسوقت کے جنگی قانون کے مطابق قید کئے جایا کرتے تھے اسی عہد میں ایشیا کوچک میں عیسائی مسلمان دست و گریبان تھے اور عیسائی مسلمان زن و مرد کو قید کرتے تھے پس یہ ہر حال سلطان ابراہیم کے اس سفر طویل پر نگاہ کرنے سے ایک لاکھ قیدیوں کی تعداد مفتوحہ قلعجات کے اسیران جنگ کی تضمین محدود رہتی ہے اس مہم کا یہ نتیجہ نکلا کہ راجگان ہند

بدستور عہد سلطان محمود تخت غزنی کے باجگذار بن گئے اور ملک میں عام امن وامان پھیل گیا کسی ہندو راجہ یا رئیس کو امارت سے معزول نہ کیا اور نہ کوئی تکلیف دی بلکہ ناجائز غیر شرعی محصول جو حکام نے لگا رکھے تھے سب موقوف کئے گئے۔ شباب جوانی کے عوارض میں کبھی مبتلا نہ ہوا نہایت پرہیزگار تھا۔ سال بھر میں تین ماہ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔ روزہ رکھتا مجلس وعظ منعقد کرتا اور دلی توجہ سے سنتا۔ علمائے باعمل کی قدر کرتا امام یوسف سجاوندی جو عیب باتے بے دھڑک سلطان کے منہ پر کہہ دیتے اور یہ راستی پسند سلطان نہایت تحمل سے ملامت سنتا۔ ہمیشہ قرآن اپنے ہاتھ سے لکھتا ایک سال مکہ معظمہ میں اور دوسرے سال مدینہ منورہ میں ہدیۃً بھیجتا خیرات ومبرات میں بہت سعی کرتا اپنی ذات کے لئے شاہی خزانہ پر بار نہ ڈالتا مگر ملک کی آبادی اور رعیت کی بہبودی میں خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتا گو وسعت ممالک میں سلطان محمود کا ہم پلہ نہ ہوا مگر رعایا پروری اور آبادی ملک میں اپنے جد بزرگوار محمود کے برابر اور زہد وتقوے میں اس سے بڑھا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلجوقیوں جیسے خونخوار دشمن بھی صلح پر مائل ہوئے عام مسلمانوں نے اس کی جنگی مہمات میں بدستور عہد محمودی جان ومال سے اعزاز اسلام میں کوشش شروع کی اور ہندوستان میں دور تک محمودی فتوحات سے آگے بڑھ کر اعلائے کلمۃ اللہ کا اعلان کیا! اور ہمارے دعوے ترقی اسلام بہ تقلید صحابہ کرام کو صحیح ثابت کیا جب تک کہ خود سلطان وقت پابند شرع نہ ہو ماتحت مسلمانوں میں ایثار ومروت بہادرانہ شرافت کب پیدا ہو سکتی ہے اور یہی ایک نسخہ ہے کہ جس کے استعمال سے مسلمان سابقہ عظمت کو حاصل کر سکتے ہیں شریعت میں ان تمام قواعد واخلاق کی تعمیل کا حکم ہے کہ جس سے قومیں بنتی اور سنورتی ہیں سلاطین وامرا کے چال چلن کا اثر عام لوگوں پر پڑتا ہے اس کی مثالیں اس کتاب میں اخیر عہد مغلیہ میں بہت ملیں گی خانقاہیں اور مدارس جو معنوی اور صوری علوم کی تعلیم گاہیں ہیں اسی عہد میں ہندوستان میں جاری ہوئیں جسکا اثر ہندو تمدن اخلاق مذہب پر پڑا یہ سلطان ۵۹۲ھ بعمر ۶۰ یا ۶۳ سال بیالیس سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا۔ اس کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں جو تمام علماء اکرام وسادات عظام کے نکاح میں دی گئی تھیں بیٹیوں سے ایک شاہزادی منہاج سراج مصنف طبقات ناصری کی پردادی تھی۔ بیٹوں میں سے مسعود قابل تخت وتاج ہوا۔ مشہور شاعر ابو الفرج سیستانی اسی عہد میں ہوا ہے۔ جس کا مشہور قطعہ حکیمانہ ہدیہ ناظرین ہے ؎

قطعہ

عنقائے مغرب است دریں دورِ خرمی — خاص از برائے محنت و غم زاد آدمی
ہر چند گرد عالم صورت بر آمدم — غمخوار آدم آمد و بیچارہ آدمی
ہر کس بقدر خویش گرفتار محنت است — کس را ندادہ اند برات مسلمی

مسعود بن ابراہیم وارسلان بن مسعود

یہ بادشاہ نیک نہاد عادل وکریم النفس تھا اسکے عہد میں جور وجفا کی بنیاد اکھڑ گئی حکام کی سخت گیری کا قلع قمع کیا گیا۔ سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی اسکے نکاح میں تھی دونوں میں اتحاد ورفاقت رہی۔ اسکے عہد میں حاجب طغانگین گورنر لاہور نے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ یہ سپہ سالار سلطان محمود کے مفتوحہ ممالک تک گیا جو غالباً قنوج وکالنجر سے مراد ہے جہاں سے آگے سلطان محمود نہیں بڑھا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مہم کسی خاص شہر وصوبہ پر نہیں کی گئی بلکہ صرف اس لئے کہ چونکہ ہندو راجگان فوج غزنی کے تساہل سے سلطنت کی کمزوری خیال کرتے تھے اس لئے محض رعب سلطنت جمانے اور فوجی شوکت دکھانے کے لئے کی گئی جنہوں نے خراج نہ دیا اُن کو سزا بھی دی گئی بہر حال رعب سلطانی بٹھایا گیا۔ ۱۶ سالہ حکومت کے بعد ۵۰۸ھ میں یہ عادل فوت ہوا اس کے ۱۹ بیٹے تھے جن میں سے ارسلان و بہرام نوبت بنوبت تخت نشین ہوئے +

ارسلان کا ظلم اور سلطنت غزنی کی ذلت

ارسلان بیباک بہادر اور شجاع مبارز تھا۔ اور خود رائے ظالم تخت پر بیٹھتے ہی اپنے تمام بھائیوں کو قتل اور قید کیا صرف ایک بھائی بہرام بھاگ کر اپنے ماموں سلطان سنجر ترکمان کے پاس چلا گیا۔ اور سنجر کی بھین ملکہ عہد عراق کی بھی ارسلان نے ہتک کی سنجر نے ہر چند بہرام کی سفارش کی مگر مغرور ارسلان نے اپنے زور و طاقت پر بھروسہ کر کے کوئی بات نہ سنی اور ؎

منہ تکیہ بر زور بازوے خویش — کہ ہر تخت را تختہ دہست پیش

پر خیال نہ کیا سلطان سنجر بہرام کی مدد کے لئے غزنی پر چڑھ آیا ارسلان نے تیس ہزار سواروں اور بیشمار پیادوں اور ڈیڑھ سو جنگی ہاتھیوں سے مقابلہ کیا اور اگرچہ شجاعت و استقامت میں کوتاہی نہ

کی لیکن بقول مجوکہ ظالم ہیں وہ ہرگز چھوٹتے پھلتے نہیں" شکست یاب ہو۔ بہرام تخت غزنی پہ بٹھایا گیا مگر سنجر کی واپسی پر ارسلان نے بہرام کو غزنی سے نکال دیا۔ اس لئے سنجر کمر حملہ آور ہوا۔ ارسلان کو شکست ہوئی اور قید ہو کر اڑھائی سال کی حکومت اور بعمر ۳۵ سال ۵۱۱ھ ہجری میں مارا گیا۔

بہرام شاہ خسرو شاہ خسرو ملک

بہرام کی مورخین اسلام نے بہت کچھ تعریف لکھی ہے علمی سرپرستی میں مشہور تھا مشہور کتاب کلیلہ دمنہ عربی سے فارسی میں ترجمہ ہوئی اور مخزن اسرار مولفہ نظامی اسکی قدردانی کا نتیجہ ہے۔ علما و فضلا کا بہت قدردان تھا۔ یہ زمانہ علمی ترقی میں مشہور ہے مدارس و خانقاہیں ہندوستان میں تعمیر ہوئیں مگر سلطان سنجر کی امداد سے تخت نشین ہونے سے سلطنت غزنی کا تمام وقار جاتا رہا سلجوقیوں نے خود تو علاقہ غزنی میں قطع برید نہ کی لیکن بہرام کو تخت غزنی دلا کر سرداران ملک کی نظر سے گرا دیا اور ملوک غوری نے جو سلاطین غزنی کے باجگذار تھے۔ آخر میں غزنی کو چھین لیا جسکا ذکر سلاطین غور کے ذیل میں کیا جاویگا۔ مگر یہ حادثہ غور اخیر عہد بہرام میں ہوا اس حادثہ سے پہلے جسقدر ملک اس کی ماتحت واقعہ ہندوستان تھا۔ اس کی آبادی اور انتظام میں سب طرح سے کوشش کی ـــــ ارسلان کی طرف سے محمد باہلم گورنر لاہور تھا۔ بہرام کی اطاعت نہ کی اس لئے بہرام نے بعد شکست گرفتار کر کے قید کیا اور پھر معافی دیکر بدستور سابق سپہ سالار ہندوستان مقرر کیا اور خود غزنی کو واپس چلا گیا۔ محمد باہلم نے ہندوستان میں پیش قدمی شروع کی اور قلعہ ناگور کو فتح کر کے دیگر علاقہ کو بھی تسخیر کیا۔ اور بجائے لاہور کے اپنا صدر مقام ناگور میں بنا کر اور اہل و عیال اور مال و اسباب کو قلعہ ناگور میں پہنچا کر جو غزنی سے دور تھا باغی ہو گیا اور ہندوستان میں ایک علیحدہ خود مختار سلطنت قائم کرنیکا ارادہ کیا۔ بہرام یہ خبر سنکر فوج جرار لیکر ہندوستان آیا۔ محمد باہلم نے نواح ملتان میں سخت مقابلہ کیا ہزاروں مسلمان کھیت رہے ہندوستان میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ ہندوؤں نے ایک مسلمان باغی کا سلطان اسلام سے مقابلہ دیکھا اور بعضوں نے ساتھ دیکر اسکے باغیانہ خیالات کو بھڑکایا گو باغی گورنر کا پلہ بھاری تھا مگر تک حرامی اثر دکھا گئی اور محمد باہلم شکست پاکر معہ دونوں فرزندوں کے ایک دلدل میں پھنسکر غرقاب ہوا بہرام نے حسین بن ابراہیم کو سپہ سالار ہندوستان مقرر کیا۔ اور تمام ہندو سرکشوں کو مطیع کر کے

واپس غزنی ہوا۔ جہاں وہ ملوک غور کے فساد میں مبتلا ہوا ✣

غوریوں کا فساد

سلطنت غزنی کا دوقانہ افغانستان سے اُسی دن اُٹھ گیا تھا جبکہ ارسلان کے عہد میں افواج غزنویہ نے سلطان سنجر سے متواتر شکستیں کھائیں اور سلطان سنجر چالیس روز دارالخلافہ محمودی میں فاتح منصور ہو کر مقیم رہا اور بہرام کو تاج بخشی کر کے واپس ہوا تھا۔ عام طور پر سلطان غزنی سلجوقی سلطان سنجر کا دست گرفتہ اور پروردہ مشہور ہو گیا۔ اور لوگوں پر ثابت ہو گیا کہ آل محمودی کا تخت غزنی پر تمکن ہونا غیروں کی امداد بغیر مشکل ہے اس خیال کا نتیجہ تمرد تھا۔ محمد باہلم گورنر ہندوستان کی بغاوت اور عرب و عجم۔ افغان و خلج کا گورنر مذکور سے اتفاق کرنا اس بات کی دلیل تھی کہ مسلمان سرداران انقلاب سلطنت کے خواہاں ہیں اور سلاطین غزنی کو خیال میں نہیں لاتے ملوک غوریہ جن کی عظمت و شوکت منہاج سراج بہت کچھ بیان کرتا ہے اور ہم بھی بہادران غوریہ کی ذیل میں حسب ضرورت لکھیں گے ✣

یہ ملوک شاہان غزنی کے الطاف اور تربیت سے افغانستان میں اعلےٰ طاقت رکھتے تھے قطب الدین غوری کو بہرام نے اپنی لڑکی بیاہ دی تھی اور قطب الدین کی دربار غزنی میں بہت عزت ہوتی تھی قطب الدین نے روش شاہانہ اختیار کی جس سے بہرام کو بدگمانی پیدا ہوئی اور اسی بدگمانی کی وجہ سے قطب الدین قتل کیا گیا جسکا بھائی سیف الدین انتقام کے لئے غزنی پر چڑھ آیا بہرام شکست پاکر موجودہ یاغستان کو بھاگ گیا۔ سیف الدین غزنی کے تخت و تاج کا مالک ہو گیا۔ امرائے غزنی دل سے خوش نہ تھے اس لئے بہرام کو موقع پاکر بلا لیا جس نے غزنی پہنچکر بعد تشہیر قتل کیا۔ علاء الدین جہان سوز نے اپنے بھائی سیف الدین کا انتقام لیا اور تین دفعہ بہرام شکست پاکر ہندوستان کو بھاگا اور ۳ سال حکومت کر کے ۵۴۷ھ میں یہیں فوت ہوا ✣

بہرام کے فوت ہوتے پر ہوتے پر اُسکا بیٹا خسرو شاہ پنجاب چلا آیا اور لاہور میں رہ کر جسقدر علاقہ ہندوستان اسکے باپ کی ماتحت تھا اس پر قابض ہوا۔ علاء الدین جہان سوز غزنی کے قتل عام اور سلاطین غزنی کی سر بفلک یادگاروں کو جلا کر غور کو واپس چلا گیا اور خسرو شاہ پنجاب ہندوستان کی فوج لیکر لاہور سے روانہ غزنی ہوا۔ چونکہ علاء الدین کے جانے کے بعد ترکمان غزان غزنی پر مسلط ہو گئے تھے اس لئے خسرو شاہ شکست پاکر واپس پنجاب ہوا۔ اور موروثی سلطنت غزنی

کو واپس نہ لے سکا۔ سات سال کی حکومت کے بعد ۵۵۵ھ میں فوت ہوا اور اسکا بیٹا خسرو ملک تخت لاہور پر بیٹھا تمام اُن صوبجات ہندوستان کو جو اُس کے دادا ابراہیم کے ماتحت تھے قبضہ تصرف میں لایا۔ عدل و داد سے ہندوستان کا عمدہ انتظام کیا۔ مگر سلطان محمد غوری جو ایک اولوالعزم سلطان تھا غزنی وغیرہ میں سکہ بٹھاکر ہندوستان کی طرف بڑھا اور پشاور ملتان سندھ کو مطیع کرلیا چند بار لاہور پر حملہ کیا اور خسرو ملک قلعہ سیالکوٹ میں کبھی فوج غوری سے مقابلہ کرتا رہا آخر قید ہوکر غور پہنچایا گیا جہاں وہ قتل کیا گیا اور خاندان محمودی کا خاتمہ ہوگیا +

بہادران غوریہ

خاندان غوری اور غلامان کے حالات کا اقتباس ہم تاریخ طبقات ناصری سے کرینگے جسکا فاضل مورخ منہاج سراج سلطان محمد غوری کے عہد سے لیکر عہد بلبن تک اکثر واقعات کا خود دیکھنے والا ہے منہاج سراج کا باپ عہد محمد غوری میں قاضی لاہور تھا اور خود منہاج سراج عہد التمش میں ہندوستان آیا اور عہد بلبن تک ہر ایک عہد میں معزز عہدہ دار رہا۔ بعض سلاطین کے عہد میں قاضی القضات اور اسکا بیٹا ایک معزز درباری تھا خود منہاج سراج نے لکھنوتی واقعہ بنگالہ تک سفر کیا اس لئے اکثر واقعات عہد غلامان اس کے چشمدید یا دیکھنے والوں سے شنید تھے اس سے بڑھ کر اس عہد کی اور کوئی تاریخ معتبر نہیں ہوسکتی طبقات ناصری سلطان ناصرالدین محمود بن التمش کے عہد میں اور اس نیک نہاد سلطان کے نام سے معنون (ڈیڈی گیٹ) کی گئی طبقات ناصری میں خاندان غوری کے ابتدائی حالات وضاحت سے لکھے ہیں۔ جن کا تعلق ہندوستان سے نہیں ہے۔ اور اس کتاب کے بیفائدہ حجم بڑھنے کا بھی اندیشہ ہے اس لئے میں اُن حالات کو قلم انداز کرتا ہوں اور مختصر طور سے سلطان محمد غوری کے آباو اجداد کا ذکر کروں گا +

طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ ضحاک تازی جس نے ایکہزار سال سلطنت کی اور ظلم و مردم آزادی کے سبب بغاوت عامہ میں فریدوں کے ہاتھ قید ہوکر کوہ دماوند میں ڈالا گیا اور کیفر کردار کو پہنچا۔ اس کی اولاد میں سے بسطام نامی گورنر ہندوستان تھا فریدوں نے چڑھائی کی تو ہندوستان کے شمالی پہاڑوں میں ٹکراتا ہوا کوہستان غور میں مقیم ہوا۔ فریدوں نے پھر فوج متعین کی کہ اسی اثنا میں اس کے بیٹوں سلم اور تور نے ایرج میرے بھائی کو قتل کرکے فریدوں

کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ اِس جان کاہ حادثہ نے بسطام کو بچا دیا اور فریدوں کو خوف سے پژمردہ کر دیا بسطام نے فریدوں کی اطاعت مان لی اور فریدوں نے جو ایرج کے قتل سے رقیق القلب ہو گیا تھا۔ بسطام کو معافی دیدی اُس تاریخ سے بسطام کوہستان غور میں امن و امان سے رہنے لگا۔ ضحاک تازی کے دیگر عرب متعلقین بھی اِدھر اُدھر سے کوہ غور میں آکر سکونت پذیر ہوئے اسیطرح ایک کافی تعداد عربوں کی جمع ہو گئی۔ اور کوہستانی دشوار گذار راستہ کے سبب ملوک اطراف کے صدمات سے محفوظ رہے عربی جلادت اور کوہستانی سکونت اور متمدن اقوام سے علیحدگی کے سبب آزادی اور خودداری اور متہورانہ عادات کے خوگیر ہو گئے شاہان ایران کے عموماً برائے نام تابع رہے۔ شنبت نامی عہدہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ میں اسلام لایا اور مطابق فرمان امیر علیہ السلام علاقہ غور کا رئیس رہا۔ اور اس وجہ سے غوری خوانین عہد بنی امیہ میں اسلامی خدمات میں ممتاز رہ ہوئے جب ابو مسلم صاحب الدعوۃ نے خراسان میں آکر بنی عباس کی تائید میں علم بغاوت بلند کیا تو فولاد غوری امیر معہ اپنے قبیلہ کے ابو مسلم کی فوج میں شامل کیا گیا اس خدمت کی وجہ سے عہد عباسیہ میں امرائے غور علاقہ غور پر مسلط رہے عہد ہارون الرشید میں غوری امیروں میں ریاست کی بابت تنازعہ ہوا۔ ہارون رشید نے یحییٰ بن نہاں کو مالی اور دوسرے کو فوجی خدمت دیکر واپس غور کیا عباسیوں کے ضعف کے وقت کوہستان غور آزاد رہا امرائے غزنی لیث بھی اس کو فتح نہ کر سکے۔ سامانی طاقت کی اطاعت برائے نام تھی چونکہ تمام غوریوں نے ابھی تک اسلام قبول نہ کیا تھا اس لئے غور کے مسلمانوں اور کفاروں ہمیشہ جنگ و جدل رہتی تھی۔ اور نواح میں کسی زبردست سلطان اسلام کے نہ ہونے کے سبب وہ عموماً خود ہی کشت و خون سے فیصلہ کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ محمد بن سور رئیس غور ہوا۔ اور اُس نے تمام مخالفوں کو زیر و زبر کر کے علاقہ غور پر پورا تسلط کر لیا سبکتگین نے غور پر چڑھائی کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اور محمد بن سور کا جو بقول بیہقی سردار کفار تھا حوصلہ بڑھ گیا۔ سلطان محمود جو تمام کانٹے نکال چکا تھا۔ محمد بن سور کی روز افزوں طاقت اور تمرد و سرکشی کی کب برداشت کر سکتا تھا۔ اول پند و نصیحت سے کام لیا جب فائدہ نہ ہوا تو فوج جرار لیکر غور پر چڑھ گیا ہر چند غوریوں نے سخت مقابلہ کیا مگر بہادران محمودی سے ہر ایک موقعہ پر نقصان اٹھایا۔ وہ پہاڑی مستحکم و دشوار گذار قلعے جو ناممکن الفتح خیال کئے گئے تھے یکے بعد دیگرے فتح کئے گئے اور محمد بن سوری ایک قلعہ میں محصور ہو گیا جب موت کو یقینی دیکھ لیا تو سلطان کی خدمت حاضر ہو گیا۔ اور معہ چھوٹے بیٹے کے اسیر سلطانی ہوا۔ اور

طبعی موت یا زہر کھا کر فوت ہوا سلطان نے اس کے قیدی بیٹے کو چھوڑ دیا اور بڑے بیٹے ابو علی کو رئیس غور مقرر کیا اسی حملہ محمودی میں کفار غور جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے داعۂ اسلام میں آئے۔ ابو علی ایک عادل خدا ترس رعایا پرور رئیس تھا۔ مدت العمر سلطان غزنی کا باجگذار رئیس رہا۔ سلطان مسعود بن محمود کے عہد میں جب سلجوقی حوادث نے سلطان غزنی کا وقار کھو دیا۔ اور ہر طرف لاقانونی سرکش اُٹھ کھڑے ہوئے ابو علی کو اسکا برلوزادہ عباس بن شیث مار کر غور کا مالک بن گیا اور سلاطین غزنی کی کمزوری سے خود مختار ہو گیا یہ شخص سخت ظالم لوٹیرا مردم آزار تھا بروایت طبقات ناصری اس کے نتیجہ ظلم کے سبب سے علاقہ غور میں سات سال تک حیوانات گائے بھینس وغیرہ حتی عورتوں تک نے بچہ نہ جنا۔ انہیں تجربوں سے مشرقی لوگوں کا اعتقاد ہے کہ قحط دبا سلاطین کی بدنیتی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جبکہ عباس کا ظلم حد سے گذر گیا اور تخت غزنی پر بھی ایک لائق منتظم سلطان ابراہیم جلوس فرما ہوا غوریوں نے عباس ظالم سے نجات دلوانے کیلئے لکھا ابراہیم فوج جرار لیکر غور پر چڑھ آیا اور عباس کو اُسی کے سرداروں نے پکڑ کر حوالہ ابراہیم کیا۔ جہاں وہ قید میں مر گیا۔ سلطان ابراہیم نے محمد بن عباس کو رئیس غور کیا اور غوریوں کی سابقہ بیوفائیوں پر مطلق خیال نہ کیا اور نہ ہی کچھ علاقہ چھین کر غوریوں کی طاقت کو گھٹایا۔

مسلمانوں کی علمی لیاقت

باوجودیکہ عباس اسقدر ظالم تھا مگر علم ہئیت اور نجوم میں بڑا ماہر تھا اس نے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ بروج فلک کے حساب پر بارہ برج اور ہر برج میں تیس دروازہ رکھے گئے آفتاب جس برج فلکی میں آسمان پر ہوتا قلعہ مذکور کے اُسی نام برج میں ہر ایک دروازہ سے روزمرہ طلوع کرتا اور نجوم کے رو سے ساعت و طالع درست ہوتا گویا نجومیوں کو روزانہ علمی تلاش و کوشش سے مستغنی کر دیا تھا وہ قلعہ مذکور کے برج و دروازوں سے طلوع سورج دیکھ کر بتلا دیتے کہ آج سورج فلاں برج اور طالع میں ہے اور یہ کمال درجہ کی مہارت علم ہئیت ہے۔

محمد بن عباس عادل و رحیم تھا جسقدر اُس کے باپ عباس میں برائیاں تھیں اسیقدر محمد میں خوبیاں موجود تھیں علاقہ غور میں امن و امان رہا سلطان ابراہیم کا مطیع و فرمانبردار رہا اور نیکنامی سے فوت ہوا اس کا بیٹا قطب الدین حسن جائے نشین ہوا اور لیاقت و شجاعت سے ریاست غور کرتا رہا چونکہ اب سلاطین غزنی کی بجائے سلطان سنجر سلجوقی کا رعب و ادب زیادہ تھا اسلئے قطب الدین حسن

سلطان سنجر کو باج دیتا رہا اور سلطان غزنی سے بگاڑ نہ کیا۔ غوری جو آجکل کے یا غستانی افغانوں کی طرح جنگجو سرکش اور غربی بدویت کا اثر رکھتے تھے سلطان غزنی کی کمزوری کے سبب خانہ جنگی شروع ہوگئی ایک فرقہ نے قطب الدین کا سخت مقابلہ کیا جہاں قطب الدین حسن مارا گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا اعزاء الدین حسین جائے نشین ہوا +

طبقات ناصری اور فرشتہ کی روایت کا مقابلہ

طبقات ناصری میں اعزاء الدین حسین کا بلا واسطہ قطب الدین حسن کا بیٹا اور اس کے فوت ہونے کے بعد غور میں جائے نشین ہونا لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعزاء الدین حسین غوری میں موجود تھا جبکہ قطب الدین حسن کا انتقال ہوا۔ مگر فرشتہ لکھتا ہے کہ قطب الدین حسن کا بیٹا سام ملوک غور کے خوف سے ہندوستان کو بھاگ گیا اور چند سال کی تجارت کے بعد جب وطن سے براہ دریا واپس غور ہوا کشتی ڈوب گئی صرف اعزاء الدین بن سام ایک تختہ کے ذریعہ سلامت کنارہ لگا۔ اور کچھ دنوں بعد پولیس نے آوارہ گردی میں جیل خانہ بھیجدیا۔ سات سال بعد وہاں کے حاکم کے غسل صحت کی خوشی میں اور قیدیوں کے ساتھ رہا ہوا۔ مگر اب ڈاکوؤں نے پکڑ لیا جوان تنومند دیکھکر ہتھیار دھونا اور گھوڑا دیکر اپنے ساتھ ملا لیا ابھی ایک رات گذری تھی کہ صبح کو سلطان ابراہیم غزنوی کی فوج کے ہاتھ ڈاکوؤں کے ہمراہ قید ہوکر غزنی لایا گیا چونکہ اس جماعت قزاقان نے قتل و غارت کے کئی جرم کئے تھے سلطان نے سب کے قتل کا حکم دیا جب اعزاء الدین حسین کو قتل کرنے لگے، تو اس نے اپنی بیگانہی اور ایک رات کی جبریہ شمولیت کا حال بیان کیا منصف مزاج اور رحمدل سلطان ابراہیم نے اعزاء الدین حسین کو چھوڑ دیا اور تربیت شاہانہ شروع کی تھوڑے ہی عرصہ میں وہ امیر حاجب (جنیل) بنا پھر شاہی خاندان کی ایک لڑکی سے بیاہا گیا اور سلطان مسعود بن ابراہیم کے عہد میں ریاست غور پر سرفراز ہوا۔ الخ

دونوں روایتوں میں بڑا فرق ہے ممکن ہے کہ فرشتہ کی روایت جس سے محمد غوری وغیرہ سلاطین غور کے باپ کا آزاد شدہ ڈاکو اور سلطان غزنی کا دست پروردہ ہونا ثابت ہوتا ہے منہاج سراج نے جو غوریوں کا نمکخوار رہے عمداً قلم انداز کر دیا ہو لیکن منہاج سراج جیسا معتبر اور فاضل مورخ جبکا باپ سلطان محمد غوری کا قاضی لشکر اور خود سلطان محمد غوری کی برادر زلوی بنت غیاث الدین غوری کے محلوں میں پرورش یافتہ ہو۔ اس قدر نہ جان سکے کہ اعزاء الدین حسن کا باپ سام تھا یا بلا واسطہ قطب الدین حسین۔ اور قطب الدین حسین کے بعد تاریخ ملوک غور میں سنام اور

اغراء الدین حسن کی جلاوطنی ہندوستان کے زمانہ میں کسی حاکم غور کا حال نہ لکھے حالانکہ اس خاندان غور کے چھوٹے چھوٹے رئیسوں کے حالات بھی قلمبند کر دیئے ہیں عباس ظالم کا عہد اگر صرف ہفت سالہ زمانہ قحط ہی تصور کیا جائے تو اسکا بیٹا محمد اور پوتا قطب الدین حسن دونوں یا ایک سلطان ابراہیم کا معاصر ہونا چاہیئے اگر صرف محمد ہی ہمعصر تھا تو اغراء الدین حسین کا بحالت گرفتاری سلطان ابراہیم کے حضور آنا درست نہیں اگر دونوں باپ بیٹا سلطان ابراہیم کے ہمعصر تھے تو ابراہیم جیسے طاقتور اور منتظم سلطان کے عہد میں ایک مطیع فرمان باجگذار رئیس قطب الدین حسن کی اولاد کا مخالفان غور کے خوف سے ہندوستان کو جلاوطن ہونا اور پھر اس کے بیٹے یا پوتے کا ابراہیم کے حضور میں بخیثیت ڈاکو گرفتار ہو کر آنا اور سلطان اور اس کے درباریوں کا شناخت نہ کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔ بہر حال میری رائے میں فرشتہ جس نے پانسو سال بعد تاریخ لکھی ہے طبقات ناصری پر فوقیت نہیں رکھ سکتا اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قطب الدین حسن رئیس غور کا فرزند اغراء الدین حسین باپ کے فوت ہونے کے وقت غور میں موجود تھا۔ اور سرداران غور کے اتفاق اور شاہنشاہ غزنی کی منظوری سے جو غالباً مسعود بن ابراہیم تھا ریاست غور پر قابض ہوا۔

اغراء الدین حسین ایک خوبصورت اور خوب سیرت نیک اعتقاد رعیت نواز حاکم تھا۔ بقول منہاج سراج سلطان سنجر سلجوقی اور شاہ غزنی دونوں سے اتحاد رکھتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سنجر کے صدمات سے شاہان غزنی ملوک غور کو بچا نہیں سکتے تھے جو سلطان سنجر سے راہ و رسم پیدا کی گئی غالباً مسعود بن ابراہیم کا اخیر زمانہ یا ارسلان کا عہد ہوگا جبکہ سلطان سنجر کے رحم پر تاج غزنی رہ گیا تھا۔ سنجر نے پولیٹیکل ضرورت کے لئے یا شاہ غزنی نے اپنی کمزوری کے سبب سے اغراء الدین حسین کو پورا پورا مطیع نہ رکھا۔ اور اس کی طاقت دن بدن بڑھتی گئی کوہستان کے قوی ہیکل اور محنت کش باشندگان کے حوصلے بڑھ گئے اغراء الدین حسین کے سات بیٹے شجاع الدین علی۔ فخر الدین مسعود۔ قطب الدین محمد۔ علاء الدین حسین۔ شہاب الدین محمد سیف الدین سوری۔ بہاء الدین سام موسوم بہ ہفت اختر تھے اور باپ کی زندگی میں ہی علیحدہ علیحدہ علاقوں پر حکمران تھے۔ اغراء الدین حسین کے انتقال کے بعد سیف الدین سوری باپ کا جائے نشین ہوا۔ اور باقی بھائی بدستور سابق حاکم علاقہ رہے۔ لیکن غور طی تت بڑھانے اور بیرونی دشمنوں کے مقابلہ کے وقت سب متفق ہو جاتے تھے۔

غوریوں اور غزنویوں کے معرکے اور غزنی کی تباہی

ملک قطب الدین جسکا لقب ملک الجبال ہے بھائیوں سے ناراض ہوکر غزنی چلا آیا۔ جو ایک خوبصورت اور لائق امیر تھا بہرام شاہ نے اپنی لڑکی سے نکاح کر دیا اور عزت سے رہنے لگا۔ مگر جس کے خاندان میں کئی پشتوں سے خودمختاری اور سلطنت کی ہوس دامنگیر چلی آتی تھی اور جسکا جد اعلیٰ عباس ظالم شاہ غزنی کے مدمقابل ہونے کا اسقدر شایق تھا کہ دو زبردست کتے ایک کا نام ابراہیم شاہ غزنی اور دوسرے کا نام عباس رکھکر دونوں کتوں کو لڑاتا جب اسکا ہمنام کتا غالب رہتا خوشیاں مناتا اور تسخیر غزنی کی فال لیتا اس کا پوتا قطب الدین اپنے ابائی خیال کو کب چھوڑ سکتا تھا جبکہ شاہ غزنی کی زندگی و موت سلجوقی سلطان کے ہاتھوں ثابت ہو چکی تھی اسلئے قطب الدین نے شاہانہ ٹھاٹھ اختیار کیا اور داد و دہش سے عوام کو گرویدہ کر لیا۔ بہرام نے قطب الدین کو زہر دلا کر ہلاک کرا دیا۔ سیف الدین اس کا بھائی انتقام کیلئے چڑھ آیا بہرام شاہ بھاگ گیا۔ سیف الدین غزنی کے تخت و تاج پر قابض ہو گیا مگر اہالی غزنی غوریوں کی جاہلانہ اور غیر مذہب عادات کو پسند نہ کر سکے اور خفیہ بہرام شاہ کو بلا کر غزنی پر قبضہ کرا دیا اور سیف الدین گرفتار ہو کر بعد تشہیر معہ وزیر بسولی چڑھایا گیا۔ بوقت تشہیر شاہ غزنی نے سیف الدین پر کوڑا کرکٹ غلاظت پھینکی ؛

علاء الدین جہاں سوز اور غزنی کی تباہی

قطب الدین اور سیف الدین کے انتقام کے لئے اُن کا بھائی بہاء الدین سام سلطان محمد غوری کا باپ فوج جرار لے کر بہرام شاہ کے مقابلہ کو چلا مگر راستہ میں فوت ہو گیا۔ اور بھائیوں کے انتقام لینے اور غزنی فتح کرنے کی وصیت علاء الدین چھوٹے بھائی کو کر گیا علاء الدین جابر اور مشہور سپاہی تھا۔ اور عام غوریوں کا جوش حادثہ قطب الدین خصوصاً سیف الدین سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ بہرام شاہ نے ہر چند نرمی و دوستی سے سمجھایا۔ مگر علاء الدین جو بہرام شاہ کی کمزوری اور غوریوں کی زبردست طاقت سے واقف تھا صلح پر راضی نہ ہوا۔ بہرام شاہ اور اُس کی فوج جو ہندوستانی آب و ہوا کی تاثیر سے آرام طلب ہو چکی ہاتھیوں پر زیادہ سہارا رکھتی تھی علاء الدین کے دو بہلوانوں سے جنکو خرمیل کہتے تھے ڈر گئی

دونوں پہلوانوں نے جنگی مست ہاتھیوں پر حملہ کیا۔ ایک نوہاتھی کے شکم میں خنجر مار کر ہاتھی کے نیچے دب کر تباہی کے ساتھ مارا گیا۔ دوسرا پہلوان ہاتھی کو مار کر دوسرے ہاتھی پر سوار ہو گیا۔ عام لڑائی شروع ہوئی بہرام کا بیٹا اور سپہ سالار دولت شاہ متہورانہ حملہ میں غوریوں میں گھر کر قتل ہوا اور بہرام شاہ کو شکست ہوئی۔ علاءالدین نے تعاقب کیا غزنی تک دو دفعہ مڑ کر بہرام شاہ نے پھر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور ہندوستان کو بھاگ آیا علاءالدین نے بزور شمشیر غزنی کو فتح کیا اور سات روز تک قتل و غارت کے علاوہ شہر میں آگ لگادی۔ روز روشن دھواں کی کثرت کے سبب رات اور رات شعلوں سے دن نظر آتا تھا۔ زن و مرد شیخ و شاب کوئی قتل عام سے نہ بچ سکا محمود۔ مسعود۔ ابراہیم کے سوا دیگر تمام سلاطین کی قبریں کھود کر اُن کی ہڈیاں جلائی گئیں اور اس ہفتہ میں ظالم علاءالدین نے خوشی اور بدمعاشی کرتا رہا دنیا روز جبکہ سوگ کر زندہ کنی خلق را و با رکشی کا نظارہ نظر آنے لگا۔ بیس ہوا۔ باوجود اسقدر ظلم کے علاءالدین اپنے آپکو عفو و انصاف کا حامی جانتا تھا چنانچہ اس موقع پر اس نے فخریہ شعر کہے ہیں ؎

نظم

بر آن بودم کہ از داد باش غزنی	چو رود نیل جوئے خوں بر آنم
ولیکن گندہ پیران اندو طفلاں	شفاعت مے کند بخت جوانم
بہ بخشیدم بدیشاں جان ایشاں	کہ با داجان شاں ہیوند جانم

قتل عام کے ہفتہ میں تو جلسہ نوش و نے میں بیہوش رہا ہفتہ کے بعد مدفون بھائیوں کے صندوق لے کر غور چلا گیا۔ غزنی کے چند بزرگ سادات کو سیف الدین کے وزیر سید مجدالدین موسومی کے قصاص میں جو سیف الدین کے ساتھ مصلوب ہوا تھا تیغ کیا۔

جنگ بہرام اور علاءالدین اور ہندوؤں کی شمولیت جنگ

بہرام نے بعد سلطان سنجر اپنے بھائی ارسلان کو تہ تیغ کر کے تخت لو لیا۔ لیکن افغانستان میں اپنی فوجی طاقت اور شاہی اثر کو کھو دیا وہ قومیں اور علاقے جو غزنی اور سلطان سنجر کے علاقہ کے مابین واقعہ تھے بہرام شاہ کا سلطانی رعب انکے دلو نسے اٹھ گیا اور حسب ضرورت سلطان سنجر سے رابطہ اتحاد پیدا کرتے رہے سنجر بھی پولیٹیکل اغراض کی وجہ سے ایسے لوگوں کے

تعلق سے انکاری نہوا۔ ملوک غور جنکا علاقہ خراسان سے ملحق تھا اس دوعلی سے فایدہ اٹھاکر ملک وفوج کی ترقی میں لگے رہے اعزاء الدین حسین کے ساتوں بیٹے بہادر اور جنگی جوئل میں مشہور تھے ان کی شجاعت اور عام لیاقت نے عام مسلمانوں کے دلوں پر سکہ بٹھا دیا تھا جنگی خدمات کے مشتاق بجائے غزنی کے غور کو اپنی امید گاہ جاننے لگے غور میں چیدہ و جان باز سپاہی ہر طرف سے آکر جمع ہوگئے ادہر غزنی میں بجائے شمشیر کے قلم کا زور تھا بہرام شاہ کے عہد میں گو علم وفنون کی ترقی ہوئی اور سلطان کی قدر دانی سے اعلےٰ درجہ کی کتابیں تصنیف ہوئیں لیکن مرد میدان لوگوں کی کمی تھی۔ اور بہادر دزکی کان افغانستان کا مفید علاقہ بہرام کے قبضہ میں برائے نام تھا اسکو جسقدر بھروسہ تھا ہندوستان پر تھا اسی وجہ سے وہ بار بار ہندوستان کیطرف بھاگ بھاگ کر آتا رہا۔ ہندوستان کی اسلامی فوجیں انتظام ہندوستان کیلئے کچھ چھوڑنی پڑتی تھیں باقیماندہ تعداد میں کافی نہ تھیں اسلئے بہرام شاہ کی فوج کا عنصر اعظم ہندو فوج تھا اور محمود کے عہد سے لیکر بہرام تک تمام سلاطین غزنی ہندوؤں کی عزت و اعتبار کو بڑھاتے اور مسلمانوں کے برابر حقوق دیتے رہے تھے۔ ہندوؤں کو کسی قسم کی غزنویوں سے شکایت نہ تھی اگر ہوتی تو بہرام شاہ جیسے کمزور کی ملازمت میں اُس کے خونخوار دشمن علاء الدین کے مقابلہ میں غزنی سے آگے بڑھکر علاقہ زیندا ورمین تخت غزنی پر جانبین قربان نہ کرتے بلکہ ایسے زمانہ فتور میں اگر سلاطین غزنی کے سلوک سے ناراض ہوتے تو مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال سکتے۔ مگر راجگان ہند کا بہرام شاہ کی فوج میں شامل ہوکر غوریوں سے لڑنا اسبات کی قوی دلیل ہے کہ ہندو خاندان محمودی کے استحکام و بقاء میں جان و مال سے دریغ نہ کرتے تھے اور یہ نتیجہ گورنمنٹ کے حسن سلوک اور بے تعصبانہ اصول کے بغیر نہیں پیدا ہوتا ہندو راجگان کا شامل جنگ ہونا خود علاء الدین غوری کے فخریہ ابیات سے ثابت ہوتا ہے جس میں وہ رائے درانا کی امداد بہرام اور رائے درانا کے قتل و ہلاکت کا ذکر کرتا ہے ؎

ابیات

آنم کہ ہست فخر زعدلم زمانہ را ؎ آنم کہ ہست جور زبذلم زمانہ را ؎

انگشت دست خویش بدنداں کند عدو ۔ چوں برزہ کمان نہم انگشتوانہ را

چوں جبت خانہ خانہ کنیتم میان صف ۔ دشمن زکوئے باز ندانست خانہ را

بہرام شاہ کینہ من چوں کماں کشید — کندم کینہ از کمر او کنا نہ را
پشتی خصم گرچہ ہمہ رائے و رانا بود — کردم گیر ز خورد و سر رائے و رانا را
کیں تو ختن بہ تیغ در آموختم کنوں — شاہان روزگار و ملوک زمانہ را
اے مطربِ بیع چو فارغ شدم ز جنگ — برگوئے قول راو بیار آن ترانہ را
دولت چو بر کشید نشائد فرو گذاشت — قول مغنی و مئے صاف مغانہ را

علاء الدین فاتح نے بہرام شاہ کا قوی پشت ہونا رائے و رانا کو لکھا ہے۔ جو ہندو رؤسا و راجگان کے آجکل کیطرح خطاب تھے اگرچہ راجاؤں کا نام نہیں لکھا مگر علاء الدین کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کو انہیں راجگان کی رفاقت پر زیادہ بھروسہ تھا اور وہی بہرام کے قابل ذکر مددگار تھے اور فوج غزنی میں ان کی عزت و لیاقت کا اسقدر شہرہ تھا کہ علاء الدین جیسے ظالم جہان سوز اور بے مثل بہادر نے رائے و رانا کے قتل پر فخر کیا ہے اور محفل سرود میں قوالان خوش الحان نے گاکر علاء الدین کے غرور و تکبر کو بڑھایا ہے۔

ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ ان واقعات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کے ہندو سلاطین غزنی سے ناراض نہ تھے ان کو ہر طرح سے آزادی تھی اُن کے مذہبی یا ملکی امور میں دست اندازی نہ کیجاتی تھی۔ وہ مراعات اور حقوق جن کے لئے بعض ہندو ناجائز کوششیں کر رہے ہیں محمود اور اس کی اولاد نے نہایت فیاضی سے ہندوؤں کو عطا کر رکھے تھے ہندوؤں کو وہ بدگمانی دل سے نکال دینی چاہیئے جو انگریزی تاریخوں کے پڑھنے سے محمود جیسے مدبر فاتح اور اُس کے جائے نشینوں کی نسبت رکھتے ہیں اس سے وہ نفرت کم ہو جائے گی جو ہندو مسلمانوں میں دیکھی جاتی ہے اور جس سے ہندوستان کی حقیقی بہبودی میں سخت رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔

غیاث الدین
اور
شہاب الدین کا قید ہونا

علاء الدین کے بھائی بہاء الدین سام کے دو بیٹے غیاث الدین اور شہاب الدین محمدؒ غوری اپنی لیاقت اور شجاعت اور داد و دہش و منصفانہ سلوک کے سبب فوج و رعایا میں ہر دلعزیز

تھے ان کے اولوالعزم خیالات سے علاء الدین متوہم ہوا اور قلعہ غرجستان میں قید کردیا علاؤالدین نے اپنی ظالمانہ عادت کو پورا کیا لیکن تقدیر کو چونکہ اُن کا شاہان عالیشان بنانا منظور تھا۔ اور خلایق عامہ کے ضرر و بہبود کو اُن کے زبردست ہاتھوں میں دینا تھا۔ اِس لئے یہ قید اُن کے لئے تادیب گاہ ثابت ہوئی۔ اور قید کی تکالیف اور آزادی کی نعمت سے بخوبی واقف ہوکر اپنے عہد سلطنت میں مخلوق الٰہی کی بیجا ایذا رسانی سے بچتے رہے علاء الدین غزنی کی بربادی سے غزنوی بے سامان بن گیا تھا اور شاہان روزگار و ملوک زمانہ کو ہیچ جانتا تھا جیساکہ اُس نے کہا تھا ؎

کیں توختن بہ تیغ درآمو ختم کنوں　　شاہان روزگار و ملوکِ زمانہ را

سلطان سنجر کو خراج مقررہ دینا بند کردیا اور فہمایش سے راہ راست پر نہ آیا سلطان سنجر سے لڑکر قید ہوا۔ مگر سلطان سنجر نے آخر اسکو آزاد کرکے بدستور سابق ریاست علاقہ غور وغیرہ علاء الدین کو عطا کی۔ اسکی وجہ گو مورخوں نے علاء الدین کی شاعرانہ لیاقت اور عام ذہانت لکھی ہے لیکن دراصل بات یہ تھی کہ خاندان غزنی میں سلطنت کی طاقت وصلاحیت نہ رہی تھی اور افغانستان میں اور کوئی بارسوخ خاندان نہ رہا تھا جو غوریوں کی جگہ مشرق میں تسلط بٹھا سکتا اور گو سلطان سنجر نے فتح تو حاصل کی جو بقول منہاج سراج علاء الدین کے چند امرا کی سازش کا نتیجہ تھا مگر علاقہ غور پر کامل تسلط کرنا یا خاندان شنبی کو مسخ دین سے اکھاڑنا سلطان سنجر کیلئے کچھ آسان نہ تھا۔ علاوہ اس کے حسن بن صباح کی ترقی اور اندرونی فسادوں نے سلطان سنجر کو غوریوں کے ممنون احسان بنانے پر مائل کیا ہوگا۔ سلطان سنجر غزان ترک سے بھی سخت بگاڑ رکھتا تھا جنکے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ اسلئے اس پر جو شُ خاندان غوری کو اپنا دوست بنانا چاہا اور جو تقریر سلطان سنجر کی طبقات ناصری میں لکھی ہے اس سے ہمارے قیاس کی تائید ہوتی ہے علاء الدین کو بہت سا زر و دولت اور مال مویشی دیکر واپس غور کیا جسنے غور کے سرکشوں کو سزا دی مگر اخیر وقت میں ملحدوں کو اس کی طبیعت پر غلبہ ہوگیا اور علاقہ غور میں مذہب الحاد کی عام منادی ہونے لگی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علاء الدین ملحد مرید حسن بن صباح تھا ۵۵۸ھ میں فوت ہوا اُسکا جانشین اُس کا بیٹا سیف الدین محمد ہوا جس نے غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری دونوں بھائیوں کو قید سے آزاد کیا مگر اپنے سپہ سالار کے ہاتھ سے جسکے بھائی کو سیف الدین نے ناحق قتل کیا تھا ایک معرکہ میں قتل ہوا۔ اور دشمنوں کے ہاتھ سے پیٹ چاک ہوا اور علاء الدین کا خاندان ختم ہوگیا سچ ہے ظالم کی جڑ کھوکھلی ہوتی ہے اور کبھی سرسبز نہیں ہوسکتا۔ اس یقینی تجربہ کا دروہ علاء الدین

کی اولاد پر ہوا کہ سیف الدین ایک سال چند ماہ والی غور رہا +

غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری

جب سیف الدین سپہ سالار عباس کے ہاتھ سے مارا گیا اور فوج غور کو شکست ہوئی غیاث الدین ساتھ تھا اُسی عباس قاتل سیف الدین نے بہ اتفاق امرا غیاث الدین کو بادشاہ بنایا شہاب الدین اسوقت اپنے چچا فخر الدین ملک بامیان کے پاس تھا۔ بھائی کی تخت نشینی کی خبر سن کر باجازت عم فیروزکوہ چلا آیا۔ عباس جس نے غیاث الدین کو تخت نشین کیا تھا کسیکو خیال میں نہ لاتا تھا۔ غیاث الدین برائے نام بادشاہ تھا۔ مگر شہاب الدین محمد غوری کی بہادرانہ اولوالعزمی نے اُسکا جلد فیصلہ کر دیا۔ سر دربار ایک ترک غلام کے ہاتھ سے قتل کرا دیا اور غیاث الدین کا رعب جم گیا مگر اب اس سے بھی زیادہ مخالفت کا ظہور ہوا۔ ملک فخر الدین مسعود جو سلاطین غزنگانہ کا سب سے بڑا بھائی تھا تخت غور کو اپنا حق جانتا تھا۔ اسی مطلب کے حصول کیلئے اُس نے تاج الدین حاکم ہرات اور تماج حاکم بلخ کو اپنے ساتھ ملایا تھا اور تینوں ملوک اپنی اپنی فوجیں لے کر چڑھ آئے اِن مجتمع فوجوں کا مقابلہ غیاث الدین سے مشکل تھا مگر بقول ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ۔۔۔ اگر کس تف زند ریشش بسوزد

کا ظہور ہوا۔ حاکم ہرات اس امید پر کہ فتح غور کا سہرا اس کے سر رہے سب سے پہلے فیروزکوہ پہنچ گیا۔ غیاث الدین اور شہاب الدین بھی مقابلہ کو نکلے +

غوری پہلوان

جب فوجیں مقابل ہوئیں تو غوری پہلواناں یکہ تاز نے سلطان غیاث الدین کو خدمت میں اگر عرض کی کہ اول ہمارا تماشہ دیکھیں فوج ہرات کیلئے ہم ہی کافی ہیں یہ کہکر فوج ہرات پر اسطرح جا پڑے کہ جیسا شہباز چڑیوں کی ڈار پر جا پڑتا ہے فوجوں کو کاٹتے اور چیرتے ہوئے خاص قلب میں تاج الدین پر حملہ جا کیا اور اس کا سر کاٹ کر غیاث الدین کی خدمت میں واپس آگئے فوج ہرات پر خوف چھا گیا اور سردار کے مارے جانے سے بھاگ گئے۔ یہ فتح محض تائید ربانی سے حاصل ہوئی خدا تعالےٰ جس کو اٹھانا ہے اس کے مخالف خود بخود تیغ ہوتے جاتے ہیں ان یکہ تازوں کی داستان سے تعجب نہ ہونا چاہیئے قدیم ایرانیوں۔ رومیوں۔ ہندوؤں میں

ایسی روائتیں موجود ہیں بہادران عرب مثلاً خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ضرار بن ازور و زبیر بن العوام کے اس قسم کے حملات ہوتے رہے ہیں اس سے چند سال پہلے مقابلہ بہرام کے وقت علاء الدین نے دو غوری پہلوانوں سے جن کو جرمیل کہتے تھے اسی قسم کا کام لیا تھا۔ عہد مغلیہ میں ہندوستان کے اندر اس قسم کے یکہ تاز موجود تھے۔ غرضیکہ مسلمانوں میں یکہ تاز ہر ایک عہد میں تھے۔ اس فتح کے بعد فوج بلخ کا شاہ علم چھین کر اُن کو شکست دی۔ فخر الدین کے پاس تاج الدین کا سر اور بلخیوں کا علم روانہ کیا۔ وہ واپس جانے لگا کہ غیاث الدین اور شہاب الدین معہ فوج پہنچ گئے اور چچا سے باادب پیش آئے ملک غور غیاث الدین کے لئے صاف ہو گیا اور غور کا ملحقہ علاقہ بھی فتح کرنے لگے چونکہ اسوقت غزنی اور سلجوقی دونوں خاندان نہایت کمزور ہو چکے تھے اس لئے فتوحات میں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی ✦

فتح غزنی

غزنی اور کابل پر غزان ترک کا قبضہ تھا۔ اور غور کے علاقہ میں بھی دست اندازی کرتے رہتے تھے اُن سے مقابلہ ہوا۔ اگرچہ شہاب الدین غوری نے کمال درجہ کی بہادری دکھائی مگر بہادران ترک غوریوں کا علم قلب سے چھین لے گئے اور غیاث الدین پیچھے ہٹ گیا اور شکست میں کوئی کسر باقی نہ تھی کہ قدرت نے اپنا کرشمہ دکھایا غوریوں کی فوج میمنہ و میسرہ نے یہ خیال کیا کہ علم کے ساتھ غیاث الدین نے معہ فوج قلب دشمن پر حملہ کیا ہے دونوں بازوؤں سے دھاوا کر دیا جس سے ترکوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور فتح حاصل ہوئی غیاث الدین بھی واپس آ گیا اور ہزاروں غزنوی قتل کئے گئے اور غزنی کے تخت پر شہاب الدین محمد غوری کو بٹھلا کر واپس غور ہوا اس کے بعد شہاب الدین غوری موسم سرما میں عموماً ہندوستان پر حملات کرتا رہا جنکا ذکر آئندہ کیا جائیگا اور غیاث الدین خراسان۔ سیستان۔ ایران۔ ترکستان کو قبضہ تصرف میں لاتا رہا تمام بڑی بڑی مہمات میں شہاب الدین محمد غوری بھائی کا دست راست تھا اور اُسی کی ہمت سے خوارزم شاہوں پر غوریوں کو فتوحات حاصل ہوئیں غیاث الدین کی وسعت سلطنت مشرقی بنگالہ سے لے کر بحیرہ خضر واقعہ ایران تک اور دریائے سیحون سے لیکر خلیج فارس تک تھی پس سلطان محمود کے بعد سقدر زبردست اور باقبال سلطان افغانستان و خراسان میں کوئی نہیں ہوا۔ ۴۱ سال کی سلطنت اور ۶۳ سال کی عمر ۵۹۹ھ کو ہرات میں فوت ہوا۔ جہاں اس کا مقبرہ ہے اس بادشاہ کے دربار میں

علماء و فضلا مشائخ و سادات کا نہایت قدر تھا انعام و اکرام داد و دہش میں شہرۂ آفاق تھا شافعی مذہب اہل حدیث تھا اور شہاب الدین غوری حنفی المذہب تھا مگر زمانہ حال کے تنگ خیال مسلمانوں کی طرح یہ اختلاف پبلک لائف میں نقصان رسان نہ تھا +

سلطان محمد غوری

سلطان محمد غوری بن بہاء الدین سام بن اعز الدین حسین بن قطب الدین حسن بن عباس بن شیث بن محمد بن سوری بن محمد اپنے بھائی غیاث الدین سے تین سال چند ماہ چھوٹا تھا اس حساب سے اسکی ولادت ۵۳۳ھ میں واقع ہوئی یہ وہی مبارک زمانہ تھا کہ چوتھائی صدی برابر مسلمانان شام کو عیسائیوں کے ظالمانہ دست برد کا تختہ مشق ہونے کے بعد عماد الدین زنگی والد سلطان نور الدین محمود انار اللہ برہانہ ابھار رہا تھا اور بیت المقدس کے واقعہ ۴۹۲ھ کے دردناک حادثہ کی کسر نکال رہا تھا اور علمائے اسلام مسلمانوں میں اتحاد اور ایثار نفس کا علمی جوش تازہ کر رہے تھے اور زمانہ حال کی طرح مایوسی کے بعد فائز نہ کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا تھا اسی ترقی اسلام کے زمانہ میں جبکہ غیاث الدین اور محمد غوری وسط ایشیاء اور ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا ڈنکا بجا رہے تھے شام روم میں سلطان نور الدین غازی اور اسلام کا فدائی سلطان صلاح الدین یورپ کی فوجوں کا ستہ اذکر رہے تھے اور سلطان یوسف بن عبد المومن اور اس کا بہادر دیندار بیٹا یعقوب سلاطین مراکو ہسپانیہ میں اسلامی جلال کا سکہ جما رہے تھے یہ قومی ترقی و انحطاط کا ایک کھلا تجربہ ہے جو قوم اٹھتی ہے تو کل افراد قوم میں یکبارگی جوش پھر جاتا ہے اور جب زوال آتا ہے تو کل قوم میں پست ہمتی چھا جاتی ہے - اس زمانہ میں قوم کا جوش زندگی پر تھا - اور قوم کے لیڈر عادل - شجاع - زاہد و فاضل - متورع پابند شرع سلاطین تھے جن کی تقلید میں مسلمانوں نے زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہ الرحمن کا سماں دکھا دیا اور ہم بار بار یہی کہیں گے کہ جب تک قومی لیڈر خود اسلامی اصول کی پابندی نہیں کریں گے اور سہ

(چوں بخلوت میروند آن کار دیگر میکنند)

کی منافقانہ پالیسی کو نہ چھوڑ دیں گے مسلمان ہرگز ہرگز ترقی حقیقی کا منہ نہیں دیکھ سکتے ہمارا اعتقاد ہے کہ اسلام میں وہ تمام خیالات وسیع موجود ہیں کہ جن سے قوم کی ترقی مفید اتحاد سچی قربانی - اولوالعزمی کی تحریک ہو سکتی ہے جو لوگ اسلام کو ٹھوس کہتے ہیں وہ اسلام کے

اصول۔عقائد۔تاریخ سے گہری واقفیت یا دلچسپی نہیں رکھتے۔لوگوں کے خود ساختہ زوائد وحشویات خود بخود ضرورت زمانہ سے دور ہو جاتے ہیں اور قرآن مجید کی حقیقی اور روشن تعلیم دلوں کو منور کر دیتی ہے۔ ہم انگریزی خواں مسلمانوں کی ناواقفیت قرآن مجید اور عدم دلچسپی کے خوف سے اس موقعہ پر کلام اللہ کی آیات کی فلاسفی بیان نہیں کرتے اور نہ آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔کیونکہ حصہ اول میں ہماری اس قسم کی طرز تحریر کو بعض انگریزی خواں مسلمانوں نے پسند نہیں کیا تھا۔اور ایک مشہور مصنف فیلو پنجاب یونیورسٹی نے عربی نہ جاننے کے سبب سے کتاب کو غور سے نہ پڑھا۔ آمدم برسر مطلب

سلطان محمد غوری باپ کے مرنے کے بعد معہ بڑے بھائی غیاث الدین کے ظالم چچا علاء الدین جہان سوز کے ہاتھ سے قید رہا۔ علاء الدین کے بعد اس کے بیٹے سیف الدین نے رہائی دی جس کے مارے جانے کے بعد غیاث الدین تاجدار اور شہاب الدین سپہ سالار ہوا دونوں بھائی ایک ماں کے بطن سے تھے اور بچپن میں بڑے بھائی کو جبشی اور چھوٹے کو زنگی کہا کرتی تھی اس سے پایا جاتا ہے کہ دونوں بھائی یا تو خوبصوت نہ تھے یا بہت طاقتور اپنے ہمعصر لڑکوں سے زور آور تھے۔بڑے کا نام محمد اور چھوٹے کا نام احمد تھا ایام شاہزادگی میں بڑے کو شمس الدین اور چھوٹے کو شہاب الدین کہنے لگے تخت نشین ہو کر بڑا غیاث الدین اور چھوٹا معز الدین کے القاب سے ملقب ہوئے آئندہ ہم اس کتاب میں معز الدین محمد غوری کے نام سے مخاطب کرینگے جو اس کے کارناموں کے لحاظ سے عین موزون ہے غیاث الدین کو سپہ سالار عباس کے طاقتور پنجوں سے معز الدین محمد غوری نے ہی نجات دلائی۔غور خراسان ترکستان کی مہمات اسی جوانمرد کی شجاعت سے فتح ہوئیں۔ غزنی کے معرکہ میں شکست کے بعد فتح ترکوں پر معز الدین محمد غوری کے استقلال سے حاصل ہوئی جب غزنی و قابل پر غیاث الدین کو ۵۶۹ھ میں فتح حاصل ہوئی تو اپنے بھائی معز الدین محمد غوری کو غزنی کے تخت پر بٹھلا کر واپس کوہ فیروزہ میں ہوا اس جوانمرد نے اول تو علاقہ کابل کے سرکشوں کو سزا دی اور پھر ہندوستان پر حملات کئے +

فتوحات ہندوستان

جب معز الدین محمد غوری علاقہ غزنی و کابل میں تسلط بٹھا چکا تھا تو ۵۷۱ھ میں ملتان پر حملہ کیا اور بقول منہاج سراج قرامطہ کے ہاتھ سے مستخلص کر لیا لیکن قرامطہ کی ریاست ملتان تو سلطان محمود

غزنوی کے ہاتھ سے برباد ہو چکی تھی ملتان پر کئی گورنر غزنوی حکمران رہ چکے تھے مسعود بن محمود غزنوی کا بیٹا مجدود اسی جگہ کا حاکم تھا بعد میں بھی ابراہیم اور مسعود اور بہرام کے عہد میں ملتان لاہور کیطرح ایک غزنوی فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا اور اس حالت میں ملتان کا قرامطہ کے ہاتھ میں ہونا قرین قیاس نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ ابو الفتح داؤد بن نصر کو سلطان محمود نے قید کیا ہوگا اور حسب عادات اسکی اولاد کو گذارہ کے لئے کچھ علاقہ دیدیا ہو۔ عام لوگوں کے عقائد میں دست اندازی نہ کی اور ان لوگوں کی جمعیت زوال سلطنت غزنی کیوقت بڑھ گئی ہو اور خاص ملتان میں یہی اسکی آبادی زیادہ ہو ایسے لوگوں کی سرکشی اور فساد کو دور کیا گیا ہوگا اور مقابلہ میں کشت وخون بھی ہوئی ہوگی یا یہ لوگ طوائف الملوکی غزنویوں کی کمزوری کیوقت کچھ عرصہ سے ملتان پر قابض ہو گئے ہوں بہر حال روایت طبقات ناصری سے ملتان میں قرامطہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے مگر میں ان کو قرامطہ نہیں کہہ سکتا جیسا کہ سلطان محمود غزنوی کے حال میں لکھا گیا ہے۔ یہ لوگ اسماعیلیہ مذہب رکھتے تھے جن کے اخلاف اب تک مغربی ہندوستان میں خاص حیثیت رکھتے ہیں یا حسن بن صباح کے مریدان ملاحدہ جنکے سرگرم مناد و واعظ خاص علاقہ غور میں عہد علاء الدین جہاں سوز میں مذہب الحاد کا بیج بو چکے تھے اور ان کی ظاہری صلاحیت مذہبی کے دھوکہ میں عوام مسلمان آجایا کرتے تھے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ جن قرامطہ سے محمد غوری نے ملتان فتح کیا وہ حسن بن صباح کے فرقے کے مرید تھے جو نسل کے اعتبار سے ابو الفتح داؤد کی نسل و خاندان سے نہ تھے بلکہ امرائے غوری یا غزنوی میں سے کوئی امیر مذہب حسن بن صباح کو اختیار کر چکا تھا جسکو سلطان معز الدین محمد غوری نے متاصل کیا چونکہ اسی اثنا میں باشندگان سنقران نے بغاوت کی اسلئے سلطان ہندوستان میں آگے نہ بڑھ سکا ۵۷۲ھ میں اہل سنقران کو مقہور کیا ۵۷۳-۷۴ھ میں سلطان براہ اوچ و ملتان نہر والہ واقعہ گجرات پر حملہ آور ہوا وہاں کا راجہ بہسودیو (بھیم دیو) خورد سال تھا لیکن اسکے وفادار امرا و فوج نے جو سلطان کی فوج سے بہت زیادہ تھی غوریوں کو شکست فاش دی۔ اس شکست سے سلطان محمود غزنوی اور محمد غوری کی لیاقت نبرد آزمائی اور احتیاطی تدابیر کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ رسد کی کمی اور ریگستان کی صعوبت شکست کی باعث ہوئی ہو۔ مگر سلطان محمود غزنوی کی تدبیر و دانش اور بے مثل اولوالعزمی ان تمام مشکلات پر غالب آئی تھی اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ جسقدر سلطان محمود غزنوی کی فوج میں اسلامی جوش تھا۔ وہ غوریوں میں نہیں تھا اگرچہ ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت کے بانی غوری ہوئے مگر اسلامی شان غزنوی سلاطین کا بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر سب سے زبردست وجہ

محمد غوری کی شکست کی یہ ہے کہ حملات سلطان محمود غزنوی کے وقت سے ہندوؤں نے اپنی فوجی طاقت اور قومی اتحاد کو باقاعدہ بڑھا لیا تھا اور اس وقت کے فنون حرب سے جس کے ممتاز ماہر مسلمان ہی شمار ہوتے تھے ہندوؤں نے بھی مہارت پیدا کر لی تھی انہیں وجوہات سے محمد غوری کو پرتھی راج کی پہلی لڑائی میں شکست ہوئی تھی جس کا ذکر موقع پر کیا جائیگا ان دونوں لڑائیوں سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ محمد غوری کے وقت میں ہندو راجگان مقابلہ کے لئے پورے پورے تیار تھے ؛

۵۷۵ھ میں پشاور پر حملہ کیا اور دریائے سندھ کے پار کا علاقہ خسرو ملک ابن غزنوی سلطان سے چھین لیا۔ گجرات جیسے دور دراز ہندو ممالک کی مہمات کی جگہ اُس نے اپنے ہمسایہ مگر کمزور خسرو ملک کی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہا اس چھیڑ چھاڑ کی وجہ تاریخ سے معلوم نہیں ہو سکتی خسرو ملک غزنی وغیرہ سے مدت کا تعلق توڑ چکا تھا اس کو افغانستان سے کوئی امید نہ تھی اس کی ساری امیدیں ہندوستان خصوصاً پنجاب سے وابستہ تھیں اسلئے یہ ہرگز قیاس میں نہیں آسکتا کہ محمد غوری کو خسرو ملک سے کوئی بڑا خطرہ تھا اور مورخین خسرو ملک کے اخلاق کریمانہ و منصفانہ کی بھی تعریف کرتے ہیں پس وجہ جنگ سوائے آزروے ملک گیری اور کوئی پائی نہیں جاتی سلطان محمد غوری کی فتوحات کے دو ہی راستہ تھے ایک براہ سندھ گجرات وغیرہ کیطرف جہاں سے وہ شکست کھا چکا تھا اور امید کامیابی قطع کر چکا تھا۔ دوسرا راستہ براہ پنجاب تھا جہاں خسرو ملک کی حکومت تھی اور راجگان ہند بھی خسرو ملک سے رابطہ اتحاد رکھتے تھے۔ آل محمود کی صدیوں کی اطاعت اور سلاطین غزنی کے احسانات سے یا مغربی حملہ آوروں کی رکاوٹ کے لئے وہ خسرو ملک کی تقویت و استحکام چاہتے تھے گویا یہ استحکام درحقیقت ہندو راجاؤں کی ذاتی حفاظت کا ذریعہ تھا۔ اولوالعزم محمد غوری نے ان جملہ امور پر غور کر لی ہوگی اور خسرو ملک کا کانٹا نکالنے کو اپنا پیش نہاد ہمت بنا لیا ہوگا کہ جب تک پنجاب پر قبضہ نہ کیا جائے اور درمیانی رکاوٹ کو دور نہ کیا جائے تسخیر ہندوستان محال ہے پس ان خیالات نے خسرو ملک کے استیصال پر اس کو آمادہ کیا اور آہستہ آہستہ اُس کے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کیا پشاور کے تصرف کے بعد ۵۷۷ھ میں لاہور پر حملہ کیا خسرو ملک نے جو اپنی خستہ حالی اور غوریوں کی طاقت سے بخوبی واقف تھا۔ اپنا بیٹا یرغمال (کفالت) اور ایک فیل بطور نشان اطاعت دیکر صلح کی خسرو ملک کے بیٹے کو ضمانت میں لینا اس بات کی دلیل ہے کہ محمد غوری خسرو ملک کی آئندہ کی حرکات سے اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا

تھا اور وہ ہند و راجگان کا تعلق تھا۔ اس وقعہ محمد غوری اسقدر اظہار اطاعت پر ہی واپس چلا گیا مگر خسرو ملک کا رعب و اعتبار ہندوستان سے جاتا رہا جو سلطان محمد غوری کا دلی منشاء تھا اس کے بعد ۵۸۳ھ میں سلطان نے علاقہ سندھ پر حملہ کیا اور دیول وغیرہ کی فتح سے ساحل بحر ہند کے سندھی علاقہ کو مفتوح کیا اس ملک میں شعار اسلام کو پھر از سر نو تازہ کیا دو سال تک سلطان غیاث الدین کے ساتھ مہمات خراسان میں شامل رہا اور ہندوستان پر حملہ نہ ہو سکا ۵۸۰ھ میں اُدھر سے فارغ ہو کر پنجاب پر حملہ کیا اور نواح لاہور تک تاخت و تاراج کر کے اور شہر سیالکوٹ تعمیر کیا حکومت لاہور کو ضعف پہنچا کر واپس ہوا خسرو ملک نے اس حملہ سے سمجھ لیا کہ اب اگلے سال خاص لاہور کی باری آئیگی اس لئے مسلمان اور ہندوؤں خصوصاً کھوکھروں کی مدد سے سیالکوٹ پر چڑھائی کی تیرہ ماہ محاصرہ رکھا مگر فتح نہ کر سکا سلطان محمد غوری جو خسرو ملک کو محض غزنوی یادگار جانتا تھا اور اس کی زندگی اپنے رحم سے وابستہ سمجھتا تھا اس بہانہ سے لاہور کو لینے پر تیار ہو گیا ۵۸۲ھ میں لاہور کا محاصرہ کیا گیا خسرو ملک نے بمقابلہ فضول جانا سلطان محمد غوری کے پاس حاضر ہو گیا جہاں معہ بیٹے بہرام شاہ کے قید ہو کر غور بھیجا گیا۔ اور سلطان شاہ خوارمی کی لڑائی میں جبکہ غوریوں کی خوفناک حالت تھی خسرو ملک معہ بیٹے کے قتل کیا گیا اور یہ قتل پولٹیکل خیال سے تھا کہ کہیں زبردست دشمن خسرو ملک کو ہاتھ میں لا کر اُس کے نام سے خیر خواہاں آل محمود کو اپنے ساتھ نہ ملا لیں خیر جو کچھ ہوا ظلم تھا اور ایسے ظالمانہ واقعات شاہان عالم سے ہوتے رہے ہیں۔ تسخیر لاہور میں فرشتہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب محمد غوری نے خسرو ملک کا حسین جبر میل (پہلوان) کو سیالکوٹ میں محصور کر نا سنا اور خسرو ملک کی گرفتاری کا عزم بالجزم کیا اسکے بیٹے ملک شاہ کو جو بطور کفالت محمد غوری کے پاس تھا روانہ لاہور کیا خسرو ملک بیٹے کی رہائی کی خبر سن کر محمد غوری کی طرف سے مطمئن ہو گیا اور احتیاطی تدابیر کو چھوڑ کر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا مگر سلطان محمد غوری اِدھر خسرو ملک کے بیٹے کو روانہ کر کے دوسرے راستہ سے خود لاہور پر چڑھ آیا اور خسرو ملک اپنے آپ کو بے یار و مددگار جان کر لشکر سلطان میں حاضر ہوا۔ ممکن ہے کہ سلطان محمد غوری نے الحرب خدعۃ پر عمل کیا ہو۔ یا لاہور کی حصانت نے سلطان غوری کو ایسے کرنے پر آمادہ کیا ہو لیکن جب اس بات پر خیال کیا جائے کہ خسرو ملک باوجود محاصرہ طویل اور ہر ایک قسم کی طاقت آزمائی کے سیالکوٹ کے غوری حاکم کو نقصان نہ پہنچا سکا اور دریائے راوی تک غوریوں کی فوجیں تاخت و تاراج کرتی تھیں۔ ملتان اور سندھ اور دوآبہ رچنا تک

پنجاب سلطان غور کے ماتحت تھا اور دریائے ستلج تک زبردست راجہ دہلی کا علاقہ تھا تو اسقدر کمزور اور محدود طاقت کے بگاڑنے کے لئے سلطان محمد غوری کو اس قسم کی دھوکہ آمیز کارروائی کی ضرورت نہ تھی۔ اگر ایسا معاملہ ہوا بھی ہو تو جنگ جو سلاطین سے کچھ بعید نہیں کیونکہ محمد غوری انسان تھا انسان حصول اغراض کے لئے ہر ایک تدبیر عمل میں لاتا ہے ✦

فتح سرہند

تسخیر لاہور کے بعد علی کرماج حاکم ملتان کو گورنر لاہور مقرر کیا اور مولف طبقات ناصری کے باپ سراج الدین منہاج کو قاضی لشکر مقرر کیا اور راجہ دہلی و اجمیر نہایت طاقتور تھا اور بہرام شاہ کے بعد ہانسی۔ تھانیسر۔ سرھند وغیرہ اسلامی علاقہ راجہ دہلی نے چھین لئے تھے۔ اس لئے سلطان محمد غوری نے سرھند کو فتح کر کے ملک ضیاء الدین کو بارہ سو انتخابی سوار دیکر قلعہ سرھند میں مقرر کیا اور مراجعت کی ✦

سلطان معزالدین اور پرتھی راج کا پہلا معرکہ

پرتھی راج بہادر قوم چوہان کا راجپوت راجہ تھا۔ دہلی اور اجمیر دونوں اس کے قبضہ میں تھے راجپوتوں میں خاندانی عظمت کے علاوہ اس کی ذاتی شجاعت و تہور کے کارنامہ ہند و ستان میں ضرب المثل تھے اور دیگر راجگان ہند اس کی فوقیت کو تسلیم کر چکے تھے ملک و ملت کی محبت اور تیغ و قلم کی قدر دانی میں تمام ملک میں مشہور تھا اسلئے جنگجو بہادر اس کے زیر علم جمع ہو گئے تھے آخیر عہد غزنوی میں دریائے ستلج تک کا علاقہ بھی حکام غزنی سے چھین لیا تھا سلطان محمد غوری کے حملہ سرھند کی خبر سنکر فوج جرار لے کر مقابلہ کو روانہ ہوا۔ سلطان بھی جو واپسی غزنی کے لئے تیار تھا۔ مراجعت فرما ہوا دونوں فوجوں کا مقابلہ دریائے سرستی کے کنارہ مقام ترادری پر ہوا جو تھانیسر کے قریب واقع ہے۔ لڑائی ابتدا میں برابر تول کی تھی غوریوں کے میمنہ و میسرہ کے بھاگ نکلنے پر سلطان معزالدین محمد غوری جس کو مورخوں نے رستم ثانی لکھا ہے ذرا نہ گھبرایا اور فوج قلب کے ساتھ ہندو فوج پر جا پڑا اور کشت و خون سے ہندو فوج درہم برہم کر دیا۔ سلطان کی یہ دستبرد دیکھ کر کھانڈے رائے (گوبند راے) حاکم دہلی سے نہ رہا گیا جوش تہور میں ہاتھی کو جسپر سوار تھا۔ سلطان پر بڑھایا گھوڑے اور ہاتھی کا کوئی مقابلہ نہ تھا

مگر بہادر سلطان نے ایسا نیزہ لگایا کہ کھانڈے رائے کے دانت ٹوٹ گئے۔ مگر ہندوؤں کے فخر کھانڈے رائے نے بھی حریف کو خالی نہ جانے دیا۔ اور شمشیر کا ایسا وار کیا کہ سلطان کا بازو زخمی ہو گیا۔ اور سلطان لڑائی کے قابل نہ رہا۔ باگ موڑ کر واپس ہوا۔ شدت درد سے گھوڑے پر ڈگمگا رہا تھا کہ ایک خلجی جوان جھٹ پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سلطان کو سنبھال کر شکست یافتہ لشکر اسلام میں لایا جو بیس کوس تک بھاگ آیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں یہ روایت کہ سلطان مردوں میں پڑا رہا اور رات کو اُسے ترک غلام ڈھونڈھ کر اُٹھا لائے۔ قابل غور نہیں ہو سکتی شکست یافتہ فوج جس نے بیس کوس پر بھاگ کر دم لیا اُسے یہ کب حوصلہ تھا کہ سلطان کو بعد شکست میدان جنگ سے اُٹھا لے جاتی۔ پالکی وغیرہ میں سوار کرنا ممکن ہے۔ مگر میدان جنگ سے کچھ فاصلہ دُور جا کر اور تعاقب سے اطمینان پا کر راستہ میں غلام وغیرہ مل گئے۔ اور اسپ سواری کی تکلیف سے بچانے کے لئے سلطان کو پالکی پر سوار کیا گیا۔ مگر میدان جنگ سے خلجی جوان کا سلامت لیجانا صحیح ہے۔ سلطان لاہور وغیرہ میں معتبر اور بہادر سردار چھوڑ کر واپس غزنی ہوا۔ اور افغانوں کے سوا دیگر سرداران غزنی وغور وخراسان وغیرہ کو جو باعث شکست ہوئے تھے جَو کے توبرے چڑھا کر کھانے کا حکم دیا جس نے جَو نہ کھائے قتل کیا گیا۔ ایسی فاش شکست آج تک مسلمانوں کو ہندوستان میں نہیں ہوئی تھی ٭

ہندو طاقت پر نوٹ

اس شکست کی وجہ مؤرخین نے نہیں لکھی صرف سلطان کے امرائے میمنہ اور میسرہ کے بھاگنے کو وجہ شکست لکھا ہے اور خود سلطان محمد غوری کی معجزہ سزا سے بھی امرائے لشکر کی بزدلی ثابت ہوتی ہے۔ جس کی سزا میں اُن کو گدھا تصور کر کے جَو کے توبرے چڑھائے گئے۔ لیکن امرائے غوری کے اس طرح بھاگنے اور سلطان کو تن تنہا میدان جنگ میں چھوڑنے سے بوجہ شکست پر بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے بیوفائی یا غداری کا تو ہرگز امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ عذر وفریب کرتے تو بچ کر کہاں جاتے۔ پیچھے سلطان کا بھائی شہنشاہ غیاث الدین پوری طاقت کے ساتھ موجود تھا۔ ہندوؤں سے کسی قسم کی اُمید نہ تھی۔ سلطان سے کوئی عداوت نہ تھی۔ جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے اس شکست کی وجہ ہندو فوج کی زبردست طاقت تھی یہ طاقت ہندوؤں کو عہد غزنویہ میں حاصل ہوئی تھی۔ سلطان محمود اور اُس کے

جانشینوں نے ہندوؤں کی جنگی طاقت کو گھٹایا نہیں بلکہ بہت کچھ بڑھا دیا۔ فوج غزنی میں ہندو فوج اور ہندو سپہ سالار کام کرتے رہے۔ مسلمانوں کے زیر تعلیم و تربیت ہندوؤں نے وہ تمام فنون جنگی سیکھ لئے کہ جن کے ذریعہ سے مسلمان غیر مسلم خصوصاً ہندوؤں کو مغلوب کرتے رہے تھے۔ سلاطین غزنویہ کے عہد میں ہندوؤں کی جنگی طاقت اور فوجی مہارت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بعض مسلمان باغی حکام کی سرکوبی کے لئے ہندو جرنیل اور ہندو فوج ہی متعین ہوتی رہی اور مسلمانوں کے دوش بدوش اور بالمقابل لڑنے سے ہندوؤں کے حوصلے بڑھ گئے اور مسلمانوں کا فاتحانہ رعب ہندوؤں کے دلوں سے اٹھ گیا۔ یہ ہندو ملازم قریباً ایک صدی کی جنگی تعلیم سے مسلمانوں کی طرح قواعد دان بن گئے۔ ملازمت سے ریٹائر ہو کر ہندوؤں میں باقاعدہ فوجی ورزش کا شوق بڑھاتے رہے اور فوج راجگان کو فنون حرب سکھلاتے رہے۔ اور خاندان غزنی کو زوال آتا رہا اور راجگان فوجی طاقت کے ساتھ ہی توسیع ملک کرتے رہے اور مسلمانوں کے علاقے چھینتے رہے اور ہر ایک آئندہ خطرہ کے لئے تیار ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ سلطان محمد غوری نے لاہور کو فتح کر کے سرہند علاقہ راجہ دہلی کو مسخر کر لیا اور پرتھی راج جو اس موقعہ کی انتظار میں تھا۔ تربیت یافتہ فوج اور کئی راجگان کی فوج لیکر سلطان محمد غوری کے مقابلہ کو نکلا۔ اس تربیت یافتہ فوج کی تعداد غوریوں سے چھ گنا تھی۔ مقابلہ پر امرائے اسلام کی فوجی مہارت ہندو فوج کی قواعد دانی کے سامنے فضول نکلی۔ مسلمانوں کے جوشیلے حملوں کا جواب ہندوؤں نے فن حرب کے مطابق باقاعدہ دیا۔ اور مسلمانوں کا حملہ اکارت گیا۔ مسلمان اس خلاف امید ثبات و پائداری کو دیکھ کر گھبرائے اور فتح سے ناامید ہو کر میدان چھوڑ گئے۔ سلطان محمود اور اس کی اولاد کا ہندوؤں پر بہت بھاری احسان تھا۔ کہ انہوں نے تنگ نظری سے ہندوؤں کی جنگی حرارت کو کم نہ کیا بلکہ مسلمانوں کے برابر تربیت و تعلیم دے کر مساوی حقوق عطا کئے۔ اور ان کو اس قابل کر دیا کہ آئندہ کسی بیرونی دشمن کو روکنے کے لائق ہو گئے۔ یہ فیاضانہ سلوک خاص سلطان محمود اور اس کی اولاد کا خاصہ تھا۔ جن کے برخلاف بے انصاف مورخین نے ہندوؤں کے خیالات تبدیل کر رکھے ہیں۔ ورنہ جس قدر سلطان محمود اور اس کے اخلاف نے ہندوؤں پر احسانات کئے ہیں۔ وہ ہندو کبھی خواب میں بھی دکھائی نہ دیں گے۔

پرتھی راج سے دوسرا جنگ عظیم

۱۱۹۱ء

سلطان شکست پاکر غزنی گیا اور آرام اور عیش و عشرت کو حرام کر دیا۔ دوبارہ لڑائی کے لئے تیاری کرتا رہا اور پرجوش اسلامی علاقوں سے جدید فوج بھرتی کرتا رہا۔ اور قواعد جنگ کی مشق کرتا رہا جب ہر ایک قسم کا سامان جنگ مکمل ہو گیا۔ تو ایک لاکھ بیس ہزار فوج لیکر جس میں سے زیادہ تعداد ترکمان والیٹروں (مجاہدین) کی تھی اور اسی گروہ پر اُسکو زیادہ بھروسہ تھا۔ اس تمام فوج میں مذہبی جوش بھرا ہوا تھا۔ اور لشکر اسلام کی سابقہ شکست کے انتقام کے لئے ان کو ہر طرح سے آمادہ کیا گیا تھا فرشتہ کا یہ خیال درست نہیں کہ پشاور پہنچنے تک سلطان کے عزم فوج کشی کا کسی کو علم نہ تھا کس پر چڑھائی کیجاتی ہے۔ اسقدر مدت لگاتار کوشش سے فوجیں تیار کیجاتی رہیں اور سلطان نے خواب خورنگ کیا اور سابقہ چڑھائیوں سے زیادہ طاقتور فوج کے ساتھ پشاور پہنچ گیا اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوا۔ کہ سلطان کس سے لڑنے جاتا ہے۔ غرضیکہ سلطان لاہور پہنچا۔ تو بتقلید اصول اسلام معتبر ایلچی پرتھی راج کے پاس بھیجکر اسلام یا اطاعت کا پیغام بھیجا جس کا جواب پرتھی راج نے نہایت سخت دیا۔ پرتھی راج نے راجگان ہند کو مدد کے لئے لکھا جس سرعت کے ساتھ پرتھی راج کی دعوت جنگ کو قبول کیا گیا اور ڈیڑھ سو راجگان کا معہ اپنی اپنی فوجوں کے جن کے اخراجات کا خود ہر ایک راجہ سردار کفیل تھا فوراً میدان جنگ میں حاضر ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ پرتھی راج نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ہر طرح تیار کر رکھا تھا اور عام مذہبی تحریک نے ہندوؤں کو ایثار نفس اور سرفروشی پر پورا پورا مستعد کر دیا تھا۔ ہندوستان کو بچانے اور مسلمانوں کا زور توڑنیکے لئے حتی المقدور کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ خود پرتھی راج کی ذاتی شجاعت ہندوستان میں ضرب المثل تھی ایسے حالات کے ہوتے پرتھی راج کو عیاش بے خبر کہنا اور بے انتظامی اور باہمی نفاق کو وجہ شکست قرار دینا واقعات کے خلاف ہے تین لاکھ جاں فروش فوجی تعلیم یافتہ سورے تین ہزار جنگی ہاتھی اور اسی قدر رتھ مجوہ اسے باتیں کرتے اور طعن و ضرب سے محفوظ سواری ہوتی تھی ڈیڑھ سو راجگان کی قبولیت جنگ پر غور کی جائے تو پرتھی راج کی طاقت اور جنگی قابلیت زمانہ حال کی سلطنتوں سے بڑھی ہوئی تھی جو ایک میدان میں اسقدر فوج کثیر نہیں لا سکتے۔ جے چند راجہ قنوج کی وجہ مخالفت اگر اس کی لڑکی کا جبراً بھگا لیجانا قنوج کے محلسرا میں سے صحیح ہے۔ تو صاف ثابت ہوتا ہے

کہ پرتھی راج کے مقابلہ میں جے چند کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ دیگر راجگان میں جے چند کا کوئی رسوخ نہ تھا۔ اگر جے چند شامل بھی ہوتا تو اُس کی فوج کی چند ہزار تک اور اور بڑھ جاتی جس نے بعد میں سلطان محمد غوری کے ہراول قطب الدین سے بمقام چند واڑہ شکست فاش کھائی۔ قنوج اور بنارس مشرقی صوبجات دولت و علم میں ممتاز تھے مگر بہادروں کی کان شمالی ہند اور راجپوتانہ بہادر راجہ کے ساتھ تھا اور اُس زمانہ کے بہادر راجہ اور مشہور جنگی قومیں پرتھی راج کے زیر علم ملک و ملت پر قربان ہونے کے لئے دست بشمشیر کھڑے تھے پس جے چند کی علیحدگی یا نفاق نے ہندو اتحاد پر کوئی اثر نہیں ڈالا اور نہ شکست کی وجہ قرار دی جاسکتی ہے ؛

سُلطان محمد غوری اور پرتھی راج کی خط و کتابت

جب دونوں لشکر مقام تراوڑی میں پہنچے جو بروایت طبقات اکبری تھانیسر سے سات کوس اور دہلی سے چالیس کوس کے فاصلہ پر واقع تھا۔ تو راجہ پرتھی راج نے بصلاح بہادر راجگان جو سابقہ فتح پر مغرور تھے سلطان کو بدیں مضمون خط لکھا کہ ہماری فوج ظفر موج کی شجاعت و لیاقت سُلطان جانتا ہے سابقہ جنگ میں شمشیر مذہبی کی برانی دروانی کا تجربہ کرچکا ہے اور ہمارے بہادران شیر شکار کے ہاتھ دیکھ چکا ہے۔ اس دفعہ سابق سے کئی حصہ زیادہ جرار جان نثار سُورمے ملک کو بچانے اور دشمن کو کچلنے کے لئے تیار کھڑے ہیں اور ابھی تمام ہندوستان سے فوجیں برابر چلی آتی ہیں۔ پچھلی دفع حسن اتفاق سے تم زندہ بچکر نکل گئے اب اپنی جان پر رحم کرو۔ اگر تم کو اپنی زندگی وبال ہے تو ان چند آوارہ دشت ادبار بے خانمان ہمراہیوں کی جان پر رحم کرو اور واپس چلے جاؤ۔ ہم اپنے دیوتاؤں کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہارا تعاقب نہ کریں گے۔ اور اگر ہماری یہ مشفقانہ نصیحت منظور نہیں تو دیکھ لوگے کہ ایک مسلمان بھی راجپوتی کھانڈے سے بچ کر نہیں جائیگا ؛

مدبر سلطان ہند فوج کی کثرت و شدت کو بخوبی جانتا تھا۔ لیکن اس خط سے سمجھ گیا۔ کہ مخالف لڑائی سے پہلو بچاتا ہے۔ اور نہایت نرمی و فروتنی سے جواب دیا۔ کہ میں آپ کی شفقت اور خیر خواہی کا مشکور ہوں۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے بڑے بھائی شہنشاہ غیاث الدین کا محکوم ہوں۔ اُس کے حکم سے اس کڑی مہم کی تکلیف اُٹھائی ہے اسقدر مہلت

دیجئے کہ شہنشاہ بھائی سے اجازت واپسی منگا سکوں ٭

راجہ نے اس جواب کو سلطان کی کمزوری پر محمول کیا اور احتیاطی تدابیر کو چھوڑ کر غافل ہو گیا اور سلطان نے اُسی رات علی الصباح حملہ کر دیا۔ اگر سلطان نے یہ جواب مخالف کو غافل کرنیکے لئے ہی لکھا ہو تو بھی جنگی اصول کے رو سے دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ اگر صرف اس جواب کے پہنچنے سے جو مدبرانہ تھا تمام احتیاطی تدابیر کو ترک کیا گیا تو راجہ پرتھی راج اور اُس کے معاون راجگان اور ارکانین کی سخت بے عقلی اور نادانی ثابت ہوتی ہے کہ خط و کتابت کا اخیر فیصلہ اور مہمات جنگ منظور کئے بغیر خرم و احتیاط کی تمام تجاویز اور حفاظتی تدابیر کو چھوڑ کر محمد غوری جیسے خونخوار دشمن کے دھوکہ میں آ گئے ٭

قبل از فیصلہ راجگانِ ہند کا سلطان پر اعتماد کرنا عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی ممکن ہے کہ خط و کتابت ہوئی ہو اور سلطان نے حملہ بھی فوراً ہی کر دیا ہو۔ مگر ہندو چوکی پہرہ سے غافل نہیں تھے۔ فرشتہ جس نے اس واقعہ سے قریباً پانچسو سال بعد تاریخ لکھی ہے اُسکی نسبت صدر جہاں منہاج سراج کی تاریخ طبقاتِ ناصری سلطان محمد غوری کے حالات کی بابت زیادہ معتبر ہے جس کا باپ سلطان محمد غوری کا قاضی عسکر اور ہندوستان کے معرکوں میں موجود تھا اور خود منہاج سراج اس واقعہ سے ۳۷ سال بعد عہد التمش میں ہندوستان آیا۔ ناصر الدین قباچہ اور التمش کی ملازمت میں کئی ایک ملوک غوریہ اور بہادران اسلام سے ملاقی ہوا جو معرکہ دوئم تراوڑی میں موجود تھے اُس میں یہ واقع درج نہیں جو نہایت ضروری تھا حالانکہ طبقات ناصری میں جو در اصل خاندان غوری کی تاریخ ہے۔ سلاطین بلکہ ادنے ادنے سرداران غور کے رطب و یابس جملہ حالات درج ہیں۔ علاوہ اس کے صبح سے شام تک ہندوؤں کا سینہ سپر ہونا اور گھبراہٹ نہ دکھانا اس امر کی دلیل ہے کہ ناگہانی حملہ نہیں ہوا تھا۔ اگر ہوا تھا تو ہندو فوج باانتظام کیل و کانٹے سے درست تھی اُس کو اِس قسم کے حملہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا ٭

ہندو مؤرخ لالہ سجان رائے کھتری بھنڈاری بٹالوی خلاصۃ التواریخ میں ناگہانی حملہ یا دھوکہ کا ذکر نہیں کرتا بلکہ ہندوؤں کی تیاری اور بہادرانہ مقابلہ کا ذکر پر زور لفظوں میں بیان کرتا ہے اس قسم کی سند صریح دلیل ہے کہ اگلے ہندو شکست تراوڑی کو کسی غلطی یا دھوکہ سے منسوب نہ کرتے تھے۔ مؤرخ مذکور جنگ کا خاکہ ذیل کی نظم میں کھینچتا ہے ٭

نظم

صف ترکاں رسید بہر مصاف — تیغ بر کرد ہندوؤاں زغلاف
ترک و ہندو بہم در افتادند — دادِ مردی و مردمے دادند
جوئہائے زخون چو گشت روان — سر آں کشتگان بسیل دوان
ہندو و ترک بسکہ کشتہ شدہ — دشت ہموار پشتہ پشتہ شدہ
ترک را دست چیرہ دست افتاد — لشکر ہند را شکست اُفتاد

نظارہ جنگ

ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنیوالا یہ جنگ ۵۸۸ھ میں بمقام تراوڑی ہوا۔ سلطان نے راتوں رات حملہ کی تیاری کی اور صبح ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ فوج کے چار حصے (ڈویژن) کرکے ہر ایک ڈویژن جانباز بہادر جرنیل کے ماتحت رکھا اور خود بارہ ہزار انتخابی سوار لیکر الگ کھڑا ہوا۔ جس میں زیادہ تر اُس کے نمک پروردہ اور تربیت یافتہ غلام تھے۔ یہ غلام جو سلطان کی اولاد شمار ہوتے تھے اپنے مجازی باپ سلطان کی شجاعت سے پورا حصہ رکھتے تھے سب سے پہلے ایک حصہ فوج آگے بڑھا اور حسب ہدایت کچھ دیر لڑکر پیچھے ہٹا۔ ہندوؤں نے شکست کا خیال کرکے جوش تہوّر سے حملہ کیا اور انتظام صف بندی قائم نہ رہا یہ دیکھ کر مسلمانوں نے مڑکر ایسا حملہ کیا کہ ہزاروں ہندو کھیت رہے۔ جب یہ ڈویژن تھک گیا تو دوسرے تیسرے چوتھے حصہ فوج نے باری باری سے حملات کئے اِس تجویز سے اسلامی لشکر تازہ دم ہوکر لڑتا رہا۔ مگر ہندو بہادروں نے کمال درجہ کے ثبات و استقلال سے کام لیا۔ ہر بار مسلمانوں کو مار مار کر ہٹا دیا اور کوئی حملہ کارگر ہونے نہ دیا۔ جب صبح سے عصر تک برابر تول کی لڑائی رہی اور ہندو ایک اِنچ پیچھے نہ ہٹے تو بہادر سلطان جسکو مورخین رستمِ ثانی اور حیدر کرار لکھتے ہیں۔ فوج خاصہ کے ساتھ جو ابھی تازہ دم تھی حملہ آور ہوا۔

مؤلف

شہ غور چوں دید دشمن دلیر — بجنبش در آمد چوں غرندہ شیر
بفوج غلامان مفرد سوار — نمود حملہ بر دشمن کارزار

بہر سو کہ بازو برافراختے — سر خصم در پائش انداختے
کسے را نہ بُد پیش او تاب جنگ — ز پیل و ہژبر و نہنگ و پلنگ
بہ تیغ جہاں سوز دشمن گزائے — در آورد بس گردناں را زپائے
ہر اول شکستہ بقلب اندروں — محمد شہ غور حیدر نمود
بنوکِ سناں ہم بگرزِ گراں — شکستہ سر و سینۂ ہندوؤاں
ازیں حملہ تند و سیل رواں — نماندہ بجائے راجہ و تاکراں

یہ حملہ اس تیزی و تندرستی سے کیا گیا کہ مقدمہ و ہراول ہنود کو مار کر عین قلب پر جا پڑا اس کے ساتھ ہی اسلامی میمنہ و میسرہ نے عام ہلّہ کر دیا۔ جس اسلامی جوش کو ہندو روک نہ سکے اور اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بہادر کھانڈے راؤ (گوبند رائے) معرکئی ایک بہادر راجگان کے ملک و قوم پر قربان ہوگیا۔ ہزارہا ہندو میدان میں مارے گئے، خود راجہ پرتھی راج بقول فرشتہ بھاگتا ہوا قید ہوا۔ اور سلطان کے حکم سے مارا گیا۔ ہزاروں سپاہی قید اور کروڑوں کا مال غنیمت فاتح فوج کے ہاتھ لگا ؛

بعض ہندوؤں کی غلط فہمی

ہندوؤں کا یہ خیال کہ راجہ پرتھی راج قید کیا گیا اور اندھا کر کے غزنی بھیجا گیا۔ اور چاندباد فروش کی ترغیب و سازش سے نشانہ بازی دکھاتے ہوئے سلطان محمد غوری کو قتل کیا اور اسی پاداش میں راجہ پرتھی راج اور چاندباد فروش غزنی یا غور میں مارے گئے درست نہیں۔ مؤلف آئین اکبری نے حسب عادت اس پر کوئی محاکمہ نہیں کیا۔ اس روایت کو غیر فیصل چھوڑا ہے۔ مؤلف سیر المتاخرین۔ آئین اکبری کا حوالہ دیتے ہوئے صاف لکھتا ہے کہ ہندو تاریخ راج ولی اور راج ترنگی میں راجہ کا میدانِ تراوڑی میں مارا جانا لکھا ہے ہندو مؤرخ سجان رائے اور بھگو انداس کا بھی یہی قول ہے۔ کیا تمام مسلمان مؤرخ جن کی تاریخی دلچسپی اور صحیح واقعہ نگاری کے فضلاے یورپ بھی معترف ہیں اسقدر ناواقف اور بے خبر تھے کہ راجہ پرتھی راج اور سلطان محمد غوری غزنی میں مارے جائیں اور وہ دونوں کا قتل گاہ تراوڑی واقعہ تھانیسر اور منزل دھمیک واقع ضلع جہلم بیان کریں مسلمانوں میں تاریخ وفات کا رواج مدت سے چلا آتا ہے۔ سلطان محمد غوری کی شہادت پر ایک اس کے

ہمعصر فاضل نے ذیل کی تاریخ وفات لکھی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ منزل دھمیک راہ غزنی میں شہید ہوا۔ یہ قطعہ تاریخ طبقات ناصری میں موجود ہے جو واقعہ شہادت سلطان کے قریب العہد لکھی گئی ہے +

قطعہ تاریخ

شہادت ملک بحر و بر معز الدین — کزابتدائے جہاں شہ چو او نیامد یک
سوم ز غرہ شعبان بسال شش صد و دو — فتاد در رہ غزنی بمنزل دھمیک

اس بر دست یعنی شہادت سے سلطان کا منزل دھمیک میں جو راہ غزنی میں واقع تھا شہید ہونا ثابت ہوتا ہے۔ رہا یہ امر کہ منزل دھمیک کہاں واقع ہے وہ اس وقت ضلع جہلم میں سوہاوہ ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے اور وہاں کے باشندے اس موقع کو سلطان محمد غوری کی جائے شہادت بیان کرتے ہیں جیسا کہ وہاں کے نمبردار نے افسر مال ضلع جہلم کے مکان پر مجھ سے بیان کیا تھا۔ پس اسقدر تائیدی شہادت کے ہوتے کسی شاعرانہ یا بادفروشانہ افسانہ کو تاریخی سند قرار دینا مؤرخانہ اصول کے خلاف ہے جملہ مؤرخین سلطان کی شہادت کھوکھروں یا فدای کھوکھر کے ہاتھ سے لکھتے ہیں جس کی مفصل بحث ہم آئندہ شہادت سلطان کے تذکرہ میں کریں گے۔ پس یہ خیال کہ سلطان راجہ کے ہاتھ سے اور راجہ بیاداش قتل سلطان غزنی یا غور میں ملازمین سلطان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاریخی اسناد اور اعتبار سے ساقط ہے +

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ سلطان نے سات دفعہ راجہ پرتھی راج سے شکست کھائی اور آٹھویں یا ساتویں دفعہ قنوج کی فوج کی مدد سے فتح پائی قابل تسلیم نہیں۔ اگر ان شکستوں سے مراد یہ ہے کہ ایک میدان میں سات دفعہ سلطان پسپا ہوتا رہا تو یہ ممکن ہے۔ لیکن اگر یہ مراد ہے کہ سلطان سات بار ہندوستان آیا اور ساتوں دفعہ راجہ پرتھی راج سے شکست پاکر واپس غزنی گیا اور ہر بار جدید فوج لے کر پرتھی راج سے لڑنے آیا تو یہ درست نہیں۔ فتح غزنی کے بعد اس کے حملات ملتان۔ گجرات۔ پشاور۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ مکرر لاہور پر ہوئے ہیں جن کا حال سال وار ہم نے لکھ دیا ہے اور جن سالوں میں سلطان نے ہندوستان پر حملہ نہیں کیا ان سالوں کے واقعات طبقات ناصری میں غیاث الدین کے تذکرہ میں درج ہیں پھر معلوم

نہیں ہوسکتا کہ کس سن اور تاریخ کو پرتھی راج سے سات دفعہ معرکہ آراء ہوکر شکست یاب ہوا۔ ساتویں حملہ میں شکست اور آٹھویں میں فتح پائی۔ اِس قسم کے تاریخوار واقعات کی موجودگی میں بے سند دعوائے مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

تیسری غلط فہمی پرتھی راج کی چند ورقہ سوانح عمری میں دیکھی ہے اگرچہ وہ ایک ناول نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ نوجوان ہندو صاحبان اُس کو تاریخی رتبہ دے رہے ہیں۔ اِس لئے بخیالِ اصلاح عرض کیا جاتا ہے۔ اِس معرکہ عظیم میں راجہ قنوج کا معہ فوج شامل ہونا درست نہیں۔ اگر ہم اس سوانح نگار کے چند اوراق کو تاریخی درجہ دیں تو بھی جس ترتیب سے اُس نے واقعات لکھے ہیں اُس سے پایا جاتا ہے کہ پہلے حملہ میں پرتھی راج نے سلطان کو شکست دیکر لواح دہلی میں قید کرلیا اور سلطان کی عجز و الحاح پر رحم کھاکر رہا کیا دوسری دفعہ بھی سخت شکست کھائی اور ایک خلجی جوان میدان سے زندہ بچاکر لے گیا۔ اور یہ دونوں فتح راجہ پرتھی راج نے محض اپنی ذاتی طاقت اور بہادر ہمراہیوں کی ہمت سے حاصل کی تھیں۔ اس کے بعد راجہ قنوج کی بیٹی سنجوگتا کے لے بھاگنے کا واقعہ ہوا۔

جب راجہ دو دفعہ سلطان کو شکست دے چکا اور ایک دفعہ قید بھی کرچکا تھا۔ تو ایسے عظیم الشان راجہ کا راجہ قنوج کی مخالفت سے کیا بگڑ سکتا تھا اور جو راجہ قنوج اور اُسکی فوج پرتھی راج کے ایکسو یا دوسو (سامنت) سورماؤں سے شکست کھاکر راج کنواری چھینوا کر ننگ و ناموس برباد کرچکا تھا اور پرتھی راج کا ایک بال تک بیکا نہ کرسکا۔ اُسکی فوج خواہ کسی طرف شامل ہو یا نہ ہو فتح و شکست پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ سلطان جس نے بعد فتح اجمیر کی حکومت راجہ پرتھی راج کے بیٹے کو دیدی اگر راجہ قنوج سلطان کے ساتھ شامل جنگ ہوتا تو اجمیر راجہ قنوج یا اُس کے کسی آدمی کو دیا جاتا۔ جو خاندان پرتھی راج سے زیادہ قابل اعتبار ہوسکتا تھا۔ راجہ قنوج اور پرتھی راج کے وزیر بھگندر کو وجہ شکست قرار دینا روایت و روایت کے خلاف ہے اس میں شک نہیں کہ راجہ قنوج نے پرتھی راج کا ساتھ نہیں دیا اور قومی جرم کیا لیکن اگر شامل بھی ہوتا تو ہندو فوج جو پہلے ہی مسلمانوں سے تین گنا تھی چند ہزار اور بڑھ جاتی۔

فتح کے حقیقی اسباب

اس دفعہ مجاہدین اسلام کی پرجوش انتقامی الوالعزمی کا نتیجہ یقینی فتح تھا۔ سلطان نے اسدفعہ فوج کو عہد صحابہ کرام رضؓ کی طرح مستعد جنگ کیا تھا اور غازیان اسلام سابقہ شکست کا داغ مٹانے کے

لئے اسد فحہ مطابق (پارہ ۱۰) سورہ توبہ) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا الخ کے اعلان واجب الاذعان کی تعمیل میں ہتھیار اُٹھائے تھے اور اسی قومی اور تعمیری الٰہی کیلئے جان دینا اور مسلمانوں کی جمعیت سوال کی فاتحانہ شہرت پر داغ لگا تھا اور داغ بھی اس قوم کا تھا جسکو غازیان اسلام ہمیشہ کا بھروسی کیطرح کاٹتے رہے تھے اُس داغ کے مٹانے کیلئے بفحوائے آیہ کریمہ "وَقَاتِلُوْهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" الخ کے جوش میں بھرے ہوئے تھے سرحد ہندوستانی آزاد قبائل سے صدی کا مقبوضہ اسلام علاقہ راجہ نہلی نے دبالیا تھا ایسی علاقہ سے ہندوؤں کا نکالنا تعمیل آیہ کریمہ "اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ" ہر ایک مسلمان کا فرض تھا غزوات ہند کی فضیلت مسلمانوں کے دلوں میں بفحوائے حدیث شریف۔ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم عِصَابَتَانِ مِنْ اُمَّتِیْ اَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ[1] جمی ہوئی تھی اور غزوات ہند کا ثواب رفاقت عیسیٰ کے برابر بتلا دوسری حدیث سے غزوات ہند میں شہید ہونیوالا افضل الشہداء ثابت ہوتا ہے حدیث "عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ وَعَدَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم غَزْوَةَ الْهِنْدِ فَاِنْ اَدْرَكْتُهَا اُنْفِقُ فِيْهَا نَفْسِیْ وَمَالِیْ فَاِنْ قُتِلْتُ كُنْتُ اَفْضَلَ الشُّهَدَاءِ الخ" یہ پیشگوئی پیغمبر کی اسلامی دنیا میں مشہور تھی ایسے وقت میں جبکہ ہر اسلامی شجاعت پر ہی بٹہ نہیں لگا تھا بلکہ شکست تراوری نے ہندوستان سے اسلام کے اخراج کا یقین کرادیا تھا اور علاوہ سلطان غوری سے ماہر بھی مسلمان اس شکست کے نتائج کو بھانپ گئے تھے اسلئے علمائے اسلام نے قومی تحریک شروع کی اور عام جہاد اور غزوات ہند کی فضیلت ضرور بیان کی فخر الاسلام فخر الدین رازی رح جیسے فلاسفر موصوف اور پرجوش و مؤثر واعظ (جسکی دل ہلانیوالی فاضلانہ تقریر سن کر شیر دل سلطان محمد غوری بھی رو دیا کرتا تھا) لشکر اسلام میں زبردست واعظ اور وجود تھے ان تمام تحریکوں نے مسلمانوں کو نہایت ہند کیطرف متوجہ کردیا اور فتح ہندوستان نے مسلمانوں کے خیالات پر اسقدر تسلط کرلیا کہ اکثر اب بیداری بہ غزوہ ہندوستان کا نقشہ دکھائی دیتے لگا بزرگان دین نے عالم مثال میں ایسی ہوائی صاف دیکھیں کہ جنگ ہندوستان میں شمولیت ضروری ہوگئی چنانچہ عرب سے سید احمد مالنوی اور ایک یمنی شیخ پیر طریقت کو خواب میں حضرت رسول اللہ صلعم نے لشکر غازیان ہندوستان میں شامل ہونیکا ارشاد کیا دیکھو کتاب قصر عارفاں موجودہ کتب خانہ ٹونکی واقعہ بہاولپور) یہ دونوں صاحب عرب سے معہ کئی دیگر عرب مجاہدین کے اس جنگ عظیم میں شامل ہوئے اسیطرح دیگر ممالک اسلامی ترکستان وغیرہ سے مجاہدین اس غزوہ عظیمہ میں آکر شامل ہوئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ عام مجاہدین کو نہیں لیا گیا تھا ورنہ تعداد بہت بڑھ جاتی صرف چیدہ اور منتخب بہادران کو لیا گیا تھا اسے انتخابی شہ سوار شائق شہادت مسلمان جس فوج میں ہوں۔ انکا مقابلہ ہندو فوج کیا کوئی قوم نہیں کرسکتی ایسے غازیوں کے حالات حصہ اول میں لکھ گئے ہیں پس اس فیصلہ کن جنگ عظیم کی فتح کا باعث ہندوؤں کی طوائف الملوکی تھی اور نہ سے چند کی علیحدگی۔ کثرت فوج اور زر و دولت قومی جوش کی ہندوؤں میں کمی نہ تھی جیسا ثابت و پائیداری سے مقابلہ کیا گیا وہ ہندوؤں کے لئے قابل فخر ہے فتح کی وجہ مسلمانوں کا جہادی جوش شوق و غزاہ شہادت ایثار نفس تھا اور یہی نسخہ ہے کہ جسکے استعمال سے ہر ایک زمانہ میں مسلمان "كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً" یعنی شاہدہ بارہا دیکھلے تھے مدد نظر مسندی کا نشان و دروازہ پر لٹکتے تھے فرمہ سپاہی حقیقی جوش کی کمی نے دنیا کے ہر ایک حصہ میں مسلمانوں کو ذلیل کر رکھا ہے +

[1] یعنی دو فرقے جہنم سے بچے ہوئے ہیں ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہونیوالے اور عیسیٰ کے ساتھ ہونیوالے ۱۲ منہ

[2] ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا۔ میں اگر وہ جہاد پاؤں تو اپنی جان و مال کو خرچ کردوں اگر میں مارا جاؤں تو افضل الشہداء ہوں گا اور اگر واپس آؤں تو میں ابوہریرہ آزاد کردہ جہنم سے ہوں گا ۱۲ منہ

فتح اجمیر اور خاندان پرتھی راج سے سلوک

اِس فتح عظیمہ کے بعد سلطان محمد غوری اجمیر کو بڑھا۔ پرتھی راج کا بیٹا کسی قدر جنگ کے بعد مغلوب ہوا۔ سلطان نے نہایت فیاضی سے پرتھی راج کے بیٹے کو تاج بخشی کی۔ اگر محمد غوری کینہ ور تنگ چشم یا زمانہ حال کی پالیسی کا پابند ہوتا تو کم سے کم پرتھی راج کے خاندان کی جگہ کسی اور ہندو خاندان کو حکومت اجمیر دیتا جس کو سلطان سے کوئی سابقہ عداوت نہ ہوتی مگر چونکہ سلطان ایک سچا بہادر اور اسلامی شرافت سے حصہ رکھتا تھا۔ خاندان پرتھی راج کے استیصال کے درپے نہ ہوا۔ بلکہ بدستور سابق حکومت اجمیر اُسی خاندان میں قائم رکھی۔ اجمیر سے چلکر بیانہ کو مطیع کیا۔ اور دہلی کو روانہ ہوا +

سلطان محمد غوری کا دہلی سے سلوک

بیانہ سے دہلی آیا اور حاکم دہلی کی معمولی اطاعت پر حسب شریعت اسلام اکتفا کر کے بروایت طبقات ناصری دہلی میں داخل ہوئے بغیر باہر ہی سے چلا گیا۔ اجمیر اور دہلی کا نہ لوٹنا سلطان کے اس طرز عمل کو بخوبی ثابت کرتا ہے۔ جو وہ مفتوحہ امصار سے برتتا تھا۔ اگر بقول معترضین محض لوٹیرا مرد مہ آزار۔ لالچی ہوتا تو اجمیر اور دہلی جیسے دولت مند اور زبردست شہنوں کے مولد و موطن کو ضرور لوٹتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور نہ اس عظیم الشان مہم میں کوئی ہندو جبراً مسلمان کیا گیا۔ ہزاروں اسیران جنگ کی نسبت بھی جبریہ اسلام کی کوئی روایت نہیں ملتی اِلّا وقت کے مؤرخ جو کسی پالیسی کے پابند نہ تھے ایسی کوئی مثال نہیں لکھتے جس سے ہندوؤں کا جبراً مسلمان کرنا ثابت ہو سکے۔ سلطان محمد غوری جو ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی مستقل بنیاد رکھنی چاہتا تھا۔ اور بہادر جرنیلوں کو ہندوستان کی آئندہ فتوحات کے لئے منتظر کرنیوالا تھا کس طرح ایسے خطرناک اور خلاف شرع امر کا ارتکاب کر سکتا تھا۔ وہ پرتھی راج جیسے خونخوار دشمنوں کے خاندان کو فیاضانہ سلوک سے گرویدہ کر رہا تھا اور اس سے دیگر ہندو راجگان کو اطاعت و محبت کا سبق دے رہا تھا پھر ایسا مدبر فاتح بقول لیتھرج صاحب "بانکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کس طرح کر سکتا تھا +

قطب الدین ایبک کی گورنری ہندوستان

سلطان اپنے بہادر غلام قطب الدین کو کہرام جو دہلی سے ستر میل جانب شمال واقع ہے۔ اپنا نائب (ویسرائے) مقرر کر کے واپس غزنی گیا۔ یہ تقرری ہندوستان میں مسلمانوں کی مستقل سلطنت کی علامت تھی۔ اس سے پہلے پنجاب سے آگے سلاطین غزنویہ کے حکام کبھی مقرر نہیں ہوئے تھے۔ پرتھی راج کے بعد جو اس علاقہ کا راجہ تھا سلطان کا فائق و استحقاق تھا۔ بہادر قطب الدین نے تمام علاقہ دامن کوہ سوالک پر تصرف کر لیا اور پھر اسی سال میرٹھ اور دہلی کو بے رعب ہندو حکام سے چھین کر اپنا دارالصدر مقرر کیا۔ یہ انقلاب ۵۸۸ھ میں ہوا۔

دہلی اور شاہان اسلام

دہلی کی تاریخ کئی بزرگوں نے لکھی ہے اور انشاء پردازی کا زور بھی دکھایا ہے۔ اور اس کی قدامت ثابت کی ہے۔ لیکن تاریخی سند سے عموماً خالی ہے۔ قدامت کے لئے پانڈوں کا آباد کیا ہوا شہر بیان کیا جاتا ہے۔ جس کا نام اندر پرست یا اندر پت تھا۔ مگر موجودہ دہلی یا پرانی دہلی کا اندر پرست کے موقعہ پر آباد ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ خود دہلی کا لفظ بتلا رہا ہے کہ دہلی اور اندر پرست ایک نہیں۔ دہلی کو ڈھلی لفظ سے بگڑا ہوا یا دلیپ پور سے نکلا ہوا جاننا بھی شاعرانہ گپ ہے۔ بہرحال دہلی کو راجہ دہلو سے منسوب کرنے میں تکلف نہیں ہوتا۔ راجہ دہلو بقول فرشتہ راجہ فور (پورس) سے شکست پا کر قید ہوا۔ اور پورس سکندر سے مقہور ہوا۔ اس لئے دہلی کی بنیاد مسیح علیہ السلام سے قریباً اڑھائی سو سال پہلے کی قرار دی جا سکتی ہے۔ شہر دہلی کا اس سے پہلے آباد ہونا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ابوالفضل آئین اکبری جلد دوم صفحہ نمبر ۱۴۷ پر لکھتا ہے کہ ۴۲۹ء بکرماجیتی میں انگ پال قوم تولوز نے شہر دہلی کو آباد کیا ہے۔ ۸۴۸ء بکرماجیتی میں بلدیو چوہان راجہ اجمیر نے پرتھی راج تولوز راجہ دہلی کو شکست دی اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بلدیو کی ساتویں پشت میں راجہ پتھورا ہوا ہے۔ جس کا مقابلہ سلطان معزالدین محمد غوری سے ہوا اور انگ پال تولوز کا دہلی کو مکرر ۱۱۵۱ء میں آباد کرنا اور رائے پتھورا (پرتھی راج) کے باپ سے شکست پانا جیسا کہ پرائمری اردو کورس نمبر ۷ مروجہ مدارس پنجاب میں لکھا ہے کسی طرح

درست نہیں ہوسکتا جب اننگ پال سوم نے مکرر ۱۰۵۲ء میں دہلی کو آباد کیا تو زیادہ سے زیادہ اُس نے پچاس سال پادشاہی کی ہوگی اور پھر پرتھی راج جس کو اُس کا نواسہ متبنےٰ کہا جاتا ہے راجہ دہلی ہوا ہوگا۔ محمد غوری کی پہلی لڑائی ۱۱۹۱ء میں اور دوسری لڑائی ۱۱۹۳ء میں ہوئی ہے۔ اِس سے پرتھی راج کی مدت حکومت ۹۱ یا ۹۳ سال اور عمر ایک سو سال سے زیادہ ماننی ہوگی حالانکہ بقول ابو الفضل جس کے بھائی فیضی اور ہم مکتب عبد القادر اور شیخ محمد سلطان تھانیسری نے کئی سنسکرت کی تاریخی کتابوں کا ترجمہ عہد اکبری میں کیا تمام ہندوستان کے فضلائے سنسکرت دربار دہلی میں محکمۂ ترجمہ میں کام کرتے اور ہندو فاضل اور محقق ابو الفضل کو ملتے تھے اسی وجہ سے آئین اکبری ایک ہندو قلم کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۱۴۶ پر پتھورا کے ایام حکومت ۴۹ سال پانچ ماہ ایک یوم لکھتا ہے۔ اور آخیر راجہ خاندان تولوز کے بعد خاندان چوہان کی فرمانروہی کا زمانہ بلدیو سے لیکر پتھورا تک ۴۳۷ سال ایک ماہ ۲۸ یوم بتلاتا ہے۔ اِس لئے یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ راجہ پرتھی راج سے پہلے چوہان خاندان کے چند راجہ دہلی میں حکمران رہ چکے تھے اگر پہلا چوہان راجہ پرتھی راج ہی ہے۔ تو آخیر راجہ خاندان تولوز ۱۰۵۲ء میں دہلی کا راجہ نہ تھا +

بہرحال ہند و عہد کی تاریخ لکھنے میں یہی مشکلات ہیں کہ سررشتہ تعلیم پنجاب کی لکسٹ بک کمیٹی کو بھی صحیح روایت کا ملنا مشکل ہوگیا۔ پھر ہاوشما کس برتنے پر ہندوؤں کی صحیح تاریخ لکھنے کا دعوےٰ کرسکتے ہیں +

بہرحال دہلی کی آبادی کا صحیح صحیح حال بتلانا تو مشکل ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ شہر دہلی چوہان خاندان سے پہلے کوئی زبردست راجدھانی تھی اگر ہوتی تو سلطان محمود جس نے بٹھنڈا۔ بھٹنر۔ لاہور۔ نگرکوٹ۔ میرٹھ۔ متھرا۔ گوالیار۔ کالنجر۔ قنوج وغیرہ تمام بڑے بڑے مشہور قلعوں۔ اور شہروں کو فتح کیا۔ دہلی کو کیوں چھوڑتا۔ اُس کی فتوحات میں نہ کہیں دہلی کا ذکر ہے اور نہ کسی جگہ راجہ دہلی کا نام ہے۔ دہلی میرٹھ کے قریب اور متھرا کے راستہ میں اگر طاقتور یا دولتمند شہر ہوتا تو سلطان محمود کے غازیانہ ہاتھوں سے کبھی نہ بچ سکتا اِس سے پایا جاتا ہے۔ کہ سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں دہلی قابل توجہ سلاطین نہ تھی بلکہ اس وقت میرٹھ جو ایک راجہ کی راجدھانی تھی زیادہ مشہور تھا سلطان مسعود بن سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جب ہندوستان پر حملہ کیا تو ہانسی کی فتح کے بعد سونی پت پر چڑھ گیا۔ جہاں کا راجہ دیال ہر اس نواح میں

کثرت فوج اور مال و دولت میں مشہور تھا۔ سونی پت کو فتح کیا گیا اور دہلی کو جو اُس کے قریب تھی چھوڑ دیا گیا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت دہلی سونی پت سے بھی کم طاقت تھی۔ اس نواح میں سات قلعہ لکھے ہیں جن میں ایک اندرپت بھی لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت قلعہ تو تھا۔ لیکن کسی اور زبردست راجہ کی ماتحت راجہ میرٹھ اور سونی پت کی تباہی پر دہلی کا ستارہ چمکا اور چوہان راجگان کے زیر حکومت زبردست سلطنت بن گئی۔

سلطان قطب الدین اور شمس الدین التمش قلعہ رائے پتھورا ہی میں مقیم رہے اور دہلی شاہان ہندوستان کا پایہ تخت مقرر ہوئی اور دہلی کی دولت و عظمت اور شوکت عمارات بڑھنے لگی اور ہر ایک بادشاہ اپنے اپنے عہد میں جدید یادگاری عمارتوں۔ قلعوں۔ چھاؤنیوں اور بستیوں سے اس دارالخلافہ کی شان بڑھاتا رہا اور اپنے اپنے مذاق اور ضرورت کے مطابق مختلف موقعوں پر نئی نئی بستیاں قائم کرتا رہا۔ اور اسلامی اولوالعزمی اور قدردانی صنعت و حرفت کا ثبوت دیتا رہا۔ سلطان قطب الدین اور شمس الدین التمش کی سب سے ممتاز یادگار قطب صاحب کی لاٹھ ہے جو قطب الدین کے عہد میں شروع ہوئی۔ التمش کے عہد میں بیس سال کے عرصہ میں ختم ہوئی۔ غیاث الدین بلبن نے دوسرا قلعہ تعمیر کیا۔ کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارہ ایک جدید شہر کیلوکھڑی آباد کیا۔ ہمایوں کا مقبرہ اسی جگہ ہے۔ علاء الدین خلجی نے ایک نیا شہر اور قلعہ سیری نام آباد کیا۔ تغلق شاہ نے تغلق آباد اور محمد تغلق نے سنگ مرمر کی عالیشان عمارت ہزار ستون سر بفلک تعمیر کر دکھائی۔ فیروز شاہ نے اپنے نام پر فیروز آباد اور اُس سے تین کوس کے فاصلہ پر شاہی محل جہان نما نام بنوایا اور فیروز آباد سے جہان نما۔ پرانی دہلی۔ دریا تک تین سرنگ (ٹنل) بنائی گئی تھیں جس میں پرانی دہلی کی سرنگ کا فاصلہ پانچ کوس اور جہان نما کا دو کوس تھا۔ یہ سرنگیں (ٹنل) اسقدر فراخ اور وسیع تھیں۔ کہ بادشاہ معہ بیگمات۔ بحالت سواری گذر سکتا تھا۔ یہ تمام جدت پسندی محض قدردانی صنعت و حرفت کا نتیجہ تھا۔ جس میں شاہان اسلام ممتاز رہے ہیں۔ مغلوں کے عہد میں جسقدر دہلی کی رونق بڑھی اور دہلی کو شوکت و عظمت حاصل ہوئی وہ سلطنت مغلیہ کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔ الغرض دہلی کو جسقدر ناموری اور عزت حاصل ہوئی ہے۔ وہ شاہانِ اسلام کے عہد میں حاصل ہوئی ہے۔ ضرور چوہان خاندان کے عہد میں دہلی کی ترقی شروع ہوئی۔ اور ہندوآنہ ترقی راجہ پرتھی راج کے عہد میں مکمل ہوئی۔ مگر اُس کو اسلامی عہد سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ پس اگرچہ شاہان

اسلام کی آباد کردہ بستیوں کا نام نہیں رہا اور وہی دہلی ہی مشہور ہے۔ مگر دہلی کو شاہانِ اسلام سے وہی نسبت ہے جو دمشق کو بنی امیہ سے بغداد کو عباسیوں سے بخارا کو سامانیوں سے غزنی کو آلِ محمود سے ہے۔ پس ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے دہلی ایک زندہ تاریخ ہے جس میں ہزاروں دیگر اسلامی یادگاروں کے علاوہ سلاطین معنوی شیخ المشائخ خواجہ قطب الدین رضی اللہ عنہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی وغیرہ سینکڑوں اولیاء اللہ اور شاہانِ صوری میں سے التمش۔ ناصر الدین محمود۔ غیاث الدین بلبن۔ علاؤ الدین خلجی۔ مبارک غیاث الدین تغلق۔ محمد تغلق۔ فیروز شاہ۔ بہلول و سکندر لودھی۔ ہمایوں وغیرہ سب دہلی کے سرزمین میں سوئے ہوئے ہیں۔ پس اسی وجہ سے ہندوستان کے ہر ایک مسلمان کو دہلی سے خاص تعلق ہے اور وہ دہلی کو ایک اسلامی شہر جانتا ہے۔ اور محقق مؤرخوں کے لئے خواہ کسی مذہب و قوم کے ہوں۔ ہندوستان میں دہلی سے بڑھکر اور کوئی جگہ تاریخی درجہ نہیں پاسکتی ؛

گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کے عہد میں گورنر جنرل بہادر کشور ہند کا صدر مقام نہ ہونے کے سبب دہلی کو وہ عزت حاصل نہیں ہوئی۔ مگر ہر ایک دربار شاہی کے انعقاد کا اعزاز دہلی کو ہی نصیب ہوتا رہا جس سے معناً گورنمنٹ انگریزی کی دار السلطنت ہندوستان دہلی ہی مفہوم ہوسکتی ہے۔ اور شائد کوئی وقت آجائے کہ دہلی کو سرکاری کاغذات میں بھی دار السلطنت کے خطاب سے مخاطب کیا جائے جو ہر ایک طرح موزون ہے ؛

فتح قنوج

جے چند راجہ قنوج جنگ ترادری میں ہندو فوج میں شامل نہیں ہوا تھا۔ مگر اس علیحدگی کو کسی مسلمان مورخ نے وجہ سازش نہیں لکھا۔ دوسرے سال ہی سلطان کا جے چند سے لڑنا عدم سازش کو ثابت کرتا ہے۔ جے چند کی علیحدگی قومی خیال سے نہایت معیوب تھی مگر اس کی شمولیت سے بھی وہی نتیجہ نکلتا جو علیحدگی سے نکلا۔ جے چند اگرچہ دولت اور قدامت خاندان کے اعتبار سے بڑھا ہوا تھا مگر فوجی طاقت اور قومی رسوخ کے رو سے پرتھی راج سے بہت کم تھا جب سلطان ۵۹۰ھ میں فتح قنوج کے لئے روانہ ہوا تو جے چند صرف تین سو ہاتھی میدان میں لاسکا اور پرتھی راج کے ساتھ تین ہزار جنگی ہاتھی موجود تھے۔

پرتھی راج کو سلطان محمد غوری نے صبح سے شام تک اور بقول ہنود دو یا چار روز کی خونخوار لڑائی کے بعد مغلوب کیا اور جب تک کہ سلطان نے خود حملہ نہ کیا۔ بہادران غوری پرتھی راج کی بہادر فوج کو ایک قدم پیچھے نہ ہٹا سکے اور جے چند سلطان کے ہراول قطب الدین کے حملہ کی بھی تاب نہ لاسکا اور تمام ساز و سامان ہاتھی گھوڑے نقدی وغیرہ کھو کر بھاگ گیا یا ہلاک ہوا۔ یہ لڑائی مقام چندواڑہ متصل اٹاوہ کے ہوئی تھی۔ اسی قیاس سے ہم نے لکھا ہے کہ اگر جے چند میدان تراوڑی میں موجود ہوتا تو بھی کامیابی محال تھی ؛

فتح بنارس اور جبراً مسلمان کرنیکے الزام کی تردید

اس فتح کے بعد سلطان نے قنوج کے خزانوں پر قبضہ کرلیا اور وہاں سے بنارس گیا جو قنوج سے دوم نمبر پر جے چند کا صدر مقام تھا۔ یہاں ایک ہزار بت خانے توڑے گئے اور غالباً مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ یہی مسجدیں تھیں جو عہد جہانگیر یا اکبر میں زور پاکر ہندوؤں نے مسمار کیں اور مندر تعمیر کئے اور شاہجہان نے مندر گروادئے اور اورنگ زیب بھی بنارس میں مسجدیں تعمیر کرا رہا جس کا ذکر موقعہ پر کیا جائیگا۔ سلطان محمد غوری کے تمام حملات میں یہی ایک واقعہ ہے کہ جس سے بتوں کا توڑنا اور مندروں کا گرانا ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہاں یا کسی اور جگہ کسی ہندو کو جبراً مسلمان کرنا ہرگز نہیں پایا جاتا جس سے لیتھبرج صاحب کا یہ الزام کہ سلطان محمد غوری " راجپوتوں کو جو بڑے مغرور تھے بزور شمشیر طریق اسلام پر لانا چاہتا تھا " کسی تاریخی واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا جب محمد غوری کی عملی کارروائی سے تو راجپوتوں کا جبراً مسلمان کرنا ثابت نہیں ہوسکتا تو پھر لیتھبرج صاحب نے کئی صدیوں بعد سلطان کی نیت کو کس طرح بھانپ لیا۔ اگر سلطان کا خیالی عزم معلوم بھی ہوگیا۔ تو انگریزی قانون کا مشہور مسئلہ کہ اقدام ارتکاب میں فرق ہے اور نیت کرنا کوئی جرم نہیں۔ جبتک کہ فعل میں نہ لائی جائے لیتھبرج صاحب کا اس قسم کا بہتان لگانا انسانی کانشنس کا خون کرنا ہے مسلمان مورخ جب ایک ہزار بت خانے کے واقعہ کو صاف لکھ رہے ہیں۔ تو اگر ہندو مسلمان طوعاً یا کرہاً کئے جاتے۔ تو اسکو بھی بلا تردید لکھدیتے۔ کیونکہ مورخین سلف کو کسی قسم کے اعتراض کا خوف نہ تھا۔ اور نہ وہ زمانہ حال کی طرح کسی پالیسی کے پابند تھے جو واقعہ دیکھتے یا معتبرین سے سنتے بلاکم و کاست

لکھدیتے تھے ۔

بتوں کا توڑنا اور مندروں کا گرانا بہ تقلید سنت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام تھا جس کی بابت ہم سلطان محمود غزنوی کے حال میں مفصل بحث کر آئے ہیں پس سلطان محمد غوری کا عام برتاؤ ہندوؤں کے ساتھ وہی تھا جس کا حکم اسلام دیتا ہے کہ کسی کو جبراً مسلمان نہ کیا جائے اور ذمی غیر مسلم اقوام کے عدالتی حقوق مسلمانوں کے برابر سمجھے جائیں ۔

پرتھی راج کی شکست نے ہندو طاقت کو قریباً نابود کر دیا اور سلطان نے اپنے جرنیل ہی دیگر فتوحات ہندوستان کے لئے کافی تصور کئے ۔ چنانچہ قطب الدین نے اجمیر گوالیار ۔ گجرات ۔ بداؤں کو فتح کیا ۔ اور بختیار خلجی نے بنگال کو سر کیا ۔ ناصر الدین قباچہ نے سندھ اور سیستان پر سکہ جمایا ۔ سلطان واپس غزنی جا کر خراسان ۔ خوارزم و ترکستان کے جھگڑوں میں مبتلا رہا اور اُس کے جرنیل فتوحات بڑھاتے رہے بقول فرشتہ ۵۹۲ھ میں سلطان ہندوستان آیا اور قلعہ بیانہ فتح کیا ۔ مگر طبقات ناصری میں جو حالات غوریہ میں زیادہ معتبر ہے ۔ سلطان کا ۵۹۲ھ میں بیانہ فتح کرنا نہیں لکھا ۔

سلطان معز الدین محمد غوری کی شکست خوارزم

اور

بغاوت پنجاب کھوکھروں میں اسلام

سلطان غیاث الدین ۵۹۹ھ میں ہرات میں فوت ہوا ۔ اور اُس کی وصیت کے مطابق محمد غوری تاجدار ہوا ۔ ملوک غور میں علاقہ غور اور خراسان تقسیم کیا ۔ خوارزمی جن کے ساتھ مدت سے بگاڑ چلا آتا تھا ۔ اور بہادران غوریہ سے عموماً نقصان اُٹھاتے رہے تھے اب سلطان محمد خوارزم شاہ کی حریفانہ پالیسی سے زیادہ بگاڑ ہوا ۔ اس لئے سلطان معز الدین محمد غوری ۶۰۰ھ میں خوارزمیوں کے مقابلہ کو نکلا ۔ خوارزم شاہ شکست پاکر خوارزم (خیوا) میں قابض ہوا ۔ لڑائی میں غوری امیر بہت مارے گئے ۔ عثمان سلطان سمرقند اور چینی تاتار کے کفار مغلوں کا خوارزم شاہ کی امداد پر آنا مشہور ہوا ۔ چونکہ سلطان محمد غوری کے اکثر بہادر جرنیل مارے گئے اور فوج کم ہو گئی تھی ۔ اس لئے فالتو اسباب چھوڑ کر واپس چلا آیا مغلوں کی فوج نے رہتے

فرشتہ کی روایت کے مقابلہ میں منہاج سراج کی روایت زیادہ وثوق کے قابل ہے جس کا باپ سلطان محمد غوری کا قاضی لشکر اور وہ خود اُس وقت فیروزکوہ تخت گاہ غور میں شاہی محلات میں موجود تھا۔ وہ سلطان کا قاتل فدائی ملحد لکھتا ہے۔ یہ فدائی حسن بن صباح کے مرید اور کئی ایک سلاطین و علماء کی جان لے چکے تھے۔ ہر ایک جگہ اُن کا پہنچنا ممکن تھا اپنا راز دل چھپانے اور تقیہ میں اور کوئی فرقہ فدایوں کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ مخالفوں کی ہلاکت فدایوں کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ چونکہ غور سے سیف الدین اور غیاث الدین کے عہد میں اور خود محمد غوری نے ملتان سے ملاحدہ کی بیخکنی کی تھی۔ اِس لئے اِنتقاماً سلطان فدائی ملحد کے ہاتھ سے ۶۰۲ھ میں شہید ہوا۔ خواہ قاتل نسل کے اعتبار سے کھوکھر تھا یا کوئی اور مگر مذہب کے رو سے وہ ضرور ملحد فدائی تھا۔ منہاج سراج لکھتا ہے کہ وزیر سلطان کا جنازہ اور خزانہ لے کر نہایت حکمت عملی سے غزنی کو روانہ ہوا۔ اور بامیان میں تاج الدین یلدوز نے معززانہ استقبال اور سخت آہ و بکا کا عالم برپا کیا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ سلطان غزنی میں دفن ہوا۔ مگر ابو الفضل نے آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۔ پر خفتگان دہلی کی فہرست میں شہاب الدین کا نام بھی لکھا ہے۔ ابو الفضل کی لیاقت و دانش پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مگر قریباً چار سو سال بعد کی تحریر منہاج سراج پر جو خود التمش کے عہد میں دہلی آیا۔ اور قاضی القضاۃ اور صدر جہان دہلی میں عہد بلبن تک رہا اور اُس عہد میں کئی ایک امراء و ملوک مغربیہ زندہ تھے۔ سلطان محمد غوری کا خطبہ بطور یادگار پڑھا جاتا تھا۔ اگر دہلی میں قبر ہوتی تو عہد التمش میں مسلمانوں کی مشہور زیارت گاہ ہوتی۔ اور منہاج سراج جیسا فاضل اور تمکھار تربیت یافتہ خاندان غور ضرور زیارت کرتا اور اپنی تاریخ میں جنازہ کا غزنی پہنچنا اور تاج الدین یلدوز کا بدحواس ہوکر ماتم و تعزیت کرنا کبھی نہ لکھتا۔ اِس لئے ابو الفضل کی نسبت منہاج سراج کی روایت معتبر ہے۔

عبد القادر بداونی اپنی تاریخ منتخب التواریخ میں لکھتا ہے کہ امام فخر الدین رازی لشکر محمد غوری میں ہر ہفتہ (جمعہ) کو وعظ کہتا اور سلطان وعظ میں حاضر ہوتا۔ اور نار زار روتا سلطان کے قتل ہونے پر امام رازی کو اس شبہ میں گرفتار کیا گیا۔ کہ امام رازی کو فدائی کھوکھروں کا منصوبہ معلوم تھا۔ مگر موید الملک بخری ایک امیر کی کوشش سے امام رہا ہوکر وطن سلامت پہنچا۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ قاتل امام فخر الدین رازی کی صحبت میں آتے جاتے

تھے۔ بلکہ گہرا تعلق رکھتے تھے اور یہ امر بغیر ظاہری اسلام کے ممکن نہ تھا۔ اور وہ کھوکھر فدائی تھے اور مسلمانوں میں ملے جلے رہتے اور اس فاضل کے عقیدت مند خادم بظاہر دکھائی دیتے جیسا کہ ایک فدائی کا خود امام فخر الدین رازی کے قتل کا مرتکب ہونا مشہور ہے۔

سلطان محمد غوری کے جرنیل

سلطان محمد غوری کے بیالیس جرنیل تھے جن میں سے بعض اس کے جدی ملوک غوریہ تھے اور یہ خاصہ غیاث الدین اور معز الدین محمد غوری کے حسن سلوک کا تھا۔ کہ اُس کے خاندان کے معزز تاج و تخت کے وفادار تابعدار رہے یہ دونوں بھائی بذل اموال انعام اکرام میں شہرہ آفاق تھے لائق آدمی کی دل سے قدر کرتے تھے۔ محمد غوری پابندی شریعت اور بہادروں کی قدردانی میں بے مثل تھا جو کام اور نہیں کر سکتے تھے اور بڑے بڑے بہادر جرنیل جھکتے تھے۔ محمد غوری اُس کام کی سخت ڈیوٹی خود لیتا تھا۔

سلطان محمد غوری موروثی سلطنت کا حامی نہ تھا

خلفائے راشدین اور ایک دو سلاطین بنی امیہ کے سوا صرف ایک سلطان محمد غوری ہی ہے جو موروثی سلطنت کی بنیاد رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ الکرم للتقوی کے (شرافت پرہیزگاری پر موقوف ہے) سنہری اصول اسلام کا کاربند تھا۔ کام کرنے والے اور قومی خدمت بجا لانے والے شخص کی عزت افزائی کرتا تھا خواہ وہ حُر ہو یا عبید۔ آزاد ہو یا غلام۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے خاندان میں سے کئی ایک ملوک خصوصاً غیاث الدین کے بیٹے محمود کی موجودگی میں بروایت طبقاتِ ناصری تاج الدین یلدوز کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا تاج الدین گو غلام تھا مگر بہادر جان نثار۔ جواد۔ کریم النفس۔ عادل تھا۔ اور ملوک غوریہ اس درجہ کی لیاقت نہ رکھتے تھے۔ پس جس طرح ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے لائق اور جدی بیٹوں کی موجودگی میں اوروں کو خلافت کے لئے منتخب کیا اسی طرح سلطان محمد غوری نے اپنے خاندان میں سے کسی کو ولیعہد مقرر نہ کیا اگرچہ ناگہانی موت کے سبب اُس نے اپنی جانشینی کا کوئی فیصلہ نہ کیا مگر بقول منہاج سراج تاج الدین یلدوز کو اپنا ولیعہد مقرر کرنا چاہتا تھا۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان رشتہ دیگانگت کے

مقابلہ میں علمی لیاقت کی زیادہ قدر کرتا تھا۔ غلامان خاصہ میں۔ تاج الدین۔ قطب الدین ناصر الدین۔ بختیار علاقہ کابل اور ہندوستان کے گورنر تھے۔ اور سب غلام تھے شائستہ خدمات ملکی و جنگی سے سلطان کے منظور نظر تھے اور سلطان ان غلاموں کو بمنزلہ اولاد اور ذریعہ بقائے نام جانتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک مصاحب نے عرض کی کہ اگر عضو کا کوئی فرزند نرینہ ہوتا۔ تو دنیا میں نام و یادگار رہتی۔ کیونکہ سلطان محمد غوری کے صرف ایک لڑکی تھی۔ سلطان نے کہا کہ میرے تو ہزاروں فرزند نرینہ (غلام) ہیں۔ جو اسلامی جوش اسلامی محبت اسلامی خدمت میں میری عادات سے پورا حصہ رکھتے ہیں۔ جو میرا خطبہ و سکہ جاری کھیں گے اور میرا نام باقی رہیگا۔ فرزند نرینہ اس سے بڑھ کر کیا یادگار قائم رکھ سکتا ہے۔ واقعی اس خدا پرست اور کریم النفس سلطان نے جو کچھ کہا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا انہیں غلاموں نے ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کی اور سلطان کا نام برقرار رکھا۔ یہ مثال ایک حقیقی ایثار نفس کی ہے۔ خاندانی فوائد کو قوم و ملت پر قربان کر دیا۔ غیر قوم اور غیر کفو کے زر خرید غلاموں کو قومی سٹیج پر لاکر نالائق رشتہ داروں کے مقابلہ میں اعلےٰ تربیت دیکر اُن کے اعلیٰ درجہ کی فطرتی قابلیت سے اسلام کی ناخدائی کا کام لیا۔

سلطان محمد غوری کی فتوحات اور مفتوحہ اقوام سے سلوک

سلطان کے عہد کی بڑی بڑی فتوحات بروایت طبقات ناصری غزنی۔ ملتان اچہ۔ پشاور۔ لاہور۔ سوغار۔ قرامط۔ سرسہند۔ بھٹنڈا۔ مالوا۔ اجمیر۔ سیالکوٹ ہانسی۔ سرستی۔ کہرام۔ دہلی۔ کول۔ بنارس۔ بیانہ۔ نہروالہ گجرات۔ لکھنوتی بنگال۔ ندیہ کوچ بہار وغیرہ جن میں سے تیس غزوات خاص غیر مسلم اقوام ہندو اور ترکوں سے کئے۔ پس یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا۔ کہ محمد غوری محمود غزنوی سے عام معرکہ آرائیوں میں برابر جرنیلوں کی فتوحات ملا کر زیادہ تھا۔ ضرور دو دفعہ ہندوؤں سے اور ایک دفعہ ترکوں سے شکست کھائی اور بلند اقبال محمود ہر جگہ مظفر و منصور رہا۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ محمد غوری کے مقابلہ کو وقت ہندو فنون حرب سے بخوبی واقف ہو چکے تھے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور مغل اس وقت تسخیر کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ سلطان محمد غوری کے شہید ہوتے ہی چنگیز خاں نے مسلمانوں کو تباہ کرنا شروع کیا۔ مفتوحہ اقوام سے دونوں کا سلوک

یکساں تھا۔ ذمی و حربی کی امتیاز اور اُن سے عام سلوک کے مشرح و منصفانہ قواعد شریعت محمدی میں موجود تھے۔ اور ہر ایک پابند اسلام غزنوی ہو یا غوری ان قواعد کی تعمیل کرتے کسی مفتوح قوم پر جبر و ظلم نہیں کر سکتا جس طرح سلطان محمود شیفتہ اسلام تھا محمد غوری اُس سے بڑھ کر تقلید شریعت کا علمی شوق رکھتا تھا۔ پس مقررہ خراج رجزیہ ادا کرنے کے بعد ہندو رئیس و رعایا مذہبی تمدنی امور میں بالکل آزاد تھی۔ زراعت و تجارت۔ صنعت و حرفت پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ اُن کے باہمی تعلقات جبتک کہ تاج و تخت کو اُن سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہوتا تھا۔ سرکاری دست اندازی سے محفوظ رہتے تھے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سلطان محمد غوری نے محمود غزنوی کی نسبت ہندو ریاستوں کا الحاق اسلامی علاقہ سے کیا مگر جبکہ سلطان ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد مستقل طور سے قائم کرنے کا عزم بالجزم کر چکا تھا۔ تو کشور کشائی کے لئے یہ امر لازمی تھا کہ بعض سابقہ ریاستیں کمزور یا مستاصل کیجا دیں۔ تاریخ عالم میں ایسے سینکڑوں نظائر موجود ہیں۔ ملک بڑھانے والی گورنمنٹ کو سابقہ ریاستوں کی قطع برید کرنی پڑتی ہے۔ اور چھوڑ ہندو سلطنت کے زمانے میں راجگان کشور کشا مفتوحہ رو ساء کا علاقہ اپنے اپنے ممالک محروسہ میں شامل کرتے رہے۔ سلطان محمد غوری جس کے اپنے ہاتھ سے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا۔ وہ اپنے جائے نشین غلاموں کے فعل کا ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ اور سلاطین غلام مجبور تھے جن کی بحث موقعہ پر ہوگی۔ پرتھی راج پر فتح پانے کے بعد چوہان خاندان کی موروثی ریاست اجمیر پرتھی راج کے بیٹے کو دی گئی۔ قنوج کو بعد شکست راجہ جے چند اسلامی علاقہ میں شامل کیا گیا۔ اور مغلوب کی جائداد ہمیشہ غالب کا حق ہوتی ہے۔ اس بات کو ہم ظاہر کر دیتے ہیں۔ کہ سلطان محمد غوری کی فوج میں ہندوؤں کا نشان نہیں ملتا۔ اور برعکس اس کے محمد غوری کے جائے نشین سلاطین غلامان میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ عہد سلطان محمد غوری میں تو اس کی بڑی وجہ مصلحت ملکی اور احتیاط حفظ ماتقدم تھی۔ سلاطین غزنی نے ہندوؤں کو اسلامی فوج میں شامل کیا اور جرنیل فیلڈ مارشل تک کے عہدہ ہندوؤں کو دئے۔ نتیجہ سلطان محمد غوری کو بھگتنا پڑا وہ ہندو جو کبھی مسلمانوں پر کامل فتحیاب نہیں ہوئے تھے مہارت جنگی کے باعث جو عہد غزنویہ میں حاصل کی تھی بہادران غوری کو دو دفعہ شکست فاش دیکر مسلمانوں کی عام ظفر جنگی پر دھبہ لگا دیا

اسی وجہ سے ہر ایک گورنمنٹ کو سابقہ انتظام اور سکیم بدلنی پڑتی ہے مفتوح قوم کا خود اپنا چال چلن ذمہ دار ہے۔ کوئی گورنمنٹ زوال سلطنت کے اسباب کو بڑھنے نہیں دیتی اور نہ کوئی منصف مزاج مورخ ایسی احتیاطی تدابیر پر اعتراض کر سکتا ہے۔ الفنسٹن صاحب کا یہ قول غلط ہے کہ محمد غوری سلطان محمود کی نسبت زیادہ سفاک تھا +

سلطان محمد غوری کے جانشین

سلطان کی وفات کے بعد اُس کا بھتیجا محمود بن غیاث الدین ایک اور رقیب کو نکال کر تخت فیروزکوہ پر جلوس فرما ہوا اور غزنی پر سلطان محمد غوری کے دو چچازاد بھائی ملوک بامیان قابض ہو گئے۔ مگر آخر کار تاج الدین یلدوز نے ترکوں کی مدد سے غزنی پر تصرف کر لیا۔ اور سلطان محمود کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ اسی طرح ناصر الدین قباچہ نے ملتان اور سندھ پر اور قطب الدین نے دہلی وغیرہ پر قبضہ رکھا۔ پنجاب کی بابت تاج الدین اور قطب الدین میں جھگڑا ہوتا رہا۔ جس کا ذکر قطب الدین کے حال میں لکھا جائے گا۔ سلطان محمود نے تاج الدین اور قطب الدین کو خود مختار تسلیم کیا۔ صرف برائے نام خطبہ میں سلطان محمود کا نام لیا جاتا تھا۔ سلطان محمود خاندان غوری کا اخیر بادشاہ ہے جو ملک میں عزت و وقار رکھتا تھا۔ بعد اس کے خوارزمیوں مغلوں کے ہاتھ سے اس خاندان کا فیصلہ ہوا۔ کچھ مارے گئے کچھ اِدھر اُدھر جان بچا کر بھاگ گئے۔ کچھ ہندوستان میں اپنے غلاموں کے احسان مند ہوئے۔ قطب الدین ایبک سلطان محمد غوری کی یادگار کا مل تھا جس نے سلطان کا نام زندہ رکھا +

تاج الدین یلدوز

سلطان محمد غوری کے چند نامور جرنیل ایسے ہیں کہ جو سلطان کی حسن عقیدت سے اسلامی خدمات اور صفات حسنہ سے ممتاز رہے۔ اس لئے ان کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاج الدین یلدوز ابھی بچہ ہی تھا۔ کہ سلطان محمد غوری نے خرید کیا اور عقل وحسین ہونے کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے تمام ترک غلاموں کا سردار بن گیا خصائل حمیدہ

کی وجہ سے گورنر بامیان وغیرہ مقرر رہا۔ جب سلطان ہندوستان کو آتا تو تاج الدین تمام لشکر شاہی کی دعوت کرتا اور تحائف دیتا۔ سلطان اُس کو اپنا ولیعہد بنانا چاہتا تھا مگر قبل از وقت سلطان شہید ہوگیا۔ اور سلطان کے چچازاد بھائی علاؤالدین اور جلال الدین نے خزانہ سلطان کو باہم تقسیم کر کے غزنی پر قبضہ کرلیا۔ صرف جلال الدین کے قبضہ میں ڈیڑھ سو اونٹ روپیوں اور جڑاؤ قیمتی اسباب کے آئے تھے۔ تاج الدین یلدوز نے ترکوں کی مدد سے غزنی پر قبضہ کرلیا اور سلطان محمود ولد سلطان غیاث الدین غوری کی اجازت سے تخت غزنی پر بیٹھا اور اپنے داماد سلطان قطب الدین ایبک سے شکست کھا کر بھاگا۔ مگر چالیس روز بعد قطب الدین کی غفلت اور ترکوں کی مدد سے تاج الدین غزنی پر قابض ہوگیا۔ تخت غزنی کے استحقاق سے التمش کے عہد میں پنجاب پر حملہ کیا مگر شکست کھا کر قلعہ بداؤں میں قید ہوا۔ اور اسی جگہ فوت و دفن ہوا۔ مؤرخوں نے تاج الدین یلدوز کو منصف عادل۔ کریم النفس۔ سخی صلح کل۔ قدر دانِ علوم و فنون لکھا ہے ✦

تاج الدین کے حلم کی حکایت

تاج الدین کے دو بیٹے تھے تعلیم کے لئے اُستاد کے سپرد کئے۔ استاد نے ایک شاہزادہ کو تادیباً کوڑا مارا جو اتفاقاً مقتل پر لگا۔ اور شاہزادہ مرگیا۔ سلطان نے از روئے حلم و نیکذاتی استاد کو زادِ راہ دے کر حکم دیا۔ کہ فوراً بھاگ کر کہیں چھپ جائے۔ تاکہ شہزادہ کی والدہ سُن کر ایذا نہ پہنچائے یہ کمال درجہ کا حلم تھا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ انہیں اوصاف حسنہ سے سلطان محمد غوری تاج الدین پر مہربان اور اس کی ولیعہدی پر مائل تھا ✦

ناصر الدین قباچہ

سلطان محمد غوری کو ترک غلاموں کے خریدنے اور تربیت کا کمال شوق تھا۔ جن کو بمنزلہ اولاد جانتا تھا۔ سلطان کی محبت اور فیض تربیت سے یہ غلام اسلام کی لڑائی تعلیم اور سلطان کی صفاتِ حمیدہ کی تقلید سے بہادر جان باز۔ قومی خادم۔ رعیت نواز۔ حامی اسلام۔ عادل و منصف جو سلاطین اسلام کے لئے ضروری جوہر ہیں۔ ان غلاموں میں پائے جاتے تھے۔ ان میں سے ناصر الدین قباچہ ملتان اور اچہ کا حاکم تھا۔ سلطان محمد غوری کے اکثر معرکوں میں شامل رہا۔ اور غزا و جہاد کا حق ادا کرتا رہا۔ اور سلطان اور جملہ معاصرین

ہیں مورد تحسین و آفرین ہا۔ جب معرکہ اندخود واقعہ تاتار میں سلطان کو شکست ہوئی اور ملک ناصرالدین ایتم والئے ملتان تن تنہا سلطان محمد غوری کے روبرو کئی ایک بہادرانِ مغل کو قتل کرنے کے بعد آقائے ولینعمت پر قربان ہوگیا۔ سلطان نے ملتان پہنچکر ناصرالدین شہید کی یادگار کے لئے اُسی کے ہمنام ناصرالدین قباچہ کو حاکم ملتان مقرر کیا۔ جو اپنی تجربہ کاری اور دینی خدمات میں اسم بامسمی تھا۔ جب سلطان محمد غوری کے بعد اس کا بھتیجا محمود غوری برائے نام بادشاہ رہ گیا تو امرائے ترک اپنی اپنی سلطنت بڑھانے لگے تاج الدین یلدوز نے علاقہ ملتان پر حملہ کیا مگر اپنے داماد ناصرالدین قباچہ سے شکست کھائی۔ ناصرالدین قباچہ نے تمام علاقہ سندھ پر قبضہ کرلیا۔ اسی کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے منصورہ (واقعہ سیستان ایرانی) پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ مغلوں کے ہاتھ سے تباہ شدہ غزنی و غور کے مسلمان امراء و علماء وغیرہ ملتان میں پناہ گزین ہوتے رہے۔ اور ناصرالدین نے ان بے خانماں مسلمانوں کی امداد میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ اور شریفانہ مہمان نوازی جسکی اسلام تعلیم دیتا ہے۔ پوری پوری ادا کی۔

خلجیوں اور مغلوں کے مقابلہ میں ناصرالدین نے داد جہاد دے کر اسقدر شجاعت و پائداری دکھائی۔ کہ ہزارہا مغل جو ہر ایک جگہ مسلمانوں کو کاٹتے رہے تھے یہاں محمد غوری کی یادگار اور تربیت یافتہ غلام کے ہاتھ سے پیوند زمین سندھ ہو گئے۔ ہندوستان پر مغلوں کا یہ پہلا حملہ تھا چنگیز خاں دریائے سندھ سے پار نہیں اُترا تھا۔

جلال الدین خوارزم اسی کے عہد میں وارد سندھ ساگر میں کچھ مدت رہ کر براہ سندھ ایران گیا تھا شمس الدین التمش سے ناصرالدین کا بگاڑ رہا۔ آخر ۶۲۴ھ میں التمش نے ملتان اور اچہ فتح کرلیا۔ اور ناصرالدین بھکر کے قریب دریائے سندھ میں غرق ہو کر فوت ہوا۔ اسی سال میں صدر جہاں منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری اُچہ میں پہنچا تھا اور قدردان ناصرالدین نے اُسکو کالج اُچہ کا پرنسپل مقرر کیا تھا اور پھر التمش کا ملازم ہوا۔ اوبلبن کے عہد تک دہلی میں رہا۔ اور چند بار شیخ الاسلام دہلی اور قاضی القضاۃ ہوتا رہا۔

سلطان قطب الدین ایبک اور اسلام کی غلامی

سلطان قطب الدین دہلی کا پہلا مسلمان بادشاہ ہے۔ اسی نے دہلی کو سب سے پہلے فتح کیا اور

صدر مقام بنایا۔ اسی عہد سے دہلی کی ترقی شروع ہوئی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی مستقل سلطنت ہندوستان میں قائم نہ ہوئی تھی۔ عربوں کی سندھ میں اور غزنویوں کی پنجاب میں مستقل حکومت رہی مگر دونوں قائم نہ رہ سکیں سلطان محمد غوری نے اپنے نمکخوار غلاموں کو ہندوستان کے مختلف حصوں پر گورنر مقرر کیا۔ ناصرالدین قباچہ ملتان میں بہاء الدین طغرل بایانہ وگوالیار میں قطب الدین ایبک کہرام میں۔ مخالفین اسلام جو اسلام کو غلامی کا مددگار بتاتے ہیں" ان اسلامی سلطنت کے بانی غلاموں کی ملکی علمی صنعتی۔ فوجی ترقی پر غور کریں۔ کہ دنیا کی کوئی قوم یا مذہب ایسی نظیر پیش کرسکتا ہے کہ زرخرید غلام اپنے آقا کے روبرو آزاد ہوکر والیان ممالک اور آقا کے ہم قوموں پر حاکم یا اختیار مقرر ہوئے ہوں۔ یہودیوں۔ رومیوں کا غلاموں سے سلوک جیوانوں سے بدتر تھا۔ ہندوؤں نے تو فطرتاً ہی شودروں کو اپنا غلام بنا لیا اور بیچارے شودروں کے لئے ہر ایک ترقی کا راستہ بند کردیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زید بن حارث کو آزاد کیا۔ اپنی پھوپھی زاد شریف زادی قریش عورت سے نکاح کیا۔ اور اسلام کے اس عالمگیر اصول کا عملی نمونہ دکھانے کے لئے کہ اسلام میں آزاد کا کوئی فرق نہیں کرتا۔ اپنے بیگانہ کالے گورے کی تمیز نہیں رکھتا اُنکا زریں اصول" ۔ الکرم للتقوٰی" ہے۔ غزوہ بنوتک میں اس غلام آزاد کو شرفائے قریش کی فوج کا سرخیل بنایا گیا تھا جس فوج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ اور خالد بن ولید جیسے جلیل القدر رؤسائے قریش شامل تھے۔ اسی طرح غلام زادہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ مہاجر وانصار کی فوج کا سردار تھا۔ سلطان محمد غوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی تقلید نبوی میں ہزارہا غلاموں سے شفقت ومروت کے ساتھ پیش آتا اور دیندار اور خادم دین غلاموں کی عزت افزائی میں کوتاہی نہ کرتا۔ یہاں تک کہ اپنے خاندان کے افراد پر غلاموں کو ترجیح دیتا یہی غلام تھے جنہوں نے کفار مغل سے ہندوستان کو ہی نہیں بچایا اور رعایا کی مال وجان کی ہی حفاظت نہیں کی بلکہ تمام ایشیا کے برباد شدہ مسلمانوں کو پناہ دی اور بتقلید صحابہ کرام غزا وجہاد کی داد دے کر اسلام کا وقار قائم رکھا اور مغل جو تمام ایشیا کو زیروزبر کرچکے تھے ہندوستان سے ہر بار مار کھا کھا کر نکالے جاتے رہے۔ اور یہی حال مغلوں کا مصر کے سلاطین غلام کے ہاتھ سے ہوا۔ یہ ہے اسلامی غلامی جس پر مخالف تعصب سے نادان لوگوں کو اسلام کی طرف سے نفرت دلاتے ہیں۔ مگر اسلام کی تاریخ جاننے والے بخوبی سمجھتے ہیں کہ جس قدر غلاموں کی حمایت اسلام

نے کی۔ اور جس قدر غلاموں کی آزادی اور آسائش کے لئے اسلام نے ہدایات دی ہیں۔ اور عملی نمونہ دکھائے ہیں اُس کی نظیر دنیا میں کوئی مذہب پیش نہیں کرسکتا۔ پس دہلی کے غلام جو شجاعت وعدالت عفت وسخاوت میں ضرب المثل ہیں اسلام کی فیاضانہ تربیت کی کافی شہادت ہیں ۔

قطب الدین بچپن ہی میں نیشاپور کے حاکم کے ہاتھ فروخت ہوا۔ اور حاکم مذکور کے بیٹوں کے ہمراہ مکتب میں جانا رہا کلام اللہ پڑھا۔ اور اُسی حاکم کی مربیانہ تربیت سے مشہور شہ سوار اور تیر انداز نکلا۔ غلاموں کے تاجر کے ذریعہ غزنی پہنچا۔ سلطان محمد غوری نے خرید کیا اور غلامان خاصہ کی فوج میں داخل کیا۔ انگشت خنصر کے شکستہ (شل) ہونے کے باعث ایبک کہلاتا تھا چونکہ خوبصورت جوان نہ تھا اس لئے خصوصیت حاصل نہ کرسکا۔ مگر ایک دن جشن شاہی میں دیگر غلاموں کے ساتھ انعام ملا اور غلام تو اپنے اپنے گھروں میں انعام لے گئے مگر قطب الدین نے سارا انعام ادنیٰ ملازمان سلطانی کو بانٹ دیا قدرشناس سلطان یہ خبر سن کر قطب الدین کی سبز چشمی۔ علوہمتی۔ کریم الطبعی پر بہت خوش ہوا اور لائق امارت خیال کیا اور خاص اپنی ذاتی خدمات پر مقرر کیا۔ غوریوں اور سلطان شاہ خوارزمی کے معرکہ میں اس فوج کا افسر تھا۔ جو گھاس چارہ لانیوالی پارٹی کی محافظ تھی۔ ایک دن کیمپ سے دور سلطان شاہ کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ اگرچہ بہت کچھ بہادری دکھائی۔ لیکن قلت فوج کے سبب سے گرفتار ہوا۔ اور آہنی تختہ بندی سے قید کیا گیا جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین اُسی حالت تختہ بندی میں اونٹ پر بٹھلا کر سلطان محمد غوری کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ بہادروں کے قدردان سلطان کے دل پر قطب الدین کی وفاداری اور جان نثاری نقش ہوگئی۔ اور جرنیل بنایا گیا۔ فتوحات ہندوستان میں قطب الدین ہر ایک معرکہ میں فوق العادت شجاعت دکھاتا رہا۔ پرتھی راج کی شکست کے بعد کہرام میں جو دہلی سے ستر میل جانب شمال واقعہ تھا اپنا نائب مقرر کرکے واپس غزنی ہوا۔ اور مہمات ہندوستان کا چارج قطب الدین کو دے گیا۔ قطب الدین نے جلد ہی دہلی کو فتح کرکے صدر مقام بنایا۔ سلطان کی زندگی بھر بعد ادغزنی رہا۔ مگر سلطان محمد غوری کی وفات کے بعد وسیع سلطنت غور کئی حصوں پر منقسم ہوگئی تھی۔ اور غور وغزنی میں جن کا حق وراثت ممالک مفتوحہ ہندوستان پر تھا۔ اس قابل کوئی نہ رہا۔ کہ ہندوستان کو قابو میں رکھ سکے۔ اس لئے ہندوستان ایک آزاد خود مختار سلطنت بن گئی۔ اور افغانستان کے ساتھ اس تاریخ سے ہندوستان کا کوئی

تعلق نہ رہا۔ مال اندیش محمد غوری اپنے خاندان کے ملوک غور کی ناقابلیت سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے لائق بہادر غلاموں کو ہندوستان کا چارج دے گیا جن میں سے زیادہ فیاض بہادر قطب الدین تھا۔

قطب الدین اور اُس کے جائے نشینوں کی توجہ سوا ہندوستان کے ہاں کسی طرف نہ تھی۔ شمالی ہندوستان میں چار زبردست ہندو سلطنتیں تھیں۔ دہلی۔ اجمیر۔ قنوج۔ گجرات پہلی تین تو ترادی اور چندوارہ کے معرکوں سے بالکل برباد ہوگئیں۔ جو راجگان ڈیڑھ سو تھے یا کم و بیش ان لڑائیوں میں شامل تھے وہ بھی بہادران اسلام کے ہاتھ دیکھ چکے اور نقصان کثیر اٹھا چکے اس لئے اس علاقہ میں اب ایسا کوئی عظیم الشان اجتماع نہ تھا کہ جس کی سرکوبی سلطان محمد غوری کے جرنیل ہی نہ کر سکتے ہوں مذکورہ بالا معرکوں نے ہندوؤں کی مرکزی طاقتوں کو بالکل توڑ دیا تھا راجپوت بہادر تھے اور بقول النفسٹن صاحب "راجپوت ماں کے پیٹ سے سپاہی پیدا ہوتا ہے" مگر شکست نژادوڑی نے اُن کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ کسی بڑے پیمانہ پر قومی اجتماع کر سکیں۔ گو ہر ایک قلعہ یا شہر کی فتح میں مسلمانوں کو تلوار سے کام لینا پڑا۔ مگر راجہ پرتھی راج کے ممالک محروسہ میں ایسا کوئی سخت دشمن اور مانع باقی نہ رہا تھا۔ جو ہندوؤں کی طاقت کو بحال کر سکتا۔

قطب الدین کی فتوحات

سلطان غوری کے حملہ ۵۹۰ھ یا ۱۱۹۴ء مطابق ۵۹۱ھ قنوج میں قطب الدین ہراول تھا۔ اسی بہادر اور حسین خصیل نے راجہ جے چند کو شکست دی تھی۔ پرتھی راج کے بیٹے راجہ اجمیر کو ایک مخالف ہمیراج نے ستایا۔ سلطان قطب الدین نے پرتھی راج کے بیٹے کو اجمیر کی گدی پر بحال کیا۔ پھر ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں ہمیراہی سلطان یا اکیلا بہ ہمراہی طغرل بہاء الدین بیانہ فتح کیا اور قلعہ گوالیار بھی فتح ہوا طغرل سے بگاڑ ہوا مگر طغرل فوت ہو گیا۔ راجہ اجمیر کو پھر دشمنوں نے ستایا اور قطب الدین کو پھر اجمیر جانا پڑا اس دفعہ گجرات کے راجاؤں اور میواڑ کی پہاڑی اقوام نے قطب الدین کو سخت تنگ کیا اور بقول النفسٹن صاحب زخمی اور محصور ہو گیا جدید فوج کے آنے پر قطب الدین نے فتح پائی۔ اور آبو کے پہاڑی جاگیرداروں کو شکست دے کر گجرات پر حملہ کیا اور انہلواڑہ کو فتح کر کے راجہ گجرات کو مغلوب کیا

اور سلطان غازی کی شکست کا انتقام لیکر ؎ اگر پدر نتواند پسر تمام کند ؎ کو صحیح ثابت کر دیا۔ بہار۔ ندیہ۔ بنگالہ اس کے عہد میں محمد بختیار خلجی نے فتح کیا۔ جب سلطان غازی شہید ہوا تو سلطان محمود غوری نے قطب الدین کو خطاب سلطانی اور چتر شاہی عطا کیا ۵۹۳ھ مطابق ۱۱۹۷ء میں قطب الدین لاہور میں تخت نشین ہوا۔ اور تاج الدین یلدوز سے لاہور کی بابت جنگ ہوا۔ اور فتح پاکر داخل غزنی ہوا مگر چالیس روز بعد بوجہ عیش و عشرت اور غفلت غزنی سے نکالا گیا۔ یہ سلطان اسقدر سخی اور کریم تھا کہ اس کا لقب لک بخش پڑ گیا دوستوں کو سخاوت اور دشمنوں کو شجاعت سے قابو میں رکھا۔ بہادروں۔ اہل علم کا قدردان تھا۔ یہ پہلا سلطان ہے کہ جس کے عہد میں ہندوستان کی دولت ہندوستان میں رہنے لگی اور بجائے غزنی و غور کے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا اور عمارات عالیہ اور دلکشا باغات اور عالیشان مدارس اور لنگر خانہ وغیرہ کی بڑے بڑے شہروں میں بنیاد پڑی ؛

مینار قطب

دہلی کے مینار کی بنیاد سلطان قطب الدین نے بیاد گار فتح رکھی اور سلطان شمس الدین التمش کے عہد ۱۶ سالہ میں ختم ہوئی یہ ایک مسجد کا مینار تھا۔ اس سے قطب الدین کی اولعزمی شوق عمارت۔ دینی خدمات کا پتہ لگتا ہے۔ اور سلطان ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء میں لاہور میں چوگان کھیلتا ہوا گھوڑے سے گرا اور قاش زین سینہ میں لگا جس کے لگتے ہی جاں بحق ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بیس سال ہندوستان کا حاکم رہا جن میں سے ۱۶ سال بطور دیسرائے (نائب) محمد غوری اور ۴ سال خود مختار سلطان رہا ؛

محمد بختیار خلجی فاتح بنگالہ

اعز الدین محمد بختیار خلجی غور یا بلاد گرم سیر واقعہ افغانستان کا رہنے والا نہایت پرجوش اولعزم۔ فیاض۔ اسلامی شجاعت میں نمونہ صحابہ تھا مسلمانوں میں سے سب سے پہلے بنگالہ کو اسی بہادر نے فتح کیا۔ اسکا ابتدائی حال عبرت بخش ہے۔ جب تلاش ملازمت میں غزنی پہنچا تو سلطان محمد غوری کے (دیوان عرض) رنگروٹ بھرتی کرنیوالے افسر نے محمد بختیار کو ملازم نہ رکھا۔ غزنی سے دہلی آیا۔ یہاں بھی پسند نہ کیا گیا اور ہر جگہ فوجی ملازمت کے لئے

ناقابل قرار دیا گیا۔ ناقص عقل انسانی جو محض صورت پرستی سے کام لیتی ہے وہ مشیت الٰہی سے واقف نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے انسانی عقول اس یگانہ نازِ مجاہد فی سبیل اللہ کے جوہر لیاقت کا اندازہ نہ کر سکے۔ دہلی سے بداؤں گیا جہاں کے مسلمان حاکم نے قلیل تنخواہ پر ملازم رکھ لیا۔ مگر بداؤں دِل نہ لگا اور اودھ جا کر وہاں کے حاکم کا نوکر ہو گیا جہاں کچھ حیثیت پیدا کر لی اور عمدہ خدمات سے اودھ کے شرقی حدود پر مختصر سی جاگیر حاصل کی۔ اور ترقی کا میدان مل گیا۔ اُس کی جاگیر سے ہند و علاقہ منگیر اور بہار کی حدود ملتی تھیں جہاں پر اگر ابراہیم غزنوی کا حملہ اس طرف تسلیم نہ کیا جائے تو سوا محمد غوری کے کسی مسلمان فاتح کا ادھر آنا پایا نہیں جاتا محمد بختیار ہند و علاقہ پر یورشیں کرنے لگا۔ اسکی کامیابی اور ہمراہیوں کی قدر دانی اور عام فیاضی دیکھ کر خلجی جوان اِدھر اُدھر سے اُس کے پاس آ آ کر جمع ہونے لگے اپنے ہمقوم خلجی اور دیگر مسلمانوں کے اجتماع سے کافی طاقت پیدا کر لی۔ اور مشرق میں فتوحات پیدا کر دیں اس وقت ہندوستان میں سلطان محمد غوری کا نائب سلطان قطب الدین ایبک تھا۔ جو سب سے بڑا بہادر اور بہادروں کا قدردان تھا۔ محمد بختیار کے کارنامے سُن کر بہت خوش ہوا اور انعام وخلعت دے کر مشرقی علاقہ کی تسخیر پر مقرر کیا۔ اب محمد بختیار سلطانی جنرل کی حیثیت سے بہار پر حملہ آور ہوا۔

تسخیر قلعہ بہار کتب خانہ سنسکرت کا واقعہ

اِس قلعہ کی فتح جس جرأت اور جاں فروشی سے بختیار اور اس کے قلیل ہمراہیوں نے کی وہ اس وقت کے غازیوں کی شجاعت اور تہور۔ جاں بازی کا پورا پتہ دیتی ہے۔ کہ مسلمانوں کے حوصلہ کسقدر بڑھے ہوئے تھے اور مخالف کو اپنی شمشیر بُراں کے مقابلہ میں کسقدر ہیچ جانتے تھے مشکل سے مشکل مہم بھی انکی بہادرانہ نگاہ میں آسان دکھائی دیتی تھی۔ یہ ایک تاریخی تجربہ ہے کہ جس قوم کی ترقی اور اقبال کا زمانہ ہوتا ہے۔ اُس کے افراد ناممکن کو ممکن کر دکھاتے ہیں اُن کی بلند ہمتیں ہر ایک رُکاوٹ کو دُور کر سکتی ہیں ؛

قلعہ بہار ایک مضبوط قلعہ تھا۔ جسکی حصانت اور رزانت پر خیال کرتے ہوئے ناقابل تسخیر قلعہ تصور ہوتا تھا۔ علاقہ فتح ہونے کے بعد اہالیانِ قلعہ نے اطاعت سے انکار کیا۔ قلعہ بند ہو گئے۔ محمد بختیار نے صرف دو سو جوان ہمراہ لئے جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ

محمد بختیار کی فوجی طاقت اُس وقت بہت کم تھی جو کچھ کر رہا تھا محض اپنی شجاعت اور تہور سے کر رہا تھا۔ قلعہ پر حملہ کیا گیا اور بزور و طاقت توڑا گیا۔ اور عام فاتحوں کی طرح باشندگان قلعہ کو قتل کرنا شروع کیا جن میں سے زیادہ تر برہمن تھے۔

برہمنوں کے قتل پر رائے مؤلف

واقعی یہ حادثہ ظالمانہ ہے اور علمائے براہمہ کے قتل پر سخت افسوس ہے۔ مگر فاتح مسلمانوں کی بے احتیاطی کے علاوہ خود برہمنوں کی ضد اور مذہبی عصبیت کا بھی قصور ہے۔ ابتدائی مسلمانوں کو جو غزنی و غور کے کوہستانی باشندہ تھے قلعہ کے ہندوؤں میں یہ تمیز نہ کر سکتے تھے کہ کون برہمن اور کون عام ہندو ہے اور کوئی بھی فاتح فتح کے جوش میں تمیز نہ کر سکا اور نہ کر سکتا ہے مسلمانوں کے نزدیک قلعہ کے تمام رہنے والے مخالف اور اطاعت سے انکار کرنیوالے تھے۔ علمائے برہمن اگرچہ خود شمشیر زن سپاہی نہ تھے۔ لیکن لڑنے والے ہندوؤں کو مسلمانوں کی مخالفت کے وعظ کرنے والے اور لڑائی کی تحریک دینے والے ضرور تھے۔ چونکہ مخالفانہ شورش (سڈیشن) عموماً طالب علم ہی کیا کرتے ہیں۔ قلعہ بندی مدرسہ سنسکرت کے طلبہ اور معلمین کی حیثیت تعلیمی کے خلاف تھی علوم و فنون سے تعلق رکھنے والے اشخاص کو محصور ہونے اور غیر ملکی گورنمنٹ کی اطاعت سے انکار کرنیکی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی۔ گو وہ علمی لوگ تھے مگر پولیٹیکل تحریکوں سے الگ نہ تھے۔ قلعہ تسخیر ہونے پر بھی اُنہوں نے اپنا علمی یا مذہبی تعلق ظاہر نہ کیا۔ اس لئے یہ خونخوار واقعہ پیش آیا۔ جس کے لئے ہر ایک علم دوست کو افسوس ہے۔ لیکن محمد بختیار کی لاعلمی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب سنسکرت کی لائبریری کھولی گئی۔ اور ان کتابوں کا عالم نہ مل سکا۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں کے علمائے سنسکرت قتل ہو گئے ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ برہمن تو قتل ہوئے لیکن کتب خانہ صحیح و سالم رہا۔ محمد بختیار نے شایق علوم کی طرح مضامین کتب دریافت کرنے کی کوشش کی۔ صمصام الدین فرغانی جو دو سو مجاہدین میں شامل تھا مؤلف طبقات ناصری سے قتل براہمہ اور کتب سنسکرت کے پڑھوانے اور کسی عالم کے وہاں نہ ہونے کا واقعہ بیان کرتا ہے اگر کتابیں ضائع کی جاتیں تو جسطرح اُس نے برہمنوں کے واقعہ کو ظاہر کر دیا اسی طرح کتب خانہ کا جلانا وغیرہ بھی بیان کر دیتا کیونکہ موجودہ زمانہ کی کوئی پالیسی یا

خوف اُس کو نہ تھا اس لئے یہ اعتراض خلاف واقعہ ہے کہ بہار کا کتب خانہ جلایا گیا ۔
جو روایت ہم نے اوپر بیان کی ہے ۔ اُس سے بڑھ کر معتبر اور کوئی روایت نہیں ہو سکتی امید ہے ۔ کہ منصف ناظرین فقیر مؤلف کی ناچیز رائے سے ضرور اتفاق کریں گے ۔

محمد بختیار کی بنگالہ میں آمد

اس فتح کے بعد محمد بختیار سلطان قطب الدین کی خدمت میں دہلی آیا قدردان سلطان نے انعام و اکرام سے کمال عزت افزائی کی درباری اس نو دولت پر حسد کرنے لگے ۔ اور بعض موقعوں پر مسخر اُڑانے لگے اور ہلاکت کے درپے ہوئے ایک دن موقعہ جشن پر مست ہاتھی سے لڑا دیا مگر محمد بختیار نے اپنی بھاری گرز ہاتھی کے سونڈ پر ایسی لگائی کہ ہاتھی حواس باختہ ہو کر بھاگ نکلا ۔ سلطان قطب الدین نے خلعت فاخرہ عطا کیا اور دیگر امراے کو بھی انعام دینے کا حکم دیا مال کثیر جمع ہو گیا ۔ مگر اس جوانمرد دریادل نے سلطان کا خلعت تو بادب تمام پہن لیا اور باقی تمام مال اُسی جگہ مستحقوں کو بانٹ دیا سلطان اس واقعہ کو اپنے ابتدائی واقعہ غزنی سے قیاس کر کے بہت خوش ہوا اور محمد بختیار کو بدایوں بھیج دیا اور بنگالہ کی فتح پر مامور کر دیا ۔

راجہ لکھمینہ والئے بنگالہ ۔ ندیہ کی فتح ۔ بنگالیوں کی کمزوری

مؤرخین اسلام لکھتے ہیں ۔ کہ اس وقت بنگالہ میں راجہ لکھمینہ نام عظیم الشان راجہ تھا ۔ جس کا دارالسلطنت مقام شہر ندیا تھا ۔ عدالت و سخاوت دولت و عظمت میں راجگان ہندوستان میں مشہور تھا اُس کی پیدائش کی عجیب روایت لکھی ہے جس سے ہندو رانیوں کی حب الوطنی قومی جاں نثاری ظاہر ہوتی ہے ۔ ایسی رانیوں کے ہوتے ملک و ملت پر جسقدر فدا ہونے والے راجہ پیدا ہوں اپنی نظیر آپ ہونگے ۔ راجہ لکھمینہ کی ولادت کا جب وقت آیا تو اُس کی والدہ نے نجومیوں سے مولود کے طالع کی بابت دریافت کیا ۔ اُنہوں نے جواب دیا ۔ کہ اگر اس وقت بچہ پیدا ہوا ۔ تو منحوس ہوگا ۔ اگر چند ساعت بعد پیدا ہو تو

اُس کی سلطنت اسّی سال تک رہے گی۔ رانی نے جو ملک و سلطنت اور بقائے خاندان کی خواہاں تھی۔ حکم دیا۔ کہ میرے پاؤں باندھ کر اُلٹی لٹکا دو۔ اور ایسا ہی کیا گیا اور جب منحوس وقت گذر گیا۔ تو رانی کو کھولا گیا۔ لڑکا پیدا ہوا۔ رانی شدت درد سے فرزند اور سلطنت پر قربان ہوگئی۔ مولود کا نام لکھمینہ رکھا گیا اور تاج شاہی اُس کے سر پر دھرا۔ جوان ہو کر لائق راجہ ہوا۔ جب ستر سال اُس کی حکومت کو گذر گئے۔ تو بختیار خلجی نے بہار کو فتح کر کے حدود بنگالہ میں قدم رکھا۔ راجہ نے نجومیوں سے حال کا دریافت کیا۔ جواب ملا کہ بنگالہ کی ہندو سلطنت ترکوں کے ہاتھ سے برباد ہوگی۔ فاتح بنگالہ کی علامت یہ ہوگی۔ کہ جب کھڑا ہوگا۔ تو اُسکے دونوں ہاتھ زانوں سے نیچے پنڈلی تک پہنچینگے۔ راجہ نے نشان فاتح معلوم کرنے لئے اپنے معتبر محمد بختیار خلجی کے پاس روانہ کئے۔ جنہوں نے واپس آکر کہا کہ نشان مذکور محمد بختیار میں موجود ہیں۔ اور یہی فاتح بنگالہ ہے اراکین نے راجہ کو ندیہ چھوڑنے اور دور کے علاقوں میں چلے جانے کے لئے کہا۔ مگر راجہ نے منظور نہ کیا ✣

دوسرے سال محمد بختیار ندیہ پر چڑھ گیا اور فوج کو پیچھے چھوڑ کر صرف اٹھارہ سوار ہمراہ لے کر شہر ندیہ میں داخل ہوا۔ ہندو محافظ شہر گھوڑوں کے سوداگر سمجھ کر مزاحم نہ ہوئے جس سے ہندوؤں کی غفلت اور محمد بختیار کی کمال درجہ کی بیباکی ثابت ہوتی ہے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی جو سامنے آیا مارگرایا۔ راجہ لکھمینہ جو اُس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ شور و غوغا سُن کر حیران ہوا کہ اتنے میں محمد بختیار خاص راجہ کے محلسرا میں پہنچ گیا۔ راجہ مجبوراً دوسرے راستہ سے نکل کر بھاگ گیا اور تمام زر و دولت مال و اسباب محمد بختیار کے ہاتھ آیا۔ جس میں سے مال خمس اور قیمتی تحائف معہ فتحنامہ دہلی میں سلطان قطب الدین نائب محمد غوری کے پاس روانہ کئے۔ بنگالہ کے اس طرح فتح ہونے سے اُس وقت کے بنگالیوں کی فوجی طاقت اور ذاتی شجاعت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ شمالی ہندوستان کے ہندوؤں نے جس حوصلہ اور ہمت اور جنگی طریقہ سے مسلمان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور ہر ایک معرکہ میں داد شجاعت دیکر قومی جنگ کا حق ادا کیا۔ بنگالی اُس سے بالکل خالی نکلے۔ امرائے سلطنت صرف جوتشیوں کے ڈرانے سے صدر مقام اور راجہ کو چھوڑ گئے۔ اور محافظ فوج نے بھی کوئی ہاتھ نہ دکھایا مسلمانوں کے اٹھارہ سوار بنگالہ کے صدر مقام میں کھلے بندوں داخل ہو کر فاتح کہلائے ××××××× ××× اور کوئی بنگالی فاتحین کا مُونہ نہ توڑ سکا۔ بنگالہ کے ہندو اس وقت بھی علم و فضل میں

مشہور تھے مگر ہندوستان کے دیگر حصص کے ہندوؤں کی طرح مرد میدان نہ تھے جنہوں نے صرف اٹھارہ مسلمانوں کو بنگالہ کی دارالسلطنت فتح کرادی۔ ساتھ ہی اُس وقت کے مسلمانوں کی اولوالعزمی اور تہور کا پورا پتہ ملتا ہے کہ اُن کے بہادرانہ حوصلے کسقدر بڑھے ہوئے تھے کہ لاکھوں کے مقابل پر چند جوانمرد تیار ہو جاتے اور ہر ایک مشکل پر غالب آتے تدبیر و تجسس عزم بالجزم سے خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی عزم و استقلال کی کمی سے آج مسلمان ہر ایک گوشہ میں دست نگر اور سقیم الحال دکھائی دیتے ہیں۔ اور کوئی کام ان کا پورا نہیں ہو سکتا۔ اسلامی عزم جو تمام ترقیوں کی جڑ ہے آجکل مفقود ہے۔ جب تک عزم و ارادہ مستقل نہ ہو کوئی قوم ترقی نہیں پا سکتی۔

محمد بختیار خلجی اپنے عہد میں ممتاز شجاع۔ یکہ تاز بے مثل بہادر تھا جسکی نظیر اور قوموں میں کیا بلکہ خود مسلمانوں میں بھی انگلیوں پر ہی شمار ہو سکتی ہے۔ نادیہ کی حفاظت کے لئے کافی فوج نہ تھی اور ہندوؤں کی کثرت آبادی اور شہر نادیہ کے جنگی استحکام آئندہ مشکلات کے باعث تھے اس لئے شہر نادیہ کی جگہ لکھنوتی کو صدر مقام بنایا گیا۔ اس تاریخ سے بنگال میں مسجدیں۔ مدرسے خانقاہیں محمد بختیار اور دیگر امرائے اسلام نے تعمیر کرنی شروع کیں اور کسی کو جبراً مسلمان نہ کیا۔ عام بنگالیوں نے اطاعت قبول کر لی اور بنگالہ بلا کسی جنگ عظیم کے سلطنت اسلام میں شامل ہو گیا۔

محمد بختیار کی تبت پر فوج کشی

جب بنگالہ کا راجہ اپنی جان بچا کر مشرقی بنگال کے دور دراز علاقوں میں بھاگ گیا۔ اور بنگالی رعایا مطیع ہو گئی۔ اولوالعزم محمد بختیار ملک تبت کی فتح پر آمادہ ہوا۔ لکھنوتی اور تبت کے درمیان تین قومیں کوچ۔ مچ۔ ٹھارو سکونت پذیر تھیں۔ قوم مچ میں سے ایک شخص مسلمان ہو چکا تھا۔ جس کا نام علی رکھا گیا تھا۔ اُسی علی کی راہبری سے محمد بختیار دس ہزار سوار لیکر تبت کی فتح کے لئے روانہ ہوا معلوم ہوتا ہے کہ محمد بختیار کو تبت کے دشوار گذار راستوں اور فوجی طاقت سے پوری پوری اطلاع نہیں دی گئی تھی یا وہ تبت کو بھی بنگال خیال کرتا تھا۔ مگر اس وقت بھی زمانہ حال کی طرح تبت کا تعلق چین و خطا سے تھا اور خطا کی جنگی طاقت اس وقت بہت بڑی زبردست تھی۔ چنانچہ اسی عہد میں چنگیز خاں والی خطا نے وسط ایشیا کی مسلمان سلطنتوں کی بیخکنی شروع کر دی تھی۔ محمد بختیار دس ہزار سوار کے ساتھ مزدہین کوٹ میں پہونچا۔

جو گرشاسپ ایرانی کا آباد کیا ہوا مشہور تھا۔ علی منج کی راہبری سے دریائے سنگتی (برہم پتر) کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ دس روز کے بعد ایک سنگین پل پر پہنچا۔ جس کے دہانے (موریاں) قریباً بیس تھیں پل سے بخریت گذر گئے۔ اودو میروں کو کچھ فوج دے کر حفاظت پل پر مقرر کر گیا۔ اور پندرہ روز میں کوہ ہمالیہ کو طے کر کے تبت کے میدان مسطح میں پہنچا۔ جہاں آبادی بکثرت تھی۔ وہاں ایک قلعہ سے لڑائی پیش آئی۔ صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ اکثر مسلمان مارے گئے۔ رات کو چند قیدی تبتیوں کو حاضر کیا گیا۔ جن کے بیان سے معلوم ہوا۔ کہ یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر ایک قلعہ کرمپٹن نامی ہے۔ جس میں تین لاکھ پچاس ہزار تیر انداز موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ اس تعداد میں مبالغہ ہو۔ لیکن چونکہ تبت کا چین سے تعلق تھا اور چین مسلمانوں کی فتوحات عالمگیر سے بیدار ہو چکی تھی۔ اور اس کے علاقہ تاتار چینی پر مسلمان حملہ آور بھی ہو چکے تھے اس لئے ہندوستان کی طرف سے امکان حملہ اہل اسلام کی روک کے لئے قلعہ مذکور میں یہ تعداد کثیر جمع کر رکھی ہو۔ ایک سرحدی چھاؤنی میں اسقدر فوج کا چین جیسی وسیع و آباد سلطنت کی طرف سے موجود ہونا کچھ ناممکن نہیں ہے۔ تبتی قیدیوں نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ قلعہ کرمپٹن کی فوج کو مسلمانوں کے حملے کی اطلاع دی گئی ہے جہاں کا جرار لشکر صبح و شام یہاں پہونچنے والا ہے۔ محمد بختیار بسبب اس کے کہ تبتیوں کی ایک لڑائی میں ہی اکثر مسلمان قتل اور زخمی ہو چکے تھے اور اس کی فوج بہت کم رہ گئی تھی اور کسی طرف سے مدد پہنچنے کی امید نہ تھی۔ اپنی بے سروسامانی پر پچھتایا۔ اور اس ارادہ سے کہ آئندہ سال کافی فوج اور سامان لے کر دوبارہ حملہ آور ہونگا واپس ہوا۔ مگر واپسی کے وقت دیکھا کہ جنگل کی تمام گھاس اور لکڑیوں میں آگ لگائی گئی ہے۔ آبادی کا نام و نشان نہیں ہے۔ پندرہ روز تک لکڑی اور گھاس کا ایک سیر تک مل سکا۔ گھوڑوں کو ذبح کر کے کھاتے رہے۔ اور ہزاروں مصیبتیں اٹھا کر حدود کامرود میں پہنچے۔ پل کو دیکھا تو شکستہ و سوختہ تھا۔ امرائے متعینہ پل کی مخالفت کی وجہ سے راجہ کامرود نے پل جلا دیا تھا۔ اور کامرود کے ہندوؤں کو مقابلہ کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ محمد بختیار کشتی وغیرہ عبور کے لئے بنوانے لگا۔ مگر ہندو اس قدر بغرض حملہ جمع ہو گئے کہ اُن کے ہجوم سے تنگ آکر ایک بُت خانہ میں پناہ گزین ہوا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ محمد بختیار کے ہمراہی بہت ہی قلیل رہ گئے تھے جو ایک مندر میں معہ گھوڑوں کے سما سکے۔ ہندوؤں نے مندر مذکور کو کئی میل تک گھیر لیا۔ مسلمان ہلاکت کو یقینی دیکھ کر اسلامی تہور کو کام میں لائے

اور تلواریں کھینچکر ہندوؤں پر جا پڑے۔ ہندو اگرچہ تعداد میں کئی گنا تھے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے کوئی نسبت نہ تھی۔ مگر بقول ؎

یکے گرگ را کو بود خشم ناک　　زبسیارئے گوسفنداں چہ باک

ہندو اس اسلامی سیلاب کے سامنے سے خس و خاشاک کی طرح بہ گئے اور مسلمان راستہ پا کر کھلے جنگل میں پہنچ گئے۔ ہندو چونکہ جانتے تھے کہ دریا سے عبور کرنا بغیر کشتی محال ہے۔ اور کشتی مسلمانوں کے قبضہ میں کوئی نہیں۔ اس لئے پھر تعاقب میں روانہ ہوئے ہندوؤں کی کثرت سے مسلمان خوف زدہ تھے۔ اور گذرنے کا راستہ تلاش کرتے تھے۔ ایک مسلمان سپاہی نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اور ایک تیر کی زد پہ پایاب جگہ پاکر آواز دی کہ دریا پایاب ہے یہ سُنتے ہی مسلمان دریا میں کود پڑے۔ دریا کے عین وسط میں پانی غرقاب آگیا سب ڈوب گئے صرف محمد بختیار دو سو سواروں کے ساتھ بمشکل کنارے لگا۔ اور علی منج دوسرے کنارہ اپنی فوج سمیت موجود تھا وفاداری سے پیش آیا۔ محمد بختیار دیوکوٹ پہنچکر غم و غصہ اور خلجی عورتوں کے طعن و تشنیع سے بیمار ہوا اور ایک لالچی امیر کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بستر مرگ پر محمد بختیار بار ہا کہتا تھا کہ اس شکست اور سخت حادثہ کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سلطان معزالدین محمد غوری شاید فوت ہو گیا ہے جو ہم کو شکست ہوئی اور اہل اسلام کا اقبال زوال پذیر ہوا۔ واقعی محمد بختیار کا یہ خیال درست تھا یہ واقعہ ثبت ۶۰۲ھ کا ہے اور اُس وقت سلطان غازی رحمۃ اللہ علیہ شہید ہو چکا تھا۔ محمد بختیار کے اس قول سے مسلمانوں کی وہ دلی عقیدت اور ارادت ثابت ہوتی ہے۔ جو سلطان محمد غوری کی اسلامی خدمات اور فاتحانہ مہمات سے پیدا ہو چکی تھی بلند اقبال سلطان اپنی عالمگیر ظفرمندی کی وجہ سے اسلام کی پشت و پناہ خیال کیا جاتا تھا محمد بختیار جیسے جان باز مشہور بھی اسلامی فتوحات کا باعث ذات سلطانی ہی کو جانتے تھے یہ امر سلطان محمد غوری کے لئے کمال فخر کا باعث ہے۔ کہ اُس کے وجود کو اسلام کے لئے مبارک و مسعود خیال کیا جاتا تھا۔ یہ فضیلت بغیر حقیقی اخلاص اور ایثار کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ اوصاف حسنہ سلطان محمد غوری کے ہر ایک فعل و قول سے بخوبی ظاہر ہوتے تھے ٭

محمد بختیار کے جائے نشین

اور

کرامتِ اولیاء

محمد بختیار کو شہید کر کے علی مردان خلجی بنگالہ کا فرمان روائے ہوا۔ جو جلدی ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ حسام الدین عوض خلجی آخر بنگالہ کا حاکم ہُوا۔ اور خود مختار ہو کر اپنا لقب غیاث الدین رکھا۔ اس کا ابتدائی حال مؤلف طبقات ناصری یوں لکھتا ہے کہ عوض حسین خلجی ملاقہ غور میں ایک غریب مزدوری پیشہ شخص تھا ایک دن گدھے پر اسباب لاد کر کہیں جا رہا تھا کہ ایک ٹیلہ پر دو درویش خرقہ پوش ملے اور عوض خلجی سے کہا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے تو دیدو عوض خلجی کے پاس تھوڑی سی روٹی اور پانی اسباب میں بندھا تھا۔ روٹی پیش کی اور پانی لیکر مؤدبانہ طور سے کھڑا ہو گیا۔ درویشوں نے کھانا کھا کر کہا کہ اس شخص کو خدمت کا بدلہ دینا مناسب ہے عوض خلجی سے کہا کہ سردار ہندوستان کے اخیر میں جہاں اسلام پہنچا ہے جاؤ اور بادشاہ بنو۔ عوض خلجی اپنی عورت کو گدھے پر لاد کر روانہ ہندوستان ہوا اور محمد بختیار کی خدمت میں حاضر ہو کر ملازم ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ چند سال میں ترقی پا کر امیر بن گیا۔ محمد بختیار کے فوت ہونے اور غاصب علی مردان وغیرہ کے مارے جانے کے بعد حسام الدین عوض خلجی خود مختار شاہ بنگالہ مقرر ہوا اور غیاث الدین اپنا لقب رکھا۔ نہایت عادل۔ رعیت نواز۔ فیاض و جواد تھا۔ اس کا شہرہ سخاوت سُن کر غور کا ایک عالم لکھنوتی پہنچا۔ غیاث الدین نے وعظ کرایا دیگر انعام کے علاوہ سونے چاندی کا طشت بھر کر تذر کیا اور دیگر امرا سے کو بھی انعام دینے کا حکم دیا۔ عالم مذکور لاکھوں روپیہ لیکر واپس غور ہوا۔

بنگالہ کا پُل اعظم

غیاث الدین نے بنگالہ میں مدارس۔ مساجد۔ خانقاہیں۔ مسافر خانے تعمیر کرائے۔ بنگالہ میں بارش کے موسم میں راستے کئی کئی ماہ تک بند رہتے تھے۔ بغیر کشتی بعض جگہ سے گذرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ لکھنوتی سے دیوکوٹ تک پندرہ روز کا راستہ تھا۔ موسم برسات میں مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ مسافر نواز۔ اولوالعزم۔ دریا دل غیاث الدین عوض خلجی نے لکھنوتی سے دیوکوٹ تک

پُل بندھوادیا۔ اگر تمام پل سنگین یا خشتی تھا۔ تو اس قدر طویل پُل دُنیا میں بے نظیر تھا اور مسلمانوں کی فیاضی اور رعایا پروری کی کافی دلیل ہے۔ اگر صرف مٹی کا بندھ ہی تھا اور کہیں کہیں پانی نکلنے کے لئے متعدد پل پختہ بنوائے گئے تھے۔ تو بھی مسلمانوں کی انتظامی قابلیت اور رفاہ عام کا مونکی دلچسپی کی زبردست شہادت ہے۔ یہ ابتدائی فاتح تھے جن کی نشوونما افغانی پہاڑوں میں ہوئی تھی مسلمان فاتحوں نے ہندوستان کی آبادی اور ترقی میں دِل کھول کر خرچ کیا اور **سلطان محمد** غوری کے قابل جانشینوں نے ہندوستان کی دولت کو ہندوستان کی سرزمین میں خرچ کرنے میں کریمانہ جوہر دکھائے۔ اُنہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن اور رعایا کو ؎

رعیت چو بیخ است سلطان درخت ۔۔۔ درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

خیال کیا۔ **غیاث الدین** غوض خلجی جسکی خود صدر جہان منہاج سراج نے بنگالہ میں بہت سی تاریخی یادگاریں دیکھی تھیں۔ بارہ سال کی خود مختار حکومت کے بعد سلطان ناصرالدین محمود بن التمش شاہ دہلی سے شکست کھاکر شہید ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہ

سلطان شمس الدین التمش

سلطان قطب الدین ایبک کی ناگہانی فوتیدگی سے امرائے سلطنت نے آرام بن قطب الدین کو تخت نشین کیا مگر اُس کی یکسالہ حکومت میں ہی علاقہ دہلی کے اجزا بکھرنے لگے۔ ناصرالدین قباچہ اگرچہ قطب الدین کے ماتحت نہ تھا مگر شاہ دہلی کی سیادت کو مانتا تھا۔ اب بالکل آزاد ہوگیا۔ بنگالہ میں خلجیوں نے اپنی مستقل سلطنت قائم کرلی۔ راجاؤں نے سرکشی اختیار کی سرحدوں پر فساد کھڑا ہوگیا۔ آرام ناقابل حکومت نکلا۔ امرائے سلطنت نے مجبوراً التمش کو جو سلطان قطب الدین کا غلام داماد متبنیٰ حاکم بدایوں تھا دہلی بُلایا اور آرام شاہ کو شکست دے کر تخت نشین ہوا۔ اُس وقت صوبجات متحدہ ہی صرف شاہ دہلی کے ماتحت تھا۔ لاہور کو بھی تاج الدین یلدز لے چکا تھا۔ مگر اس نیک نیت سُلطان نے سندھ۔ لاہور۔ بنگال کو از سر نو فتح کرکے شاہ دہلی کو وقار کو قائم کیا+

قبل اسکے کہ التمش کے عہد کے واقعات کو بیان کیا جائے اسکی حالت غلامی اور ابتدائی ترقی کا حال بغرض عبرت ناظرین لکھا جاتا ہے جس سے کئی اخلاقی سبق حاصل ہوسکتے ہیں۔ جو اس کتاب کا مدعا ہے۔ بروایت طبقات ناصری التمش ترکوں کے قبیلہ البری میں سے تھا۔ باپ کا نام ایلم خاں قبیلہ کا سردار تھا۔ التمش کی خوبصورتی اور حسن سیرت سوتیلے یا چچیرے بھائیوں کے

حسد کا باعث ہوئی۔ عداوت یا طمع سے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ایک سوداگر کے ہاتھ اُن بھائیوں نے فروخت کیا۔ جبکہ باپ سے گلا سپاں کی سیر کے بہانہ سے باہر لے گئے تھے۔ تاجر مذکور التمش کو بخارا لایا اور صدر جہان بخاری کے خاندان میں کسی کے ہاتھ فروخت ہوا اور اس خاندان کے تقویٰ و ورع علم و فضیلت سے فیض اُٹھانے لگا۔ خود سلطان التمش نے زمانہ شاہی میں واقعہ ذیل بیان کیا ہے جس سے قدرتِ الٰہی کا عجیب کرشمہ دکھائی دیتا ہے ؎

کرامت اولیا اور التمش کی عقیدت

التمش نے بیان کیا ہے کہ ایک دن مالک نے بخارا میں مجھ کو انگور خریدنے بازار روانہ کیا بچہ تھا نقدی کہیں گر گئی مالک کے خوف سے زار زار رونے لگا ایک درویش آپہنچا سبب گریہ دریافت کیا۔ التمش نے نقدی کھو جانا بیان کیا درویش نے انگور حسب ضرورت خرید دیا اور التمش سے عہد لیا کہ بادشاہ ہو کر فقراء و علماء کی خدمت و مدد کرتا اور درویشوں کو بھول نہ جانا۔ اُن کی عزت و تعظیم کرنا۔ التمش نے فقیر مذکور سے درویشوں وغیرہ کی مدد کا وعدہ کیا۔ التمش کہا کرتا تھا کہ سلطنت و شاہی اُسی درویش کی توجہ و عنایت سے ملی ہے۔ واقعی جس طرح التمش نے فقراء و علماء درویش و مساکین مشایخ و اولیاء کی محبت عزت و تعظیم کی ہے وہ اُسی کا حصہ تھا ؎

"درویش صفت باش و کلاہ نتری دار"

کا پورا نمونہ تھا۔ غربا پروری۔ مہمان نوازی۔ اسلامی خدمات التمش کے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ گو وہ ظاہر میں ہندوستان کا شہنشاہ مطلق العنان تھا مگر اس نے ہمیشہ خواہش نفسانی کو مغلوب رکھا۔ کوئی بداخلاقی۔ بدوضعی التمش سے منسوب نہیں کی گئی۔ اُسکو پابندی احکام اسلام نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ علیہم بنا دیا تھا۔ عدل و عفت۔ سخاوت و رافت جس کی قرآن علی الاعلان تعلیم دیتا ہے وہ صفات التمش میں موجود تھیں۔ اُس عہد کے بندگان دین کی خدمت و عقیدت پر شیفتہ تھا۔ حضرت شیخ المشایخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی رضی اللہ عنہ کا مرید بلکہ بقول بعض خلیفہ تھا اور شاہان دہلی میں یہ عارفانہ عزت کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اور بغیر روحانی صفائی اور معنوی ترقی کے خلافت خواجہ قطب جیسے باکمال پیران طریقت سے کبھی نہیں مل سکتی۔ التمش ظاہری و باطنی سلطنت کا مالک تھا۔ سچ ہے ؎

تو بر تخت سلطانی خویش باش — با خلاق پاکیزہ درویش باش

طریقت بجز خدمت خلق نیست ۔ بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

صفات حسنہ اور ملکات فاضلہ کا حصول اولاً پابندی شریعت سے راسخ اور پھر تصوّف کے علم و عمل سے کامل ہوتا ہے۔ التمش یہ درجات طے کر چکا تھا اور اسلامی فضیلت کی اعلیٰ ڈگری پا چکا تھا۔ سلاطین اسلام میں سے جو لوگ ان عملی صفات سے موصوف ہوئے ہیں ان کے عہد کے کارنامے تاریخ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ خاص ہو یا عام سلطان ہو۔ یا رعیت تقلید شریعت کے بغیر جس میں تمدن و اخلاق کے قواعد و ضوابط نہایت عمدگی سے ضبط کئے گئے ہیں کبھی ترقی نہیں کر سکتا جو شریعت سے نفور ہوتا ہے آخر برباد ہوتا ہے۔ اسکے نظائر اس کتاب میں اپنے اپنے موقعہ پر ملتے رہینگے اور اس کتاب کی غرض تالیف بھی یہی ہے

التمش کا قطب الدین کے ہاتھ بکنا

خاندان صدر جہاں بخاری سے حاجی بخاری تاجر نے خرید کیا اور اس سے جمال الدین چست قبا خرید کر غزنی لایا۔ اس سے پہلے التمش سے زیادہ خوبصورت اور نیک سیرت کوئی ترکی غلام غزنی میں نہ آیا تھا۔ سلطان معز الدین محمد غوری جو ترکی غلاموں کے خریدنے اور تربیت کرنے میں نہایت شوق رکھتا تھا خریدار بنا۔ سوداگر نے معہ ایک اور ترکی غلام کے ایک ہزار دینار قیمت بتائی۔ دلالوں نے حسب عادت قیمت گھٹانی چاہی سوداگر نے اس قیمت کے لینے پر اصرار کیا۔ دلالوں نے سلطان سے کچھ اسطرح جاکر کہا کہ سلطان محمد غوری جیسا عالی ہمت بندہ پرور سلطان سوداگر سے ناراض ہو گیا اور حکم دیا کہ غزنی میں کوئی نہ خریدے۔ سوداگر غزنی میں ایک سال تک پابند رہا پھر بخارا چلا گیا اور وہاں سے بغداد۔ جہاں سوداگر مذکور نے صوفیوں کی دعوت کی مجلس سماع میں رات بھر التمش درویشوں کی خدمت میں کھڑا رہا جنمیں مشہور صوفی قاضی حمید الدین ناگوری بھی تھے۔ درویشوں کو التمش کی خدمت پسند آئی اور انکی توجہ سے سلطنت نصیب ہوئی۔ تاجر مذکور بغداد سے پھر غزنی آیا جس سے بڑھکر کوئی دولتمند قدردان شہر نہ تھا مگر سلطان کی ممانعت کے سبب کوئی خریدار نہ نکلا انہیں دنوں میں سلطان قطب الدین ایبک گجرات اور نہروالہ پور کی فتح کے بعد سلطان محمد غوری کے حضور میں حاضر ہوا تھا التمش کے حسن صوری و معنوی اور مخالفت سلطان کا حال سنکر سلطان سے اجازت خرید التمش طلب کی سلطان کو چونکہ قطب الدین کی خاطر منظور تھی۔ اور اپنے حکم کو واپس لینا بھی

پسند نہ کرتا تھا حکم دیا کہ غزنی میں خرید نیکی ممانعت ہے۔ دہلی لیجا کر خرید لو۔ قطب الدین سوداگر دہلی لایا۔ اور وہاں ایک اور غلام طمغاج ایبک سمیت ایک لاکھ روپیہ کو خرید لیا دوسرا غلام تربیت سلطانی سے حاکم جھنڈا ہوا اور تاج الدین یلدوز کی لڑائی میں حق نمک ادا کرتا ہوا مارا گیا۔ التمش پر ابتدا ہی سے میر شکار اور پھر خدمات شائستہ اور قدر دانی سلطانی سے گو الیار۔ برن اور آخر بدایوں کا گورنر ہو گیا۔ جو اسوقت سب سے زیادہ معزز عہدہ تھا اس سے پہلے وہ غلامی سے آزاد ہو چکا تھا۔ اسکی کیفیت اس طرح پر ہے کہ جب سلطان معز الدین محمد غوری معرکہ اندخود واقعہ ترکستان سے شکست پاکر واپس ہوا۔ اور سلطان کی فوتیدگی کی افواہ نے کھوکھران پنجاب کو باغی و سرکش بنا دیا۔ سلطان غازی غزنی سے اور قطب الدین دہلی سے فوج لیکر پنجاب پہنچگیا۔ کھوکھروں سے معرکہ ہونے لگے دریائے جہلم پر کھوکھروں کا زبردست مورچہ تھا۔ اور کوئی مسلمان بہادر حملہ کی پیشبینی نہ کرتا تھا کہ التمش نے گھوڑا دریا میں ڈالدیا اور پایاب موقعہ پر کھڑے ہو کر اسقدر تیر باری کی کہ دشمن کی ہوش بھلا دی اور فوج سلطانی کے روکنے کے قابل نہ رہ سکے۔ باقی فوج اسلامی بھی حملہ آور ہو سکی اور کھوکھروں کو شکست ہوئی سلطان محمد غوری نے جو اسوقت خود فوج کی کمان کر رہا تھا دریافت کیا کہ پہلا حملہ آور کون شخص تھا معلوم ہوا کہ وہی غلام جس کے خریدنے کی حضور نے ممانعت کی تھی سلطان محمد غوری نے جوہر بہادری۔ وفاداری۔ جان بازی نمک حلالی کا سب سے زیادہ قدر دان تھا۔ التمش کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ اور غلامی سے آزاد کرا دیا۔ قطب الدین رح کو التمش کے تربیت کی تاکید کی اور کہا کہ اس شخص سے بڑے بڑے کام نکلیں گے جو کچھ اس پاکباز سلطان نے کہا وہی ظہور میں آیا۔ سچ ہے ؎

"ملک را ملکوت راہ مے باشد"

قاعدہ انتخاب اسلامی

اور

التمش کا جلوس

آج کل عالم رائے موروثی سلطنت کے برخلاف ہے۔ اور یورپ کو اس کا پابند

بلکہ مخترع خیال کیا جاتا ہے لیکن سب سے اول دنیا میں موروثی سلطنت کے خلاف قاعدہ انتخاب کو اسلام نے رواج دیا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مسلمانوں کے انتخاب سے خلیفہ ہوئے باوجود لیاقت اور اولادِ راشد کے موروثی حقوق کو نظر انداز کیا گیا۔ مدت کے بعد جب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا آغاز ہوا تو وہی ابتدائی اسلامی قاعدہ عمل میں لایا گیا ہندوستان کے مسلمان عہد مغلیہ تک اسی قاعدہ کے عموماً پابند رہے محمد غوری کے بعد اُس کے خاندانی اقربا کی جگہ لائق کارکن غلام امیر و شاہ بنائے گئے۔ قطب الدین ایبک گو بانی سلطنت دہلی تھا اور اس کی جگہ بحق وراثت اُس کا بیٹا آرام شاہ تخت نشین ہوا مگر نامور باپ کے وہ اوصاف نہ رکھتا تھا جو ہندوستان کے سلطان (خلیفہ ثانی) کے لئے ضروری تھے اس لئے امراء و وزراء نے اسلامی سلطنت کی بہبودی اور ترقی کے خیال سے التمش کو تخت دہلی کیلئے منتخب کیا اور بدایون سے اس کو طلب کیا۔ آرام شاہ نے مقابلہ خفیف سا کیا لیکن شکست پائی اور ایک سال کے اندر ہی مر گیا۔

یہ قاعدہ مغلوں کے عہد تک برابر جاری رہا جوں ہی کوئی بادشاہ یا خاندان صراطِ مستقیم سے منحرف ہوا معزول کیا گیا اور دوسرا سلطان یا خاندان جدید طاقت اور لیاقت سے سربرآوردہ ہوا اور ہندوستانی اسلامی سلطنت کو اس قاعدہ سے جدید خاندانوں کے ذریعہ تقویت پہنچتی رہی گو بعض قومی جتھے جو اسوقت ہندوستان میں عام تھے سلاطین دہلی کو نقصان پہنچاتے رہے مگر ایسے پرجوش جدید خاندانوں کا پیدا ہونا اور برسرکار آنا اسلام اور اسلامی سلطنت کیلئے نہایت مفید تھا یہ طریقہ انتخاب جس میں مسلمانوں کی اجماعی قومی طاقت کا پورا اظہار ہوتا ہے سلطنت ترکی میں صدیوں سے رواج پذیر ہے بیسیوں سلاطین نالائق اور وزراء و امراء قومی جرم کے سبب معزول و مقتول کئے گئے۔ یہ قومی طاقت قوم کی زندگی کا ثبوت دیتی ہے التمش کے بعد اس کی اولاد کے عزل و نصب پر بھی یہی قاعدہ استعمال کیا گیا بلبن اسی طاقت سے تخت نشین ہوا کیقباد کی تباہی اور جلال الدین خلجی کی کامیابی اسی قومی قاعدہ سے ہوئی اسوقت کے مسلمان صرف کام کرنیوالے کو چاہتے تھے۔ علاء الدین خلجی نے گو غداری سے تخت حاصل کیا مگر سب سے لائق نکلا۔ نکمے رام خسرو خاں کی بربادی اور تغلق کی کامیابی کا راز یہی تھا۔ لودھی پرجوش قوم کا خیر مقدم قوم نے اسی "والکرم للتقوے" کے زرین اصول پر کیا۔ ابسکی نوواردادر پرجوش فوج نے مسلمانوں کی اسی عادت سے فائدہ اٹھایا۔ مغلوں

کے عہد میں صرف ایک خاندان کے لئے ہی ہندوستان بطور ورثہ خیال کیا گیا اور تمام اسلامی خاندان کے دلوں سے یہ خیال دور ہو گیا یا کیا گیا جس سے الوالعزمی کی جگہ پستی دلوں پر چھا گئی۔ اور مغلوں کے ساتھ ہی تمام مسلمان پست ہو گئے مفصل بحث عہد مغلیہ میں کی جائے گی۔

التمش کے عہد کے واقعات

التمش بخطاب شمس الدین ۶۰۷ھ میں تخت نشین ہوا بعض امرائے معزی اور قطبی مخالف ہوئے لیکن شکست پاکر مقہور ہوئے۔ تاج الدین یلدوز نے تخت غزنی کے استحقاق سے پنجاب پر حملہ کیا۔ دل عہد نامہ ہوا مگر دوسری بار جب جلال الدین خوارزم شاہ سے شکست پاکر لاہور میں آیا اور معرکہ آرا ہوا تو شکست پاکر بدایوں میں بحالت قید فوت ہو کر مدفون ہوا ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۷ء میں ناصر الدین قباچہ سے سرحد لاہور پر لڑائی ہوئی۔ اور ناصر الدین کو شکست ہوئی۔ اس فتح میں ان خلجیوں کی جمعیت کا بہت حصہ تھا۔ جو ناصر الدین قباچہ سے شکست پاکر سلطان شمس الدین التمش کے دامن گرفتہ ہوئے تھے۔

چنگیز خاں و جلال الدین خوارزم شاہ کا معرکہ دریائے سندھ اور بہادران ہندوستان کا غازیانہ رعب

اسی عہد ۶۱۸ھ میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے چنگیز خاں سے شکست پاکر غزنی کی فتح کے بعد سندھ پر فوجیں روانہ کیں جو بہادر ناصر الدین قباچہ کی رکاوٹ اور چنگیز خاں کے حملہ سے دریائے سندھ پر رک گئیں مگر جب چنگیز خاں جلال الدین کے تعاقب میں دریائے سندھ پر پہنچا اور خونخوار جنگ اور جان نثار بہادروں کے مارے جانے کے بعد جلال الدین نے گھوڑا دریائے میں ڈال دیا اور سندھ جیسے دریائے زخار میں سے تیر کر پار اتر گیا اور دوسرے کنارے جا کر زین و خود گیرا تار کر دھوپ میں رکھ دیا صرف چند وفادار زندہ پار اتر سکے چنگیز خاں بہادر مغلوں کو للکارتا تھا کہ کوئی جلال الدین کو گرفتار کرے مگر کسی کا حوصلہ نہ پڑا کہ جان عزیز کو دریائے کی نذر کرے۔ جلال الدین

کے پاس چند ہزار شکست یافتہ ملازم جمع ہو گئے اور دوآبہ سندھ ساگر کے علاقہ پر قابض ہو گیا۔ التمش نے گو ہر طرح سے پوری پوری فوجی تیاریاں کیں مگر ایک مصیبت زدہ سلطان جانکر مقابل نہ ہوا اور ہندوستان سے چلے جانیکی ترغیب دیتا رہا۔ جلال الدین بھی زیادہ ستانی اپنی خستہ حالت اور مغلوں کی عداوت کے سبب نہ کر سکتا تھا اسلئے کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوئی جس میں سلطان شمس الدین التمش زیادہ تعریف کا مستحق ہے جس کے علاقہ میں جلال الدین خود بخود گھس آیا تھا۔ اس پناہ دینے میں التمش کی اسلامی ہمدردی اور ذاتی جرأت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ چنگیز خاں جس نے خوارزم شاہی سلطنت کو تباہ کیا۔ وسط ایشیا و افغانستان و خراسان و ایران کے خوانین و سلاطین کو ہلاک ذلیل کیا۔ جلال الدین کے تعاقب میں دریائے سندھ کے پار پہنچ گیا۔ اور جلال الدین کی گرفتاری کیلئے کوشش کرتا رہا اور جلال الدین کا گرفتار کرنا یا کم سے کم فوراً ہندوستان سے نکال دینا اور ابن الوقت سلاطین کیطرح چنگیز خاں جیسے جابر کو خوش کرنا شہنشاہ دہلی کیلئے بالکل آسان تھا۔ مگر اُس غیور پابند اسلام مجاہد فی سبیل اللہ سلطان نے خلاف قرآن مسلمان کو چھوڑ کر ایک ظالم دشمن اسلام مشرک کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی اور مسلمانوں کو پناہ دی۔ چنگیز خان کے عزم و حوصلہ اور اُس کی فوج کے بہادرانہ کارناموں پر غور کیجائے تو جلال الدین جیسے دشمن کا تعاقب چھوڑنے کے سوا اسکی اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگرچہ جلال الدین آوارہ اور فوج کم رکھتا تھا۔ چنگیز خاں دریائے سندھ کو بذریعہ کشتی وغیرہ عبور کر سکتا تھا مگر دریائے سندھ سے نہ اترنا صاف ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی زبردست فوجی طاقت کا نتیجہ تھا۔ غازی محمد غوری رحمتہ اللہ علیہ کے تمام چیدہ جرنیل اور تربیت یافتہ ہندوستان میں موجود تھے اور اہلیت اسلام رکھتے تھے ہندوستان کی فوجیں غزوہ جہاد میں مشہور تھیں انکی مذہبی حرارت بڑھی ہوئی تھی۔ اسلامی ممالک کے تمام ضرر رسیدہ مسلمان ہندوستان میں جمع ہو چکے تھے خود التمش اور ناصر الدین قباچہ والی ملتان بابند شرع اسلام پر جان و مال فدا کرنیوالے فوج و رعیت میں عدل پرور بہر دلعزیز موجود تھے اس لئے چنگیز خاں نے ایسے جاں فروش غازیان اسلام سے جو خوارزمی سلطان فوج کی طرح ظالم و عیاش نہ تھے مقابلہ کرنا خلاف مصلحت جانا اگر مقابلہ ہوتا تو بھی وہی حالت ہوتی جو پچاس ہزار خراسانی حملہ آوروں کی التمش قباچہ کے ہاتھ سے یا جو بعد میں دو سوا ڈھائی سو سال تک دہلی کی اسلامی فوجوں سے مغلوں

کی درگت ہوتی رہی اور ہر بار بہادران ہندوستان کے ہاتھ سے ذلت اٹھاکر نکالے جاتے رہے جس کی بحث اپنے اپنے موقعہ پر کیجائیگی غرض یہ ہے کہ اُس وقت ہندوستانی مسلمان اسلام کے سچے فدائی پابند شرع قومی ایثار سے سرشار تھے جن کا سرتاج خود شمس الدین التمش علم دوست صوفی مشرب فیاض و کریم النفس تھا۔ اسیوجہ سے اس کو مورخین نے سلطان سعید کا لقب دیا ہے جو بالکل بجا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست ✦ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اہلیت اسلام کی مسلمانوں کو ضرورت

چنگیز خاں کی شوکت و جبروت اور مغلوں کی ہیبت و سطوت کو زمانہ حال کی کوئی قوم نہیں پہنچ سکتی۔ مگر ہندوستان کے مسلمانوں کی اہلیت اسلام اور پابندی قرآن نے اسکو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ دیا ناظرین غور کریں کہ آجکل مسلمان اسی اہلیت کے نہ ہونے کے سبب سے دنیا کے ہر ایک گوشہ میں ذلیل و خوار نظر آتے ہیں اور کوئی تجویز کارگر نہیں ہوتی۔ ہندوستان کے غلام سلاطین نے ازاد اور شریف خانہ۔ الوں بلکہ اسلام کی آبرو بچائی اور اسلامی حریت اور شرافت کے معیار "اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کو صحیح ثابت کر دکھایا اور یہی حال مصر کے سلاطین غلاموں کا تھا جنہوں نے مغلوں کو نیچا دکھایا جسکا ذکر کتاب ہذا کے حصہ اوّل میں مرجوھے۔ مسلمان جو گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہیں جبتک اہلیت اسلام حاصل نہ کرینگے "لا تقوم الساعۃ الّا و اھلہ ظاہرون" کی فلاسفی سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ مخالف اسی اہلیت کے حصول میں رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں اور دنیا پرست نہیں سمجھتے۔ اخلاص و ایثار کامیابی کی جڑھ ہے جو مسلمانوں میں عنقا ہے آجکل کے مسلمان ظاہری عزت و نمود کے لئے کام کرتے ہیں اخلاص کا نام نہیں پایا جاتا شمس الدین التمش کی ذات میں یہ وصف اعلےٰ موجود تھی جسکی تقلید میں تمام مسلمانان ہندوستان ملک و ملت کے بچانے کے لئے جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے ہر حصہ ملک میں خصوصاً فوجی مرکزوں میں آتش زبان فصیح بیان واعظ و لکچرار غزا و جہاد کے وعظ سے مسلمانوں کو جان شاری کیلئے سرگرم بناتے تھے ایسے واعظ بالعموم موجود تھے خواجہ صدر جہاں طبقات ناصری کے مؤلف جیسے مورخ وعظ کرتے اور قومی خدمات کے بر زور لکچر دیتے اور اسلام کے فدائی بناتے

مگر یہ سب کچھ اہلیت اسلام پر موقوف تھا۔ جو تعلیم قرآن اور اسکے احکام کی پابندی سے اس وقت کے مسلمانوں کو حاصل تھا۔ پابندی شریعت کے بغیر اپنے آپ کو مسلمان جاننا جہل مرکب سے کم نہیں جس عجب وحماقت میں ہمارے زمانہ کے مسلمان مبتلا ہیں جبتک یہ مرض عدم تقلید شریعت کی دور نہ ہوگی مخلصانہ اولوالعزمی وایثار کے اوصاف پیدا نہیں ہوسکتے اور حقیقی ترقی کا منہ مسلمان نہیں دیکھ سکتے ؛

التمش پر ملحدین کا حملہ

التمش ہر جمعہ کو جامع مسجد میں جاتا اور تمام حفاظتی تدبیروں کو چھوڑکر عام مسلمانوں کے ساتھ شامل نماز ہوتا ملحدین ایسے حامی اسلام سلطان کے قتل کے درپے ہوئے ایکدن کئی ملحد تلواریں کھینچکر جب کہ سلطان اور مسلمان نماز میں مشغول تھے جامع مسجد میں گھس آئے کئی ایک بیگناہ مسلمان مارے گئے مگر سلطان کو بچالیا اور عام مسلمانوں نے ایک ملحد کو زندہ نہ جانے دیا۔

التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش

سنہ ۶۰۷ھ سے لے کر سنہ ۶۲۴ھ تک التمش امرائے ترک مغزیہ وقطبیہ کے فسادوں اور تاج الدین یلدوز اور جلال الدین خوارزمی کی آمد اور چنگیزی حوادث وغیرہ اسباب کی وجہ سے کہیں فوج کشی نہ کرسکا چنگیز خاں جس نے خوارزم ۔غور۔ ایران کی اسلامی سلطنتوں اور شاہی خاندانوں کا صفایا کردیا تھا اُسکا خوف ہر وقت لگا رہتا تھا۔ مگر التمش اپنی اعلیٰ درجہ کی تدبیر وہمت سے جملہ مشکلات پر غالب آیا اول امرائے ترک کو مقہور کیا۔ تاج الدین یلدوز کو شکست دے کر بدایوں میں قید اور جلال الدین خود بخود براہ سندھ ایران کو چلا گیا۔ چنگیز خاں ہندوستان کی اسلامی شمشیر کے خوف سے سندھ پار نہ ہوسکا اور مرہٹی گیا۔ اسکے جانشینوں کی توجہ ذاتی معاملات اور دیگر ممالک کی طرف مبذول ہوگئی جنکا فتح کرنا ہندوستان کی نسبت آسان تھا اسلئے تمام خدشات سے مطمئن ہوکر التمش نے سنہ ۶۲۲ھ میں بنگالہ پر چڑھائی کی جہاں غیاث الدین عوض خلجی خود مختار سلطان تھا جس کی کریم النفسی نیک نہادی کا ہم اوپر حال لکھ چکے ہیں ؛

غیاث الدین اطاعت سے پیش آیا تیس ہاتھی اور آٹھ لاکھ روپیہ نقد دیا خطبہ و سکہ التمش کا جاری کیا اور التمش واپس ہوا۔

۶۲۳ھ میں قلعہ رنتھن بد واقعہ راجپوتانہ کو چار ماہ کے محاصرہ کے بعد فتح کیا جسکا استحکام اسقدر تھا کہ اس سے پہلے ستر مہاراجگان و شاہان رنتھبور کی فتح سے ناکامی حاصل کر چکے تھے جس سے ہندو اور مسلمانوں کی جنگی قابلیت کا نمایاں فرق معلوم ہوتا ہے ۶۲۴ھ میں کوہستان ہمالیہ کی پہاڑی ریاستوں مندور وغیرہ کو فتح کیا جو شاہ دہلی کی چند سالہ خاموشی سے پر پرزے نکالنے لگی تھیں چونکہ ناصر الدین قباچہ جلال الدین خوارزمی کے چلے جانے اور مغلوں کے حملات سے بے فکری حاصل کرنے کے سبب شاہ دہلی کے علاقہ میں دست اندازی کرنے لگا اسلئے التمش نے ۶۲۵ھ میں اوچہ و ملتان پر حملہ کیا۔ ناصر الدین تاب حملہ نہ لاکر اپنے بیٹے علاء الدین بہرام کو التمش کے حضور میں بھیکر خود بھکر کو چلا گیا جہاں دریا عبور کرتا ہوا غرق ہوا۔ اور التمش کی خوش قسمتی سے یہ کانٹا بھی نکل گیا۔ اور تمام علاقہ سندھ اسکے ماتحت ہو گیا۔ یہ دہلی کا پہلا سلطان ہے کہ جس کے ماتحت مشرقی بنگال سے لیکر ٹھٹہ اور سیوی بلوچستان تک تمام شمالی ہندوستان تھا۔ راجپوتانہ میں اسوقت صرف ایک رانا ئے چتوڑ ہی زبردست تھا جسکی سلطنت کا زبردست مشہور قلعہ رنتھبور فتح ہو چکا تھا اور چتوڑ کے بازو کٹ چکے تھے اور خود چتوڑ بھی ترکتازان اسلام کے حملات سے محفوظ نہ رہا التمش نے تمام مخالفان سلطنت پر کامیابی حاصل کر کے دہلی میں عالیشان دربار کیا۔

دہلی کا پہلا اسلامی دربار

شہر دہلی سجایا گیا۔ امراء علماء و دیگر مستحقین کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا گیا۔ یہ دہلی کا پہلا اسلامی دربار ہے۔ افسوس کہ یہ خوشی راست نہ آئی اور دو ماہ بعد اسکے بڑے بیٹے عالم و فاضل بہادر ناصر الدین کی لکھنوتی واقعہ بنگال میں مرنے کی خبر آئی جس کے صدمہ نے سلطان کو مضمحل کر دیا۔ بنگال کو خلجیوں نے ہی فتح کیا تھا۔ اور خلجی خود مختار سلطنت بھی چند سال کر چکے تھے اُن کی قوم خلجی کا بنگالہ میں ہجوم تھا۔ شاہزادہ ناصر الدین کے مرنے پر ایک خلجی امیر باغی ہو کر بنگالہ پر قبضہ کر بیٹھا۔ جس کو التمش نے شکست دے کر قید کر لیا اور اپنا گورنر مقرر کر کے واپس ہوا۔

گوالیار کی فتح

۶۲۹ھ میں گوالیار پر حملہ آور ہوا۔ جو سلطان قطب الدین کے بعد شاہ دہلی کی مشکلات سرحدی دیکھ کر منحرف ہو گیا تھا۔ گوالیار پرانا مضبوط قلعہ تھا۔ وہاں کا راجہ ملک دیو مشہور شجاع اور کافی سامان جنگ رکھتا تھا۔ گیارہ ماہ تک محاصرہ رہا۔ اور علمائے دین بحکم سلطانی اپنی وعظوں سے مجاہدین کا حوصلہ بڑھاتے رہے چنانچہ مشہور مؤرخ منہاج سراج نے اس موقعہ پر ۹۵ تاریخی لیکچر دئے۔ اور بہادران اسلام کے کارنامے سنا سنا کر مجاہدین کو جانفروشی اور بہادرانہ تندی میں سرگرم کار زار رکھا۔ جس کے سامنے بہادر راجہ کی شجاعت اور قلعہ کی حصانت کوئی فائدہ نہ دے سکی۔ اور غازیان اسلام نے بزور شمشیر ۶۳۰ھ میں فتح کر لیا اور راجہ ملک دیو بھاگ گیا۔ اور قلعہ پر شاہ دہلی کا قبضہ ہو گیا۔ ۶۳۲ھ میں مالوہ پر چڑھائی کی۔ اور اُجین کو فتح کیا جو مشہور عادل و باقبل راجہ بکرماجیت کی راج دھانی تھی۔ مندر مہاکال جس کی بلندی ۱۰۵ گز اور خاصہ قلعہ تھا۔ جنگی اور ملکی مصلحت کے خیال سے گرایا گیا۔ مہاکال کی مورت کو ہندوؤں کی ضعیف الاعتقادی دور کرنے اور ان فانی معبودوں کی بیکسی و ناتوانی عام ہندوؤں کو دکھلانے کے لئے دہلی لائی گئی اور پے سپر کی گئی۔ ۶۳۳ھ کو ملتان کی طرف گیا۔ مگر راستہ میں بیمار ہو گیا اور واپس دہلی ہوا۔ ۱۹ روز کی بیماری کے بعد یہ جلیل القدر سلطان سعید شعبان ۶۳۳ھ میں ۲۶ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون اس کی فتوحات ۳۶ اور ۳۰ بہادر جنرل تھے۔

غیر ممالک کے لوگوں کی آمد التمش کی مہمان نوازی

اور

دہلی کی رونق

سلطان شمس الدین التمش فیاض و جواد مہمان نواز غریب پرور تھا چنگیزی حادثہ سے جسقدر امراء عمدہ فضلاء علماء سلاطین۔ تاتار خوارزم و غور خراسان و ایران۔ بغداد و عراق سے جان بچا کر دہلی آئے سب کی غور و پرداخت حسب مدارج کی گئی۔ اور ان کا جبر نقصان کیا گیا۔ ملازمت جاگیر و معافی تنخواہ و وظیفہ کی امداد سے کثیر التعداد پناہ یافتوں کی تسلی خاطر ملحوظ رکھی

گئی۔ اور غریب الوطن شرفا کے سبب سے چنگیز خاں جیسے جابر و قاہر خاقان کی مخالفت کی پروا نہ کی گئی اور اپنی ذات اور فوج کو اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کیلئے وقف کر دیا۔ اسی حقیقی اخلاص اور نیک نیتی کا اثر تھا کہ خونخوار مغل ہندوستان میں قدم نہ ٹکا سکے۔ اور رعایائے ہندوستان ان ظالم بھیڑیوں سے محفوظ رہی جبکہ تمام ایشیا کی جنگجو قومیں مغلوں کے ہاتھ سے تباہ ہو چکی تھیں۔ شمس الدین التمش کا ہندوستان پر یہ بھاری احسان ہے جسکی تقلید بعد میں عہد علاء الدین خلجی تک ہوتی رہی۔ ان خاندانی فنا شہزادوں اور امراء کی اسقدر جمگھٹ ہوئی۔ کہ دہلی میں انکے لئے علیحدہ علیحدہ محلے بنانے پڑے۔ فضلاء و علماء مشائخ عظام کے اجتماع سے دہلی حقیقی مدینۃ الاسلام بن گئی۔ صناع و اہل حرفہ کے اجتماع سے ہندوستان کی صنعت و حرفت میں ترقی ہوئی۔ بخارا اور غزنی و خوارزم کے قدردان سلاطین نے جن کاریگروں کو اقطار عالم سے چن چن کر اپنی سلطنت کی دولت و عظمت کو بڑھایا تھا۔ وہ اب ہندوستان خصوصاً دہلی پہنچ گئے اور ہندوستان کی اصلی تمدن و معاشرت صنعت و حرفت میں حیرت انگیز ترقی کے باعث ہوئے۔

قطب صاحب کی لاٹ

حوض شمسی اور قطب صاحب کی بے نظیر لاٹ جو سو گز بلند اور سات منزل (درجہ) تھی اور اب ستی گز اونچی اور پانچ درجہ رکھتی ہے اس کا محیط جڑ میں پچاس گز اور سرے پر دس گز ہے۔ اس میں چکر دار زینہ بنا ہوا ہے سیڑھیاں تین سو اٹھتر ہیں نہایت خوبصورتی سے اس پر گلکاری اور سنگ کاری بنی ہوئی ہے باوجود اسقدر اونچائی اور عظمت کے نہایت خوش قطع اور خوش وضع ہے۔ دیکھنے سے جی نہیں بھرتا۔ اور مسلمان کاریگروں کی لیاقت اور بانی کی عظمت کا ہزار زبان سے اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مسجد کا مادہ ہے جو سلطان بنانا چاہتا تھا۔ اگر واقعی مادہ ہے تو اس مسجد کی رفعت و قعت پر خیال کرنے سے سلطان سعید التمش کی دینی محبت اور اسلامی جوش کا بخوبی پتہ لگتا ہے کہ یہ سلطان جملہ سلاطین اسلام سے اجرائے کار خیر میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ یہ مسجد اگر بن جاتی تو دنیا کے معبدوں میں ایک اول درجہ کی یادگار ہوتی۔ کہتے ہیں کہ سلطان قطب الدین ایبک کے عہد میں اسکی تعمیر شروع ہوی اور سلطان التمش کے ۱۶ سالہ عہد میں ختم ہوئی۔ اس روایت پر خیال کرتے

ہوئے مسجد کا بانی نہ ہی ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ قطب الدین سب سے زیادہ فیاض ملک بخش تھا۔ اُس نے ایسی عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی ہوگی۔ فتح کی یادگار میں ایک مینار بنانا اور محض متکبرانہ خوشی کے لئے اسقدر زر کثیر خرچ کرنا سچے مسلمانوں کا کبھی دستور نہیں رہا۔ ہاں مسلمان جہاں گئے سب سے اول اُنہوں نے خانہ خدا مسجد ہی کی تعمیر کی۔ اسی اسلامی دستور کے موافق سلطان قطب الدین نے دہلی فتح کرنیکے بعد ایسی مسجد شروع کی ہوگی جو جامع مسجد کی حیثیت سے مسلمانوں کے جم غفیر کی نماز کے لئے کافی ہو سکے۔ دہلی پر قبضہ گو سلطان قطب الدین نے کیا۔ لیکن معرکہ ترادڑی کے وقت سے سلطان غازی محمد غوری کی باگ ادھر تھی۔ اس وقت دہلی۔ اجمیر اور قنوج سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی جو کئی سال پہلے فتح ہو چکے تھے۔ اور کوئی یادگاری مینار بنائی نہ گئی تھی۔ نہ فتح ترادڑی کے موقعہ پر جو قابل فخر معرکہ تھا کوئی یادگار بنائی گئی۔ سلطان قطب الدین ایبک کا دہلی پر قبضہ معمولی بات تھی۔ پرتھی راج اور کھانڈے راؤ مر چکے تھے۔ کہرام سے دہلی کو صدر مقام کی تبدیلی ہوئی اس لئے اسکی یادگار کی ضرورت نہ تھی۔ رہا اسلامی تصرف دو صدیوں سے ہندوستان میں موجود تھا اُسکی یادگار بھی موزون نہ تھی۔ پس میرے خیال میں اسکو فتح اسلام کی یادگار کہنا درست نہیں مذہبی مکان کا پیش خیمہ تھا جو تغیرات زمانہ سے تعمیر نہ ہو سکا۔ اگر فتح اسلام کی یادگار ہی تسلیم کیا جائے۔ تو بھی اُس کے بانی کی اولوالعزمی اور مسلمان کاریگروں کے فن معماری کے اعلیٰ درجہ کی قابلیت ثابت ہوتی ہے۔ ایسے کاریگروں نے کیوں نہ ہندوستانی فن تعمیر میں انقلاب پیدا کیا ہوگا۔

علمی کالج

علاوہ صنعت و حرفت کی ترقی کے علمی و روحانی مدارس نے اسی عہد میں کثرت سے رواج پایا۔ اُچہ۔ ملتان میں ناصر الدین قباچہ کی سرپرستی سے علمی کالج کھلے ہوئے تھے چنانچہ صدر جہاں منہاج سراج جب وارد ہندوستان ہوا تو اُچہ کے کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور بعد میں التمش کے ساتھ دہلی آیا۔ لاہور۔ بھٹنڈا۔ ہانسی۔ اودھ۔ لکھنوتی بنگال کے علاوہ جہاں سرکاری اور پرائیویٹ مدارس کھلے تھے خاص دہلی میں شاہی اخراجات سے اعلیٰ درجہ کا کالج کھلا ہوا تھا معلمین کو تنخواہیں اور متعلمین کو اخراجات تعلیم دیئے جاتے اور مفت تعلیم

ہوتی۔ ہر ایک قوم کو اجازت تعلیم تھی گو اسوقت ہندوؤں نے ابتدائی عہد کے سبب سے ان مدارس سے فائدہ نہ اُٹھایا مگر علمی تحریک شروع ہوگئی جس سے کچھ مدت بعد ہندو اسلامی لٹریچر سے ماہر ہوگئے۔ اور مصنف اور مورخ بن گئے +

روحانی مدارس اور اشاعت اسلام

روحانی مدارس اُسوقت خانقاہیں تھیں جن میں عملی تعلیم دیجاتی تھی۔ زہد و ورع تقویٰ و طہارت کی مشق سے ان مدارس کے طلبہ کو فقر و فاقہ تکلیف و مصیبت کے برداشت کی عادت ہو جاتی پہاڑوں جنگلوں دشت و بیابان میں ہر جگہ اپنی سادگی و قناعت کی بدولت گذارہ کر سکتے اور اسلامی مشنری کا کام دیتے +

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

اور

صوفیائے کرام کی اسلامی خدمات

گو عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے بزرگوں کی آمد ہندوستان میں شروع ہوگئی تھی۔ لیکن مستقل اسلامی سلطنت کے ساتھ خواجہ خواجگان شیخ المشائخ خواجہ بزرگوار خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ جنہوں نے اس عہد میں اجمیر میں جو ہندوؤں کی طاقتور دارالسلطنت تھی بے یار و مددگار متوکلانہ وضع سے قدم رکھا اور اسلام کی علمی تعلیم اور روحانی تدریس کا کام شروع کیا ابتدا میں گو ہندوؤں نے بہت کچھ تکلیفیں پہنچانے کی کوشش کی مگر کرامات محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آخر سر تسلیم جھکانا پڑا۔ آپکے مرید صادق اور خلیفہ برحق شیخ المشائخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ التمش کے عہد میں دہلی میں روحانیات کی تعلیم فرماتے تھے اور اشاعت اسلام کے علمی اور عملی تعلیم یافتہ مریدان باصفا کو ہندوستان کے مختلف ضلاع میں بھیجتے رہے شیخ المشائخ حضرت بابا فرید شکر گنج رضی اللہ عنہ پنجاب کی اخلاقی تعلیم کے لئے مقام اجودھن (پاک پٹن) مقرر ہوئے۔ خود التمش حضرت خواجہ قطب صاحب رضی اللہ عنہ کا کمال معتقد تھا۔ بقول بعض التمش کو خلافت بھی حاصل تھی اگر تھی تو بالکل واجبی اور حق بجانب تھی۔ اُس وقت کے سلطان کا جبکہ یہ اعتقاد اور روحانی حالت ہو۔ تو بفحوائے

"النّاسُ علیٰ دینِ ملوکھم" ملازمان شاہی اور رعیت کیوں نہ خدا پرست ہوگی۔ اسی سے اتحاد اور اتفاق اخوت کو ترقی ہوتی ہے جس کے بغیر ملکی و قومی ترقی محال ہے۔ ان روحانی مدارس نے جیسا کہ ہم تذکرہ سلطان محمود غزنوی میں لکھ آئے ہیں ہندوؤں کے مذہبی خیالات اور علمی معتقدات پر زبردست اثر ڈالنا شروع کیا۔ ہندو سادھو جو ہندوستان میں مقدس سمجھے جاتے تھے اُن کا مقابلہ ان اولیائے اسلام سے کیا جانے لگا جس میں بزرگانِ اسلام کا پلہ بھاری رہا اور ہندوستان میں اشاعت اسلام کا یہی سرچشمہ و مرجع صلح کل طریقہ کامیاب ہوا اور ہوتا رہیگا۔ اس میں جبر و اکراہ کا کوئی تعلق نہ تھا۔ خاندان چشت اہل بہشت کے دوش بدوش دیگر سلاسل طریقت نے بھی ہندوستان میں اسلام کی خدمت کچھ کم نہیں کی شیخ المشائخ حضرت مخدوم بہاء الحق رضی اللہ عنہ ملتان میں مسند ارشاد کو زیب دے رہے تھے۔ آپ کا دائرہ افاضت بھی سندھ کے علاوہ دیگر ممالک تک وسیع تھا آپ سہروردی خاندان کے سرگروہ اور مشائخ کے سرتاج تھے۔ اراکین سلطنت کو آپ کی ذات بابرکات سے عقیدت تھی۔ انہیں کے ہمعصر قطب الاقطاب شیخ المشائخ بابا فرید الدین شکر گنج رضی اللہ عنہ عالم تجرید و تفرید میں نظیر و مثال نہ رکھتے تھے۔ ہندو جوگی و سنیاسی سادھو سنت فریدی توکل و قناعت کو کوئی نہ پہنچ سکتا تھا اخلاق و اوصاف کے ایسے کامل نمونے ترقی اسلام کا باعث تھے یہی لوگ اس عہد کے روحانی پیشوا روحانی معلم تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ؛

خلیفہ بغداد کا خلعت

خلافت عباسیہ کے ضعف پر اگرچہ سامانی۔ غزنوی۔ دیلمی سلجوقی۔ غوری ایشیا میں متمکن ہوئے۔ لیکن خلیفۃ المسلمین کا مقدس خطاب خلیفہ بغداد کے لئے ہی مخصوص رہا۔ اور دیندار سلاطین مثل محمود غزنوی وغیرہ اس عقیدہ کے سامنے کہ اسلام کا خلیفہ قرشی موزون ہو سکتا ہے گردن جھکاتے رہے۔ اور خلیفہ بغداد کی عظمت مانتے رہے اور خلیفہ بغداد خطاب خلعت بھیج بھیج کر اپنی خلافت کا سکہ جماتا رہا۔ اسی اعتقاد اور خیال سے التمش کو خلیفہ بغداد نے خلعت ارسال کیا خلعت لانے والی سفارت کا کئی میل باہر تک استقبال کیا گیا۔ شہر آراستہ کیا۔ دربار شاہی منعقد ہوا۔ یہ امر بھی سلطان شمس الدین کی خوش اعتقادی کی دلیل ہے۔ کہ خلیفہ بغداد جو محض

گدی نشین پیرزادوں کی طرح نشانِ تقدس تھا پولیٹیکل طاقت اور ملکی حیثیت میں جس کا عدم وجود برابر تھا۔ ہندوستان کا شہنشاہ اس کی خلعت کی اسقدر عزت کرتا ہے۔ واقعی اسلامی ممالک میں واحد خلیفہ کی نہایت مفید اور قیمتی ہے۔ اس سے تفریق اور اختلاف کا دور کرنا اور اسلامی طاقت کو اتحادی صورت میں رکھنا مقصود تھا جس قومی اتحاد کے لئے آج ہمردانِ قوم ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کوئی مصر میں دنیا کے مسلمانوں کی کمیٹی تجویز کرتا ہے کوئی پان اسلام ازم کی صدا لگاتا ہے اور اسلامی اتحاد کی تجاویز سوچتا ہے۔ ایک خلیفہ کا وجود ان تمام ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے یہ حکم مصلحت قومی پر مبنی تھا۔ خلافت راشدہ امویہ۔ عباسیہ کے عہد کے اتحادی کارنامے تاریخ کے صفحوں پر ثبت ہیں جب سے کہ ایک امیرالمومنین کی جگہ نصف درجن خلافت پناہ بن بیٹھے قومی شیرازہ کھل گیا اور مخالفین اسلام نے ایک ایک کر کے کئی ایک کو شکار کر لیا۔ اور کر رہے ہیں۔ یہ تھی واحد خلیفہ کی فلاسفی جو سلطان سعید التمش نے سمجھ رکھی تھی اور خلعت بغداد کو نہایت عزت و تکریم سے قبول کیا۔ ورنہ خلیفہ بغداد ہندوستان میں کوئی مدد امداد نہ دے سکتا تھا۔ ہاں یہ پولیٹیکل ضرورت دونوں کو تھی۔ کہ اس اتحاد مذہبی سے خونخوار مغل بغداد پر حملہ نہ کر سکیں۔ ضرور التمش کے عہد میں مغل بغداد پر کامیاب نہیں ہو سکے جس کے اور کئی باعث بھی تھے۔ لیکن شاہنشاہ ہندوستان کا خلیفہ بغداد سے اس قدر عقیدت و اخلاص کا اظہار مغلوں کے ارادہ و ہمت کو توڑنے والا ہوا ہوگا۔ زمانہ حال کے مسلمان سلاطین ان تاریخی واقعات سے سبق لیں اور اپنے مستقبل کے حالات و نتائج کو غور سے دیکھیں ۔

التمش کے عادات و اخلاق اور معدلت گستری

التمش کو ابن بطوطہ عادل و فاضل و صالح ظالموں کو سزا دینے والا اور مظلوموں کی دستگیری کرنیوالا لکھتا ہے۔ اہل دفتر اور اردلیوں کی کش مکش اور اخراجات عدالت سے بچانے کے لئے شناخت مظلوم کے لئے رنگین کپڑے تجویز کئے تھے۔ مظلوم دادخواہ رنگین کپڑے پہن لیتا جس میں کوئی مشکل نہ تھی وہ بادشاہ کے حضور اور دیگر حکام مجاز کے ہاں بلا روک ٹوک حاضر ہو سکتا اور بلا واسطہ عرض معروض کر سکتا اور حق واجبی پاتا۔ اس سے بھی بڑھ کر رفع مظالم کے لئے یہ احتیاطی تدبیر کی کہ اپنے دروازہ کے برجوں پر لوہے کی زنجیریں گھنٹی

لگادی۔ جو لوگ رنگین کپڑا پہننا پسند نہ کریں اور روز روشن میں کسی ظالم کی شکایت کرنیسے ڈریں یا [illegible] کے وقت اُن پر کوئی ظلم ہو وہ زنجیر کو ہلائیں سلطان گھنٹی کی آواز سُن کر فوراً مظلوم کی تکلیف دور کرنے [illegible] نے مستعد ہو جاتا۔ کیا اس سے بڑھ کر غریب و نادار رعایا کی دادرسی کے لئے کوئی تجویز ہو سکتی ہے۔ قانون مفلسی جس سے کوئی شاذ و نادر ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے سلطان سعید التمش کی تجاویز عادلانہ کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا جس میں نہ کورٹ فیس ہے نہ خرچہ وکلاء۔ سلطان ہر وقت بذاتِ خود رعیت کے آرام و بہبودی کے لئے تیار رہتا اور اُسکی تقلید میں حکام سلطنت بھی سرگرم انصاف رہتے۔ وہ پابند اسلام سلطان ؎

تو کے بشنوی نالۂ دادخواہ — بکیواں برت گلۂ خواب گاہ
بدیوان میند از فریاد او — کہ باشد ز دیواں بود داد او
چناں خسپ کآید فغانت بگوش — اگر دادخواہے برارد خروش

کے مضامین کو مدِ نظر رکھتا تھا۔ اِس کا باعث خواجہ قطب صاحب رضی اللہ کی صحبت بابرکت تھی۔ جن کی طفیل انوار قرآنی اور فیوضاتِ رحمانی سے مستفیض ہو کر ؎

تو بر تخت سلطانی خویش باش — باخلاق پاکیزہ درویش باش

کا نمونہ تھا۔

باوجود اقتدر عظمت سلطنت کے وہ اپنے زمانہ غلامی کو کبھی نہیں بھولا۔ بخارا کی حکایت ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ جو التمش نے بادشاہ بن کر بارہا ارکین سلطنت سے بیان کی اور غرور و تکبر کو جگہ نہ دی۔ دوسری حکایت اخلاقی بھی لکھی جاتی ہے۔ جسکو جملہ مورخین اسلام نے قلم انداز نہیں کیا۔

بغداد میں التمش کے آقا نے درویشوں کی جن میں مشہور صوفی قاضی حمید الدین ناگوری بھی شامل تھے۔ مجلس سماع قائم کی۔ اہل ذوق کو شوقیہ حالت طاری ہوئی۔ التمش رات بھر درویشوں کی خدمت میں کھڑا رہا اور شمع کے گل کترتا رہا۔ صوفیاء کو یہ خدمت پسند آئی اُن کی توجہ سے سلطنت ملی۔ عہد التمش میں قاضی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی آئے سماع سنتے تھے ظاہری علما مانع ہوئے اور شریعت پناہ سلطان کو سماع کے روکنے پر مستعد کیا۔ قاضی ممدوح طلب کئے گئے۔ ملاؤں نے قاضی صاحب سے پوچھا۔ کہ سماع[1] حلال ہے یا حرام۔ اس پاکباز مرد خدا نے جواب دیا کہ اہل قال پر حرام اور اہل حال پر حلال ہے پھر قاضی

[1] سماع قوالی عرس وغیرہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مذہب میں قطعی حرام ہے ۱۲

صاحب نے سلطان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ مجلس بغداد بھی یاد ہے کہ درویشوں کی نظر توجہ سے تم کو یہ سلطنت ملی۔ سلطان یہ سُن کر رو پڑا قاضی صاحب کو اپنے پاس بٹھایا اور محبت و نوازش سے پیش آیا اور سماع سے لذت اُٹھانے لگا اور درویشوں کا معتقد ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ ٭

رُکن الدین فیروز شاہ اور بدصحبت کا اثر

سلطان شمس الدین کے گیارہ بیٹے تھے سب سے بڑا اور لائق فاضل ناصر الدین گورنر بنگالہ تھا جو ۶۲۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اُس کے بقائے نام کے لئے سب سے چھوٹے بیٹے محمود کا نام ناصر الدین ..... رکھا جو واقعی محمود نکلا باقی بیٹوں میں سے رکن الدین ولیعہد تھا جو باپ کے فوت ہونے کے وقت دہلی میں موجود تھا اور وہی تخت نشین ہوا۔ دیندار باپ کے وقت تو چھپا رستم رہا۔ مگر تخت نشین ہو کر عیش و عشرت میں غرق ہو گیا۔ اِس عیاشی کا باعث اُن خاندانی امراو شاہزادوں کی صحبت تھی جو اپنی بداطواریوں سے "ان اللہ لا یغیر ویقوم حتّٰی یغیر وما فی انفسہم" کے زیر دست اٹل قانون قدرت کے صدمات اُٹھا کر حادثہ تاتار میں دہلی میں پناہ گزین ہوئے تھے اور فیاض وجواد التمش نے سب کو درجہ بدرجہ عزت و تکریم سے رکھا یہ لوگ قدیم سلاطین کی یادگاریں تھے۔ اِن سے التمش خود اور اس کی اولاد ملتی جلتی رہتی۔ نوجوان شاہزادوں کے اخلاق و عادات پر ان بگڑے ہوئے امیرزادوں کا خراب اثر پڑنے لگا۔ گو التمش نہ خود شراب پیتا تھا اور نہ کوئی اُس کے سامنے پی سکتا تھا۔ لیکن یہ عادی عیاش ہندوستان پہنچ کر اور امن و آرام پا کر بعد حصول اسباب دنیوی بدستور سابق مسرفانہ اعمال اور عیاشی کرنے لگے گو یہ کرتوت اُن کی خفیہ ہوتی۔ لیکن نوخیز شاہزادگان دہلی کی گمراہی کے لئے کافی تحریکیں تھیں۔ شاہزادگان دہلی کے اتالیق و نگران ذاتی اغراض یا خوف التمش سے ذکر نہ کر سکے۔ اگر کیا ہوگا تو سلطان کی کوشش کارگر نہ ہوئی ہوگی۔ پس ان وجوہات سے رکن الدین عیاش نکلا۔ آجکل کے رؤساء کی اولاد کے اخلاقی بگاڑ کا بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ اتالیق و معلم لالچ وغیرہ کے سبب سے فرض نگرانی کا حق ادا نہیں کرتے۔ نوجوان رئیس زادوں کو شروع میں نہیں روکتے۔ اور حق نمک ادا نہیں کرتے۔ تنخواہ کے طمع سے سرپرستوں کو اطلاع نہیں دیتے۔ اور نوجوان ہوتے ہوتے عیاش و بداطوار ہو جاتے ہیں۔ رکن الدین پر بھی اس کا اثر پڑا۔ اور ایام شاہزادگی میں صحبت بد کے اثر اور معلمین کی نمک حرامی سے عیاشانہ زندگی کی جانب مائل ہوا۔ اور باپ کے

مرنے کے بعد کھلم کھلا رنگ رلیاں منانے لگا۔ اگرچہ سخاوت وکرم میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ جو درجہ افراط و اسراف تک پہنچی ہوئی تھی۔ ہاتھی پر سوار ہوتا اور بازار میں سے گذرتا ہوا اشرفیں لٹاتا نکل جاتا جو روپیہ قطب الدین اور شمس الدین تیغ وقلم صنعت وعلم کی قدردانی اور ملک کی آبادی پر خرچ کرتے تھے جس کی وجہ سے ایشیاء کے نامور فاضل۔ صناع۔ بہادر۔ مدبر دہلی میں جمع ہو کر دہلی کو فخر البلاد بنائے ہوئے تھے اب وہ روپیہ عموماً بھانڈوں مسخروں طوائفوں پر خرچ ہونے لگا۔ دہلی کا یہ پہلا مسلمان سلطان ہے۔ جو کھلم کھلا مے نوشی اور عیاشی سے عام لوگوں کے اخلاق بگاڑنے کا باعث ہوا۔ اس کی نالائقی سے اس کی ماں شاہ ترکان نے جو ترکی کنیز تھی سب اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ التمش کی دیگر بیگمات کو بے عزت اور قتل کرانے لگی۔ التمش کے بیٹے قطب الدین کو قتل کرا دیا اس لئے شاہی خاندان کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی اور ارکین سلطنت بھی بگڑ گئے۔ ایک شاہزادہ اودھ میں باغی ہو گیا اور مسلمان حکام لاہور۔ ہانسی۔ بداؤں بھی سرکش ہو گئے۔ وزیر اعظم بھی علیحدہ ہو گیا۔ والدہ سلطان نے رضیہ بیگم کو بھی ہلاک کرنا چاہا۔ چونکہ رضیہ بیگم باپ کے وقت سے ہر دلعزیز اور صاحب اختیار تھی۔ اور رکن الدین اور اس کی ماں سے لوگ بیزار تھے۔ دہلی کے باشندے رضیہ بیگم کی امداد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور شاہ ترکان والدہ رکن الدین کو قید کر لیا۔ رکن الدین کے ہمراہی ساتھ چھوڑ کر رضیہ بیگم کی خدمت میں آ گئے۔ رضیہ بیگم بادشاہ ہوئی اور رکن الدین قید ہوا۔ اور قید میں ہی مر گیا۔ مدت سلطنت ۶ ماہ ۲۸ روز تھی +

رضیہ بیگم

رضیہ بیگم پہلی مسلمان سلطانہ ہے جو تخت دہلی پر متمکن ہوئی۔ یہ ملکہ جملہ صفات حمیدہ سے موصوف اور باپ کے عہد میں سلطنت کے کاروبار میں دخیل تھی۔ جب التمش گوالیار پر حملہ آور ہوا تھا۔ تو دہلی میں رضیہ بیگم کو اپنا قائم مقام کر گیا تھا جس نے انتظام عمدگی سے کیا واپسی پر سلطان التمش نے منشی کو حکم دیا۔ کہ رضیہ بیگم کی ولیعہدی کا حکم لکھدے امرائے سلطنت نے عرض کی۔ کہ بیٹوں کے ہوتے بیٹی کا ولیعہد کرنا مناسب نہیں ہے۔ سلطان التمش نے فرمایا۔ کہ بیٹے نالائق مے خوار و بدکار ہیں۔ ایسے بیدین سلطنت کا بوجھ سنبھال نہیں سکتے۔ رضیہ بیگم اگرچہ عورت ہے مگر مردانہ صفات رکھتی ہے۔ بھائیوں سے بدرجہا لائق ہے میرے

بعد یہی سلطنت کے لائق نکلے گی اور ایسا ہی ہوا۔ سلطانہ رضیہ بیگم عام شہریوں کی مدد سے والدہ رکن الدین کو قید کر کے شہر پر قابض ہو گئی۔ امرائے سلطنت جو والدہ رکن الدین کے مظالم اور رکن الدین کی غفلت و شہوت پرستی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ رضیہ بیگم کے ساتھ ہو گئے اور ۶۳۵ھ میں رضیہ بیگم تخت نشین ہوئی۔ قوانین قطبی و شمسی اور رواج احکام شریعت جو رکن الدین کے عہد میں زوال میں آچکے تھے از سر نو تازہ اور جاری کئے گئے۔ سخاوت و عدالت کا شیوہ اختیار کیا۔ پردہ سے نکل کر مردانہ لباس در بر و تاج بر سر دربار عام میں بیٹھتی۔ لوگوں کی نالشیں سنتی اور انصاف و عدالت کرتی۔ اور بھائی کے عہد کی تمام خرابیاں دور کیں ؛

رضیہ بیگم کی تدبیر و شجاعت

کچھ مدت تک انتظام ملکی خوب چلتا رہا۔ مگر التمش کے خاندان کی خانہ جنگی نے وقار سلطنت امراء کے دلوں سے کھو دیا تھا اور جدید انقلاب کے لئے وہ اپنی ذات کو طاقتور پاتے جس انقلاب سے اُن کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اس لئے لاہور۔ ملتان۔ بداؤں کے گورنر معہ نظام الملک جنیدی وزیر اعظم کے رضیہ بیگم کے مخالف ہو گئے مگر رضیہ بیگم ذرہ نہ گھبرائی خیر خواہ ترکوں کی فوج لے کر مقابل ہوئی اور شکست دیکر دو باغیوں کو قتل اور وزیر کو کوہ سرمور کو بھگا دیا۔ باقی کو حسن تدبیر اور اولوالعزمی سے مطیع کر لیا۔ اور اراکین سلطنت کے اس فساد کو اپنی انتظامی لیاقت سے بخوبی دبا لیا۔ التمش کی وفات کے بعد رنتھنبور کو ہندوؤں نے محصور کر لیا تھا۔ اور مسلمان اب تک محاصرہ کی تکلیف اُٹھا رہے تھے رضیہ بیگم نے ملک قطب الدین غوری جرنیل کو لشکر جرار دے کر رنتھنبور کو روانہ کیا جس نے ہندو محاصرین کو بھگا کر مسلمانوں کو محاصرہ سے چھوڑایا۔ چونکہ قلعہ رنتھنبور کی حفاظت مشکل تھی اور اس کے باقی رہنے سے پھر ہندوؤں کے تسلط کا اندیشہ تھا۔ جس کی وجہ سے دہلی مشکلات فتح پیش آتیں جو نصف صدی سے اسلامی فوج کو پیش آرہی تھیں اس لئے جنگی مصلحت کے خیال سے قلعہ رنتھن بور گرایا گیا۔ اب لکھنوتی واقعہ بنگال سے لیکر ٹھٹہ واقعہ سندھ تک وہ تمام علاقہ رضیہ بیگم کے ماتحت تھا جو اُس کے باپ کے عہد میں دہلی کا خراج گذار تھا ؛

اس کے بعد جمال الدین یاقوت حبشی میر آخور کو سلطانہ کی خدمت میں تقرب حاصل ہوا۔

اور یہاں تک تقرب بڑھا۔ کہ سلطانہ کی بغل میں ہاتھ دیکر گھوڑے پر سوار کراتا۔ اِس سے زیادہ تاریخ میں کوئی مظنۂ بدگمانی نہیں لکھا اور اسی کو ارا کین سلطنت کی بغاوت اور رضیہ بیگم کی معزولی کی وجہ لکھا ہے ٭

رضیہ بیگم کا چلن

حبشی غلام کو گھوڑے پر سوار کرنے سے رضیہ بیگم کے چال چلن کو مشتبہ خیال کیا گیا ہے مؤرخوں نے اس معاملہ کو صاف نہیں کیا اور گول مول لکھدیا ہے۔ الفنسٹن صاحب کی بھی یہی رائے ہے اگرچہ یہ امر بدگمانی کے لئے کافی آلہ تھا۔ لیکن رضیہ بیگم جیسی مدبر و شجاع محض وہم و گمان سے بدنام ہوکر معزول نہیں ہوسکتی تھی۔ امرائے سلطنت کا غیرت کھانا ایک فرضی بہانہ تھا۔ کیا ایک مسلمان عورت خصوصاً شہزادی بلا برقعہ نامحرموں کے مجمع میں آکر اجلاس کرتی اور شریعت کی پرواہ نہیں کرتی اُس سے بیعت کی جاتی ہے اور اسلامی ممبروں پر اس کو امیر المومنین بیان کیا جاتا ہے۔ اُس وقت کسی کو اسلامی غیرت نہ آئی۔ اور کسی نے خلع و عزل کا ارادہ نہ کیا۔ اگر کیا یا اسکی خلاف شرع بے پروگی نے امراء کو نفرت دلائی۔ تو یا قوت حبشی کا واقعہ ابتدائی نفرت کا باعث نہیں ہوسکتا۔ اس کو عوام کے بھڑکانے اور رضیہ بیگم کی مخالفت بڑھانے کے لئے مخالفین نے واقعہ غلام کو زیادہ طشت از بام کیا۔ اگرچہ رضیہ بیگم کا غلام کی مدد سے گھوڑے پر سوار ہونا معیوب امر تھا۔ مگر جو عورت مردوں کے درمیان بیجابانہ آتی جاتی ہو لباس مردانہ پہنتی ہو جنگی زردی اور ہتھیار لگاتی ہو۔ اگر کسی ملازم کی مدد سے گھوڑے پر سوار ہو تو یورپین لیڈیوں کے حالات دیکھنے سے رضیہ بیگم پر محض گھوڑے پر سوار ہونے کے واقعہ سے بدگمانی نہیں کرنی چاہیئے جبکہ اور کوئی شہادت اُس کے برخلاف نہیں۔ اگر ہوتی تو مورخین صراحتاً نہ سہی کنایتاً ہی ذکر کردیتے۔ جبکہ مردوں کے چال چلن کو بیحیائی۔ بدکاری۔ حرام کاری کے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ تو رضیہ بیگم اگر واقعی بدچلن ہوتی۔ تو مؤرخ کوئی نہ کوئی اس قسم کا لفظ لکھدیتے۔ مگر سوائے حبشی غلام پر مہربانی کرنے اور گھوڑے پر سوار کرانے کے اور کوئی فقرہ نہیں لکھا گیا۔ اِس لئے میری رائے میں رضیہ بیگم کے چال چلن پر صاف طور سے دھبہ نہیں لگ سکتا ٭

رضیہ بیگم کی معزولی کا باعث

بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود رضیہ بیگم نسل کے اعتبار سے ترک تھی۔ اُس کے باپ کے زبردست اور طاقتور اراکین بھی ترک تھے جن میں چہل گانی غلام ترک زیادہ قابو یافتہ تھے۔ رکن الدین کو معزول کر چکے۔ شاہ ترکان کا فیصلہ انہیں لوگوں کی حمایت سے ہوا محمد غوری کے بعد قطب الدین اور قطب الدین کے بعد التمش ترک غلام تخت نشین ہوئے۔ مورو ثی سلطنت کا سکہ ابھی ہندوستان میں نہ بیٹھ سکا تھا۔ ہر ایک طاقتور ترک سردار اپنے آپ کو مستحق تخت خیال کرتا تھا۔ اپنے ذاتی جاہ و جلال کے خیال کا نتیجہ ایک عورت کی محکومی سے جن کے حق میں مشرقی فیصلہ "کہ یا پردہ یا گور بہ جائے زن" تھا۔ یہی نکلنا چاہئے تھا۔ یا ہوشیار اور مدبر رضیہ بیگم کی جگہ کوئی اور تقرری چاہتے تھے جس جدید انقلاب میں ان کا فائدہ تھا۔ کیونکہ رضیہ بیگم امراء کی بغاوت کے زمانہ میں وزیر اعظم کو نیچا دکھا چکی اور دو تین مشہور سرداروں کو مقہور کر چکی تھی۔ ملک عزالدین کبیر خانی کو معافی دے کر حکومت لاہور دی گئی مگر پھر باغی ہوا۔ رضیہ بیگم جب سرکوبی کے لئے پہنچ گئی تو پھر اطاعت سے پیش آیا اور تسلی خاطر کے لئے ملتان کا علاقہ بھی اس کو ہی دیا گیا۔ مگر ترکوں کو خوش رکھنا رضیہ بیگم کی طاقت سے باہر تھا۔ اب دوسرا ترک گورنر بھٹنڈا التونیہ جو ترکان چہل گانی میں سے تھا باغی ہوا +

رضیہ بیگم کا انجام

التونیہ حاکم بھٹنڈا کی بغاوت میں رضیہ بیگم کے اور ترک سردار بھی شامل تھے۔ یاقوت حبشی غلام کو امیر الامراء بنانا بالکل ایک انوکھی بات تھی۔ ہندوستان میں حبشی غلام کی عزت و وقار کی یہ پہلی مثال ہے۔ ترک جو سلطنت کے تمام کاروبار ملکی و فوجی پر مسلط ہو رہے تھے ایک غیر نسل کے اقتدار کو ذاتی نقصان قومی ذلت سمجھنے لگے۔ اور غالب ہے کہ مدبرہ و اندیش رضیہ بیگم نے ترکوں کا زور توڑنے کے لئے ایک دوسری قوم و نسل کی طاقت کو بڑھایا ہو۔ جس کی ضرورت ہر ایک گورنمنٹ کو وقتاً فوقتاً پڑا ہی کرتی ہے۔ اسی پالیسی سے عام طور سے ترکوں کو نفرت پیدا ہوئی ہو متواتر شورشوں سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے۔

باغی حاکم بٹھنڈا کی سرکوبی کے لئے رضیہ بیگم خود فوج لیکر روانہ ہوئی۔ راستہ میں فوج کے سردار جو باغی التونیہ سے سازش رکھتے تھے سرکش ہو گئے۔ اور امیر الامراء جمال الدین یاقوت کو قتل اور رضیہ بیگم کو قید کر کے باغی حاکم بٹھنڈا کے حوالہ کیا اور بہرام شاہ ولد التمش کو تخت نشین کیا +

مگر رضیہ بیگم جیسی بہادر کب خاموش بیٹھنے والی تھی۔ التونیہ حاکم بٹھنڈا سے نکاح کر کے جاٹوں اور اُس نواح کے زمینداروں کو ساتھ ملا کر بہرام شاہ سے لڑنے کو چلی مگر شکست کھائی۔ لیکن اس اولوالعزم سلطانہ کی ہمت و استقلال میں ذرہ فرق نہ آیا اور جدید فوج تھوڑے سے عرصہ میں شاہ دہلی کے مقابلہ کے لئے جمع کر لی جس مستعدی اور دانائی ... کی نظیر مردوں میں بھی کم ملتی ہے۔ مگر جدید نا تربیت یافتہ فوج تھی۔ جس میں زیادہ دیہاتی زمیندار شامل تھے اس لئے تجربہ کار تربیت یافتہ فوج سلطانی سے عہدہ برآ نہ ہو سکی اور شکست پا کر ہندو دیہاتیوں کے ہاتھ سے معہ خاوند قتل ہوئی۔ یہ لڑائی مقام کیتھل ۶۳۷ھ کو ہوئی تھی +

ابن بطوطہ رضیہ بیگم کے قتل کی حکایت دردناک اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب شکست کھا کر بھاگی تو بھوک سے تنگ آ کر ایک کسان سے کھانے کو کچھ مانگا۔ اُس نے روٹی کا ایک ٹکڑا دیا جس کو وہ کھا کر رفع نکان کے لئے سو گئی۔ وہ مردانہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ کسان نے خواب کی حالت میں رضیہ بیگم کے مردانہ لباس کے نیچے ایک مرصع قبا دیکھی اور عورت سمجھ کر طمع سے اُس کو قتل کیا۔ قیمتی لباس اُتار لیا اور اُس کو کھیت میں دفن کر دیا جب بازار میں سلطانہ کے کچھ کپڑے بیچنے گیا۔ دُکانداروں کو ایک کسان کے ہاتھ میں ایسی در قیمتی شے دیکھ کر شبہ پیدا ہوا۔ کوتوال کو رپورٹ دی جس نے مار پیٹ کر رضیہ بیگم کے قتل کا اقبال کرا لیا۔ اور مدفن پر لے گیا۔ کوتوال نے لاش نکال کر غسل دیا کفن پہنایا۔ دفن کیا اور مدفن پر گنبد بنایا اس روایت میں کوتوال کا مدفن پر گنبد بنانا اور موجودہ وقت میں رضیہ بیگم کا پرانی دہلی میں قطب صاحب کے کھنڈروں میں مقبرہ رضیہ بیگم کا ہونا مطابق نہیں ہو سکتا جب مقبرہ دہلی میں ہے تو کوتوال بھی دہلی کا ہوگا۔ کیا اس قدر کارروائی ہوتی رہی اور شاہ دہلی کو علم نہ ہوا۔ اور کوتوال بلا اطلاع سلطان وقت ایسا کرتا رہا جس میں کئی ایک خطرات تھے۔ افسوس کہ پروفیسر دہلوی نے بھی اس روایت کی تنقید نہیں کی۔ اور جوں کی توں نقل کر دی۔ کوتوال کا واقعہ غلط معلوم ہوتا ہے اگر ہے تو اُس نے بحکم معزالدین بہرام ایسا کیا۔ اور درست بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا تو رضیہ بیگم معہ خاوند قید ہو کر معزالدین بہرام شاہ دہلی کے حکم سے قتل ہوئی اور پرانی دہلی میں دفن

ہوئی یا ہندو زمینداروں کے ہاتھ سے بطمع زیور قتل کی گئی تو اس کی لاش بحکم شاہ دہلی کو توال کنتھل یا کوئی اور دہلی لایا اور مقبرہ بنایا گیا +

ملحدین کا واقعہ

رضیہ بیگم کے عہد کا واقعہ ملحدین بھی مذہبی دنگل کے شائقین کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ مذہب کے پولیٹیکل انقلاب کی تحریک کا بھی پتہ لگتا رہے۔ ہمارے بزرگ مؤرخین میں سے اکثر ملحد کا لقب عموماً قرامطہ۔ اسماعیلیہ۔ باطنیہ۔ زنادقہ کو دیتے ہیں۔ مگر تاریخ ہند میں محمد غوری۔ التمش۔ اور رضیہ بیگم کے عہد کے واقعات ملحدین سے پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں کے حالات تاریخ ہند میں درج ہیں۔ وہ لوگ حسن بن صباح[1] کے فرقہ باطنیہ میں سے تھے اسقدر دلیری۔ بیباکی۔ سلاطین و علماء کے قتل کی جرأت سوائے مریدانِ حسن بن صباح اور کسی سے مروی نہیں ہے۔ علماء و فضلاء سلاطین باصلاح کو قتل کرنا اسی فرقہ باطنیہ کا مذہبی اصول تھا +

طبقات ناصری میں یہ واقعہ اوائل عہد رضیہ بیگم میں لکھا ہے۔ ابوالفتح لودہی حاکم ملتان کو بھی بعض مورخوں نے ملحد لکھا ہے جس کا قلع و قمع **سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ** نے کیا۔ مگر میری رائے میں وہ قرمطی تھا۔ حسن بن صباح ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ عام مسلمانوں نے قتل و غارت میں قرامطہ بھی حسن بن صباح کے مریدوں سے کم نہ تھے۔ غازی **محمد غوری رحمۃ اللہ علیہ** کے وقت میں فرقہ باطنیہ سندھ میں موجود تھا چنانچہ ایک سردار اسی عقیدہ کا ماننے والا ملتان پر قابض ہو گیا تھا جس کو **سلطان غازی غوری** نے تہ تیغ کیا۔ اور خود بھی کسی خدائی ملحد کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ پنجاب تو سلطان غزنی و غور اور علمائے اسلام کی متواتر آمد و سکونت کے سبب اس فرقہ کے اثر سے بچا رہا۔ لیکن یہ مذہب سندھ و گجرات سے ہوتا ہوا دوآبہ گنگا و جمنا میں پہنچ گیا۔ رکن الدین کے عہد کے واقعات اور رضیہ بیگم کے عہد میں ترکوں کے باغیانہ خیالات کے سبب سے ایک شخص نور ترک نامی مذہب الحاد کی علانیہ وعظ کہنے لگا۔ اور مذہب حنفی و شافعی کی توہین کرنے لگا۔ علمائے سلطنت جماعت کو ناصبی وغیرہ کے القاب سے پکارنے لگا۔ اور اپنی جماعت کو مسلمانوں کے قتل پر آمادہ بنانے لگا +

[1] اسکے مفصل حالات حصہ اول میں دیکھیں ۱۲

ایک دن روز جمعہ جب مسلمان نماز جمعہ کے لئے مسجد جامع میں جمع تھے ایکہزار ملحد شمشیر بکف مسجد کی طرف آئے تاکہ مشاہیر علماء وعظماء کا خاتمہ کردیں۔ ملحدین دو گروہ بن کر آرہے تھے ایک تو جامع مسجد تک پہنچ گیا اور دوسرا گروہ مدرسہ شاہی کو جامع مسجد جانکر اسی جگہ مسلمانوں کو قتل کرنے لگا۔ شور وغوغا برپا ہوا۔ جامع مسجد کے مسلمان بھی ہوشیار ہوگئے اور ایک دو امیر جو دہلی میں موجود تھے۔ جھٹ پٹ اپنی اپنی فوج کو لے کر موقعہ پر پہنچ گئے اور ملحدین کو تلوار کے گھاٹ اُتارنے لگے۔ شہر والوں نے کوٹھوں پر سے اینٹ پتھر مار کر ملحدوں کو ہلاک کیا۔ اگرچہ مسلمان چند ہزار بے گناہ شہید ہوئے مگر اس ظالم گروہ سے بھی ایک نہ بچا +

مذہبی خبط

مذہبی خبط ہر ایک مذہب میں پایا جاتا رہا ہے۔ مگر چونکہ میں تاریخ اسلام لکھ رہا ہوں اس لئے اسلام کے مذہبی خبطیوں کا حال لکھا گیا ہے ان خبطیوں کے سر پر جب تعصب کا جن سوار ہوتا ہے۔ تو بنی آدم کے جان ومال کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ مُلکی قانون جس کی پابندی تمدن ومعاشرت کے لئے ضروری ہے وہ ان خبطیوں کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا گورنمنٹ کے انتظام سیاہی کو توڑنا ملکی امن وامان میں خلل ڈالنا اور مخلوق الٰہی کی بہبودی وترقی میں نقصان دہرج پیدا کرنا ان خبطیوں کا مقصود ہوتا ہے۔ نیکی وبھلائی کے اصلی مفہوم کو نہیں سمجھتے اور ملکی ترقی میں مشکلات اور رُکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ افسوس کہ کوئی زمانہ ان لوگوں سے خالی نہیں رہا۔ علانیہ وخفیہ جسطرح ہوسکا ان لوگوں نے اجتماع وانتظام میں نقص پیدا کیا اور کمال انسانی کے حصول میں سدراہ ہوئے۔ تاریخ کو پڑھنے والے اور زمانہ کی رفتار کو دیکھنے والے اصحاب ایسے خبطیوں سے کنارہ کشی رکھتے ہیں۔ اور کوئی ایسا فعل وعمل نہیں کرتے کہ جس سے امن عامہ میں خلل ہو۔ اور گورنمنٹ کو تردد ہو +

معزالدین بہرام شاہ

بہرام شاہ ۸ رمضان ۶۳۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء کو باتفاق امرائے تخت نشین ہوا اور یہی امیر سلطنت کے مختار کل ہوگئے۔ اختیار الدین تو معزالدین کی بہن سے شادی

کرکے شاہانہ ٹھاٹھ سے رہنے لگا۔ ہاتھی و نوبت جو اس عہد میں بادشاہوں سے مخصوص تھے وہ اختیار الدین کے دروازے پر جھومنے اور بجنے لگی۔ اور نظام الملک مہذب الدین جو چاہتا سو کرتا۔ بہرام نے ترک غلاموں کے ہاتھ سے جو مستانہ شکل بنا کر گئے تھے اختیار الدین کو قتل اور وزیر نظام الملک کو زخمی کرایا۔ اختیار الدین کی جگہ بدر الدین سپہ سالار ہوا مگر وزیر کی مخالفت کے سبب بادشاہ سے بگاڑ ہو گیا۔ اور بہرام شاہ کی معزولی کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس منصوبہ میں وزیر کو بھی شامل کیا۔ جس نے سلطان کو خبر دیدی سلطان نے فوراً سوار ہو کر مقام جلسہ کو گھیر لیا۔ بدر الدین سپہ سالار اوّل بداؤں اور پھر بداؤں سے بلا کر قید کیا گیا۔ باقی امراء شریک جلسہ بغاوت کو سزائیں دی گئیں۔ اور سلطان سے تمام اراکین خائف ہو گئے۔ مگر فریقین کے دل صاف نہ رہے اور اعتماد اُٹھ گیا۔ وزیر مہذب الدین جو مست ترکوں کے ہاتھ سے زخمی ہو چکا ہوا تھا موقعہ کے انتظار میں تھا۔ چونکہ وہ قوم کا ترک نہ تھا اور قومی زور نہ رکھتا تھا اس لئے سلطان اور ترکوں میں خلاف بڑھانے کی کوشش کرتا رہتا تھا بدر الدین کے منصوبہ بغاوت کو بھی بہرام شاہ سے اسی واسطے ظاہر کیا تھا۔ کہ ترک سرداروں کو سزا ہو۔ اور باقی اُن کے لواحقین کو سلطان سے نفرت پیدا ہو۔ بہرام کو ترکوں سے ڈراتا رہتا اور ترکوں کو بہرام کے خلاف اُکساتا رہتا۔

اسی اثنا ۶۳۹ھ میں مغلوں نے پنجاب پر حملہ کیا۔ لاہور کو گھیر لیا۔ قراقش حاکم لاہور نے ہر چند مدافعت کی لیکن جب دیکھا کہ باشندگان لاہور مدد نہیں دیتے اور دہلی سے جلدی مدد نہیں پہنچ سکتی۔ فوج لیکر لاہور سے نکل گیا اور دہلی چلا گیا۔ مغلوں نے لاہور کو لوٹا مسلمان زن و بچہ تک قتل کئے گئے۔ شہر بے چراغ ہو گیا۔ لاہور کا یہ پہلا صدمہ ہے جو مغربی حملہ آوروں سے پہنچا۔ غزنوی اور غوری حملات میں بھی لاہور تاخت و تاراج قتل و غارت سے محفوظ رہا تھا۔ بہرام شاہ نے یہ واقعہ سُن کر دہلی میں اراکین دربار سے مشورہ کیا۔ وزیر مہذب الدین نظام الملک اور سپہ سالار قطب الدین حسن غوری کو فوج جرار دے کر لاہور کو روانہ کیا۔ دریائے بیاس پر پہنچکر وزیر نے بہرام کو لکھا کہ میرے ہمراہی بعض منافق امیر ہیں دل لگا کر کام نہیں کرتے یا ان کو واپس بلا لیں یا ان کو ٹکانے لگانے کا حکم دیں نادان سلطان نے صاف لکھدیا کہ واپسی کے بعد میں خود ان سب امراء کو قتل کرونگا۔ بالفعل مدارا باید کرد۔ نمکحرام وزیر نے بہرام شاہ کا حکم بجنسہٖ امرائے ترک کو دکھلا دیا اور بہرام کی معزولی پر سب کو متفق کر لیا۔ اور بہرام شاہ

نے تسکین فساد اور اطمینان امراء کے لئے خواجہ قطب الدین کو روانہ کیا۔ مگر وزیر کی شرارت کے سامنے خواجہ صاحب کی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ باغی امرائے دہلی پہنچے اور ساڑھے تین ماہ کے محاصرہ کے بعد دہلی پر باغیوں کا قبضہ ہوا۔ ہزاروں مسلمان طرفین سے قتل ہوئے بہرام شاہ قید اور پھر قتل کیا گیا۔ مدت سلطنت دو سال ڈیڑھ ماہ +

علاؤ الدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ

بہرام کے بعد اعز الدین بلبن بزرگ تخت نشین ہوا۔ جو ایک بندگان چہل گانی میں سے بزرگ سردار تھا مگر دیگر سرداروں نے جو بجائے خود بلبن بزرگ سے اپنے آپ کو کچھ کم نہ سمجھتے تھے متفق نہ ہوئے اور رکن الدین فیروز شاہ کے بیٹے علاؤ الدین مسعود کو تخت نشین کیا۔ یہ بلبن اور تھا۔ اور غیاث الدین بلبن شاہنشاہ ہند اور تھا۔ علاؤ الدین نے اپنے چچا ناصر الدین محمود اور جلال الدین کو قید سے رہا کر کے بڑا ایج اور قنوج کا حاکم کر دیا +

تبت کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ کا امکان

مغلوں نے ۱۲۴۲ھ میں براہ تبت بنگالہ پر حملہ کیا۔ لیکن بنگالہ کی اسلامی فوجوں سے شکست پا کر ناکام واپس گئے اور اس کے سوا اس راستہ سے اور کسی حملہ کا پتہ نہیں لگتا۔ ایرانی گستاسپ شاہ کا بھی یہی راستہ قرار دیا جا سکتا ہے اگر اس کا حملہ بنگال ٹھیک ہو اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ ہمالیہ کو ہندوستان کی دیوار سنگین جانتے ہیں اور اس طرف سے حملہ ہند کو ناممکن یا مشکل مانتے ہیں وہ اس حملہ مغلوں سے سمجھ سکیں گے کہ تبت کے راستہ سے ہندوستان کا داخلہ ممکن بلکہ مشرقی جانب سے زیادہ تر آسان ہے۔ سلطنت چین گو اسوقت اس قابل خیال نہیں کیجاتی مگر چنگیز خانی مغلوں کی یادگار تبت کی مالک پہاڑی گذرگاہوں سے واقف ہندوستان کو خود یا کسی اور مہیب دشمن سے نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جب انگریزی فوج لارڈ کرزن صاحب جنرل کے عہد میں لاسہ دار السلطنت تبت تک فتح کے نشان اڑا چکی ہے تو تبت کی طرف سے آنا حملہ آوروں کے لئے کونسا مشکل کام ہے +

مغلوں کا حملہ اُچ

مغلوں نے بنگالہ سے ناکام ہوکر براہ قندھار سندھ پر حملہ کیا اور اُچہ کا محاصرہ کیا علاء الدین مسعود نے چڑھائی کی بلبن جو اس وقت سپہ سالار تھا اُس کی تدبیر و دانش سے مغل قبل از جنگ اُچہ کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور ملک بچ گیا۔ مہذب الدین وزیر جو بہرام کی معزولی سے مغرور ہوکر کسی کو خیال میں نہ لاتا تھا۔ سرکش ترکوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ علاؤ الدین عباسی ظلم و سفاکی کرنے لگا اور امرائے سلطنت نے بگڑ کر ۶۴۴ھ میں قید کیا اور قید میں مر گیا۔ اس کا چچا ناصر الدین محمود بڑا پیچ سے بُلا کر تخت کیا گیا۔ مدت سلطنت چار سال ایک ماہ ایک روز تھی +

اخلاقی نتائج اور انقلابی اثر جمہوری سلطنت کی جھلک

التمش کے بعد اُس کی اولاد میں سے چار جائے نشین ہُوئے مگر فتنہ و فساد اور خانہ جنگی قائم رہی جب التمش کی حالت اور اسلامی سعادت کا اُسکی اولاد اور امرائے اسلام کے واقعات سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو کئی ایک اخلاقی سبق مِلتے ہیں +

(۱) جیسا کہ ہم نے لکھا ہے شاہزادوں امیرزادوں کی تربیت میں خاص نگرانی چاہیئے۔ اتالیق خدا پرست نیک اعتقاد دلیر نمک حلال زمانہ شناس مقرر کریں جو لالچ اور طمع کے لئے اصلی حالات کو نہ چھپائیں اور سرپرست کو صحیح واقعات سے اطلاع دیا کریں +

(۲) یہ خیال کہ اعلےٰ سوسائیٹی میں رئیس زادوں کی نشست و برخاست ہو اس میں نہایت احتیاط لازم ہے رئیس زادہ سب سے زیادہ کاہل و عیاش ہوتے ہیں ایسی صحبت سے بچانا سرپرست کا اعلےٰ فرض ہے۔ التمش خود متقی دیندار تھا۔ لیکن پناہ یافتہ شاہزادوں امیرزادوں کے خلط ملط سے اولاد کو نہ بچا سکا۔ جن کی صحبت بد کے اثر سے عادات ناپسندیدہ اُس کی اولاد میں پیدا ہوئیں +

(۳) اُس وقت کے مسلمانوں میں موروثیت کا اسقدر خیال نہ تھا کہ سلطنت اور قوم کے فوائد

کو استبداد کی نذر کیا کرتے جہاں کبھی استبداد کے مظالم شروع ہوئے یا نالائق سلطان کی نادانی سے سلطنت میں ضعف پیدا ہوا۔ عزل و نصب کیا گیا۔ گویا چقوق عثمانیہ سلطنت میں استعمال ہوتے رہے۔ اُسوقت کے ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل تھے کہ استبداد کی جگہ انتخاب کے عمدہ اصول سے کام لیتے اور جب تک کہ ہندوستان میں اس پر عمل درآمد رہا ضعیف خاندان اور عیاش نکمے بادشاہ معزول کئے جاتے رہے۔ اور اُن کی جگہ جدید پُرجوش خاندان سلطنت کا کام سنبھالتے رہے۔ اور ترقی دیتے رہے۔ اس جدید طاقت سے ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو تازہ قوت حاصل ہوتی رہی۔ غلام۔ خلجی۔ تغلق۔ سید۔ لودھی اسی طرح کامیاب بنتے رہے اور ضعف آنے پر جدا کئے جاتے رہے۔ مگر ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ مغلوں نے اپنی سلطنت کی بنیاد ایسی رکھی کہ مسلمانوں کے دلوں سے یہ خیال انتخاب جاتا رہا۔ اور ایک ہی خاندان تیموری کو خواہ کس قدر کمزور ہو گیا تھا مستحق سلطنت یقین کر لیا۔ اور ترقی کی جو شیلی صفت مسلمانان ہندوستان سے جاتی رہی۔ نادر شاہ اور احمد شاہ سے یہ غلطی ہوئی کہ مغلیہ سلطنت کو جو درجہ کہولت[1] تک پہنچ چکی تھی قائم رہنے دیا جس میں ہرگز صلاحیت سلطنت نہ رہی تھی اگر سابق زمانوں کی طرح محمد شاہ رنگیلے کی جگہ نادر شاہ جیسا پرزور جابر شاہ دہلی بن جاتا یا عالمگیر ثانی کی جگہ احمد شاہ غازی دہلی پر قابض ہو جاتا تو مسلمانانِ ہند میں تازہ قومی جوش پھر جاتا اور موجودہ نکبت و ذلت نصیب نہ ہوتی ۔

مغلوں میں پہلا بادشاہ اکبر جلال الدین ہے جس نے ایسے مسلمان خاندانوں کی طاقت کو زائل کیا جو انقلاب کا باعث ہو سکتی تھی اور انتحکام سلطنت کے لئے مختلف قوموں کی ملکی و جنگی طاقت کا موازنہ برابر کیا۔ اس سے مغلیہ سلطنت کو تو چند پشتوں تک فائدہ پہنچا۔ لیکن درصل اسلامی طاقت کو نقصان ہوا۔ جس پر مفصل بحث جلال الدین اکبر کے تذکرہ میں کی جاوے گی ۔

غرضیکہ عہد مغلیہ سے پہلے ہندوستان کے اہل اسلام بگڑی ہوئی سلطنت کو سنبھالنے کی لیاقت رکھتے تھے اور انتظام سلطنت کی لیاقت کسی خاص شخص یا کسی خاندان سے مخصوص خیال نہ کی جاتی تھی۔ ہمت۔ جرأت۔ اولوالعزمی جو سلطان کے لئے ضروری اوصاف ہیں وہ اکثر مسلمان سرداروں میں پائے جاتے تھے اور قوم ایسے شخص کو خیر مقدم کہنے اور نالائق سلطان سے علیحدگی کر لینے کے لئے تیار رہتی تھی۔ پس اگر ایسا جائے کہ سلاطین عہد افغانیہ کا انتخاب قوم کے

[1] بلکہ شیخوخت ۱۲

ہاتھ میں تھا اور وہ انتخاب محض لیاقت اور شجاعت سے ہوتا تھا بیجا نہیں ہوگا۔ یہ غزل و نصب بظاہر گو سازشوں کا نتیجہ تھا۔ اور عام رائے سے نہیں ہوتا تھا مگر اُس وقت عام رائے کے مالک امرائے دزرا۔ سرداران فوج ہوتے تھے۔ فوج وغیرہ اپنے اپنے سرداروں کی رائے سے اتفاق رکھتی تھی۔ پس ایسے انقلاب عام قومی ضرورت سے ہوا کرتے۔ اور عام رائے کے رجحان کے مطابق ہوتے۔ اِس لئے عہد افغانیہ میں کچھ نہ کچھ جمہوری سلطنت کی جھلک پائی جاتی تھی اور ہندوستان کے لئے ضروری تھی +

ناصرالدین محمود بن التمش اور پابندی مذہب

التمش کی اولاد میں سے یہ پانچواں جائے نشین تھا۔ التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ بڑے بیٹے ناصرالدین کے مرنے کے بعد بطور یادگار ناصرالدین کے نام سے موسوم ہوا۔ ۵۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ باپ کے مرنے کے بعد خانگی فسادوں میں یہ بھی قید کیا گیا جس سے اس کی عادت میں زیادہ فروتنی و غریب نوازی بڑھ گئی۔ علیحدگی اور سوچ و بچار حلم و وقار زہد و قناعت اس کی طبیعت ثانی ہوگئی۔ علاء الدین بن رکن الدین کے عہد میں قید سے رہا ہوا اور بڑائچ کا گورنر بنایا گیا۔ جہاں اُس نے عدل و انصاف اور سرکشوں باغیوں کو تنبیہ و تادیب اور متواتر فتحیابیوں سے ملک کی آبادی کو ترقی دی۔ اور اپنی لیاقت کا سکہ دوست و دشمن کے دل پر بٹھا دیا۔ جب سلطان علاء الدین مسعود کی عیاشی و سفاکی سے امراء دہلی تنگ آ گئے تو انہوں نے سلطان ناصرالدین محمود کو دہلی بلایا۔ ناصرالدین کی والدہ ملکہ جہاں اس سفر میں ساتھ ہوئی اور مشہور کیا کہ سلطان بیمار ہے علاج کے لئے دہلی جاتا ہے۔ صبح کو مقام اور رات کو سفر ہوتا اور پھر بھی احتیاطاً ناصرالدین کے مُنہ پر نقاب ڈال دیتے تاکہ کوئی پہچان نہ سکے اس حیلہ سے ناصرالدین دہلی پہنچ گیا۔ امرائے دربار پہلے ہی منتظر تھے۔ علاء الدین مسعود قید اور ناصرالدین محمود ۶۴۴ھ مطابق ۱۲۴۶ء تخت دہلی پر بیٹھا۔ جشن جلوس کیا گیا۔ ملک بلبن خورد جو التمش کا غلام و داماد تھا وزیر اعظم مقرر کیا اور تمام کاروبار سلطنت بلبن کے اعتبار پر چھوڑ دئے اور اسکو کہہ دیا کہ کوئی کام ایسا نہ کرنا کہ خدا کے روبرو اُسکے جواب سے تم اور میں شرمندہ ہوں۔ بلبن نے انتظام سلطنت عقل و فراست سے کیا۔ سرکشوں سے ملک کو صاف کر دیا عہد سابق میں جو جو انتظامی خرابیاں تھیں سب دور کر دیں عہد ناصرالدین محمود میں جس قدر

فتوحات حاصل ہوئیں وہ تمام بلبن کی لیاقت اور شجاعت کا نتیجہ تھیں اسلئے اُن فاتحانہ واقعات کو ہم بلبن کے حال میں بیان کرینگے۔ یہاں اُس کی خدا پرستی۔ تواضع وانکساری کی ایک دو مثالیں ناظرین کی اخلاقی رہنمائی کے لئے لکھتے ہیں کہ مذہب اسلام کی حقیقی پابندی سے کسقدر درستی اخلاق متصور ہے۔ مذہبی تعلیم اور مذہبی تقلید جب سلاطین تک کو اس قدر اخلاق حسنہ اور عبادات کریمہ کا پابند وعامل بنا سکتی ہے تو دیگر بنی آدم کو کیوں نہیں فائدہ پہنچا سکتی بغیر مذہبی تقلید کوئی انسان روحانی وجسمانی کمال حاصل نہیں کرسکتا۔ اور اس کمال کے بغیر دنیاوی ترقی جس کے لئے آج دنیا شیفتہ وفریفتہ ہورہی ہے حاصل نہیں ہوسکتی۔ پنجاب کے ایک دنیا پرست رئیس نے جو آج آنریبل کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ حصہ اول کو دیکھ کر کہا تھا۔ کہ "مسلمان کیوں ترقی نہیں کرتے" میں نے جو کچھ کتاب مذکور میں "ترقی اسلام بہ تقلید صحابہ کرام" کا اصول لکھا تھا وہی بیان کیا۔ مگر اُس شریعت سے نفور دنیا پرست یورپ کی مثال پیش کی جو اسلام کو نہیں مانتے اور ترقی کئے جاتے ہیں۔ غالباً اور نوجوانوں کے خیال میں بھی یہ بات ہوگی اسلئے اس موقعہ پر لکھا جاتا ہے گو اس کا تاریخ سے چنداں تعلق نہیں مگر موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی عادات واخلاق مذہب وملت سے اسکا گہرا تعلق ہے اور اس کتاب کی غرض تالیف بھی صحیح تاریخی واقعات کے بتلانے کے علاوہ موجودہ نسل کی اخلاقی حالت کا سنوارنا مقصود ہے اس لئے اس نوجوان رئیس کے سوال کا جواب دیا جاتا ہے ۔

ایک رئیس کے اعتراض کا جواب

صاحبان! مذہب کا ماننا عقیدہ اور عمل دو طرح سے ہوتا ہے عقیدہ یہ ہے کہ اس مذہب کو حق اور بانی مذہب کو موید من اللہ یقین کیا جائے۔ یورپ عموماً مذہب اسلام کی نسبت یہ عقیدہ نہیں رکھتا اس لئے وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ مگر احکام مذہب اسلام دعا بعضے نماز جیسے ہمدردی انسانی اخلاص۔ ایثار۔ اتفاق واخوت۔ قومی درد۔ حب الوطنی جس کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور قرآن جس کا اعلان علی رؤس الاشہاد کرتا ہے اور جسکی تعمیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی نے نہیں کی یہ تمام علی صفات اہل یورپ میں عموماً پائے جاتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ جس دلچسپی اور گہری تحقیقات سے یورپ نے کیا ہے آج طبقہ عالم پر کوئی قوم اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی مسلمانوں کی ترقی اقبال ودولت نے جو صدیوں تک یورپ وغیرہ کو چندھاتی رہی۔

اُس زمانہ ترقی کی تاریخ کو غور سے پڑھا اور عروج و زوال کے اسباب پر غور کی اور ماہیت کو سمجھا جو فلسفہ تاریخ ہے اُس سے صفات مذکورہ بالا کو اختیار کیا۔ اور چند صدیوں میں ملکی و مالی علمی و اخلاقی ترقی کو اس درجہ کمال تک پہنچا دیا کہ آج مسلمان انکی ترقی کے سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتے اور نادانی اور پست ہمتی سے اسلام کو عار اور عیسائیت کو وقار جانتے ہیں۔ اگر قرآن و حدیث پر غور کرتے۔ تاریخ پڑھتے یا کم سے کم عامل بالشرع مورخین اسلام کی کبھی کوئی بات سُن لیا کرتے تو ایسے اعتراض ہرگز نہ کرتے۔ افسوس کہ یہ مرض جہالت آج کل کے رئیس زادوں میں کثرت کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے۔ جن کے بزرگ مشہور دیندار اسلام تھے وہ اتالیقوں کی غیر شرع تربیت سے ننگ خاندان نکل رہے ہیں +

ناصرالدین محمود سے پہلے اور التمش کے بعد ہند وہی باغی اور سرکش نہیں بنے بیٹھے تھے بلکہ مسلمان سردار جو رکن الدین۔ رضیہ بیگم۔ بہرام۔ مسعود کو معزول و مقتول کر چکے تھے۔ اپنی اپنی جگہ انقلاب سلطنت کے لئے کافی طاقت رکھتے تھے ملک میں امن و امان مفقود تھا۔ آئے دن کے فسادوں سے زراعت ناپید تجارت مسدود تھی۔ ترقی مال و دولت کا کوئی سامان درست نہ تھا کہ ایسی حالت میں ناصرالدین تخت نشین ہوا۔ اپنی اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی۔ زہد و ورع سے جو محض پابندی شریعت سے اسکو حاصل ہوئی تھی ہر ایک انتظامی صیغہ میں کامیابی حاصل کی ملک آباد۔ رعایا خوشنود اور وہ خود ابدالآباد تک مورد تحسین و آفرین ہوا۔ گو امراء کی بغاوت اُس کے عہد میں بھی ہوئی۔ مگر وہ عارضی تھی ناصرالدین کی ذات کی مخالفت نہ تھی اسلئے ہر ایک بغاوت فرو ہوتی رہی۔ تاریخ میں اُسکی نیک مزاجی حلم و انکسار زاہدانہ زندگی کی چند مثالیں لکھی ہیں :-

مثال اول۔ جن لوگوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری[1] پڑھی ہے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہا کی علمی زندگی کا مطالعہ کیا ہے اور انکی تقلید کرنی چاہتے ہیں۔ وہ ان حضرات کی تقسیم بیت المال اور اُن کے ذاتی تصرف کو نہیں بھول سکتے۔ حضرت امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ اپنے شاندار زمانہ خلافت میں خشت سازی سے قوت لایموت پیدا کرتے اور چودہ پیوند کا کرتہ پہنتے مگر بیت المال سے اپنے معمولی حق کے سوا کچھ نہ لیتے حالانکہ کروڑوں کا مال اُن کے ہاتھ سے مستحقین اسلام میں تقسیم ہوتا تھا۔ ایک دفعہ یمن کی چادریں آئیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی بحصہ رسدی ایک ملی۔ چونکہ آپ دراز قد تھے۔ اُس سے پیرہن نہ بن سکا

[1] سیرۃ ابن ہشام جو رسول اکرم صلعم کی سب سے اعلیٰ اور محققانہ سوانحعمری ہے ہمارے ہاں اردو میں بزیر طبع ہے عنقریب تیار ہوگی۔ عبدالرحیم

اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حصہ کی چادر لے کر دونوں سے اپنا پیرہن سلوایا۔ ایک صحابی نے اعتراض کیا کہ ایک چادر سے تو آپ کا پیرہن نہ بن سکتا تھا باقی کپڑا کہاں سے لیا گو یہ علانیہ بدگمانی تھی مگر عادل عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا جس نے بیان کیا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر دی تھی۔ اِس قسم کا انصاف و عدل تقسیم بیت المال میں باقی خلفاء رضی اللہ عنہم بھی فرماتے رہے اور ذاتی آرام و تعیش اور نفسانی اغراض کے لئے کبھی کوڑی بیت المال سے نہ لی۔ اس عمدہ اصول کی پیروی کرنے والے شاہان اسلام سے صرف چند گذرے ہیں ہندوستان کے سلاطین میں سے اول درجہ یہی ناصرالدین اور دوم درجہ اورنگ زیب تھا۔ ناصرالدین کی صرف ایک منکوحہ بی بی تھی۔ وہی روٹی پکاتی ایک دن اُس نیک نیت بی بی نے عرض کیا کہ روٹی پکانے سے ہاتھ جلتے ہیں۔ کوئی لونڈی خرید دو کہ کھانا پکا دیا کرے بادشاہ نے کہا کہاں سے قیمت لاؤں۔ بی بی نے کہا شاہی خزانہ سے۔ بادشاہ نے کہا کہ میرا شاہی خزانہ میں کیا حق و اختیار ہے۔ میں تو امین سے زیادہ درجہ نہیں رکھتا۔ کیا تمہاری خاطر امانت میں خیانت کروں۔ اور قیامت کو شرمسار اور دوزخ کا کندہ بنوں۔ کیا اس سے بڑھ کر پابندی شریعت اور تقلید صحابہ کرام ہو سکتی ہے۔ شہنشاہِ ہندوستان جس کے دربار میں دولت کا مینہ برس رہا ہو اور گھر میں اس قدر سادگی جس کی نظیر سوائے اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ملتی۔ نوجوان اس پر شاید پھبتی اڑائیں گے۔ مگر اُن کو اسلامی زہد و قناعت کی فلسفی معلوم نہیں جب تک یہ صفات عالیہ حاصل نہ ہوں۔ حقوق العباد جن پر تمدن و معاشرت کا مدار ہے کبھی پورے طور سے ادا نہیں ہو سکتے۔ اِس صفت کے ہوتے حرص و طمع جو تمام برائیوں گناہوں کی جڑ ہے پائی نہیں جاتی۔ کوئی مقدمہ جھگڑا نہیں ہوتا کہ جس سے خرچہ عدالت کا زیربار ہونا پڑے اِس صفت سے انسان کی حقیقی آزادی قائم رہ سکتی ہے۔ ورنہ عبد و غلام بندہ درم و دام حریص و آز پرست شکم پرور کہلائیگا۔ اسی پر مشہور شیرازی فلاسفر نے کہا ہے ؎

اگر خود پرستی شکم طبلہ کن	در خانہ این و آن قبلہ کن
کسے را کہ درج طمع در نوشت	نیاید بکس عبد و خادم نبشت
طمع آبروئے تو اقر بریخت	برائے دو جو دامنِ دُر بریخت
قناعت تو نگر کند مرد را	خبر دہ حریص جہاں گرد را
شنیدی کہ در روزگار قدیم	شدے سنگ در دست ابدال سیم

ندانی کہ ایں قول معقول نیست　　چو قانع شدی سیم و سنگت یکیست

باوجود اسقدر سادہ زندگی اور زاہدانہ معاشرت اور درویشانہ عادات کے شجاع کریم وفیاض تھا مگر اپنا نفقہ کتابت قرآن شریف سے حاصل کرتا۔ اُس کے لکھے ہوئے سیپارہ فروخت ہوتے اور اُس کی قیمت سے قوت لایموت خریدتا ایک امیر نے ایک دن از روئے خوشامد زیادہ قیمت سے خرید کیا بادشاہ تاڑ گیا حکم دیا کہ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن خفیۃً بیچے جائیں۔ یہ تھی احتیاط دیانت جس کی اسلام تعلیم کرتا ہے اور مجتہدین مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بالکل مشابہ تھے جو دھوپ میں ایک درخت کے سایہ میں جا کھڑے ہوئے اور یہ معلوم کر کے کہ مالک درخت آپ کا قرضدار ہے وہاں سے اس احتیاط کے لئے چل دئے۔ کہ کہیں یہ بھی ربا میں شمار نہ کیا جائے۔ سلاطین اور حکام با اختیار کو ناصرالدین محمود کے اس فعل پر غور کرنی چاہئے۔ کہ وہ رعایا کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتے ہیں۔ "العاقل تکفیہ الاشارۃ" اس بادشاہ کا حلم اسقدر وسیع تھا۔ کہ ایک دن کوئی ضرورت مند اُس کے پاس آیا۔ اُس کے ہاتھ کا قرآن مجید لکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ یہاں دو دفعہ لفظ فیہ لکھا ہے۔ ایک فیہ غلط ہے بادشاہ نے فوراً اس کے گرد حلقہ کھینچ دیا گویا اپنی غلطی کا اعتراف کیا مگر اُس سائل امیر کے چلے جانے پر چاقو سے حلقہ مذکور چھیل ڈالا۔ ایک مصاحب نے پوچھا کہ حضور نے پہلے حلقہ کھینچا اور اب حک کر دیا کیا باعث تھا اس حلم مجسم سلطان نے کہا کہ لفظ صحیح تھا اگر میں اُس وقت اپنی غلطی نہ مانتا اور حلقہ نہ کھینچتا تو وہ سوال کرنے سے شرم کرتا اور مایوس جاتا اور رنجیدہ ہوتا اب وہ اپنا مطلب حاصل کر کے چلا گیا ہے اب حلقہ چھیلنے سے اُس کا کچھ نقصان نہیں ہے حلقہ چھیلنا آسان ہے۔ لیکن کسی دل کی آزردگی کا داغ مٹانا مشکل ہے۔ ناظرین یہ تھی خلافت پناہی الوالامری جس کی اطاعت تالی اطاعت خدا رسول ہے جس کے حق میں اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول والامر منکم"

کیا اس قدر حکیمانہ وقار بغیر پابندی مذہب پیدا ہو سکتی ہے نہیں ہرگز نہیں۔ فی لاکھ کوئی ایک انسان ایسا ہوگا جسکی نیچر (فطرت) ہی اچھی ہو اس کو کسی تعلیم کی ضرورت نہ ہو اور طبعاً بُرائی کیطرف نہ جائے ورنہ باقی تمام انسان تعلیم و تعلم کے محتاج ہیں اور وہ تعلیم مذہبی ہے جس کے بغیر کبھی اخلاق نہیں سدھر سکتے۔ مذہب سے بے پرواہ خواہ کسقدر دعوے ادب و تہذیب

کرے اور اپنے آپ کو متخلق باخلاق حسنہ دکھائے مگر مذہب سے لاابالی شخص کبھی بھی حقیقی مہذب نہیں بن سکتا۔ ظاہر میں سوسائٹی کے چند قواعد عامہ کا عامل دکھائی دیتا ہے لیکن درحقیقت اسکو مخرب اخلاق باتوں سے دلی نفرت نہیں ہوتی جس طرح سے مذہب کا پابند شخص شراب کو کسی حال میں نہیں پی سکتا۔ اسی طرح مذہب کو نہ ماننے والا نہیں بچ سکتا۔ کسی نہ کسی جگہ اس کافر کو منہ لگا ہی لیگا۔ اسی طرح دیگر مناہی و ملاہی کا کہیں نہ کہیں ارتکاب کر ہی جاتا ہے ؎

چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند

کا مضمون انہیں لوگوں کی شان میں کہا گیا ہے۔ پس مذہبی تعلیم اور مذہبی تقلید کے بغیر اخلاق کی درستی محال ہے شارع علیہ اسلام کا ادب و محبت اس قدر ناصر الدین محمود کے دل میں جائے گزین تھا کہ ایک شخص محمد نام اس کا ملازم تھا ہمیشہ محمد کہہ کر اسکو پکارتا تھا۔ ایک دن اسکو تاج الدین کہہ کر بلایا۔ غلام نے کام تو کر دیا اگر غمناک ہو کر گھر بیٹھ رہا۔ تین دن تک دربار نہ آیا سلطان نے آدمی بھیج کر بلایا۔ اور غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ مصاحب نے عرض کیا کہ حضور ہمیشہ مجھ کو محمد کہہ کر بلاتے تھے خلاف عادت مجھ کو تاج الدین کہہ کر پکارا۔ اس تغیر نام سے میں ڈرا۔ کہ شائد بادشاہ مجھ پر ناراض ہے اسی فکر و غم میں گھر پڑا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ناراض نہیں ہوں بے وضو تھا۔ بے وضو حالت میں محمد کا نام لیتے مجھ کو شرم آئی اس لئے تاج الدین کہہ کر پکارا۔ کیا اس سے بڑھ کر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہو سکتی ہے جو ہمنام کی اسقدر عزت کرتا تھا۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل پر پورے شوق و سرگرمی سے کیوں نہ عمل کرتا اور یہی تقلید نبوی اور محبت مصطفوی عارفان باخدا و عاشقان اللہ کا دستور العمل رہا ہے۔ انہیں عادات سے مؤلف طبقات ناصری ناصر الدین محمود کو ولی اللہ کا لقب دیتا ہے جو بالکل موزون ہے۔ طبقات ناصری فارسی زبان کی نہایت معتبر اور مطول تاریخ ہے۔ وہ اسی عابد و زاہد عادل و سخی درویش و صوفی عارف باللہ عاشق رسول اللہ کے عہد میں لکھی گئی اور اسی کے نام مبارک پر معنون کی گئی۔ منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری عہد ناصر الدین محمود میں دہلی کا شیخ الاسلام تھا۔ دہلی کا کالج ناصریہ بھی اسی کے سپرد رہا۔ کئی ایک علماء کرام اور صوفیائے عظام اس کے عہد میں تھے شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا شروع زمانہ تھا۔ جن کے مدرسہ الٰہیات اور کمالات کا ذکر عہد علاء الدین خلجی میں کیا جائے گا +

مؤلف طبقات ناصری نے عہد ناصرالدین محمود کے ۱۶ سالہ واقعات کو لکھا ہے فتوحات ناصری کا بیان بلبن کے عہد خانی کے حالات میں آئے گا۔ مختصراً یہ ہے۔ کہ دوآبہ گنگا و جمنا کے ہندوؤں کی بغاوت اور کھوکھروں کی سرکشانہ شقاوت کو دور کیا۔ میواتیوں کی قزاقی کا انتظام کیا گیا۔ نرور۔ رنتھنبور۔ چتوڑ۔ علاقہ بندیل کھنڈ فتح ہوا۔ کٹرہ مانک پور کے مسلمان باغیوں کی گوشمالی کی گئی۔ عمادالدین بعد بغاوت قتل اور بادشاہ کی والدہ ملکہ جہان کا دوسرا خاوند قتلغ خاں بعد بغاوت مقہور۔ اور دیگر امراء خفیف خفیف سزاؤں کے بعد بحال کئے گئے۔ والدہ بادشاہ کا دوسرا نکاح ان لوگوں کے لئے کافی سبق ہے جو بیوگان کے نکاح ثانی کو خلاف شرافت جانتے ہیں۔ پابند شرع ناصرالدین نے برائے نام اور قتلغ خاں کو علاوہ صوبہ اودھ کے اور جاگیر دیدی۔ نکاح بیوگان شریعت کا حکم ہے۔ آنحضرت صلعم نے اپنی بیٹی زینب کا نکاح ثانی کرادیا۔ اور خود بیواؤں سے نکاح کئے۔ معلوم نہیں۔ کہ ہندوستان کے اہل اسلام نے یہ خلاف شرع شرافت ہندوؤں سے کیوں سیکھ لی ؂

مؤرخانہ اختلاف

انفسٹن صاحب ناصرالدین کو التمش کا پوتا لکھتا ہے جو جملہ مؤرخوں کے برخلاف ہے بعض مورخ بلبن کی بیٹی کا نکاح ناصرالدین سے اور بعض بلبن کے بیٹے بغراخاں کا نکاح ناصرالدین کی بیٹی سے لکھتے ہیں۔ مگر اس عہد کا سب سے زیادہ معتبر مؤرخ منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری بلبن کی بیٹی سے ناصرالدین کا نکاح کئی سال کی سلطنت کے بعد لکھتا ہے اور مؤلف طبقات اکبری کی روایت بھی یہی ہے۔ یہ خیال بھی درست نہیں کہ ملکہ جہان والدہ ناصرالدین نے قتلغ خاں سے نکاح کیا اور ناصرالدین ناراض ہوا۔ نکاح کے بعد مدت تک محبت و اتحاد کی راہ و رسم جاری رہی۔ علاقہ اودھ بدستور قتلغ خاں کے ماتحت رہا۔ اگر یہ معاملہ نکاح باعث برگشتگی خاطر سلطان ہوتا۔ تو بعد نکاح جلدی اس کا ظہور ہوتا۔ مگر بروایت طبقات ناصری ایسا نہیں ہوا ؂

قتلغ خاں بو التمش کا خواجہ تاش تھا۔ جسطرح اسکی اولاد کے کمزور زمانہ میں دیگر امراء کو ہوس سلطنت ہوئی اور ناصرالدین محمود کے زمانہ میں بلبن کے حسد سے

عمادالدین وزیر جس کو الفنسٹن صاحب امام الدین لکھتا ہے باغی ہوا۔ اُس نے قتلغ خاں کو مُہرہ پھر کھا اور سلطنت کا جھانسہ دیا۔ یہ بغاوت پولٹیکل تھی نہ کہ پرائیویٹ معاملہ اس کا باعث ہوا تھا۔ یہ بھی درست نہیں کہ عہد ناصرالدین محمود میں مغلوں۔ گکھڑوں۔ ہندو باغیوں باغی امرائے اسلام۔ میواتیوں کو جو بلبن نے زور شمشیر فتح کیا اس میں ناصرالدین کا کوئی تعلق نہیں تھا ضرور وہ شمشیر زن نہیں تھا۔ مگر برابر مہمات میں شریک رہا اور نہیں تو اسکی نیک نیتی معدلت گستری کے اثر سے رعیت سے مدد پہونچتی رہی اور فوج دل لگا کر گرم جوشی سے کام کرتی رہی۔ مشرقی سلاطین کی ایسی کئی داستانیں مشہور ہیں کہ شاہان وقت کی نیت کا اثر ملک و دولت پر پڑتا ہے۔ پس ناصرالدین کی نیک نیتی کا اثر تو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ اُس کے باپ کے بعد فتنہ و فساد اور ملک کی تباہی رعیت کی بربادی کے جو اسباب پیدا ہو گئے تھے وہ عہد محمودی میں یک قلم رفع ہو گئے۔ بلبن کو کامل اختیارات دینا اور اسکی لیاقت عامہ سے کام لینا ناصرالدین کے اعلےٰ درجہ کی قابلیت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ سلطان عادل ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۶ء میں ۲۰ سال چند ماہ کی حکومت کے بعد فوت ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون + جس کی جگہ بلبن تخت نشین ہوا جو پہلے ہی جملہ کاروبار سلطنت پر حاوی تھا +

مؤرخین اسلام

یہ امر مسلمہ ہے کہ مسلمانوں کا تاریخی شوق ہر ایک عہد میں برابر موجود رہا ہے۔ عربوں میں گو تصنیف و تالیف کا رواج نہ تھا لیکن خاندانی روائتیں قومی داستانیں رزمیہ حالات جنگی واقعات ہر ایک قبیلہ میں فرداً فرداً فخریہ طور سے یاد کئے جاتے تھے اصل و نسب سے واقفیت امتیازی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ چنانچہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عقیل بن ابی طالب وغیرہ جیسے جلیل القدر اصحاب عرب کے مشہور (نساب) شمار ہوتے تھے مگر پہلی صدی ہجری میں ہی تالیف و تصنیف کا رواج شروع ہو گیا۔ تابعین میں سے امام محمد اسحاق مؤلف کتاب سیر النبی و آثار صحابہ اور امام واقدی مؤلف مغازی واقدی دونوں فرزندان اصحابی تھے۔ امام اصمعی۔ امام محمد بخاری۔ امام ثعلبی مورخ تاریخ عرائیس و عنزۃ المسیر امام مقدسی۔ امام دینوری۔

امام طبری - امام ہیثم اپنے اپنے عہد میں مقدس فضلاء اور مشہور عربی مؤرخ گذرے ہیں ۔
خراسان وغزنی میں بیہقی - فردوسی - مؤلف تاریخ آئین - مؤلف تاریخ کسروی -
مؤلف تاریخ یمینی مشہور فاضل اور معزز مؤرخ تھے - ہندوستان کے مؤرخ خواجہ صدر نظامیؒ
مؤلف تاج المآثر عہد سلطان قطب الدین ایبک میں گذرا ہے ۔

مولانا صدرالدین عوفی مؤلف جامع الحکایات اور قاضی صدر جہان منہاج سراج
جرجانی مؤلف طبقات ناصری - کبیرالدین پسر تاج الدین عراقی مؤلف فتح نامہ ئے علاءالدین
خلجی - یہ چاروں بزرگ عام علمی فضیلت اور خاص مؤرخانہ لیاقت کے علاوہ امیر کبیر اور
شاہی دربار میں عزت ووقار رکھتے تھے - فاضل ضیاء برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی
جن کی صداقت نگاری اور جادو بیانی نے فقیر مؤلف کے دل پر خاص اثر کیا ہے - ایک
معزز خاندان کا ممبر تھا - اس کا چچا علاءالدین خلجی کے عہد میں دہلی کا گورنر اور اس کا باپ
شاہی امیر (لارڈ) تھا - خود ضیاء برنی اگرچہ زمانہ کی ناقدردانی کی شکایت کرتا ہے - اور گرفتار
تنگدستی معلوم ہوتا ہے مگر خود اُس کی تحریر سے پایا جاتا ہے - کہ سُلطان محمّد تغلق
جیسا فاضل اور فیاض سلطان ضیاء برنی کو شرف ہمکلامی بخشتا ہے - اور ناکامی انتظام
سلطنت کے اسباب مؤرخ مذکور سے دریافت کرتا ہے - عہد افغانیہ کے یہ چند چوٹی
کے مؤرخ ہیں - مغلیہ عہد کے مؤرخین کا حال مغلوں کے حالات میں لکھا جائیگا ضیاء برنیؒ
فن تاریخ نویسی میں فرد ہے - واقعی صحیح واقعہ نگاری اور جملہ نیک و بد حالات لکھنے کا دعوے
ضیاء برنی نے نہایت دیانتداری سے پورا کیا ہے - چاپلوسی وخوشامد کا نام تک نہیں - ہر
معاملہ کے بواعث پر محققانہ بحثیں کی ہیں - علم تاریخ کے فوائد اور مؤرخ کے اوصاف جسقدر
خود ضیاء برنی نے لکھے ہیں - اُس سے زیادہ کوئی لکھ نہیں سکتا - اور صرف لکھا ہی نہیں
بلکہ ۶۰۲ صفحہ کی ضخیم کتاب میں بخوبی نبھایا ہے - اور مؤرخین مابعد کے لئے فن تاریخ نویسی
میں عملی صداقت کا نمونہ چھوڑ گیا رحمتہ اللہ علیہ - فاضل علیہ الرحمۃ نے اپنی تاریخ کی بابت
صحیح لکھا ہے ۔

قطعہ ضیاء برنی

گر بجویم کہ نیست در عالم — مثل تاریخ من کتاب دگر
چوں دریں علم عالمے بنمود — کہ کند گفتہ مرا باور

اِس کے جواب میں نہایت ادب و تعظیم سے عرض ہے +

فقیر مؤلف

گرچہ علم و عمل نمید ارم — بیک صدق و صفا کنم راہبر
ہر چہ گفتہ ضیاء ضیاء گفتہ — گفتہ اش را بجاں کنم باور

پس بلبن کے عہد سے لیکر فیروز شاہ تغلق کے ابتدائی ہشت سالہ عہد تک کے حالات ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھے ہیں جو ۷۵۸ھ میں ختم ہوئی اور ضیاء برنی ہفتاد سالہ ہو چکا تھا۔ کیقباد کے عہد سے لیکر فیروز شاہ تک اُس نے تمام واقعات خود دیکھے۔ یا ہمعصر معتبروں سے سُنے ہیں۔ اِس لئے اس عہد کی تاریخ فیروز شاہی سے بڑھ کر اور کوئی معتبر نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے میں عموماً اِسی کی سند پر لکھونگا +

غیاث الدین بلبن کا واقعہ غلامی

بلبن ترکستان کے قبیلہ البری میں سے تھا۔ حادثہ مغل میں نوجوان تھا کہ خاندان سے جدا ہوا اور بحالت غلامی بغداد پہنچا۔ چونکہ اُس عہد میں ایشیا میں صرف ہندوستان کی اسلامی سلطنت ہی ہر ایک کی اُمید گاہ تھی اِس لئے خواجہ جمال الدین بصری کے ذریعہ گجرات اور گجرات سے ۶۳۳ھ میں دار الامان دہلی پہنچا۔ سوداگر مذکور کے حسن سلوک اور پدرانہ تربیت حسن صوری و معنوی کے باعث سلطان شمس الدین التمش نے جو قدر دانی بنی آدم میں مشہور آفاق اور غلاموں کی تربیت و ترقی میں شوق تمام رکھتا تھا بلبن کو معہ چند اور غلاموں کے خرید لیا۔ اس کا چھوٹا بھائی کشلیخان اور ابن عم شیر خاں اس سے پہلے دہلی پہنچ چکے تھے اور سلطان سعید التمش کی اسلامی تربیت کی بدولت غلام سے امیر بن چکے تھے +

کشلیخاں کا قصہ غلامی طبقاتِ ناصری میں اسطرح لکھا ہے کہ مغلوں کے خوف سے تمام خاندان بھاگا جا رہا تھا۔ رات کے وقت خورد سال کشلیخاں بیل گاڑی سے کیچڑ میں گر پڑا۔ اور قافلہ کرنے والے مغلوں کے خوف سے کوئی اُٹھا نہ سکا۔ بلبن سے جو قافلہ کے پیچھے آ رہا تھا رہا نہ گیا۔ کشلیخان کو کیچڑ سے نکالنے لگا۔ کہ مغلوں نے گرفتار کر لیا اور فروخت ہوتا ہوا علاقہ اسلامی میں پہنچا۔ کشلیخان کو بغداد سے سفیر التمش نے خرید کیا اور دہلی میں سلطان التمش کی خدمت میں پیش کیا جہاں وہ خدمات شائستہ سے سپہ سالار بن گیا +

دانا دل سلطان التمش نے بلبن کے قیافہ ہی سے ؎

بالائے سرش زہوشمندی　　می تافت ستارۂ بلندی

کے آثار رشد و اقبال دیکھ کر خدمت حضوری میں مقرر کیا اور خاصہ دار سلطانی کی مقربانہ خدمت کو نہایت عمدگی سے نبھایا۔ التمش دو سال بعد فوت ہوگیا۔ مگر سلطان التمش جیسے مدبر و منتظم عادل و شجاع پرہیزگار سلطان کے فیض صحبت اور دو سالہ تعلیم و تربیت سے بلبن رموز سلطنت اور تدابیر ملکی سے واقف ہوگیا۔ رکن الدین کے عہد میں جب ترکوں نے بغاوت کی تو یہ بھی ترکوں کے ساتھ دہلی سے چلا گیا اور قید کیا گیا +

اخلاقی حکایت

فاضل مصنف طبقاتِ ناصری نے بلبن کے قید کے موقعہ پر ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے۔ جس سے مفید اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے۔ فہو ہذا +

حکایت

ایک عظیم الشان بادشاہ نے اپنے ولیعہد کو علوم و آداب ملکداری سیکھنے کے لئے ایک لائق اُستاد کے سپرد کیا چند سال کی تعلیم و تربیت کے بعد جب شاہزادہ فارغ التحصیل ہوا تو بادشاہ نے شاہزادہ کے امتحان کے لئے دربار مقرر کیا۔ اُستاد نے تین دن کے بعد امتحان لینے کی درخواست کی جو منظور کی گئی۔ اُستاد نے پہلے روز تو شاہزادہ کو شہر سے باہر لیجا کر اپنے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیادہ پا چند کوس تک دوڑایا اور تھکان سے بیتاب کر کے واپس لایا۔ دوسرے روز تمام دن اپنے سامنے کھڑا رکھا اور شاہزادہ تکلیف میں مبتلا رہا۔ تیسرے روز ہاتھ پاؤں باندھ کر مشکیں کس کر ایک سو ضرب چوب لگائیں۔ اور کوٹھڑی میں ڈال کر اُستاد خود بھاگ گیا۔ پیچھے معلوم ہونے پر اور لوگوں نے شاہزادہ کو کھولا۔ بادشاہ سخت رنجیدہ ہوا۔ لیکن حلم و وقار کے سبب خاموش رہا۔ دربار میں فضلاء نے امتحان لیا۔ ہر ایک علمی جنگی۔ ملکی مضمون میں شاہزادہ کو ماہر کامل پایا۔ بادشاہ نے کہا کہ اُستاد نے تعلیم تو عمدہ دی ہے مگر شاہزادہ کو پیادہ دوڑانے کھڑا رکھنے مشکیں باندھ کر مارنے اور پھر روپوش ہونے کا سبب معلوم نہیں ہو سکا۔ اُستاد کی تلاش کی گئی بہت

سی کوشش وسعی کے بعد اُستاد ملا۔ بادشاہ نہایت عزت وتکریم سے پیش آیا اور شاہزادہ کو تین روز تک مختلف تکالیف دینے اور خود بھاگنے کا سبب دریافت کیا۔ فاضل اتالیق نے عرض کی کہ شاہزادہ جملہ علوم وفنون میں مہارت کامل حاصل کرچکا تھا۔ مگر وہ مظلوموں اور ماتحتوں کی تکلیفوں کا اندازہ کرنا نہیں جانتا تھا اُس کو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ اردل میں پیادہ پاء دوڑتے ہیں یا دربار میں تمام روز کھڑے رہتے ہیں وہ کس قدر تکلیف اُٹھاتے ہیں جن مظلوموں کو بید لگوائے جاتے ہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر تیرہ وتاریک کوٹھڑیوں میں رفیق وحشت بنایا جاتا ہے۔ اُن کی جانوں پر کیا گذرتی ہے۔ چونکہ شاہزادہ ایکدن بادشاہ ہوگا۔ اور مخلوق خدا کی جان ومال اُس کے قبضہ اقتدار میں ہوگی اس لئے میرا فرض تھا کہ ایسے امور سے بھی شاہزادہ کو عملی تجربہ حاصل کراتا۔ تاکہ بادشاہ ہوکر مردم آزاری سے پرہیز کرے۔ بھاگا اس لئے تھا کہ مبادا حضور محبت پدری سے مجھ کو آسیب پہنچائیں۔ بادشاہ سُن کر نہایت خوش ہوا۔ اور اُستاد کو انعام واکرام سے مالامال کردیا +

نتیجہ

بلبن کو قید کی رسوائی وتکلیف اور ایام بیکاری کی مصیبت اور ذلت سے سبق دیا گیا کہ بادشاہ ہوکر رعایا برایا کو جو ودیعت الٰہی ہے تکلیف نہ دے۔ اسی طرح ہر ایک حاکم بااختیار کا فرض ہے کہ ذاتی آرام اور نمود کے لئے رعیت کو نہ ستائے۔ اور ناجائز احکام جو ماتحت حکام کی سینہ زوری اور ظلم پسندی سے رواج پاکر غریب رعایا کی تخریب اور تعذیب کا باعث ہوتے ہیں۔ اور گورنمنٹ کی محبت ووقت کو کھوتے ہیں عمل میں نہ لائے جائیں +

بلبن کی غلامی سے خانی تک ترقی

رکن الدین کی سلطنت سات ماہ میں بلبن مصیبت میں رہا۔ مگر رضیہ بیگم کے عہد میں خاصہ داری سے میر شکار ہوا۔ رضیہ بیگم کے زوال اور معزالدین بہرام کے ایام عروج میں بلبن کا ستارہ اقبال چمکا۔ اول میر اخور ہوا۔ اور پھر ریواڑی کا کمشنر وجاگیردار مقرر ہوا۔ اور خوب انتظام کیا۔ معزالدین کے مخالف ترکوں میں سب سے زیادہ جنگی خدمات بلبن

کی تھیں۔ شہر دہلی کی فتح کا سہرا بلبن کے سر رہا تھا۔ اور ہانسی کا گورنر کیا گیا۔ امن و امان کے قیام اور عدل و انصاف کے اجراء سے ملک کو آباد کیا۔ ۶۴۲ھ میں علاؤ الدین نے امیر حاجب (سپہ سالار) بنا دیا۔ منکوتی سردار مغل نے فوج جرار لے کر براہ سندھ اُچہ کا محاصرہ کیا بلبن دہلی سے مجاہدین اسلام کی فوج لے کر ترغیب جہاد دیتا ہوا بیاس تک پہنچا اور اپنی روانگی کی خبر محصورین قلعہ اُچہ کو روانہ کی۔ قلعہ والوں نے شادیانے بجانے شروع کئے اور بلبن کا ایک خط بھی مغلوں کے ہاتھ آگیا تھا جس میں اسلامی لشکر کی روانگی اور جوش کا حال درج تھا۔ غالباً بلبن نے دانستہ اس طور سے روانہ کیا ہوگا۔ کہ مغلوں کے ہاتھ آئے مغل ڈر کر واپس چلے گئے اور بلبن کی تدبیر و ہمت سے ملک بچ گیا۔ ناصر الدین محمود کے تخت نشین ہوتے ہی مغلوں کو مرعوب کرنے اور کھوکھران پنجاب کو جن کی راہبری سے مغل ملتان تک پہنچ گئے تھے۔ ۶۴۴ھ میں رانائے کوہ جود پر چڑھائی کی گئی جس کا علاقہ دریائے چناب سے لے کر دریائے سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔ رانا کو شکست ہوئی اور کوہ جودی واقع جہلم فتح کیا گیا۔ کھوکھر اہل و عیال لیکر کوہستان کشمیر کو بھاگ گئے۔ اور دریائے سندھ تک شاہی تسلط بخوبی بیٹھ گیا۔ اس خدمت کو بجا لاکر بلبن بمقام سوہدرہ جو ساحل چناب پر واقع ہے۔ سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں حاضر ہوا +

ہندوؤں کی بغاوتیں اور بلبن کی مستعدی

التمش کے بعد اُس کی اولاد کی نالائقی۔ عیاشی۔ مغلوں کے متواتر حملات اور اسلامی فوج کی مشغولی سرحد شمالی کے باعث ہندو جو مفید موقعہ کی تلاش میں تھے بغاوتیں کرنے۔ لوٹنے اور مسلمانوں کے ستانے اور مارنے میں سرگرمی دکھانے لگے۔ جب مغلوں کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا۔ اور اُن کے مددگار کھوکھر سزا پا چکے تو عقلمند بلبن نے ہندو علاقوں میوات وغیرہ میں اسلامی فوج کے گشت کی تجویز پیش کی۔ یہ تجویز بعینہ ویسی ہے جو انگریزی گورنمنٹ نے بعض اضلاع میں انگریزی فوجوں کی گشت سے انارکسٹانہ خیالات کے دبانے کے لئے کی ہے۔ بلبن کی اس تجویز سے مفسدوں کے حوصلہ پست ہو گئے۔ دوآبہ گنگا جمنا کا قلعہ نندنہ جو ہندو مفسدوں کا ہیڈ کوارٹر تھا سخت لڑائی کے بعد فتح ہوا۔ دس ہزار میواتیوں کے قتل سے نواح دہلی کو ڈاکہ زنی سے محفوظ کیا۔ علاقہ دلکی ملکی جو دریائے

جمنا کے پار کالنجر اور کٹھر کے درمیان تھا۔ وہاں کا راجہ کشت فوج اور زر و دولت میں ممتاز تھا مسلمانوں کے علاوہ ہندو راجگان سے بھی معرکہ آرا رہتا تھا گذشتہ فترات سلطنت دہلی میں کوس لمن الملکی بجا رہا تھا۔ بلبن برق کی طرح اس کے صدر مقام میں پہنچ گیا۔ جو محبور ہو کر رات کو بھاگ گیا قلعہ اور مال و اسباب پر بلبن کا قبضہ ہو گیا ۶۴۶ھ میں سلطان ناصر الدین نے پنجاب کا دورہ کیا۔ اور دہلی واپس آکر قلعہ رنتھنبور کی فتح پر بلبن کو مقرر کیا۔ جہاں کا راجہ ناہر دیو بہادر اور زبردست فوج رکھتا تھا۔ راجپوتانہ کا بہت سا حصہ اس کے ماتحت تھا اور بہادر راجپوت اس کی عزت اور اطاعت پر فخر کرتے تھے اور ابتک مسلمانوں کا مقابل رہا تھا۔ بلبن نے رنتھنبور کا محاصرہ کیا اور بقول منہاج سراج جنرل بہاؤالدین ایبک کی شہادت کے باعث محاصرہ اٹھایا گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ بلبن رنتھنبور کو فتح نہ کر سکا۔ اور نقصان اٹھا کر محاصرہ سے دست بردار ہوا ۶۴۹ھ میں بلبن نے مالوہ اور کالنجر کے باغیوں کی گوشمالی کی اور دونوں علاقہ فتح کر لئے۔ راجہ جاہر اجاری کو جو عہد التمش میں ایک مشہور مسلمان جرنیل کو شکست دے چکا تھا۔ میدان سے بھگایا اور ہندو باغیوں کے حوصلے پست کر دئے ؛

اسی سال سلطان ناصر الدین پنجاب آیا۔ اور امرائے سلطنت نے از روے حسد بلبن کو دربار سے نکلوا دیا۔ بلبن باوجودیکہ وکیل مطلق اور نائب السلطان فاتح سپہ سالار تھا بلا چون وچرا ہانسی چلا گیا۔ اسی واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ سلطان ناصر الدین محمود گو تقوے و ورع میں عمر ثانی تھا۔ مگر انتظامی قابلیت کا حوصلہ نہ رکھتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء برنی نے جو سلطان ناصر الدین پر کم مائیگی کا الزام لگایا ہے وہ اسی قسم کے واقعات کا نتیجہ ہے بلبن کو دربار سے تو نکالا گیا اور سپہ سالار بھی دوسرا شخص بن گیا۔ مگر بلبن کی سی لیاقت ہنر آزمائی اور تدبیر اور دانش نہ رکھتا تھا۔ سانائے رنتھنبور (چتوڑ) کا حوصلہ اسلامی فوج کی سابقہ ناکامی کے سبب بڑھا ہوا تھا۔ بلبن کی علیحدگی سے زیادہ شوخی کرنے لگا۔ دربار سے پھر بلبن ہی راجہ چتوڑ کے مقابلہ پر مقرر ہوا جس کو بلبن نے شکست فاش دی اور ہندوؤں کی مرکزی باغیانہ طاقت کو کمزور کر دیا ؛

اس کے بعد سلطان ناصر الدین اور بلبن میں صفائی ہو گئی۔ اور مخالف امیر دربار سے نکالے گئے۔ امرائے مخالف باغی ہو گئے۔ اور شکست پا کر ہندو راجگان کے ہاں

پناہ گزین ہوئے بلبن نے سب کو شکست دیکر وسط ہند۔ بشن پور۔ ترہٹ ۔ سرمور۔ کو فتح کر لیا۔ ریاست سرمور ابتک فاتحان اسلام سے بچی ہوئی تھی اور اُسوقت ایک زبردست ریاست تھی۔ ان تمام راجگان نے گورنمنٹ کے مخالفوں کو پناہ دی اور شاہی فوج کے مقابلہ کئے۔ اور برباد ہوئے۔ ہندو راجگان کی باغیوں کو پناہ دینے سے یہ غرض تھی۔ کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو جائے اور اسلامی سلطنت کو ضعف پہنچے۔ اور ہندو سلطنت کے استحکام کا موقعہ ملے +

ہندوؤں کی ڈاکہ زنی

جب بلبن ہانسی سے ناگور تبدیل ہوا تھا۔ بلکا نام ہندو ڈاکو نے بلبن کے بہت سے اونٹ چھین لئے تھے اور بعد میں بعض امراء کی بغاوت کے سبب فوج شاہی ڈاکوؤں کو سزا نہ دے سکی۔ اس سے عام ہندو ڈاکوؤں میں شامل ہو کر لوٹ مار کرنے لگے ہمالہ سے لے کر دہلی تک اضلاع انبالہ۔ کرنال۔ پٹیالہ۔ رہتک۔ حصار ڈاکوؤں کے تختہ مشق بن گئے۔ مسلمانوں کی کشت و خون اور غارتگری سے ہاتھ رنگتے رہے۔ باغی تعداد میں ہزارہا تھے اور ہر ایک موقعہ پر نہایت ثابت قدمی اور جانفروشی سے مقابلہ کرتے رہے مگر تجربہ کار بہادر بلبن ہر ایک میدان میں فتح پاتا رہا اور دشمن کو دباتا ہوا پہاڑوں میں گھس گیا دس ہزار ڈاکو قتل ہوئے اور اُن کے دو سو مشہور سردار قید کر کے واپس دہلی ہوا +

ملتان پر مغلوں کا ناکام حملہ

۶۵۵ھ میں لشکر مغول بسرکردگی نوئیں ساری سندھ پر حملہ آور ہوا۔ اور ملتان کا محاصرہ کیا۔ سلطان ناصر الدین نے چڑھائی کی۔ مورخین اور واعظین اسلام جہاد کی دعظیں کرنے لگے اور علمائے اسلام نے اپنی آتش بیانی سے قوم میں ایثار جان و مال کا سچا جوش بھر دیا۔ چنانچہ صدر جہان منہاج سراج اس موقعہ پر ایک زبردست واعظ تھا۔ مسلمان ہر طرف سے جاں فروشی کے لئے شاہی فوج میں شامل ہو گئے۔ تمام مسلمان سردار اپنی اپنی فوجوں سمیت اس قومی جنگ میں حصہ لینے کے لئے جمع ہو گئے۔ اس تمام فوج کی جان بلبن اور اُس کا چچا زاد بھائی بہادر شیر خان تھا۔ مغلوں نے جوں ہی اس قدر

اسلامی لشکر کا اجتماع اور پرجوش مستعدی کا حال سُنا۔ ملتان کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور لشکر اسلام واپس ہُوا +

دربار دہلی اور اسلامی شوکت

اسی عہد میں ہلاکو خاں مغل کے ایلچی شاہ دہلی کے پاس آئے جن کو شہر کے باہر ٹھیرایا گیا۔ مؤلف طبقاتِ ناصری نے اس سفارت کا باعث ایک مسلمان امیر ماتحت ہلاکو خاں کی بیٹی اور بلبن کے بیٹے کی تجویز شادی کو لکھا ہے۔ گو بظاہر سفارت کے آمد کی یہی وجہ ہو لیکن جب ذرا غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ہلاکو خاں جو اسلام کا سب سے مہیب و خونخوار دشمن تھا۔ اور اسلامی سلطنتوں کا بگاڑنا اور امرائے اسلام کی باہمی کجبختی کو گھٹانا اُس زبردست پالیسی کا اصل الاصول تھا وہ کس طرح شاہ دہلی کے وزیر اور وکیل مطلق اور اپنے ایک طاقتور امیر کے رشتہ اتحاد کو پسند کر سکتا تھا۔ اس سفارت کی وجہ سوا اس کے اور کچھ نہ تھی کہ چنگیز خاں کے عہد سے لے کر اب تک خونخوار مغلوں نے جو تمام ایشیا اور روس و اقصہ یورپ تک نشان فتح گاڑ چکے تھے۔ ہندوستان پر عموماً ہر سال حملہ کرتے رہے مگر ہر بار بہادران ہندوستان سے شکست کھاتے رہے اور ایسی متواتر ناکامی مغلوں کو کہیں بھی نہ ہوتی تھی۔ خود بلبن کی وزارت میں دو دفعہ مغل فوج کثیر لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ مگر ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی حمیت قومی عصبیت جنگی طاقت جہادی جوش اسلامی اتحاد کی خبریں سُن کر ہی قبل از جنگ بھاگتے رہے۔ سلطان ناصرالدین محمود کی نیک نیتی پابندی شرع زاہدانہ تقوے و ورع بیت المال کو حق مساکین و عاملین جاننے اور ذاتی و نفسانی اغراض کے لئے دست برد نہ کرنے اور وزیر بلبن کی بیدار مغزی انتظامی لیاقت اور شجاعت نے ہلاکو خاں کو صرف ہندوستان کی فتح سے ہی مایوس نہ کیا۔ بلکہ اُس کو بہادران ہندوستان کی شیرانہ صولت اور شاہ دہلی کی عظمت و شوکت بلبن کی مدبرانہ لیاقت سے افغانستان کے کھوئے جانے کا اندیشہ لگ رہا تھا جیسا کہ غزنی پر چڑھائی کا ارادہ شاہ دہلی نے کیا۔ اور بہادر شیر خاں سپہ سالار دہلی اور گورنر پنجاب نے آخر غزنی کی فتح سے خراسان تک ہل چل ڈالدی۔ پس اس سفارت کی وجہ سلطنت دہلی کی زبردست جنگی طاقت اور بہادرانِ ہندوستان کی اہلیت اسلام قومی جانفروشی اور غازیانہ جوش کا خوف تھا جس نے ہلاکو خان

کو شاہ دہلی سے رابطہ اتحاد پیدا کرنے پر مجبور کیا۔ یہ عزت و فخر صرف ہندوستان کے اُن سلاطین کو حاصل ہوا جو غلام و غلام زادہ تھے۔ مگر اسلام کی عالمگیر فیاضی سے شاہنشاہی تک پہنچکر محافظ اسلام بن گئے۔ مغلوں کا موثر توڑ مقابلہ اسی طرح مصر کے غلام سلاطین نے کیا اور حق حفاظت اسلام ادا کیا۔ مگر ہلاکو خاں کی تحریک رابطہ دوستی کی عزت صرف شہنشاہ ہندوستان کو حاصل ہوئی۔ اور ہلاکو خاں نے اپنے امیر ناصرالدین محمد اوربلبن کے باہمی رشتہ کو ذریعہ سفارت خیال کیا +

بلبن جب تک دہلی نہ پہنچا ملاقات سفیرانِ مغل ملتوی رہی۔ دوسو سرغنہ ہندو ڈاکو جو بلکا نذکور کے ہمراہیوں میں سے گرفتار ہوئے تھے۔ اُن کو قتل کرکے ہر ایک دروازہ اور سڑک پر لٹکا دیا تاکہ ہلاکو کے ایلچی دیکھ سکیں۔ اگرچہ یہ سزا وحشیانہ نظر آتی ہے لیکن جن ڈاکوؤں نے ہزاروں ہندو مسلمانوں کے جان و مال ننگ و ناموس کو برباد کیا۔ اور جرائم قتل کے مرتکب ہوئے وہ ہرگز رحم کے مستحق نہ تھے۔ دروازوں اور شاہراہ پر لٹکانا سفرائے مغل کو ڈرانا تھا۔ اور اس قسم کی پالیسی ہر ایک زمانہ میں ہوا کرتی ہے۔ بہرحال مغلوں کو دکھانا ملحوظ تھا۔ کہ اگر تم خونخوار ہوں تو ہم بھی اپنے دشمنوں کے حق میں تم سے کم نہیں +

۸۔ ربیع الاول ۶۵۸ھ کو یہ دربار دہلی میں کیا گیا۔ جو اسلامی عہد کا دوسرا دربار تھا۔ لیکن شان و شوکت میں دہلی کا یہ پہلا اسلامی دربار ہے۔ ایسے موقعوں پر جیسا کہ آجکل دستور ہے ہر ایک گورنمنٹ کثرت دولت۔ جنگی طاقت۔ شوکت و اقبال اور جاہ و جلال کو ظاہر کیا کرتی ہے اسی طرح شاہ دہلی نے بصلاح وزیر باتدبیر کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ صرف فوج دو لاکھ پیادہ اور پچاس ہزار سوار اس دربار کے موقعہ پر موجود تھی۔ اور یہ تمام فوج صرف دہلی اور اُس کے قریب کی چھاونیوں کی تھی۔ باقی فوجیں جو ملتان۔ اُچہ۔ لاہور۔ بھٹنڈا وغیرہ مشہور اور سرحدی چھاونیوں میں مغلوں کی تاخت و تاراج اور دفعیہ حملات کے لئے مستقل طور سے مقیم رہا کرتی تھیں یا مالوہ اودھ۔ بنگالہ کی فوجیں اس دربار میں شامل نہیں ہوئی تھیں۔ اس سے دہلی کے سلاطین غلامان کی جنگی طاقت اور فوجی عظمت کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔ جو گورنمنٹ صرف ایک صوبہ میں اس قدر فوج کثیر رکھتی ہو اس کا مقابلہ کون کرسکتا تھا۔ اسی فوجی طاقت نے جو خالص اسلامی جوش سے بھری ہوئی تھی مغلوں کو ہندوستان میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور رابطہ دوستی کا خواہاں ہلاکو خاں ہوا +

فوج شاہی کے علاوہ تمام باشندگان شہر از قسم ذکور سلاح بند کھڑے تھے۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ قیامگاہ سفارت سے لے کر قصر شاہی تک جہاں دربار تھا۔ اور کئی میل کا راستہ تھا دو طرفہ دوش بدوش بیس صفیں سوار و پیادوں کی کھڑی کی گئی تھیں۔ آئین نبوی سے شہر ایک چمنستان تھا۔ دکانداروں نے بیش قیمت اشیاء اور شاہوکاروں اور جوہریوں نے زر و جواہرات کی نمائش سے دہلی کو ممبران سفارت کی نگاہ میں ایشیاء کا سب سے زیادہ دولت مند شہر ثابت کر دیا۔ جنگی ہاتھیوں کی کثرت اور منوا تر تنگ دوسے بقول منہاج سراج سفارت کا کوئی ممبر گر پڑا۔ اگر یہ امر اتفاقیہ بھی ہو تو بھی اس تمام نظارہ نے دہلی کی فوجی طاقت اور تمول کا رعب ضرور پیدا کر دیا اور دربار اور فوجی نمائش کا جو مطلب ہوا کرتا ہے۔ حاصل ہو گیا۔ یہی پولیٹکل سبق ہیں جن پر آج بدبران یورپ کا عمل ہے ان ملکی تدابیر کے موجد مسلمان تھے۔ منہاج سراج نے دربار دہلی کی تعریف میں خوب زور طبیعت لگایا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کی انشاء پردازی کے جوہر دکھائے ہیں۔ چونکہ ہم نے صرف واقعات کو سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھنا ہے اس لئے ہم اس حصہ کو قلم انداز کرتے ہیں۔ صرف فاضل منہاج سراج کا قصیدہ تفریح ناظرین کے لئے کتاب ہذا میں درج کرتے ہیں۔ یہ قصیدہ دربار مذکور میں پڑھا گیا تھا +

قصیدہ منہاج سراج رحمۃ اللہ علیہ

زہے جشنے کزو اطراف چون خلد بریں گشتہ
خہے بزمے کزو اکناف عالم رشک گشتہ

ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او
تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمین گشتہ

ز فر ناصر الدین شاہ محمود بن التمش
ملک نازش دعا خواندہ فلک نازش زمین گشتہ

شہنشاہے کہ در عالم بفیض فضل ربانی
سزائے چتر شاہی لایق تخت و نگین گشتہ

چو خاقان کین آور چو سلطانان دین پرور
بدل ماحی کفرست و بجاں حامی دین گشتہ

مبارکباد بر اسلام این بزم شہ عالم
کزیں ترتیب ہندوستان بسے خوشرنگ و چین گشتہ

مہین از جملہ شاہان باد ہر بندہ زور گاہش
چو منہاج سراج از جان دعاء گوئے کہین گشتہ

قصیدہ از فقیر مؤلف عفی عنہ

زہے بہشتے کزو ہندوستان خلد برین گشتہ
خنے بزمے کزو اطراف عالم یاسمین گشتہ

ز عدل و داد و آئین و نشاط و امن و آزادی
تو گوئی شہر دہلی چوں بہشتِ ہشتمین گشتہ

شہِ محمود ناصر دین بن سلطان شمس الدین
شہِ دین پرور ہندوستان نہ این چنین گشتہ

بلا کو بود خاقانِ مظفر در ہمہ عالم
ولے از تیغ شاہِ ہند یک بندہ کمین گشتہ

وزیرِ او چو بلبن با ہمہ تدبیر و دانش بود
ازاں بر جملہ شاہانِ جہاں معتمر ہمیں گشتہ

ولی و زاہد و باذل رعایا پرور و غازی
بجان و دل چو نامِ خویش او حامیِ دین گشتہ

بہ تقلیدِ نبی کمتر نشان از دیگران بینی
مگر محمود ناصر دین کزو گلشن زمین گشتہ

غیاث الدین بلبن کی شہنشاہی

اس سے پہلے خاندان غور سے لے کر یہاں تک جو کچھ کتاب ہذا میں لکھا گیا ہے۔ وہ عموماً طبقات ناصری سے لیا گیا ہے۔ جو خاندانِ غوری اور غلامان کا سب سے زیادہ معتبر مؤرخ اور التمش کے عہد سے لے کر عہد بلبن تک دہلی کا امیر کبیر تھا۔ سلطان ناصر الدین محمود کے عہد کے سولہ سالہ واقعات اور بلبن کے حالات وزارت طبقات ناصری میں مفصل لکھے ہیں۔ جن کا خلاصہ ہم نے لکھ دیا ہے۔ اب بلبن کے حالات شاہی تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ فاضل مؤرخ ضیاء برنی سے اختصاراً درج کتاب ہذا ہونگے۔ ضیاء برنی بلبن کے اخیر عہد میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ یا دیگر معتبروں سے جنہوں نے بلبن کے زمانہ کے واقعات خود دیکھے تحقیق کر کے لکھے ہیں۔ ضیاء برنی لکھتا ہے۔ کہ سلطان شمس الدین التمش کے چالیس ترک غلام تھے۔ جن کو بندگان ترک چہل گانی کہتے تھے اور تربیت سلطانی اور فیضان اسلامی سے پسندیدہ عادات ستودہ اخلاق شجاعت و عدالت سے موصوف اور سلطنت کے کارہائے خطیر پر مامور تھے۔ اور مراحم سلطانی اور فیوضات قرانی سے آزاد ہو چکے تھے۔ اُن میں سے بلبن ۶۶۴ھ میں غیاث الدین کے لقب سے تخت دہلی پر جلوس فرما ہوا۔ بلبن کی تخت نشینی کے وقت انہیں چالیس غلاموں کا سلطنت میں زور تھا۔ شمس الدین التمش

کے بعد جو اپنے عہد میں ایک زبردست شاہنشاہ گذرا ہے دس سال تک اس کی نالائق اور عیاش اولاد نے شہنشاہ دہلی کی عزت و وقار کو کھو دیا اور بندگان چہل گانی جملہ کاروبار پر قابض ہو گئے اور دس سال کے اندر چار عزل و نصب کر کے رعب شاہی کو کھو دیا۔ ناصر الدین محمود بن التمش نے بیس سال حکومت کی مگر بظاہر وزیر اور درصل بلبن حکمران تھا۔ ناصر الدین محمود کے طبعی حلم و کرم اور زاہدانہ تمدن و معاشرت نے سختی پسند امرائے ترک کے دلوں سے سلطانی ہیبت کو کھو دیا اگرچہ بلبن کی لیاقت سے انتظام سلطنت میں کچھ فرق نہ آیا بلبن نے تخت نشین ہو کر امراء کی خودسری۔ فوج کی جدید ترتیب اضافہ خزانہ کی درستی۔ ملک کی آبادی۔ رعایا کی فلاح و بہبود پر توجہ مبذول کی۔ تمام سرکش امیر جو فرعون بے سامان بن کر شاہ دہلی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جس طرح ہو سکا سیدھا یا عدم آباد کو چلتا کیا اس انتظامی سزادہی سے ضیاء برنی بلبن کے جبر و تشدد کی شکایت کرتا ہے۔ مگر جو بادشاہ یا گورنمنٹ پولیٹیکل مجرموں کی سزا میں اغماض و تغافل کرتی ہے وہ ناکام و برباد ہوتی ہے خود ضیاء برنی کے سامنے کیقباد۔ جلال الدین۔ مبارک کا ان پولیٹیکل مجرموں کے ہاتھ سے کیا انجام ہوا۔ رحم و عفو سے بہتر کوئی شے نہیں۔ لیکن تاریخ عالم میں ایسے واقعات بیشمار بھرے پڑے ہیں کہ جس گورنمنٹ نے ایسے مجرموں سے نرم سلوک کیا۔ آخر مشکلات میں مبتلا ہوئی اور جس نے بغاوت کو پھوٹتے ہی دبا لیا اور سرکشوں کے سڈیشن آمیز خیالات بھانپ کر سخت سزاؤں سے رعیت میں مادہ بغاوت بڑھنے نہ دیا وہ ملک میں اُن و امان قائم کرنے اور حکمرانی میں کامیاب ہوئی۔ پس بلبن جس نے التمش کی باضابطہ حکومت اور اُس کی اولاد کی کمزور سلطنت کے نتائج دیکھے ہوئے تھے۔ اس نے سرکش بندگان چہل گانی کو جو بلبن کو خواجہ تاشی اور ہمسری کے سبب سے خیال میں نہ لاتے تھے مقہور و مغلوب کیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض بلبن کی سازش کے بھی شکار ہوئے۔ مگر یہ امر بلبن کی زیادہ تر ہوشیاری اور عقلمندی پر دلالت کرتا ہے کہ "سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے" کے مطابق ایک قطرہ خون تک نہ گرایا اور زبردست مخالفوں کا نشان مٹا دیا جن کے مقابلہ سے ہزاروں کی ہلاکت یقینی تھی۔ بلبن کا ان کانٹوں کے نکالنے سے رعب و داب جم گیا۔ چوری و راہزنی جاتی رہی۔ راستے امن و امان کے ساتھ جاری ہو گئے۔ عدل و انصاف سے رعایا خوشحال ہو گئی۔

بلبن کی طرز حکومت

فیروز شاہی صفحہ ۳۱

سلطانی شان و شوکت کے اظہار اور شاہی رعب و وقار کے استحکام کو جہانداری کے لئے لازمی جانتا اور اسی مطلب کے لئے دربار کی زیب و زینت آرائش و زیبائش اور شاہانہ سواری شاندار تجمل اور تمکنت سے خاص و عام کو ہیبت سلطانی سے مرعوب رکھتا۔ پانچ سو قوی ہیکل جوان اور پہلوان پہلوان۔ عرب و ترک افغانی و سیستانی وغیرہ چیدہ بہادر شمشیر برہنہ اس کی اردل میں چلتے تھے۔ فوج خاصہ گراں بہا دردی اور عمدہ آلات سے آراستہ علاوہ ہوتی۔ فیلان کوہ پیکر کا نظارہ ناظرین کے دلوں کو ہلاتا تھا قوانین و ضوابط جن سے ملک کی ترقی رعایا کی خوشحالی متصور تھی جاری کئے۔ ممکن نہ تھا کہ قوانین شاہی کی تعمیل میں کوئی فروگذاشت کر سکے۔ پولیٹکل مجرموں کی سزادہی میں سختی کرتا تھا۔ مگر اسی سختی کا نتیجہ تھا کہ بلبن کے عہد میں سڈیشن (بغاوت) کا نام و نشان نہ رہا۔ جو لوگ التمش کے بعد اس کے نالائق ورثا کے عہد میں بیہودہ خیالات رکھتے تھے۔ بلبن کی گہری تدبیروں یا زبردست ہاتھوں سے تباہ ہو گئے یا راہ راست پر آ گئے۔ بلبن نے اپنے عہد سلطنت میں گو کوئی عظیم الشان فتح حاصل نہ کی اور نہ کوئی جدید علاقہ سلطنت دہلی میں اضافہ ہوا لیکن جس قدر اس کی ماتحت ملک تھا اس میں ڈاکہ زنی۔ بغاوت کا نام و نشان نہ چھوڑا۔ اور اس عہد میں یہی کمال لیاقت تھی اور اسی کی ضرورت تھی۔ متانت و وقار کی یہ حالت تھی کہ اپنی وزارت و شاہی کے چالیس سالہ عرصہ میں نہ کسی سے مسخری کی نہ کوئی اس کے سامنے تمسخر کر سکا۔ مسخروں۔ بھانڈوں۔ گویوں۔ بازاری۔ کم مایہ۔ سفلہ طبع اور عام امراء سے ہمکلام نہ ہوتا تھا۔ اور وقار شاہی نہ کھوتا تھا۔ فخر باؤنی بازار کے چوہدری نے ہر چند سلطان سے ہم کلام ہونے کی بہت سی تدبیریں کیں۔ مگر سلطان کے سکرٹری کی ہم کلامی سے زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اور یہ امر بقول پروفیسر دہلوی اس کی نخوت شاہی پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا یقینی خیال تھا کہ انتظام سلطنت اسقدر سیاست و تعذیب سے قائم نہیں رہ سکتا جسقدر کہ سلطان کے وقار و متانت سے۔ اس سے رعب شاہی ہر ایک کے دل میں رہتا ہے جب ہر ایک صیغہ کے لئے وزیر و سکرٹری مقرر تھے تو متعلقہ امراء کو

اُس سے واقعات و حالات بتانے اور احکام مناسب لینے از روئے نظم و نسق ضروری ہیں ورنہ صدر محکمہ کا رعب و انتظام بگڑ جاتا ہے۔ اور جب جملہ کام متعلقہ وزرا کر سکتے ہیں۔ تو پھر بلا ضرورت سلام سے بادشاہ کا وقت ضائع کرنے اور اوروں کی نگاہ میں اپنا رسوخ بڑھانے اور ناجائز فوائد اٹھانے کے سوا اور کس غرض سے کیا جا سکتا ہے۔ پس بلبن کا یہ دستور رعایا اور گورنمنٹ دونوں کے لئے مفید تھا۔ باوجود اس انتظامی اصول کے عورتوں تک مظلوم و دادخواہ اس کی بارگاہ تک بلا روک ٹوک جا سکتی تھیں اور اپنا حال عرض کر سکتی تھیں اور عدل و انصاف پاتے ملک لق لق بداؤں کا صوبہ دار چار ہزار سوار کا جاگیردار تھا۔ اس نے نشہ کی حالت میں ایک فراش کو دروں سے قتل کیا ایسے زبردست با اختیار عہدہ دار کا بچنا کچھ مشکل نہ تھا مگر چند روز بعد جب بلبن وہاں گیا تو فراش کی بیوہ عورت بلبن کے حضور میں دادخواہ ہوئی۔ بلبن نے بعد تحقیقات صوبہ دار مذکور کو کوڑے لگوائے اور اسی صدمہ میں ملک لق لق مر گیا۔ انفسٹن صاحب اس کو واقعہ ظالمانہ تصور کرتا ہے مگر جرم قتل پر غور نہیں کرتا جسکی آجکل سزا سولی ہے۔ اور ایک گورنر کو سزا دینا بلبن کا منصفانہ حوصلہ تھا۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ادنے ملازم افسروں کے ہاتھ سے مارے جاتے ہیں اور افسر کسی کسی بہانہ سے رہا ہو جاتے ہیں اور رعایا میں واردات قتل کی کثرت اور حقیقی ملزموں کا سزا سے بچنا آج کل معمولی امر ہے۔ شائد انفسٹن صاحب کا اعتراض اسی وجہ سے ہو۔ ورنہ نوعیت سزا پر اعتراض درست نہیں۔ بلبن نے برید (پولیس افسر) کو جس نے اس واقعہ کی اطلاع سلطان کو نہ دی تھی پھانسی دیا۔ اور اخفائے واردات کا دروازہ بند کر دیا:۔

اس کے عدل و انصاف بلا رو و رعایت عدالت کا دوسرا واقعہ یہ ہے۔ کہ ہیبت خاں گورنر آودھ نے ایک شخص کا خون ناحق کیا۔ اس کی بی بی نے بلبن سے نالش کی۔ بادشاہ نے بعد تفتیش دُرّے مار کر مقتول کی بی بی کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ پہلے ہمارا غلام تھا۔ اور اب تمہارا ہے مجرم نے بہت کچھ دے دلا کر اور سعی سفارش سے عورت مقتول سے رہائی پائی۔ اس سے دیگر عہدہ داران شاہی کو سلطانی خوف پیدا ہو گیا کہ بادشاہ اپنے خاص غلاموں تک کی رعایت نہیں کرتا۔ اور بیوہ کو بھی بیس ہزار ٹنکہ مل گیا۔ اور ایام بیوگی کے لئے گذارہ بن گیا کیا یہ فیصلہ اس فیصلہ سے زیادہ مفید رعایا

نہیں ہے کہ جہاں فریقین مقدمہ کے ہزاروں روپیہ خرچ ہوجاتے ہیں اگر مجرم سزا پائے تو جرمانہ سے مقتول کے وارثوں کو شاذ و نادر ہی کبھی ملتا ہے اور عموماً بارسوخ مجرم صاف بچ جاتے ہیں یا خفیف سزا پاتے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ اس کا دروازہ عام رعایا کے لئے بند نہ تھا بلکہ صرف اُن دنیا پرست لوگوں کے لئے جو بادشاہوں کے تقرب سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے غریب رعایا برباد ہوتی ہے شاہانہ ہیبت کھوئی جاتی ہے۔ انتظام سلطنت بگڑتا ہے۔

ایام سلطنت میں اس نے شراب اور دیگر محرمات شرعی سے سخت پرہیز کیا حالانکہ ایام خانی میں اس کی دعوتوں میں عموماً شراب کا دور چلتا تھا مگر تخت نشین ہوتے ہی جملہ عادات کو ترک کر دیا جو بلبن کی کمال درجہ کی زمانہ شناسی پر دلالت کرتا ہے اسکے ایام خانی میں بخارا و خوارزم غزنی و غور عراق و ایران کے خاندانی شہزادے و امرا مغلوں سے بھاگ کر دہلی آئے ہوئے تھے۔ اور یہ لوگ امارت کی معیار اکثر عیاشانہ جشنوں کو ہی سمجھتے تھے اور انہیں مسرفانہ داد و دہش سے لیاقت سلطنت کا اندازہ کرتے تھے بلبن غلامان التمش میں بہت کمتر درجہ پر تھا۔ التمش کے بندگان چہل گانی اور ملوک غوریہ میں سے کئی ایک بلبن سے زیادہ ممتاز تھے اور شجاعت و سخاوت میں بڑھے ہوئے تھے بلبن جو شرفا و امرا میں ہر دلعزیز ہونا چاہتا تھا اور آئندہ کے منصوبہ کیلئے جو غالباً اس اولوالعزم عالی ہمت کے دل میں ضرور ہوگا لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنا اور اپنے اخلاق کریمانہ کا گرویدہ بنانا اس کا مقصود تھا اس لئے وہ عام جشن کرنا اور امرائے سے اتحاد بڑھانیکے خیال سے ضیافت کے جملہ سامانوں میں شراب بھی ضرور موجود ہوتی اور امراء کی خوشنودی کے لئے قمار بھی کھیلتا۔ اور ہر ایک پالیٹیشن انسان ایسی باتوں سے گریز نہیں کرتا وہ وقت اور موقعہ کے موافق عمل کراتا ہے۔ بلبن کے عہد خوانی کے اعمال بھی اس قسم کی پولیٹیکل ضرورت کے لئے تھے جب بادشاہ ہوگیا تو یکبارگی غیر شرع امور کو چھوڑ دیا۔ اور تقوے و طہارت کا اس قدر عامل و فریفتہ ہوا کہ جب تک کسی امیدوار کی دیانت و اتقا زہد و ورع کا عبار نہ ہو جاتا کسی کو ملازم نہ رکھتا اور بعد تقرری بھی اگر کوئی ملازم صفات مذکورہ سے خالی پایا جاتا تو اس کو معزول کر دیتا خود پابند صوم و صلوٰۃ تھا جماعت کا پابند اور تارکان جماعت کو بفحوائے حدیث شریف "تَارِكُ الْجَمَاعَةِ مَلْعُونٌ"

ملعون ومنافق کہتا۔ نوافل تہجد تک ادا کرنا قرآن مجید کی تلاوت رکھنا مجلس وعظ کو جہاں کہیں دیکھنا سواری سے اُتر کر وعظ سننا اور رقت سے رونا جو بغیر پکے عقیدہ اور سچے اسلام کے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شامل ہونا اور ثنائے میت کی تعزیت کرنا اور انعام دینا اور وظیفہ بھی بحال رکھنا بعد نماز جمعہ فاتحہ خوانی اور یاد مرگ کیلئے زیارت قبور کرنا۔ کبھی بے وضو نہ رہنا جو درویشوں میں بہت بڑا احتیاطی عمل ہے۔ مؤلف سیر المتاخرین نے صحیح لکھا ہے۔

نظم

بدانش بزرگ و بہ ہمت بلند — بیازو دلیر و بدل ہوشمند
نہ رایش بتدبیر محتاج غیر — نہ امضائے رایش بجز محض خیر
نہ در شہر و مخزن نہ در کوہ و دشت — خیانت حد اندیشۂ کس گذشت
امان در زمانش بجد رسید — کہ منسوخ شد رسم قفل و کلید
بہ نیروے مردے و فرہنگ خویش — بگردوں برافراشت اورنگ خویش
باین دانش و رائے و آئین و فر — گمان در نیاید کہ باشد دگر

ان اشعار میں جو فاضل مؤلف نے بلبن کی انتظامی لیاقت کا خاکہ کھینچا ہے اور جس کی تائید مشہور مورخ ضیاء برنی اور دیگر مورخوں کے بیان سے ہوتی ہے اس قسم کا امن و امان کہ قفل و کلید کی ضرورت نہ رہی اور چور ڈاکو یہاں تک مفقود ہوئے کہ مسافرین ہاتھ میں سونا اُچھالتے چلے جاتے تھے ہندوستان کو چند بادشاہوں کے سوا کبھی حاصل نہیں ہوا۔ ضرور اس کے عہد میں کوئی نمایاں فتح نہیں ہوئی اور کوئی جدید علاقہ سلطنت دہلی میں شامل نہیں ہوا لیکن ممالک محروسہ جو باغیوں و سرکشوں متمردوں سے بھرا ہوا تھا اسکو صاف کیا کسی کو بغاوت و سڈیشن کا خیال تک نہ رہا ہندو مسلمان سب کو سیدھا کیا۔ ملک زراعت تجارت صنعت و حرفت انصاف و دادگستری سے آباد و سرسبز ہو گیا اس انتظام داخلی کے علاوہ اس کا دیگر صوبجات ہند کو تسخیر نہ کرنے کی اسنے خود وجہ بیان کی ہے جو تاریخ فیروز شاہی میں درج ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض امراء نے لالچ یا خوشامد سے ایکدن عرض کی کہ کئی ہندو راجگان ابتک مطیع نہیں ہوئے اور بعض صوبوں میں ابتک لشکر اسلام کا قدم

ہی نہیں پڑا اگر حضور توجہ مبذول فرماویں تو ملکی و مالی فوائد حاصل ہوں گے۔ مآل اندیش اور مدبر پلیمن نے جو جواب دیا وہ اعلےٰ درجہ کی بیدار مغزی رعایا پروری امن دوست ہونے کا ثبوت ہے۔ زمانہ حال کے حریص سلاطین کو اس سے سبق لینا چاہیئے ۔

بلبن کی تقریر

میں بخوبی جانتا ہوں اور میرا تجربہ ہے۔ کہ راجگان ہندوستان کے شکست دینے اور مطیع کرنے کے لئے ۷ یا ۸ ہزار سوار تربیت یافتہ فوج کافی ہے۔ لیکن بعد فتح اگر واپس چلا آنا ہے تو مردم آزاری اور جابرانہ تاخت و تاراج کے سوا اور کوئی فائدہ سلطنت کو نہیں پہنچ سکتا جو عقلاً و نقلاً مفضول ہے۔ اور دوامی قبضہ اور انتظام امن و امان کے لئے ایک لاکھ مسلمانوں کو ہندوستان کے جدید مفتوحہ علاقہ جات کی مختلف چھاونیوں میں مقیم رہنا پڑے گا۔ اور ایسے نازک وقت میں جبکہ کفار مغل نے اسلامی ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے اور ہندوستان پر قریباً نصف صدی سے برابر حملات کر رہے ہیں اور جس قدر ذلیل شکستیں مغلوں نے غازیان ہندوستان سے اب تک کھائی ہیں اور شمشیر ہندوستان نے اس خونخوار قوم کی جس قدر گردنیں اڑائیں ہیں اُس سے اس قوم کے غیظ و غضب کی انتہا نہیں رہی مغلوں کا بچہ بچہ اس داغ ذلت کے مٹانے میں دل و جان سے ساعی ہے اور ہر سال نئے سردار نئے جوش اور نئی فوج کے ساتھ ہندوستان پر حملے کرتے ہیں۔ ہلاکو خاں ہر وقت تاک میں رہتا ہے ایسے وقت میں اگر میں جدید فتوحات کے درپے رہوں تو میری غریب رعایا کا کون محافظ ہوگا۔ پنجاب اور سندھ کی بربادی کے علاوہ دارالخلافہ دہلی کا وہی حال ہوگا جو چند سال پہلے لاہور کا ہو چکا ہے میرے سردار بہادر فوج جان فروش عام مسلمان ملک و ملت کے فدائی ہیں مگر میری غیبت میں کچھ فائدہ نہیں ہوگا پیدہ اور تربیت یافتہ فوج یا محافظ دارالسلطنت ہے۔ میرے ساتھ یا انتظام ممالک دور دست میں تعینات ہوگی مغل کھلے بندوں ہندوستان سے برسوں کا انتقام لیں گے ایسے احتمالات کے ہوتے میں دہلی کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اور سرحدی خطرہ سے بے کھٹکے نہیں رہ سکتا تازہ فتوحات سے موجودہ ملک محروسہ کا دشمنوں کے ہاتھ سے بچانا اور رعیت کی بہبودی اور امن و آمان کے وسائل کو وسیع پیمانہ

پر مہیا کرنا اور ظالم حکام کے ہاتھ سے مظلوموں کو نجات دینا مقدم اور افضل ہے ہر ایک ملک کی ترقی مال و دولت رعایا کی آسودگی اطمینان قلبی تسلی خاطر پر موقوف ہے جس کا مدار نیک نیت سلطان کے عدل و انصاف اور اعلےٰ درجہ کی نظم و نسق پر موقوف ہے تاکہ صرف بیرونی حملہ آوروں سے ہی رعیت کو نجات نہ مل سکے بلکہ اندرونی مفسد۔ چور۔ ڈاکو۔ رشوت خوار ظالم رعیت کو نہ ستا سکیں۔ اور رعیت فارغ البالی سے زراعت۔ تجارت۔ صنعت و حرفت وغیرہ کے کاموں میں مصروف ہو سکے میرے نزدیک تازہ فتوحات سے بڑھ کر سابقہ مقبوضہ ملک کا انتظام ضروری ہے۔

امرا سلطان عادل و بیدار مغز کی یہ تقریر سن کر دنگ رہ گئے۔

بلبن کی فوجی چھاونیاں اور جرنیل

مشرقی اور جنوبی صوبجات کے علاوہ زبردست جنگی اسٹیشن جو مغلوں کی روک تھام کے لئے مقرر تھے حسب ذیل تھے۔

گو ناصر الدین محمود کے عہد میں ہندوستان کا فخر بہادر شیر خاں گورنر پنجاب مغلوں کو دباتا ہوا افغانستان کے وسط میں پہنچ گیا تھا۔ اور غزنی میں شاہ دہلی کا خطبہ بھی پڑھا گیا تھا۔ اور زمانہ حال کی طرح ہندوستان کی اخیری سرحد درہ خیبر تھی مگر تاریخ سے پایا جاتا ہے کہ لاہور سے شمال کیطرف کوئی زبردست چھاؤنی نہ تھی اول تو پنجاب کا شمالی اور مغربی علاقہ لاہور تک ان حملہ آوروں کے ہاتھ سے قریبًا برباد تھا۔ تجارت مسدود زراعت مفقود تھی غریب رعایا تو قتل و نہب کی جاتی تھی یا ادھر ادھر جان بچاتی پھرتی تھی بعض بعض مقامات پر چھوٹے چھوٹے فوجی دستے اس علاقہ میں رہتے تھے۔ جو انتظام ملک کے لئے ضروری تھے یا بیرونی حملہ آور اگر کمتر تعداد میں ہوتے تو اس سے مقابلہ بھی کرتے۔ مگر مغلوں کی فوج کثیر کے مقابلہ کے لئے۔ ملتان۔ دیپالپور۔ سمانہ۔ واقعہ پٹیالہ کی تین زبردست چھاونیاں تھیں جو دہلی کے راستہ میں اور دہلی کو بچانیکے لئے مستحکم کی گئی تھیں۔ لاہور جب تک کہ بلبن نے دوبارہ آباد اور قلعہ جدید تعمیر نہ کیا معمولی چھاونی رہا۔ ان چھاونیوں کی کمان مشہور جان باز سرداروں کے ہاتھ رہتی تھی۔

بہادر شیر خاں

شیر خاں بلبن کا چچازاد بھائی۔ اور سلطان سعید شمس الدین التمش کا تربیت یافتہ غلام چہل گانی تھا۔ التمش۔ اور اس کی اولاد کے عہد میں مختلف عہدوں پر ممتاز رہا اور ہر ایک زمانہ میں اپنی بیش بہا خدمات سے دن بدن زیادہ معزز ہوتا رہا سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں جبکہ بلبن وزیر تھا مغلوں کے حملات روکنے کی کڑی اور اہم خدمت اسی بہادر کے ذمہ تھی۔ پہلے ملتان اور دیپال پور کا گورنر اور فوجی جرنیل بھٹنڈہ اور بھٹنڈا کے قلعے اور گنبد اسی کے ترمیم و تعمیر شدہ ہیں۔ بعد میں۔ لاہور سنام۔ سمانہ کی حکومت دی گئی۔ اور کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ اور یہ اس کی خدمات جلیلہ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ اعزاز نہ تھا۔ ناصر الدین محمود کے عہد میں مغلوں کے تعاقب میں کوہ سلیمان کی ہولناک گھاٹیوں کو برق کی طرح عبور کرنا اور ملکی جنگ کی داد دینا۔ اور ہندوستانی شمشیر کے جوہر دکھاتا ہوا قلب افغانستان میں پہنچ گیا۔ اور غزنی کو فتح کر کے تخمیناً چالیس سال بعد شاہ اسلام کا خطبہ پڑھ کر اسلام کو دوبالا اور محمود کی روح کو خوش کیا۔ اور مغلوں کے ہر ایک فرد کو اپنی شیرانہ صولت سے مبہوت کر دیا شیر خاں کے ایام زندگی میں مغلوں کو حوصلہ نہ پڑا۔ کہ سرحد ہندوستان پر دست اندازی کر سکیں افسوس ہے کہ ایسے جوانمرد قومی خادم محافظ اسلام کی موت کو بلبن کی بدگمانی و کارستانی کا نتیجہ لکھا ہے۔ اگر واقعی شیر خاں کو زہر دیا گیا اور زہر خورانی بلبن کے اشارہ سے ہوئی تو بلبن کے چال و چلن پر ایک بدنما دھبہ ہے اگرچہ پولٹیکل نگاہ سے ایسے واقعات معمولی خیال کئے جا سکتے ہیں اور بدگمانی کی حالت میں خطرہ والی چیز اور شخص کو دور نہ کرنا بے احتیاطی اور نادانی میں تصور ہوتا ہے۔ اور اکثر شاہان اولوالعزم ایسے افعال کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ اور بلبن بھی انہیں مدبران ملکی اور شاہان پالیٹشن میں تھا۔ پائمالی اعدا اور استحکام سلطنت میں مشروع و غیر مشروع امور کا خیال نہ کرتا تھا اور سزائیں سخت دیتا تھا۔ مگر شیر خاں بقول ضیاء برنی عہد بلبن میں پانچ سال تک زندہ رہا۔ اور ساقی نے شراب میں زہر دے کر ہلاک کیا۔ اور ساقی کا فعل بلبن سے نسبت کیا گیا ہے۔ وجہ یہ لکھی ہے۔ کہ چونکہ بلبن امرائے شمسی چہل گانی میں سے بعض کو ٹھکانے لگا چکا تھا۔ شیر خاں کو بھی وہم ہوا

کہ کہیں مجھسے بھی ویسا ہی سلوک نہ کرے اور دہلی بلبن کے پاس نہ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدگمانی شیر خاں کی طرف سے شروع ہوئی۔ گو بلبن دیگر غلامان القش سے بدسلوکی کر چکا تھا۔ مگر ایک تو وہ بلبن کو خیال میں نہ لاتے تھے اور خیالات فاسد رکھتے تھے دوئم غیر کفو تھے بلبن کی سلطنت سے اُن کو کوئی خاندانی تعلق نہ تھا اس لئے ان کی متمردانہ حرکات سے بلبن بے فکر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے جائز ناجائز سلوک کرتا رہا۔ مگر ایک تو شیر خاں بلبن کا چچازاد بھائی تھا۔ ایک خون ایک نسل تھی بلبن کو شیر خاں سے وہ اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو غیروں سے دوئم اب تک نہ تو بلبن نے کوئی علانیہ بدسلوکی کی تھی۔ اور نہ شیر خاں سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی جس سے بلبن کو شیر خاں کا دفع کرنا لازم ہوتا شیر خاں اگر دہلی نہیں گیا تو سرحدی مشکلات کی وجہ سے نہیں گیا اگر بلبن کے بلانے پر نہیں گیا۔ تو شیر خاں اور بلبن کی ناچاقی ثابت ہو سکتی ہے۔ اور زہر کی نسبت بلبن کو دیجا سکتی ہے مگر تاریخ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ بلبن نے دہلی بلایا اور شیر خاں نہیں گیا +

پس میرے خیال میں بلبن زہر خورانی کے جرم سے بے گناہ ہے۔ شیر خاں تیس سال تک سدباجوج و ماجوج رہا۔ اور ہندوستان کی ڈھال اور اسلام کی شمشیر بُرّان کا کام دیتا رہا۔ شیر خاں کا ثانی ہندوستان میں پھر کوئی پیدا نہیں ہوا خان شہید محمد سلطان۔ ظفر خاں۔ غازی بیگ تغلق۔ عبدالرحیم خاں خاناں۔ دوئم نمبر کے سپہ سالار ہیں +

خان شہید سلطان محمدؒ بن بلبن

شیر خاں کے بعد تمر خاں غلام شمسی کو صوبہ پنجاب دیا گیا۔ مگر اس کے عہد میں مغلوں کے حملات شروع ہو گئے۔ علاوہ اس کے پنجاب کی زمیندار قومیں جاٹ۔ بھٹی کھوکھر۔ مہنی۔ منداہر وغیرہ جو شیر خاں کی صولت و سطوت انتظام و دہشت سے بقول ضیاء برنی سوراخ موش میں گھس گئے تھے سرکشی و بغاوت چوری و راہزنی پر تل کھڑے ہوئے۔ بلبن جبکہ دوآبہ جمنا و گنگا کی قوم کاہر کی سرکوبی کر چکا۔ اور میواتی ڈاکو جو دیوار دہلی تک رعیت کے مال و جان کو معرض خطر میں ڈالتے تھے ایک لاکھ یا کم و بیش

باغیوں کے قتل اور جنگلات کے کاٹنے سے جو میوانیوں کے مامن و ملجا تھے اور جدید دیہات کی آبادی اور پولیس کے تھانوں کے قیام سے بخوبی انتظام کر چکا تو اپنے بڑے شاہزادے محمد سلطان کو ملتان - دیپالپور - لاہور - سمانہ کی فوجی کمان دی - مورخوں نے جس قدر اس شاہزادے کے اوصاف و اخلاق لکھے ہیں اس سے بڑھ کر اور کسی کی تعریف نہیں پائی جاتی - اس کی وجہ زیادہ تر یہ معلوم ہوتی ہے - کہ یہ شاہزادہ سرپرست علوم و فنون علم دوست خادم علماء و صوفیاء فیاض و جواد تھا - اس عہد کے چیدہ اور مشہور فضلاے اس کے دربار کی زینت تھے - اور وہ ان جسمانی و روحانی معلموں کی کمال عزت و قدر کرتا جن کے باعث علم و فن کی بنیاد ہندوستان میں پڑی پس ہر ایک اہل قلم جو علمی ترقی کا خواہاں ہے وہ محمد سلطان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا - اور تاریخ کو ایسے مفید اخلاق حالات سے خالی نہیں رکھ سکتا - سلاطین نامدار اور رؤساء ذی وقار کو شاہزادہ محمد سلطان کی علمی خدمات پر غور کرتے ہوئے سوچنا چاہیئے - کہ بلبن کے بعد سینکڑوں مورخ گذرے ہیں - جنکو مرحوم شاہزادہ اور بادشاہ سے کسی امید و بیم کا خیال نہ تھا - مگر ہر ایک مورخ نے اس کی علمی سرپرستی کا اعتراف کیا ہے اور تاریخ میں اس کی یادگار حقیقی کو قائم رکھا ہے تاریخ سے بڑھ کر اور کوئی یادگار نہیں ہو سکتی افسوس کہ آج ہندوستان میں اس کا کوئی رئیس قدردان نہیں - مگر خدا کا شکر ہے کہ انگریزی تعلیم کے اثر سے ہندوستان کی پبلک اس مفید علم کی طرف راغب ہو چلی ہے - اور امید ہے کہ چند سال بعد کئی ایک نوجوان علم تاریخ کے لائق مصنف پیدا ہوں گے +

شاہزادہ محمد سلطان کی مجلس میں علماء و فضلاء کے علمی مباحثے ہوتے مفید اخلاق کتب شاہنامہ - دیوان ثنائی - خاقانی - خمسہ شیخ نظامی وغیرہ پڑھے جاتے - اور ان بزرگوں کے اشعار پر فضلائے دربار بحث کرتے جو ایک قسم کے اخلاقی لکچر تھے - نظامی - خاقانی - ثنائی جو فلسفہ اسلام کے فلاسفر تھے اور تصوف کے عالم باعمل ان کی کلام عموماً حکمت و اخلاق سے معمور ہے - حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ جن کا ثانی ہندوستان میں آج تک کوئی صوفی مشرب شاعر علامہ پیدا نہیں ہوا - وہ شہزادہ محمد سلطان کو جان سے عزیز تھا وہی ان مجالس کی روح رواں تھا - ان کا رفیق و شفیق امیر حسن بھی اپنے عہد کا بینظیر فلاسفر و شاعر تھا - بقول ضیاء برنی پانچ سال تک شہزادہ

محمد سلطان کے پاس دونوں رہے۔ شاہزادہ موہب و مہذب اس قدر تھا کہ اگر تمام رات خان ایک جگہ مسند امارت پر بیٹھنا پڑتا تو زانوے ادب کو نہ اٹھاتا۔ امیر خسرو فرماتے ہیں۔ کہ میں کبھی شاہزادہ کو پالتھی مار کر (مربع) بیٹھے نہیں دیکھا علماء فضلاء کو ڈھونڈھ کر ملتان منگواتا۔ چنانچہ شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کو ملتان آنے کیلئے دو دفعہ لکھا شیخ صاحب نے بڑھاپے کا عذر کیا اور امیر خسرو کی سفارش کی شیخ صاحب عالم جوانی میں ہندوستان کی سیاحت کر چکے تھے جیسا کہ وہ بوستان میں لکھتے ہیں کہ میں سومنات سے ؎

بہند آمدم بعد ازاں رستخیز ۔۔۔ وزاں جا براہ یمن تا جمیز

شاہزادہ نے ملتان میں سعدی کے لئے خانقاہ بنانی اور جاگیر دینی چاہتا تھا۔ درویشوں کا اس قدر معتقد تھا کہ شیخ عثمان رحمتہ اللہ علیہ جب ملتان آئے شاہزادہ نے بہت کچھ نذر و نیاز پیش کی اور اُن کیلئے خانقاہ بنانے اور ملتان رہنے کی درخواست کی مگر شیخ عثمانؒ نے منظور نہ کیا ایک دن شیخ عثمان رح اور شیخ قدوہ خلف حضرت بہاء الدین ذکریا کی دعوت کی مجلس سماع میں درویش وجد رقص کرنے لگے شاہزادہ حالت وجد میں دست بستہ کھڑا رہا اور زار و زار روتا تھا سخن فہمی اور رقت کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی وعظ و نصیحت کا شعر سنتا رقت سے رونے لگتا اور عمل کرتا۔ خان شہید نے مغلوں کے روکنے کا خوب انتظام کیا مغل ہر بار خان شہید سے شکست کھا کر پنجاب سے نکالے جاتے رہے خان شہید ہر سال خزانہ اور قیمتی ڈالی لے کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور باپ بیٹے کی ملاقات بقول ؎ خوشا وقتے و خورم روزگارے ۔ کہ یارے برخوردا ز وصل یارے ۔ محظوظ کرتا اخیر وقت جبکہ پھر محمد سلطان واپس نہیں ہوا اور جاتے ہی شہید ہو گیا چلتے وقت بلبن نے محمد سلطان کو مندرجہ ذیل نصائح کیں ۔

بلبن کی نصائح انتظامی و اخلاقی

بقول ضیاء برنی یہ نصائح بطور وصیت نامہ بلبن کی زبانی خود خان شہید نے لکھی تھیں :۔

فرزند من ؛ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ساٹھ سال سے خان۔ ملک یا بادشاہ ہوں سلطنت و حکومت کے تجربے حاصل کئے ہیں چونکہ تم میرے ولیعہد ہو اس لئے وہ

تجربے بطور وصیت کے لکھاتا ہوں تاکہ تمہارے کام آئیں:۔

(۱) یہ کہ جب تخت نشین ہو تو کارجہانداری کو جو درحقیقت خلافت خدائیتعالے ہے آسان وخفیف نہ جانو اور برے اعمال اور رذیل عادات سے بادشاہی عزت و وقار کو شبہ نہ لگاؤ۔ اور بدچلن بدخو لیام کو عہدہ نہ دینا:۔

(۲) قہر وسطوت کو اپنے محل و جگہ پر رہنے دینا بے موقعہ استعمال نہ کرنا۔ اغراض نفسانی سے پرہیز کرنا ہر ایک کام کو خدا کی رضامندی اور اطاعت کیلئے کرنا۔ شاہی خزانوں کو رفاہ عامہ اور ترقی علوم وفنون حصول رضائے الٰہی و مطابق شریعت رسالت پناہی خرچ کرنا اور رعایا کو ستانے والے اور جبر وتشدد کرنے والے ظالموں کو معزول معتوب اور اعدائے دین کو منکوب ومقہور رکھنا تاکہ ان کے سبب سے رعایا میں بیدینی والحاد کو رواج نہ ہو۔ اور اخلاق حسنہ اور عادات شریفانہ کی عام ترغیب ہو:۔

(۳) عہدہ داران و ملازمان شاہی کے حالات وحرکات اور عام سلوک سے ہمیشہ باخبر اور ہوشیار رہنا انکو محاسن اخلاق اور فضائل کی تحریص انعام واکرام ترقی جاہ و مناصب سے دیتے رہنا:۔

(۴) قاضی (سول جج) وحکام (اگزکٹو) متدین ومتقی خدا ترس مقرر کیا کرنا تاکہ ملک میں عدل وانصاف خدا ترسی دینداری کا رواج ہو:۔

(۵) یہ کہ خلوت وجلوت میں بادشاہی عظمت وحشمت اور سلطانی عزت وقار کا لحاظ رکھیں۔ ہزل وفحش اور ٹھٹھہ مخول وتمسخر وبیہودہ گوئی لایعنی باتوں سے پرہیز کریں کہ اس سے عزت ومحبت کم اور نفرت اور عداوت زیادہ ہوتی ہے ہیبت و وقار کا نام نہیں رہتا ؎ کہ ہزل باہمہ کس کم کند مہابت را:۔

(۶) نیک اندیش صلحاء وعلماء زاہد وعباد کی امداد وستگیری وخاطرداری میں کوتاہی نہ کرنا اہل حرفہ وصنعت اور لایق اشخاص کی تربیت کرنا تاکہ ملک کی ترقی اور رعایا کی خوشحالی زیادہ ہو۔ جو لوگ خدا سے نہیں ڈرتے اُن سے کسی قسم کی امید وفا نہ رکھنا ایسے لوگوں سے دوری اور بیگانگی ہی بہتر ہے ورنہ ملک ودین میں فساد اور خلل پیدا ہوگا:۔

(۷) ہمت و بادشاہی لازم وملزوم ہیں اور عقلاء وحکماء نے اِن دونوں کو برادران توام لکھا ہے اور کہا ہے کہ عوام سے بڑھکر بادشاہوں کی ہمت ہونی چاہیئے بے ہمت اور

بزدل آرام طلب کبھی بادشاہ نہیں رہ سکتا۔ وہی بادشاہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو عالی ہمت اولوالعزم ہو:۔

(۸) جس شخص کو بزرگ بناؤ اور معزز عہدہ پر پہنچاؤ اس کو جلدی کسی کی چغلی اور حسد سے نہ گراؤ معمولی قصوروں سے درگذر کرو۔ خیر خواہان مخلص کو اشد ملکی ضرورت کے بغیر نہ ستاؤ اور دوست کو دشمن نہ بناؤ۔ ؎

ہر سرے را کہ خود برافرازی ناتوانی ز پائے نیندازی

سزا دینے میں جلدی نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ بے حرمتی کا جرم جلد نہیں بھرتا اور اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اگر ضرورت ملکی سے سزا دینی پڑے تو بھی سوچ سمجھ کر بعد تحقیقات کامل سزاء ایسی دیا کریں کہ جس کی تلافی ہو سکے:۔

(۹) سخن چین چغل خور کی بات نہ سنو بلکہ اس کو اپنے پاس ہی نہ آنے دو اور مخلص و خیر خواہ تابعدار دوست بھی ہراساں رہیں گے اور امور سلطنت میں خلل عظیم پڑے گا جس مہم میں مشکلات اور موانع اس قسم کے ہوں کہ کامیابی نہ ہو سکے اس مہم کو شروع نہ کرو اور جب کوئی کام شروع کر دو اس کو پورا کرو کیونکہ بادشاہوں کے لئے یہ امر سخت معیوب ہے کہ کسی کام کو شروع کر کے ناتمام چھوڑ دیں ؎

تا نکنی جائے قدم استوار پائے منہ در طلب ہیچ کار

(۱۰) عاقلوں کی مشورت بغیر کسی کام کا عزم نہ کرو۔ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا پابند رہو۔ جو کام ماتحت کر سکتے ہوں خود وہ کام نہ کرو۔ سلطنت کے جملہ امور سے باخبر رہنا اور خلق کے نیک و بد سے آگاہ رہنا بادشاہ کا فرض ہے۔ معاملات میں میانہ روی چاہیئے کیونکہ سختی سے تنفر اور سستی و نرمی سے نمرد بڑھتا ہے:۔

(۱۱) اپنی محافظت میں مبالغہ کریں۔ باڈی گارڈ معتمد اور مخلص وفادار اور جان باز رکھیں اور ان کو خاص طور سے گرویدہ احسان رکھیں:۔

(۱۲) اپنے بھائی پر مہربانی کرنی چاہیئے۔ اس کی غیبت کبھی سننی نہیں چاہیئے اس کو اپنا قوت بازو تصور کریں۔ اس کی جاگیر و علاقہ بحال رکھیں:۔

بادشاہ دین پناہ نے یہ ساری نصیحتیں لکھ کر شاہزادہ کو روانہ ملتان کیا۔ جہاں وہ مغلوں کے ہاتھ سے شہید ہوا جس کا ذکر آگے کیا جائے گا:۔

نوٹ مؤلف بر نصائح بلبن

ناظرین غور کریں کہ کیا اس سے بڑھ کر رعیت پروری اور انتظام سلطنت کے لئے کوئی اور رائے یا تجویز ہو سکتی ہے۔ ولیعہد سلطنت کو جسے ہندوستان کا بادشاہ آئندہ ہونا تھا اُس کو یہ دستور العمل لکھ کر دیا جاتا ہے۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہی نہ تھیں بلکہ بلبن نے اپنے طویل عہد سلطنت میں عمل کر کے دکھلا دیا تھا۔ ملک کا امن و امان رعیت کی خوشحالی۔ عدل و انصاف کا رواج علمی ترقی انہیں امور پر موقوف ہے جن پر کہ بلبن کا عمل تھا۔ افسوس کہ مورخین یورپ نے ایسے اخلاقی واقعات کو قلم انداز کر دیا اور ہندوستانی نسلیں ہندوستان کی مفید تاریخ سے نابلد رہ گئیں ٭

علمی کالج اور فاضل

کالج سے مراد وہ اعلےٰ مدرسہ ہے جس میں علوم معقول و منقول دونوں کی تعلیم دیجاتی ہو۔ بلبن کے عہد میں ایسے کئی ایک اعلےٰ مدارس تھے جن میں فقہ۔ حدیث۔ تفسیر کے علاوہ طب۔ منطق۔ فلسفہ۔ سائنس۔ ریاضی وغیرہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ ایسے فاضلوں کی تعداد جو مختلف جگہوں میں تعلیم علوم دیتے تھے ضیاء برنی نے چودہ لکھی ہے گویا بلبن کے عہد میں اعلےٰ مدارس (کالج) چودہ تھے۔ اُن کالجوں کے اخراجات کا بوجھ رعایا یا طلبہ پر نہ تھا۔ بلکہ خزانہ شاہی پر جس کی تقلید میں امرائے سلطنت بھی علمی فیاضیاں دکھاتے تھے جس کا اثر ہندو رعایا کی اخلاقی و معاشرتی امور پر پڑتا تھا ٭

روحانی معلم مدارس علم الٰہی

التمش کے عہد میں چالیس مشائخ عظام نے ہندوستان میں الٰہیات کے مدارس (خانقاہیں) جاری کر رکھے تھے۔ جن میں سے سرکردہ اولیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ مدارس بھی بدستور عہد بلبن میں جاری تھے اُن صوفیائے کرام کے فیضان تعلیم سے اور ہزاروں درویش خلفائے روحانی تعلیم پاکر اطراف ہندوستان میں امر معروف اور نہی عن المنکر کا فرض بجالاتے اور اخلاق کا بیج بوتے۔ خود بلبن حضرت فرید الدین گنج شکر

کا مرید تھا اور بقول مولف قصر عارفان بلبن نے اپنی بیٹی کا نکاح بھی حضرت گنج شکر سے کر دیا تھا قطب جمال ہانسوی اور حضرت صابر صاحب کا شہرہ تھا شیخ المشایخ نظام الدین کا شروع زمانہ تھا جنکا حال فرخندہ مال عہد علاء الدین میں قلمبند ہوگا۔ اشاعت اسلام کے ذرائع یہی بزرگان باکمال تھے جن کے علم و عمل قول و فعل صداقت و کرامت سے ہندوستان کی قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تھیں اور جبر کا ذرہ بھر بھی امکان نہ تھا +

شاہزادہ محمدؐ سلطان کی شہادت

بہادر سلطان محمدؐ نے حملہ آور مغلوں کو جو پنجاب اور ملتان پر بار بار حملات کرتے اور ملک کو لوٹتے تھے شکست دے کر ملک سے نکال دیا۔ اور ہزارہا مغلوں کو قتل کیا تھا۔ اس انتقام کے لئے تیمور خاں مغل نے جو چنگیزی امرا میں سے نہایت طاقتور اور افغانستان خراسان بلخ و بدخشاں کا گورنر تھا ایک لاکھ بیس ہزار سوار جرار سے پنجاب پر حملہ کیا اور لاہور اور دیپال پور کا درمیانی علاقہ لوٹ کر ملتان کی طرف متوجہ ہوا۔ محمد سلطان یہ خبر سنکر مقابلہ کو نکلا اور دریائے راوی کے کنارہ پر جنگ شدید کے بعد کئی سرداران مغل قتل ہوئے اور خود تیمور خاں بھاگ گیا۔ امرائے ہندوستان نے جوش تہور میں حزم و احتیاط کو چھوڑ کر مغلوں کا تعاقب کیا۔ محمد سلطان نے نماز ظہر نہیں پڑھی تھی اثنائے تعاقب میں ایک تالاب پر وضو کرکے پانچسو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ اس اثنا میں ایک مغل سردار جو کمین میں بیٹھا تھا دو ہزار سوار سے محمد سلطان پر حملہ آور ہوا اور محمد سلطان بھی نماز سے فارغ ہوکر ساتھیوں کو سوار کرا کر لڑنے لگا اور حملات متواترہ سے مغلوں کو خستہ حال کر دیا اور قریب تھا کہ مظفر و منصور ہو کہ ناگاہ ایک تیر ناگہانی مقتل پر آکر لگا اور شہادت کا تاج پہنکر بقول ؎

شہیدے کہ جاں در رہش میدہد ۔۔۔ بحشر بسر تاج عزت نہد

داخل فردوس بریں ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مغل اسی کو غنیمت جان کر باقی ہندوستانی فوج کی شمولیت کے خوف سے پنجاب سے نکل گئے۔ کئی ہندوستانی امرا جن میں امیر خسرو دہلوی بھی تھے قید ہو گئے۔ امیر خسرو مشکل سے رہا ہوئے۔ امیر خسرو نے جو مرثیہ خان شہید کا لکھا ہے۔ اور چونکہ شہادت وقت غروب تھی اسلئے

شعر ذیل نہایت پر زور اور موزون کہا ہے ؎

روزچوں باقی نبود آں آفتاب ملک را ٭ روز چیزے بود کان آفتاب افتادہ شد

اس ہونہار بہادر لائق شاہزادہ کی موت پر چھوٹے بڑے آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے بلبن کو صدمہ عظیم ہوا۔ ظاہر میں استقلال طبع دکھاتا تھا مگر رات کو زار و زار روتا تھا اور بیٹے کے غم میں پتاسے کی طرح گھلتا جاتا تھا سچ ہے ؎

اللہ نہ دکھائے یہ الم نور نظر کا ٭ بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

عمر بھی اسّی برس سے زیادہ ہو چکی تھی اس لئے وہ نہایت کمزور اور بیمار ہو گیا۔ دوسرا بیٹا بغراخاں گورنر بنگالہ اور کیخسرو ولد خان شہید جسکو باپ کی جگہ حاکم ملتان کیا تھا اور کیقباد ولد بغراخاں یہ تینوں اُسکے وارث تھے کیخسرو اور کیقباد دونوں نوخیز جوان ناتجربہ کار تھے بغراخاں اگرچہ آرام طلب کاہل تھا اور بلبن اُس کو پسند نہ کرتا تھا۔ مگر پوتوں سے بہت عمر رسیدہ گرم و سرد چشیدہ تھا۔ بغراخاں کو بُلایا اور کہا کہ میں قریب المرگ ہوں۔ ایسے وقت میں مجھ سے علیحدہ نہ ہونا تیرے سوا میرا کوئی اور وارث ملک نہیں۔ کیخسرو اور کیقباد نوجوان ناتجربہ کار ہیں۔ اگر وہ بادشاہ ہوئے تو غلبہ جوانی اور ہوا پرستی سے ملک کو بازیچہ طفلاں بنائیں گے ہمارے خاندان سے سلطنت جاتی رہے گی اب میرے پاس سے اور کہیں نہ جانا۔ بغراخاں نے باپ کے کہنے کو تسلیم کیا مگر جب بلبن کو ذرہ صحت حاصل ہوئی اور تخت سے کچھ عرصہ کے لئے ناامیدی ہوئی تو بلا اجازت شکار کے بہانہ سے بنگالہ کو روانہ ہو گیا۔ اور بوڑھے باپ کو خان شہید کی فوتیدگی سے زیادہ رنج میں مبتلا کر گیا ٭

بلبن کا ہندوؤں کو معزز عہدہ نہ دینا

یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ بلبن ہندوؤں کو معزز عہدے نہ دیتا تھا اگر یہ صحیح بھی ہو۔ تو اُس وقت کی قومی ضروریات اور پولٹیکل حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بلبن معذور پایا جاتا ہے۔ سب سے اول تو وہ ناگوار تجربہ تھا۔ جو سلطان محمود غزنوی اور اُس کی اولاد نے ہندوؤں کو اعلےٰ عہدے دینے اور ہندوؤں کی فوجی طاقت بڑھانے سے اخلاف کے لئے چھوڑا تھا عہد غزنوی میں ہندوؤں کی فوجی طاقت نے بااصول

نشو و نما پاکر سلطان محمدؒ غوری کو دو دفعہ شکست دی اور آخر مسلمانوں نے کامل جہادی جوش سے ہندو طاقت کو پائمال کیا۔ محمدؒ غوری کے جانشین سلاطین غلام اس تجربہ کو یاد رکھتے تھے اور مفتوح قوم کی نظروں میں قوم فاتح کا رعب گھٹانا اور مثل سابق مشکلات ملکی کا بڑھانا پسند نہ کرتے تھے اور وقت اور زمانہ کے مناسب فوجی اور ملکی عہدوں کا دینا ہر ایک گورنمنٹ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ گورنمنٹ اگر مفتوح قوم سے ایسا نجل کرے تو پولیٹیکل نگاہ سے معیوب نہیں ہے۔ ہر ایک گورنمنٹ اپنی سلطنت کی تدابیر استحکام کو مفتوح قوم سے بہتر سمجھتی ہے۔ اور مصلحت ملکی کو مقدم رکھتی ہے۔ اور انتظامی سکیم بدلتی رہتی ہے۔ اس خیال سے بلبن قابل اعتراض نہیں ہے:۔

دوئیم۔ بلبن صرف ہندوؤں کو اعلےٰ عہدے دینے کے برخلاف ہی نہ تھا بلکہ اُن مسلمانوں کو بھی اعلےٰ عہدے نہ دیتا بلکہ ملازم تک نہ رکھتا تھا جو ادنےٰ خاندانوں سے ہوتے۔ اِس کو شاہی غرور سمجھو یا داغ غلامی کو چھپانے اور اپنی افراسیابی نسل کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ مگر اس کے بارہ میں وزرائے سلطنت کو سخت احکام دے رکھے تھے اور اُس کے آقا التمش کا بھی کم و بیش اسپر عمل تھا یہ پالیسی بقول فلاسفر شیرازی ؎

عمل گر وہی مرد منعم شناس کہ مفلس نذارد ز سلطان ہراس

کے مطابق چنداں معیوب نہ تھی گو مہذب اور روشن خیال اسکو علمی اور اخلاقی ترقی میں بارج اور دون ہمتی کا موید خیال کرتے ہیں مگر ہندوستان کی آب و ہوا بھی کچھ ایسی ہے کہ علم دوست انگریزی گورنمنٹ نے بھی نصف صدی کی پرزور حکومت کے بعد فوجی ملازمت میں قوموں کی تخصیص اور ملکی عہدوں کے لئے خاندانی ہونے کی شرط لگادی ہے۔ امیدوار خواہ کتنا ہی پرجوش جان باز مضبوط تنومند ہو فوج میں نہیں لیا جاتا جب تک کہ مخصوص قوموں سے نہ ہو۔ سول میں خواہ کس قدر لایق فایق تعلیم یافتہ ہو مگر غریب خاندان کے ممبر کی کبھی سفارش ملازمت نہیں کیجاتی۔ بلبن کا طرز عمل بھی اسی قسم کا تھا۔ اور صرف ہندوؤں سے ہی نہیں بلکہ غریب مسلمان زیادہ معتوب تھے:۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ بلبن کے عہد میں مغلوں کے ہاتھ سے ترکستان۔ افغانستان خراسان۔ ایران۔ عراق کے لاکھوں خاندانی مسلمان بھاگ کر دہلی پہنچ گئے تھے اور یہ لوگ عموماً ملازمت پیشہ تھے ان کی پرورش ضروری تھی مفت خوری کے صیغہ میں شاہی خزانہ

کہاں تک ان کا بوجھ سہار سکتا تھا۔ بہتر طریق یہی تھا کہ ان تارکان وطن کو سرکاری خدمات دے کر کسی کام پر لگایا جاتا۔ اس قدر مسلمان امیدواروں کی ہجوم میں ہندو جو اپنے گھر بار میں آباد تھے اور شاہی ملازمت کے اس قدر محتاج نہ تھے کس طرح اعلےٰ عہدوں پر سرفراز ہو سکتے تھے۔ ان غیر ممالک کے مسلمانوں کی آمد سے جن میں اہل قلم اور اہل شمشیر دونوں تھے ہندوستان کے رہنے والے ہندو مسلمانوں کے حقوق پر اثر پڑا اور پڑنا ہی تھا ہر ایک گورنمنٹ اپنی قوم کی شکم پروری کا خیال مقدم رکھتی ہے۔ اور اسی ضرورت نے بلبن کے عہد میں ہندوؤں کے لئے دائرہ ملازمت تنگ کر دیا تھا۔

عام انتظام

ان جملہ وجوہات پر غور کرنے سے بلبن کا دامن تعصب سے پاک نظر آتا ہے جو کچھ اس نے کیا۔ ملکی اور قومی ضرورتوں کی وجہ سے کیا۔ ورنہ جس قسم کا امن و امان بلبن کے عہد میں ہندوؤں کو حاصل ہوا۔ وہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ چوری۔ راہزنی۔ رشوت۔ ظلم کا نام تک نہ رہا عدل و داد معدلت گستری حکام کا شیوہ تھا۔ پولیس کسی واردات کو اخفا نہ کر سکتی تھی۔ گورنروں تک کے ذرہ ذرہ خفیہ حالات بلبن کے کان تک پہنچ جاتے اور بلبن کے زبردست ہاتھوں اور بے رورعایت فیصلہ سے کوئی نہ بچ سکتا تھا۔ جیسا کہ دو معزز عہدہ داروں کو سزایابی کا حال لکھا گیا ہے۔

طغرل حاکم بنگالہ کی بغاوت

اگرچہ بلبن اپنے عہد سلطنت میں لڑائی اور فوج کشی سے محترز رہا۔ اور مغلوں کے خوف سے اپنی فوج کو کسی جدید علاقہ کی تسخیر پر نہ لگا سکا اور دہلی سے دور غیر حاضر رہنا مناسب نہ جانا مگر طغرل حاکم بنگالہ کی بغاوت نے ثابت کر دیا کہ اگرچہ بلبن ہندوستان کے اندر کسی نئی لڑائی یا چڑھائی کے برخلاف ہے مگر وہ اپنے محروسہ ممالک میں سے کسی علاقہ کے نکل جانے کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ اور ماتحت علاقہ کے ضبط و ربط کی کافی طاقت رکھتا ہے :-

طغرل خان بلبن کا غلام نمک پروردہ تھا۔ بہادر سخی فیاض گورنری بنگالہ پر ممتاز

تھا۔ جاج نگر (جاجپور) کی فتح سے مال و دولت اور ہاتھی کثرت سے اُس کے ہاتھ لگے
یلدز نے چونکہ عام فوج کشی سے ہاتھ اٹھا رکھا تھا۔ اور مغلوں کے حملات کے خوف
سے دار الخلافہ سے دور نہیں جا سکتا تھا۔ اور اس کے دونوں بیٹے ملتان اور سمانہ
واقعہ پنجاب کی جنگی چھاونیوں کی کمان کرتے تھے اور حفاظت سرحد کے ذمہ دار تھے پنجاب
سے ان کی علیحدگی کسی طرح ممکن ہی نہ تھی اور بادشاہ بوڑھا بھی ہو گیا تھا سو اُن کے
اور کوئی جرنیل دسردار طغرل کے مقابلہ کے قابل نہ تھا ان تمام وجوہات خصوصاً بنگالہ
کی آب و ہوا نے جس کی بابت فاضل ضیا برنی نے قریباً چھ سو سال آج سے پہلے اس ملک
کے مدبران کی رائے حسب ذیل لکھی ہے۔ باغی ہو گیا۔ اور اپنا لقب سلطان
مغیث الدین طغرل رکھا۔

بنگالیوں کی نسبت متقدمین کی رائے

(فارسی) تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ فاضل مورخ ضیاء برنی صفحہ ۳۲۵ سطر ۱۰ میں لکھا ہے
کہ دانایان و تجربہ یافتگان لکھنوتی را بلغاکپور
خواندندے کہ از قدیم الایام از آں باز کہ
سلطان معز الدین محمد سام دہلی را فتح
کرد ہر والی راکہ بادشاہان دہلی لکھنوتی
دادہ اند از جہت آنکہ لکھنوتی دور است و
عرصہ بسے فراخ و دراز است و از دہلی تا
آنجا عقبات بسیار بیشتر آنست کہ آن والئے
بغی و طغیان ورزیدہ است و اگر والی بغی نہ کردہ
است دیگران بر و بغی کردہ اند و او را کشتہ و ملک
فرو گرفتہ و سالہائے فراواں است کہ اہل آں دیار
را بغی و ورزیدن خوئے و طبیعت گشتہ الخ:۔

(ترجمہ) دانا تجربہ کار لکھنوتی (بنگال) کو باغیپو
کہتے ہیں۔ کیونکہ جب سے سلطان محمد غوری
نے دہلی فتح کی شاہان دہلی جس کو گورنر بنگالہ
مقرر کرتے رہے وہ بخیال اس کے
کہ بنگالہ دہلی سے دور اور وسیع و
زر خیز صوبہ اور بنگالہ پہنچنے تک
کئی ایک مشکلات ہیں۔ اکثر بغاوت
اختیار کرتا رہا۔ اور اگر خود گورنر باغی نہیں
ہوا تو بنگالی اس سے باغی ہوتے رہے اس
کو مار کر ملک پر قابض ہوتے رہے اور
صدیوں سے بغاوت بنگالیوں کی عادت
خو ہو چکی ہے:۔

اس عہد کے بعد بنگالہ میں بغاوتیں ہوتی رہیں۔ خاندان تغلق۔ سادات۔ لودہی کے عہد میں بنگالہ عموماً خود مختار رہا۔ بہادر شیر خاں اسی بنگالہ سے نکلا۔ اور تخت دہلی پر قابض ہوا۔ داؤد اور جید افغان اسی آب و ہوا کی تربیت یافتہ تھے۔ جنہوں نے اکبری فوجوں کے بارہا منہ توڑ مقابلہ کئے محمد شاہ مغل کے عہد میں سب سے پہلے علی ویردیخاں نے آقا کشی کر کے بنگالہ پر غاصبانہ قبضہ جمایا تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء کی بنیاد اسی بنگالہ سے ہوئی تھی۔ اور موجودہ عہد کا ایجیٹیشن یا شورش بھی بنگالہ ہی میں نمودار ہوا تھا۔ یہ واقعات میں نے کسی طنز و تشنیع کے خیال سے نہیں لکھے بلکہ تاریخی طور سے یہ دکھانا منظور ہے کہ ہندوستان میں صوبہ بنگالہ ہی اس قسم کا ہے۔ کہ جن کو غلطی سے بزدل و نامرد کہا جاتا ہے مگر تاریخ بتاتی ہے کہ سلاطین ہندوستان کو ہمیشہ بنگال ہی چنے چبا تا رہا:۔

بنگالی ہمیشہ متمول رہے اور غور و ذہانت میں ممتاز۔ ہر ایک مناسب موقعہ پر انقلاب کے خواہاں رہے۔ گو ثبات و پائمردی بہادران شمشیر زن کی طرح تاریخ سے ثابت نہیں ہوتی لیکن اولوالعزمی و جان بازی کی صفت سے بنگالی عاری نہیں سختی کی جگہ احسان و مروت سے ان کا رام کرنا زیادہ موزون ہے:۔

بلبن کی بنگالہ پر چڑھائی

بلبن طغرل کی بغاوت کی خبر سن کر پیچ و تاب کھانے لگا۔ اور گورنر اودھ کو فوج دے کر طغرل کے مقابلہ پر روانہ کیا جس نے طغرل سے شکست کھائی اور اسی جرم میں قتل کیا گیا۔ دوسری فوج روانہ ہوئی اور طغرل کے ہاتھ سے تباہ ہوئی اب بلبن کو سوا اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ خود چڑھائی کرے بڑے بیٹے محمد سلطان کو پنجاب اور سرحدی فوج کی کمان اور مغلوں کی روک تھام کے پورے اختیارات دیکر۔ اور فخرالدین کوتوال دہلی کو اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے دوسرے بیٹے بغرا خان کو ساتھ لیا اول تو بہانہ شکار شمالی علاقہ کو گیا۔ اور سامانہ۔ انبالہ وغیرہ کے سرکشوں کو تادیب و تنبیہ دے کر کئی ہزار کشتیاں دریائے جمنا اور گنگا میں ڈلوا دیں۔ سامان اور اسباب جنگ کمسریٹ وغیرہ دریائے کے راستہ اور فوج سوار و پیادہ جس کی تعداد بقول ضیاء برنی دو لاکھ تھی براہ خشکی لے کر چلا۔ اس فوج کشمیر میں پنجاب سندھ اور کچھ دہلی کی فوج

شامل نہ تھی جو مغلوں کے مقابلہ کے لئے ضروری تھی مغل ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں حملہ آور ہوتے تھے اُن کے مقابلہ کے لئے بھی ہر ایک چھاؤنی میں خصوصاً ملتان پیشاور سمانہ میں لاکھوں کی جمعیت رکھنی پڑتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلبن جس نے ایک مہم کے لئے دو لاکھ فوج ساتھ لی اور سرحدی فوجوں کو اپنے اپنے موقعوں پر قایم رکھا کس قدر زبردست فوجی طاقت رکھتا تھا۔ اور ہر ایک بیرونی و اندرونی خطرہ کے مقابلہ کے لئے ہر وقت کس طرح تیار رہتا تھا۔ اور فوج میں خالص مسلمان تھے جن کے قومی جوش اور مذہبی تہور سے ہلاکو خاں جیسے بہادر فاتح اور ایشیا کے شہنشاہ کا دل کانپتا تھا۔ اور جب تک کہ یہ اسلامی جوش موجود رہا ہندوستان کی اسلامیہ حکومت ممتاز رہی اور جوں ہی اس میں کمی ہوئی اسلامی گورنمنٹ پائمال ہوتی گئی جس کی مفصل بحث عہد مغلیہ میں کیجاویگی

طغرل اگرچہ دو دفعہ شاہی فوجوں کو شکست دے چکا تھا مگر شاہ بلبن کی آمد کی خبر سن کر لکھنوتی چھوڑ کر جاج نگر کو روانہ ہو گیا اور خلق کثیر کو ساتھ لے گیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاہ بلبن زیادہ عرصہ بنگالہ میں ٹھیر نہیں سکتا جس امیر کو حاکم بنگالہ مقرر کر کے واپس جائیگا اُسکو میں نکال دونگا۔ اور بوڑھا شاہنشاہ بار بار بنگالہ میں نہیں آسکتا اور اس کا بہادر بیٹا محمد سلطان ملتان وغیرہ نہیں چھوڑ سکتا اور لکھنوتی پہنچکر امرائے بلبن بھی واپسی دہلی کے خواہاں ہی تھے۔ مگر اولوالعزم شاہ بلبن نے اعلان کر دیا کہ طغرل اور اس کے ہمراہیوں کو جبتک سزا نہ دونگا دہلی نہیں جاؤنگا۔ دشت و جبل بحر و بر میں جہاں کہیں طغرل بھاگکر جائیگا تعاقب کرونگا بلبن کے عزم شاہانہ سے امراء واقف تھے دہلی کی واپسی سے نا امید ہو گئے اور جانوں سے ہاتھ دھوکر طغرل کی گرفتاری میں مصروف ہوئے بلبن تعاقب میں جاج نگر سے ستر کوس تک جا پہنچا اور ملک بارک کو سات آٹھ ہزار سوار دیکر بطور ہراول دس بارہ کوس شاہی لشکر سے آگے آگے روانہ کیا۔ وہ ہر روز تیس چالیس سوار بطور یکٹ چند کوس آگے تلاش طغرل میں جتا ہر چند کوشش کیجاتی طغرل کا پتہ معلوم نہ ہو سکتا ایک روز ملک محمد شیر انداز اس کا بھائی ملک مقدر طغرل کش ۳۰-۴۰ سواروں کے ہمراہ ہراول سے آگے آگے دشمن کی تلاش میں مصروف تھے کہ چند نئے ملے جو طغرل کی فوج میں سودا سلف بیچکر واپس آرہے تھے دریافت کرنے پر اول تو انکار کیا مگر دھمکانے سے تبلا دیا کہ طغرل یہانسے نصف کوس کے فاصلہ پر ایک تالاب پر اترا ہوا ہے کل روانہ ہو کر حدود

جاج نگر میں داخل ہوگا۔ ملک مقدر نے بلبن کو دو سواروں کی ہمراہ اپنے افسر ملک باربک کی خدمت میں بھیجا کہ فوراً موقع پر پہنچ جائے اور خود ہمراہیوں سمیت ایک ٹیلہ پر چڑھ کر دیکھا کہ طغرل بے خوف و خطر اترا ہوا ہے کوئی نہاتا ہے کوئی سوتا ہے کوئی اور کسی کام میں لگا ہوا ہے۔ ہاتھی گھوڑے جنگل میں چر رہے ہیں۔ لڑائی کے لئے کوئی تیار نہیں۔ ملک مقدر نے اس خیال سے کہ کہیں طغرل کی فوج نے ہمکو دیکھ لیا ہو اور بھاگ جائے بلبن سے رہائی مشکل ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ خاص بارگاہ طغرل پر حملہ کیا جائے۔ اس کو مار کر اس کی فوج کو حواس باختہ کیا جائے یہ ٹھان کر وہ چند جان باز یکہ تاز جوانوں کو لے کر طغرل پر جا پڑا اور طغرل یہ سمجھ کر کہ شاہ بلبن کی تمام فوج آ پہنچی ہے۔ سراسیمہ ہو کر ننگی پیٹھ گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کی طرف بھاگا جس کو ملک مقدر نے تیر مار کر ہلاک کیا۔ اور سر کاٹ کر اپنے کپڑوں میں چھپا کر دشمن کی کثرت کے خوف سے دریا پر ہاتھ دھونے لگا کہ اتنے میں ملک باربک افسر ہراول بھی آ پہنچا جس نے طغرل کا سر اور فتحنامہ شاہ بلبن کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور طغرل کا تمام مال و اسباب خزانہ ہاتھی گھوڑے فوج ہراول کے ہاتھ آئے جس سے وہ برسوں کے لئے فارغ البال ہو گئے دو تین ہزار قیدی طغرل کے زن و فرزند بندہ و غلام امراء و سرداروں میں سے قید ہوئے جنہیں اکثر لکھنوتی کے ایک میل لمبے بازار میں پھانسی دی گئی۔ جو لوگ فوج دہلی میں سے کبھی باغیوں سے جا ملے تھے۔ ان کو دہلی میں جا کر پھانسی دیا۔ ضیاء برنی اس سزاء پر تعجب کرتا ہے کہ قبل ازیں کسی شاہ دہلی نے ایسی بیرحمی کی سزا نہیں دی تھی۔ مگر ایسی سیاست کی بلبن کو عادت ہو چکی تھی باغی ہندو یا مسلمان کسی سے رحم نہ کرتا تھا۔ بسقدر طغرل کے بیگیناہ زن و بچہ سے سفاکی کا برتاؤ ہوا اور ہزاروں مسلمان طغرل کی ہوا خواہی کے جرم میں قتل ہوئے اور دہلی تک کئی خاندان بے چراغ ہو گئے اس کی نظیر ہندو باغیوں میں نہیں ملتی طغرل کا پیر و مرشد ایک قلندر درویش بھی اسی سیاست میں پھانسی دیا گیا۔ واقعی سزا سخت تھی۔ مگر اسی سختی کا نتیجہ تھا کہ التمش کے چالیس غلام جو ترکوں میں سے بلبن ہی تاجدار ہوا۔ اور اس کے عہد میں ملک میں نہایت امن و امان رہا۔ رعایا آرام کی نیند سونے لگی ۔

بلبن کی بغرا خاں کو نصیحتیں

اور

بنگالہ کی گورنری دنیا

بلبن چند روز لکھنوتی رہا اور اپنے چھوٹے بیٹے بغرا خاں کو بنگالہ کی حکومت دیکر واپس دہلی ہوا۔ بوقت وداع جو نصائح بلبن نے بیٹے کو بطور دستور العمل لکھوائیں ذیل میں لکھی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو بلبن کی روشن دماغی اور دانشمندی کا پتہ لگے:۔

ضیاء برنی نے ان نصائح کو مفصل لکھا ہے ہم اختصار اً۔ یہ ناظرین کرتے ہیں:

(۱) چونکہ صوبہ بنگالہ تمکو دیا جاتا ہے اس کی کثرت آبادی و زرخیزی پر بھروسہ کرکے شاہ دہلی سے بگاڑ نہ کرنا اور مقابل نہ ہونا ہمیشہ شاہ دہلی کو تحفہ و تحائف باج و خراج دے کر خوش رکھنا۔ اگر کسی طرح بگاڑ ہو جائے اور شاہ دہلی چڑھ آئے۔ تو لکھنوتی سے دور دراز مقامات مشرقی بنگالہ وغیرہ میں چلے جانا جہاں دہلی کی فوجیں نہ پہنچ سکیں اور نہ مدت دراز تک قیام کرسکیں۔ ان کی واپسی پر پھر لکھنوتی پر متصرف ہو جانا۔ بلبن کی یہ نصیحت کرنا اس خیال سے معلوم ہوتی ہیں کہ بلبن کے بعد اس کے بڑے بیٹے سلطان محمد جس نے بلبن کے بعد تخت نشین ہونا تھا اور اس بیٹے بغرا خاں میں تلوار نہ چلے۔ اور متواتر تجربوں سے جانتا تھا کہ بنگالی آب و ہوا میں تاثیر تمرد و سرکشی ہے:۔

(۲) گورنری اور شاہی میں بڑا فرق ہے۔ گورنر سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو بادشاہ اس کو معزولی یا جرمانہ کی سزا دے کر پھر کبھی بحال کرسکتا ہے۔ غلطی کی تلافی خود شاہ قت کرکے رعیت کو تسلی و اطمینان دے سکتا ہے اور رعایا بادشاہ سے داد پاسکتی ہے۔ گورنر کے اہل و عیال زن و بچہ اور جان تک محفوظ رہتے ہیں:۔

لیکن اگر بادشاہ سے کوئی غلطی بے تدبیری یا غیر ہر دلعزیزی بیرحمی سخت گیری سفاکی ظہور میں آئے تو اس کا اثر تمام ملک میں پھیل جاتا ہے ماتحت حکام دلیر ہکر رعیت کو ستاتے ہیں۔ رعیت میں نفرت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نظم و نسق بگڑ جاتا ہے عدل و انصاف نہیں رہتا۔ ہوتے ہوتے آخر فوج بھی وفادار نہیں رہتی۔ بلکہ بادشاہ اور اسکے

خاندان کی رعایا وغیرہ دشمن جان بن جاتی ہے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ گورنری اور شاہی میں کس قدر فرق ہے۔ بادشاہ کو لازم ہے کہ ہمیشہ رعایا کی خوشنودی و آزادی کا خیال رکھے کوئی کام داناؤں کے مشورہ اور رائے کے بغیر نہ کرے۔ یعنے سلطنت کا مدار کونسل پر رکھے۔

اگر کسی بادشاہ کو یاوری اقبال سے غلطی و بیدانشی کا نتیجہ نہ ملے بلکہ اس کی دولت و اقبال میں ترقی نظر آئے تو اس کو کامیابی کہنا نہ چاہیئے یہ تو آثار بیدولتی ہیں اس کا بُرا اثر اندر ہی اندر سلطنت کی بنیاد کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ بادشاہ کی عیاشی و ہوا پرستی فسق و فجور سے رعایا بھی ویسے ہی شتر بے مہار تقلید شریعت سے بیزار ہو جاتی ہے بادشاہ فاسق اسکو رعیت کی خوشحالی اور رفاہیت جانتا ہے اور اپنی کم آزاری اور آزادمنشی کا نتیجہ مانتا ہے اس کا نام آزادی رعایا رکھتا ہے حالانکہ اس قسم کی آزادی جو اخلاقی قیود سے بے پرواہ کرے اور مذہب کی پابندی گھٹائے روحانی امراض پیدا کرتی ہے اور اخیر میں ملک و سلطنت کی بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ شاہان بیدین کی ترقی دولت و اقبال بطور استدراج ہوتی ہے وہی رعایا اول تو عدائی احکام کو توڑتی ہے اور مذہبی پابندی سے منہ موڑتی ہے۔ پھر دلیر ہو کر بادشاہ وقت کی ہدایات اور احکام سے نفرت اور مخالفت کرتی اور متمرد بنتی ہے۔ بادشاہ کی دین پناہی اور پابندی مذہب سے رعایا کے اخلاق و عادات درست رہتے ہیں۔

اے محمود۔ میں جانتا ہوں کہ جب تم کو خود دینداری و نجات کا خیال نہیں تم رعیت کو شریعت کے صراط مستقیم پر کس طرح قائم رکھ سکو گے۔ خوشامدی دروغ گو تمکو ہوا پرستی اور عیاشی میں مدہوش رکھنے کے لئے جس سے اُن کے ذاتی اغراض پورے ہو سکتے ہیں رعایا کی عیاشی کو آرام و راحت اور رفاہیت و آسایش ظاہر کریں گے اور اس تنعم و عیش و عشرت کا نام گھر گھر میں عید رکھکر تمہاری رعیت نوازی و امن پروری کا نتیجہ بتلائیں گے اور کہیں گے کہ تمام رعایا خوش و خورم بادشاہ کو دعائیں دیتی ہے مگر یہ عیش و عشرت رعایا کے فتنہ و فساد شرک و کفر فسق و فجور ریا و فریب تکلف و تصنع بدچلنی بداخلاقی کا موجب ہوتی ہے جس کو بدچلن بادشاہ اپنی غفلت و عیاشی سے بڑھاتا ہے اور مہلکات کو نجیات جانتا ہے۔ درستی اخلاق کا خیال جسکا انحصار پابندی شریعت پر موقوف ہے۔ شاہان بدکردار غفلت شعار کی بے پرواہی سے جاتا رہتا ہے۔ رعیت جو چاہتی ہے سو کرتی

ہے۔اس کو فلاح وآزادی سمجھتے ہیں:۔

اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تو جوانی وہوا پرستی کے غلبہ اور لالچی خود غرض مصاحبوں کے اثر صحبت سے رعایا کی عیش وعشرت پر فخر کرے گا اور رعیت کی عیاشی وشاہد بازی شراب وقمار پر ملک کی خوشحالی اور اپنی نیک نامی تصور کرے گا۔ مگر محبت پدری سے مجبور ہوکر نصیحت کرتا ہوں:۔

(۳) لائق اور تجربہ کار مشیروں کی ایک کونسل مقرر کرنا۔ وہ کونسل جو قانون وایکٹ پاس کرے اُس سے انحراف نہ کیا جائے۔ اور اُن قوانین میں اپنی ذاتی رائے کو دخل نہ دے اور اُن قوانین کی تنسیخ وتبدیل جلدی نہ کرے اس سے بادشاہ کی تامستقل مزاجی بے ثباتی رائے ثابت ہوگی ووقار شاہی کم ہو جائے گا۔ اور فساد پیدا ہوں گے۔ میں تاکید کرتا ہوں کہ اس شیطانی خیال کو دل میں نہ لانا کہ میں بادشاہ خود مختار ہوں جو چاہوں کر سکتا ہوں اسی خیال استبداد نے مصر کے فراعنہ کو تباہ وبرباد کیا۔ اور دوزخ ابدی کا کندہ بنایا۔

(۴) فوج کی آراستگی وخوشنودی کا سب سے مقدم خیال رکھنا فوج کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے جس کے بغیر انتظام ورعب ہرگز قائم نہیں رہ سکتا فوجی خرچ میں کبھی صرفہ وبخل نہ کرنا اور جو شمشیر جنگی اخراجات کی کمی کی رائے دے اسکو اپنا بدخواہ جاننا وزیر جنگ ہمیشہ کریم النفس فیاض وجواد مقرر کرنا جو تنخواہ اور سلب وسلاح اور دیگر ضروریات کے بہم پہنچانے میں کسی قسم کا دریغ نہ کرے۔

(۵) بادشاہوں پر نعمائے الٰہی زیادہ ہوتی ہیں۔ اُن کے شکرانہ میں بندگی وعبادت واجب ہے جس کو شاہان بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر زیادہ نہ ہو سکے تو صلواۃ خمسہ تو ضرور ادا کرے اور حدیث "الجماعۃ من سنن الہدیٰ لا یترکہا الا منافق" اور حدیث "تارک الجماعۃ ملعون" اور حدیث "التکبیر الاولیٰ مع الامام خیر من الدنیا وما فیہا" کے مضامین کو ہمیشہ مدنظر رکھے اور نماز باجماعت

---

۵۱ قولہ الجماعۃ الخ جماعت ہدایت کیطرف نیز ہے منافق کے سوا کوئی تارک جماعت نہیں ہوتا ۱۲ صوفی

۵۲ قولہ تارک الجماعۃ الخ تارک جماعت لعنتی ہے ۱۲ صوفی

۵۳ قولہ التکبیر الاولیٰ الخ تکبیر اولیٰ کا ثواب دنیا ومافیہا سے بڑھ کر ہے ۱۲ صوفی

کی عادت پیدا کریں۔ اگر کوئی نماز فوت ہو جائے تو بغیر قضا نہ چھوڑے اس سے خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ مناہی و ملاہی سے دل ہٹتا ہے۔ رعایا کا دینی شوق بڑھتا ہے شیرازہ اسلام مضبوط ہوتا ہے۔

(۶) ملک و سلطنت کی استقامت اس بات پر منحصر ہے کہ عہدہ دار متدین لائق معاملہ فہم خدا ترس مقرر کئے جائیں۔ رعیت سے مقررہ خراج جو اعتدال سے زیادہ نہ ہو وصول کیا جائے۔ زیادہ ستانی سے رعیت مفلس اور تنگ ہو کر سرکش ہو جاتی ہے ہاں ان لوگوں کا خیال رکھے جو کثرت دولت و مال سے مست ہو کر بادشاہ کے خلاف تمرد و عصیان کرتے ہیں اور خلل امن کا باعث ہوتے ہیں۔ امن عامہ کے رو سے ایسے لوگوں کی ترقی روکنی مناسب ہے فوج اور رعیت ہر ایک کا خیال رکھے اور دونوں سے مقررہ اصول پر سلوک کرے۔ زراعت و فلاحت کی ترقی میں کوشش کرے جب تک بادشاہ خود مدبر محنتی پرہیزگار نہ ہو اور دانا اور فاضل وزیر نہ رکھتا ہو۔ انتظام سلطنت نہیں چل سکتا۔

(۷) اخیر وصیت یہ ہے۔ کہ درویشان گوشہ نشین جو دنیا کو لات مار کر یاد الٰہی میں مصروف ہیں اُن کی خدمت میں جا کر "کونوا مع الصادقین" کی سعادت حاصل کرے۔ اور جو لباس درویشی میں طالب دنیا ہو یا نام و ننگ کا خواہاں ہو اُس سے علیحدہ رہے۔

میں اپنے آقا سلطان شمس الدین التمش کی خدمت میں حاضر تھا۔ قاضی جلال عروسی سفیر بغداد منجملہ دیگر تحائف خلیفہ بغداد کے خلیفہ مامون رشید کی نصیحت لایا تھا جو کتاب مفیتہ الخلفا میں مامون رشید نے لکھی ہے۔ سلطان التمش قاضی جلال پر اس قدر خوش ہوا۔ کہ نصف ملک اُسکو دینے لگا تھا۔

نصیحت مامون رشید اور صوفیائے عظام

مامون رشید لکھتا ہے۔ کہ میرا باپ ہارون رشید باوجود اس قدر شان و شوکت اور عظمت و جلال کے حضرت داؤد طائی اور محمد سماک درویشوں کے ہاں مع امرا جاتا تھا اور وہ درویش دروازہ بند کر لیتے ہارون رشید گھٹنوں باہر زمین پر بیٹھ کر بغیر ملاقات واپس چلا آتا اور باوجود اس کے بار بار جاتا اور دروازہ بند پاتا خلیفۃ المسلمین سے تو یہ استغنا مگر مسکین و غریب مسلمانوں کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

اُن سے یہ بزرگ بخوشی ملتے تھے مجکو اور دیگر امرائے دربار کو اُن مغلوب الحال درویشوں کی یہ کارروائی سخت بُری لگتی تھی۔ مگر ہارون رشید اس کو اپنی بیعزتی یا بے ادبی خیال نہ کرتا تھا اور ملاقات کی کوشش کرتا ایک روز ہارون رشید نے اپنے شیخ الاسلام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم اور داؤد طائی دونوں حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھتے تھے دونوں میں محبت تھی جسطرح ہو سکے میرا اسلام کہا دو۔ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ جب تک کہ میں فقیر و محتاج تھا جب جانا اندر بلاتے بات چیت کرتے محبت سے پیش آتے اور جب سے کہ قاضی ہوا ہوں بیس دفعہ داؤد طائی کے مکان پر جا چکا ہوں کبھی اندر جانے نہیں دیا اور نہ زیارت اور گفتگو کا موقعہ دیا ہے میں آپ کی کیا سفارش کر سکتا ہوں ہارون رشید نے کہا۔ کہ اس سے میرا اور اعتقاد بڑھ گیا ہے۔ ابو یوسف نے کہا۔ کہ آج روئے زمین کے علماء و فضلاء مشائخ و حکما حضور کو امیر المومنین اور ابن عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جانتے اور دربار خلافت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ دو گدا حقوق الوالامری اور قرابت رسول صلعم کا خیال نہیں کرتے حضور کیوں بار بار اُن کے مکان پر جاتے ہیں۔ بغداد میں اس خبر کے پھیلنے سے کہ خلیفۃ المسلمین کو ان دو گداؤں نے اندر آنے نہیں دیا اور دروازہ بند کر لیا شان خلافت کے برخلاف چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں +

ہارون رشید کا جواب اور حقیقت درویشی

حقیقت شناس ہارون رشید نے کہا کہ چونکہ وہ مجکو اندر نہیں بلاتے اور توجہ نہیں فرماتے اس سے میرا اعتقاد اور بڑھ گیا ہے اور مجکو یقین ہو چکا ہے کہ ان درویشوں نے دنیا کو ظاہر و باطن سے چھوڑ دیا ہے۔ اور میں کہ دنیا مجسم ہوں اور صرف دنیا ہی دنیا ہوں اور دنیاوی جاہ و جلال اور دولت و تمکنت آج دنیا میں مجھ سے زیادہ کسی کو حاصل نہیں اور ان درویشوں نے محبت الٰہی کے لئے دنیا کو ترک کر رکھا ہے پس مجکو جو سب سے دنیا دار زر پرست بلکہ دنیائے محض ہوں کس طرح پسند کر سکتے ہیں اور میرے جیسے دنیائے مجسم سے ملاقات کر کے اپنے اصول تارک الدنیا ہونے کو بٹہ لگا سکتے ہیں وہ مجکو فریفتہ دنیا جان کر برا جانتے ہیں۔ اور میں ان کو شیفتہ خدا سمجھ کر بزرگ مانتا ہوں دونوں فریق کا خیال

درست ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے تارکان دنیا اور حقیقی درویشوں کی ہمت و حمایت سے تکالیف دنیا سے نجات پاؤں اور جو لوگ درویشانہ لباس میں میرے پاس آتے ہیں اور انعام و معافی وظیفہ و جاگیر چاہتے ہیں وہ دین فروش دنیا طلب ہیں۔ ایسے لوگ میری کیا حمایت و شفاعت کر سکتے ہیں روز قیامت مجھسے زیادہ مفلس و کنگال ہوں گے ✦

میرے اعمال و افعال حرکات و سکنات خلاف سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں قیامت کو رسول اللہ صلعم کو کیا منہ دکھاؤں گا اور میری حمایت و شفاعت کون کریگا اس درد و غم میں گھلا جاتا ہوں :-

ابو یوسف نے آداب بجالاکر کہا کہ میں نے علم پڑھا لیکن معرفت الٰہی کا علم آج خلیفۃ المسلمین سے حاصل ہوا ہے۔

نوٹ مؤلف

میں نے ان نصایح کو ناظرین کے فائدہ اخلاقی کے لئے لکھا ہے اور جو لوگ شاہان اسلام کے طرز عمل سے واقف نہیں اور یورپ کے انتظامی احکام و تجاویز پر حیران و متعجب ہوتے ہیں اور ملکی تاریخ کی لاعلمی کے سبب شاہان اسلام کی مدبرانہ لیاقت کو نہیں جانتے وہ ان نصایح پر غور کریں اور دیکھیں کہ شاہ بلبن کسقدر مدبر منتظم رعایا پرور حامی اخلاق تھا آج نصف صدی کے تلخ تر تجربہ کے بعد گورنمنٹ انگریزی نے درستی اخلاق کو استحکام سلطنت کے لئے ضروری سمجھا ہے اور اخلاق کا مدار مذہبی تعلیم و تقلید پر رکھا ہے اور جاہ و دولت کی کثرت کو باعث طغیان و عصیان خیال کیا ہے وہ بیدار مغز شاہ بلبن چھ سو سال پہلے صفحہ تاریخ پر یادگار چھوڑ گیا ہے ✦

بلبن اور بغرا خاں کی الوداعی ملاقات

بلبن نے بغرا خاں کو دریائے گھگ سے پدرانہ نصیحتیں دے کر وداع کیا اور خود کوچ بکوچ دار الخلافہ دہلی کو روانہ ہوا۔ راستہ میں حکام اور راجگان مبارکباد فتح کے لئے حاضر ہوتے اور انعام و خلعت پاتے تھے۔ دہلی کے گورنر فخر الدین کوتوال نے جس کو بلبن برادر امیر الامرا کے خطاب سے لکھتا تھا شہر کو آراستہ کیا اور کمال تزک و شان سے استقبال

کیا۔ امراء نے نذریں پیش کیں اور بادشاہ نے خلعت گراں بہا اور انعام وجاگیریں عطا کیں ۔

بلبن کی سیاست اور عفو

دہلی وغیرہ سے جو لوگ طغرل کے پاس لکھنوتی گئے تھے یا بلبن کی فوج میں سے جو امراء بلبن کو چھوڑ کر طغرل خاں سے جا ملے تھے اور لکھنوتی سے قید کر کے دہلی لائے گئے تھے اُن کے حق میں سزائے موت کا حکم دیا گیا میلوں تک صلیبیں نصب کی گئیں کہ مجرموں کو عبرتاً لٹکایا جائے۔ ہزاروں مجرم تھے ان کے رشتہ دار دوست دہلی میں لاکھوں تھے یہ خبر سن کر دہلی میں شیون و بکا کا عالم برپا ہو گیا اور شہر پر ایک سنسنی چھا گئی لوگوں کی آہ و بکا درد و غم کو قاضی لشکر نے جو رحمدل دیندار خدا ترس تھا بلبن کے پاس جا کر حسب موقعہ وعظ کی جس سے خدا پرست بلبن کو رقت پیدا ہو گئی۔ اور زار زار رونے لگا۔ قاضی نے موقعہ دیکھکر اسیران لکھنوتی کی سفارش کی اور رقیق القلب بادشاہ نے عام کو بالکل چھوڑ دیا خواص میں سے بعض کو کچھ عرصہ کے لئے دہلی سے خارج اور بعض کو تشہیر کر کے رہا کیا اور ثابت کر دیا کہ علم و فضل اور پاس شریعت میں بلبن ممتاز تھا ایسے باغیوں کی جان بخشی بھی کی گئی۔ جو ملک و سلطنت کے دشمن ثابت ہوئے تھے۔ بلبن کی ایک عام عادت تھی کہ ترقی علوم و فنون اور تحریص صداقت و دیانت و ترغیب اتقاء و ورع کے لئے دیانت دار فضلا اور راستباز علماء کی جائز سفارش کو مان لیتا تھا ۔

بلبن کی وفات

سلطان محمد خاں شہید جو بلبن کا لایق جانشین تھا اور بلبن کو اس کی ذات سے خاندان کی ترقی اور سلطنت کے استحکام کی پوری امید تھی۔ اور باپ کے عہد میں ہی شجاعت و انتظام لیاقت کا سکہ دوست و دشمن کے دلوں میں بٹھا چکا تھا۔ جب شہید ہو گیا۔ اور دوسرا بیٹا بغرا خاں نالایق اور پوتے ناتجربہ کار بادشاہی سنبھالنے کے کوئی قابل نظر نہ آتا تھا۔ ان تفکرات نے بوڑھے بادشاہ کو گھلا دیا گو معمولی استقامت

سے کاروبار کرتا تھا۔ لیکن وہ دل کی بیماری یعنے اولاد کا غم کب سنبھلنے دیتا ہے۔ ضعف و نحافت بڑھتی گئی۔ بیمار ہوا۔ اور امیر الامرا کو توال کو بلا کر کہا کہ چونکہ بغرا خاں بلا اجازت بنگالہ چلا گیا ہے۔ میں کیخسرو ولد خان شہید کو ولیعہد کرتا ہوں۔ میرے بعد کیخسرو کو تخت پر بٹھلانا۔ شاہ بلبن تین یوم بعد اس وصیت کے ۶۸۵ھ مطابق ۱۲۸۶ء میں ہی فردوس بریں ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لوگوں نے آہ و بکا کا عالم بپا کیا۔ امرا وزرا سر پر خاک ڈالنے لگے۔ عام رعایا ایسے زبردست منتظم غریب نواز سلطان کے مرنے پر زار و زار روتی تھی۔ اور "کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" کا مضمون در و دیوار سے سنائی دیتا تھا۔ ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں یہ شعر لکھا ہے ؎

نظم

ملک شاہ آب و آتش بود رفت آں آب و مرد آتش
کنوں خاکستر و خاکش بہ بینی در سپاہانش

رُباعی

چیست دنیا سر بسر پرسیدم از دیوانہ — گفت یا خاکست یا باد ست یا ویرانہ
گفت آنہا را چہ گوئی کاندریں دل دادہ اند — گفت باکورند یا کر اندیا دیوانہ

کیقباد (معز الدین)

بلبن کے انتقال کے وقت دہلی میں صرف کیقباد ہی تھا۔ بلبن کا بیٹا بغرا خاں کیقباد کا باپ پست ہمتی سے باپ کی امیدوں پر پانی پھیر کر بنگالہ چلا گیا تھا۔ کیخسرو ولد سلطان محمد خان شہید کو بلبن نے ولیعہد کیا تھا۔ لیکن وہ بوقت وفات ملتان میں تھا۔ امیر الامرا فخر الدین کوتوال نے جس کو خان شہید سے پرائیوٹ عداوت تھی بلبن کی وصیت کے خلاف اپنی ذاتی اغراض کو مدنظر رکھ کر کیقباد کو ۶۸۵ھ مطابق ۱۲۸۶ء میں تخت نشین کر دیا۔ اور اس خلاف ورزی وصیت سے آقا اور اپنے خاندان

کو یہ یاد کر لیا کیخسرو بھی کیقباد کی طرح نوجوان تھا اور شائد وہ بھی ایسا ہی نکلتا لیکن ایک تو وہ باپ کی شہادت کے بعد چند سال سے ملتان وغیرہ سرحدی صوبجات کی گورنری اور سپہ سالاری سے کچھ تجربہ کار ہو چکا تھا اور کیقباد نے نہ کبھی دہلی سے باہر قدم رکھا اور نہ کبھی ملکی اور جنگی تجربہ حاصل کیا۔ دوم بلبن جیسے کہن سال تجربہ کار مدبر شہنشاہ کا انتخاب بھی بیوجہ نہ ہوگا ضرور کیقباد سے زیادہ کیخسرو کو لایق تصور کیا ہوگا پس فخر الدین کوتوال جس کی عام سمدردی خلایق کے مورخین قائل ہیں اس معاملہ میں نفسانی انتقام سے مغلوب ہو کر صداقت اور حق پسندی کو چھوڑ گیا۔ اور اپنا اور آقا کا خاندان ڈبو گیا۔

کیقباد کے معلموں کی غلطی

بلبن جو ہر ایک امر میں سخت محتاط تھا اور عام رعایا کے اخلاق تک بگڑنے کا خیال رکھتا تھا اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں کب کوتاہی کر سکتا تھا پوتوں کی تعلیم کے لئے چیدہ متدین متقی عالم معلم مقرر کئے اور اسقدر تشدد اور سختی سے نگرانی کیگئی کہ شاہزادوں کو بُری صحبت کا پرچھاواں کبھی نہ پڑا۔ عام طور سے نتیجہ یہ نکلنا چاہیئے تھا کہ شاہزادہ نیک چلن پرہیزگار نکلتا۔ مگر تخت نشین ہوتے ہی ایسا کھل کھیلا کہ اپنے ساتھ ہی امرا و زرا۔ رعایا۔ برایا کو عیش و عشرت میں ڈبو دیا۔ اُس کی عیاشی کے تفصیلی حالات مورخین نے لکھے ہیں۔ اور انشاء پردازی کے جوہر دکھلائے ہیں مگر میں اُن حالات کو بمد اقلم انداز کرتا ہوں کہ شاہدبازی و شہوت پرستی کے حالات کے اظہار سے نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑنا ہے۔ جو اس کتاب کی غرض تالیف کے مخالف ہے۔ میں اس موقعہ پر اُستادوں کی تعلیمی غلطی پر بحث کروں گا کہ جس کی آج روسا ہند کو سخت ضرورت ہے اور غلطی کی وجہ سے زمانہ حال کے والیان ملک رئیس زادہ بالغ ہو کر نیک چلن نہیں نکلتے اور جسقدر روپیہ ان کی تعلیم پر خرچ ہوتا ہے وہ ضائع جاتا ہے۔

معلم ضرور پرہیزگار عالم تھے۔ اور اُن کا ظاہری چال چلن بلا داغ تھا مگر زاہد خشک طریقہ تعلیم سے ناواقف وہ شہزادہ کی طبیعت کو برائیوں کی طرف سے جبر و تشدد سے ہٹاتے تھے اور احکام شرعی کی تعمیل جبراً کراتے تھے منہیات سے ڈرا دھمکا کر روکتے یا اُن کی شکل و صورت دیکھنے ہی نہ دیتے۔ یہ طریقہ تعلیم و تالیفی نہایت ناقص اور غیر مفید ہے

اگر وہ ہر ایک بُرے فعل کی بُرائی اور نقص فلسفیانہ طور سے بیان کیا کرتے اور جو لوگ ان خرابیوں میں مبتلا تھے اُن کی روی حالت کا عینی مشاہدہ بھی کرا دیتے اور اس کے مقابلہ میں اعمال نیک کی فلسفی اور انسانی کمال کے لئے اس کی ضرورت اور شارع علیہ السلام کی فضائل کمالیت پر با موقعہ تقریریں کیا کرتے اور مذہب کو ڈراؤنی شکل میں نہ دکھاتے تو شہزادہ کی طرف طبعاً راغب ہوتا اور رذائل سے اس کو طبعی نفرت ہو جاتی۔ تشدد کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور بڑا ہو کر یک لخت شریعت سے نفور اور اخلاق حسنہ سے دور نہ ہو جاتا۔

میخواری اور شاہد بازی کا عقاب جو لسان شرع میں مجملاً لکھا تھا اُنہیں لفظوں کو دوہراتے رہے حور و غلمان اور شراب طہور کی لفظی بحث سے آگے نہ بڑھے اور اس طرح کی غیر مکمل اور ناقص تعلیم سے شہزادہ کو شیفتہ اصطلاحات مذکورہ بناتے رہے۔ اس قسم کی تعلیم و تربیت نے شہزادہ پر کوئی روحانی اثر نہ ڈالا اور اخلاق حسنہ نے اس کے دل میں مذہبی عظمت سے جگہ نہ لی اور عادات رویہ کا ترک عارضی رہا۔ بُری صحبت سے بچانا بچوں کے لئے ضروری۔ مگر قیدیوں کی طرح نہ ہو۔ اس لئے شہزادوں اور رئیس زادوں کے معلم و اتالیق تعلیمی تجربہ اور تقیید شرعیہ کے علاوہ فلاسفر حکیم زمانہ شناس مورخ موجودہ زمانہ کے حالات اور واقعات سے باخبر تحریر و تقریر میں جید اور ساتھ ہی دلیر حق و فادار ہوں تاکہ فرض معلمی و اتالیقی میں خوف یا طمع کو کام میں نہ لائیں اور شاگرد کے عیوب کو نہ چھپائیں۔ جیسا کہ عموماً اتالیق کرتے ہیں۔ اور تنخواہ وغیرہ کے لالچ سے اظہار نہیں کرتے۔

کیقباد کی عیاشی

پس کیقباد کے بگاڑ کا باعث خود اس کے استاد تھے جنہوں نے اسکو بظاہر تو لائی کا پرچھاواں بھی نہ پڑنے دیا اور اس طرح بادشاہ کو اپنی کارروائی سے خوش رکھا۔ مگر حقیقت میں کچھ بھی نہ کیا۔ جوں ہی بلبن کا ہولناک سایہ دور ہوا۔ اور دہلی کا شاہ خود مختار ہوا کھلم کھلا دریائے فسق و فجور میں تیرنے لگا شراب خانہ خراب نے منہ سے لگتے ہی اپنے دیگر لوازمات عیش و عشرت ارباب نشاط کے اجتماع سے بلبن کا شرعی دربار اندر کا اکھاڑہ بنا دیا۔ ۱۸ سالہ نوجوان ناتجربہ کار عام زناکاری میں مبتلا ہو گیا۔ شاہدان بازاری نے

جنکا بازار بلبن کے عہد میں بالکل سرد پڑ گیا تھا چاروں طرف سے امنڈ آئے اور دارالسلام دہلی کو دارالزنا بنا دیا۔ امرائے دربار بقول "الناس علی دین ملوکھم" عیش و عشرت منانے اور ہر روز جشن اڑانے لگے۔ بیت المال جو حق مساکین عالمین تھا اب بھانڈوں گویوں بدچلن عورات پر بٹنے لگا۔ شہر میں سے نکلتا اور ہاتھی پر سے روپیہ لٹاتا ہوا نکل جاتا جس دربار میں بلبن کی قدردانی سے مشہور اور چیدہ عالم و فاضل مدبر بہادر جمع ہو گئے تھے۔ اب وہ دربار مسخروں ڈوم ڈھاڑیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جس دربار میں قرآن و حدیث پند و موعظت ملکی و جنگی تدابیر کے سوا کبھی کوئی بیہودہ کلام تک نہ سنی جاتی تھی۔ اب اس میں ناچ و رنگ فحش یاوہ گوئی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دہلی کی سکونت چھوڑ کر بمقام کیلوگڈھی عالیشان محل اور بے نظیر باغ بنایا تھا۔ جس میں صبح شام جلسے اڑائے جاتے تھے۔ اس محل کے قریب امراء نے بھی اپنے عالیشان مکانات بنائے تھے۔ امرا کو ان جلسوں میں جانا پڑتا تھا۔ اس لئے خانقاہیں بند اور مساجد نمازیوں سے خالی پڑی تھیں۔ ہاں شراب خانے معمور تھے۔ شراب نہایت گراں تھا۔ اور سامان عبادت ارزاں۔ خوف خدا یا فکر دنیا و دنیا کا نام تک نہ تھا۔ مست عام تھی مسلمان عیدیں مناتے تھے تو ہندو ہولی کھیلتے اور رام لیلا کا لطف اٹھاتے ہر کوچہ پریوں کا اکھاڑا اور ہر بازار حسینوں کا اڈا تھا۔ خود بدولت تو اس لہو و لعب اور عیش و عشرت میں مبتلا تھے۔ اس کا وزیر نظام الدین برادر زادہ و داماد ملک الامراء فخرالدین کا تھا۔ وہ حریص خود غرض محسن کش ہوا تھا۔ باہر کاروبار سلطنت پر نظام الدین متصرف تھا۔ اور اندر حرم سرائے میں اس کی بیوی دختر ملک الامراء بادشاہ کی ماں بنی ہوئی تھی۔ اور دونوں نادان بادشاہ کو برائی کی طرف سے ہرگز نہ روکتے۔ بلکہ تائید کرتے۔

نظام الدین وزیر کی شرارتیں

تمام سلاطین غلام ترک تھے۔ التمش نے ترک غلاموں کی تربیت میں خاص توجہ کی اور اس کے عہد میں چالیس غلام گورنری اور سپہ سالاری کے مرتبہ تک پہنچ گئے اور ہندوستان کے مختلف صوبجات پر حکمران رہے۔ ان چہل گانی ترکوں میں سے

اکثر کو بلبن نے بخیال رقابت ٹکانے لگا دیا۔ باقی ماندہ بلبن کے عہد میں معتبر اور طاقتور تھے۔ اور ترکی نسل کی سلطنت کے حامی و مددگار تھے۔ نظام الدین جو کیقباد کی غفلت و عیاشی سے خوابان سلطنت تھا تر کوں کا زور گھٹانے کے درپے ہوا۔ سب سے اول حق دار سلطنت کیخسرو ولد سلطان محمد شہید کی ہلاکت کا منصوبہ کیا۔ کیقباد کو سمجھایا۔ کہ کیخسرو دعویدار سلطنت ہے۔ سلطان بلبن نے اس کو ولیعہد مقرر کیا تھا۔ امراء ملوک کو اس کی طرف رغبت ہے قابو پاکر آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اپنی اور تاج و تخت کی خیر چاہتے ہو۔ تو اس کو ملتان سے بلوا کر سستہ ہی میں مروا دیجئے۔ کیقباد نے حالت نشہ میں کیخسرو کی طلبی اور قتل کا حکم لکھدیا اور کیخسرو راہ میں ہی تھا۔ کہ رہتک کے قریب ان قاتلوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ جو نظام الدین نے مقرر کئے تھے اس واقعہ سے امرائے بلبنی میں ایک کھلبلی پڑ گیا۔ مگر چالاک نظام الدین نے خواجہ خطیر وزیر کیقباد کی تشہیر و تحقیر سے خاص و عام کے دلوں پر رعب جما دیا۔ نو مسلم مغل کئی ہزار دہلی میں آباد ہو گئے تھے اور اپنے قومی جوش ذاتی تہور سے دربار دہلی میں طاقتور گروہ شمار ہوتا تھا۔ اور حدت ارادت سے شاہ دہلی کے آڑے وقت کام آسکتے تھے۔ ان کے برخلاف کیقباد کو کہا۔ کہ مغل شورہ پشت ہیں اور اپنی کثرت تعداد اور قومی شجاعت کے بھروسہ غدر کے منصوبہ کرتے ہیں۔ کیقباد نے مغلوں کے دفعیہ کا حکم دیا۔ مغل سردار ایک ہی دن میں کوشک سلطانی میں دھوکہ سے بلا کر قتل کئے گئے۔ ان کا گھر بار لٹ گیا۔ بال بچے گرفتار کئے گئے۔ اپنے بہادر جان باز مغلوں کے قتل کے بعد ان کے آشناؤں دوستوں رشتہ داروں کو جو امرائے ہند میں سے تھے قید کر کے دور دراز قلعوں میں بھیجدیا۔ ملک شاہک گورنر ملتان اور ملک توزکی مدبر جنگ کو جو امرائے بلبنی سے ممتاز تھے فریب و دھوکہ سے مروا دیا۔ باقی امراء پر ایسا خوف طاری ہوا۔ کہ کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ جو لوگ جوش وفاداری میں نظام الدین کے منصوبہ بیوفائی اور خیالات شاہی سے کیقباد کو اطلاع دیتے نادان کیقباد سب کچھ نظام الدین سے کہدیتا۔ جو نظام الدین کے ہاتھ سے ہر ایک قسم کی سزا پاتے اب خیر خواہی کا دروازہ بھی بند ہوا۔ اور کوئی خیر دینے والا نہ رہا۔ نظام الدین حصول تخت کے لئے ہر ایک قسم کی کوشش کر رہا تھا۔ اوس کے چچا ملک الامراء نے ہر چند سمجھایا کہ بیوفائی کا نتیجہ بربادی ہے۔ خدا کبھی پھل نہیں کھا سکتا۔ اس حرکت سے

شراب خانہ شراب

کیقباد کے حالات اس قدر گندہ ہیں۔ کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر بدنما دھبہ لگا ہوا ہے۔ مؤرخین اسلام نے وہ حالات مفصل اور واضح لکھے ہیں۔ مگر فقیر ان تمام حالات کی تفصیل کو اس لئے قلم انداز کرتا ہے۔ کہ اس اسلامی تاریخ کی غرض تالیف درستی اخلاق ہے۔ اور کیقباد کے تفصیلی حالات نوجوان ناظرین کتاب کی بددلچسپی کا باعث ہونگے۔ مگر جس قدر حال لکھا جاوے گا۔ وہ ایک فہمیدہ شخص کے لئے جس کے دل میں کچھ انسانی درد ہو۔ ایک عمدہ سبق ہو سکتا ہے۔ آجکل میخواری کی اس قدر کثرت ہے۔ کہ ملازمت پیشہ تعلیم یافتہ اور دولت مند اشخاص میں سے بہت کم لوگ بچے ہوئے ہیں۔ جوں جوں انگریزی تعلیم اور یورپین سوسائیٹی کا اثر بڑھ رہا ہے اسی قدر شراب کا رواج زیادہ ہو رہا ہے۔ گو ہندو مسلمان۔ عیسائی۔ پارسی مذاہب کے واعظ شراب کی برائیاں بیان کرتے کرتے تھک گئے۔ اور کیقباد جیسے لوگوں کے عبرت بخش حالات سنا سنا کر اور تصویریں دکھا دکھا کر عبرت دلاتے ہیں۔ مگر اثر کچھ نہیں ہوتا +

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مذہب کا خوف نہیں رہا۔ گورنمنٹ پروا نہیں کرتی سوسائیٹی میں معیوب نہیں۔ بلکہ عموماً اس کی تو روح رواں ہے۔ ترقی مناصب میں شرابخوری حارج نہیں ہوتی۔ وجاہت دنیاوی میں خلل انداز نہیں۔ پس شراب کی بندش ہو تو کس طرح ہو +

کیقباد کی خوبصورت جوانی اور آخیر کی پژمردگی و ناتوانی قابل غور ہے۔ دو سال کی میخواری اور عیاشی نے بیس سالہ نوجوان شاہزادہ کو کہلا دیا۔ اور مرض فالج میں جو شراب کا عموماً نتیجہ ہوتا ہے مبتلا کر دیا۔ شراب خوار خیال کریں۔ کہ گو ابتداء میں ہضم طعام یا طاقت بڑھاتی ہے۔ لیکن جب عادتاً غذا بنجاتی ہے۔ تو فائدہ نہیں دیتی اور معمول سے زیادہ بڑھانی پڑتی ہے۔ اور آخر کیقباد کی طرح نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ہم نے قوی ہیکل تنومند اشخاص کو شراب سے برباد و ہلاک ہوتے دیکھا ہے۔

شریعت میں شراب کو ام الخبائث کہا گیا ہے۔ یعنی تمام گناہوں۔ برائیوں عیبوں کی جڑ ہے۔ شراب سے غرور و تکبر۔ شہوت پیدا ہوتی ہے۔ عقل و فہم جو نعمت الٰہی ہیں۔ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ افعال شنیعہ کی خواہش و ارتکاب شروع ہوتا ہے۔ اور شراب خوار اپنی اصلی طاقت سے زیادہ آرزو کرتا ہے۔ اور شراب کو ذریعہ طاقت جانتا ہے۔ اور کالبد جسمانی سے جب زیادہ کام لیا جائے۔ تو آخر بگڑ جاتا ہے۔ اور ہلاکت کا ذریعہ بنتا ہے۔ یعنی شراب تھوڑی ہو یا بہت ہر حال میں جسمانی روحانی عوارض کا باعث ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس کو مطلق حرام قرار دیا ہے۔ پس جب تک نوجوان حرمت شراب کی فلاسفی پر یقین نہیں کرینگے۔ تب تک شراب کی ترک محال ہے۔ جوان مرگی کے حادثے جائداد کی بربادی صحت کی خرابی۔ پسماندوں کی فلاکت۔ دین و دنیا کی رسوائی۔ میخواری سے حاصل ہوتی ہے ؎

نمیدانند اہل غفلت انجام شراب آخر　　بآتش میروند ایں غافلاں از راہ آب آخر

لٹریچر کی خرابی

شراب خواری کی تائید فارسی لٹریچر نے بہت کچھ کی ہے۔ شاعروں نے زور طبع ساقی و شراب کے تلازمات پر خرچ کیا۔ خدا کی محبت اور عشق الٰہی اور عطائے فیض ربانی کی آرزو بھی شراب و ساقی کے الفاظ میں کی گئی۔ حافظ شیرازی جیسے عارف پاکباز کی تو سرمایہ ہی یہی ہے۔ مرنے کے بعد بھی شراب کی خواہش کرتا ہے اور کہتا ہے ؎

من ارزانکہ گردم بمستی ہلاک　　بآئین مستان بریدم بخاک
بتابوتے از چوب تاکم کنید　　براہ خرابات خاکم کنید
بآب خرابات غسلم دہید　　پس انگاہ بر دوش مستان نہید
مریزید بر گور من جز شراب　　میارید در ماتم جز رباب

حکیم گنجوی جیسا صوفی مشرب پابند ظاہر بھی ہر ایک داستان کے خاتمہ پر شراب و ساقی کو ہی پکارتا ہے۔ یہی حال دیگر شعرائے جلیل القدر کا ہے۔ لچر یاوہ گوؤں

کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ کیقباد کو تو اس قسم کے اشعار نے لولی بچہ کی زبانی سنکر دوبارہ ؎

شب نمے تو بہ کنم از بیم نازِ شاہداں　　با مداداں روی ساقی باز در کار آورد

میخواری و شاہد بازی پر متوجہ کیا تھا ۔

فارسی لٹریچر کا اثر اُردو پر پڑا۔ اور اُردو کے شاعر اسقدر بے باک ہو گئے۔ کہ ایک مسلم اُستاد کہتا ہے ؎

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے　　رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

اس سے بڑھ کر شراب کی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے۔ بوڑھاپے۔ کمزوری۔ ناتوانی۔ نے اس قابل نہیں چھوڑا۔ کہ ہاتھ تک ہلا سکے یا شراب کا پیالہ مُنہ تک لا سکے۔ آخیر وقت ہے۔ ساغر و مینا کو سامنے رکھنے کی آرزو کرتا ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ اس مخرب اخلاق لٹریچر نے میخواری کو ترقی دی۔ جب کسی کو نصیحت کرو۔ کوئی نہ کوئی شعر سنا دیتا ہے یہ شاعری قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ قوم کو برباد کر رہی ہے۔ شاعرانِ باکمال کا فرض ہے۔ کہ اس طرز بیان کو ترک کریں بلکہ شراب کی مذمت اور میخواری کی ذلیل حالت کا نقشہ کھینچکر قوم کو سُنائیں۔ ایسے اشعار تعلیمی کورسوں میں داخل کئے جائیں۔ اور اشعار موید شراب تعلیم سے خارج کئے جائیں ۔

باپ کی بیٹے کو نصائح

بعد ازاں نے کیقباد کو جو نصائح کیں۔ اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک تو شاہانِ اسلام کی دماغی قابلیت انتظامی لیاقت اور ان کا دستور العمل دوم نالائق بیٹے کی باپ کی نصیحت سے سرتابی اور اپنی بربادی۔ اسی طرح جو بیٹا اپنے شفیق باپ کی پند و نصیحت پر عمل نہیں کرتا۔ کیقباد کی طرح ناکام ہلاک ہوتا ہے نوجوانوں کو کیقباد کے حال سے سبق لینا چاہئے ۔

نصائح

فرزند من۔ ہر ایک انسان اپنی بہتری و ترقی چاہتا ہے۔ لیکن ایک باپ

ہے۔ جو بیٹے کی ترقی اقبال اپنی ذات سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ تم جو میری آنکھوں کا نور اور دِل کا سرور ہو یاد رکھو کہ بادشاہ کو سب سے زیادہ اعوان و انصار کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہنشاہ جہانگیر وہ ہوتا ہے۔ جس کے ماتحت کم سے کم دس خان ہوں۔ اور ہر ایک خان کے ماتحت دس ملک اور ہر ایک ملک کے ماتحت دس سالار اور ہر سالار کے ماتحت دس سرخیل اور ہر سرخیل کے ماتحت دس چیدہ شہ سوار ہوں۔ جو اس قدر فوج نہیں رکھتا۔ تو وہ ایک اعلیٰ زمیندار ہے اور اخراجات جنگی اور انتظامی کے لئے احتیاطی خزانہ ضروری ہے جس بادشاہ کے خزانہ میں اس قدر روپیہ موجود نہ ہو۔ کہ کسی جنگی مہم کا خرچ برداشت کر سکے یا قحط سالی میں رعایا کی مدد کر سکے وہ ہرگز بادشاہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے اصلی بادشاہ وہی ہے۔ جس کے ملک میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ اس کے عدل و احسان پر امن انتظام سے رعایا فارغ البال آسودہ حال ہو۔ اور وہ ہمیشہ رعیت کی ہر ایک تکلیف دُور کرنے کے لئے تیار رہو ٭

بادشاہ کا فرض ہے۔ کہ قحط کے دنوں میں بلا غرض خزانوں کے مُنہ کھول دے اور تنگدست رعیت کی مدد کرے۔ اور ایسے نرخ اور ضابطہ مقرر کرے۔ کہ رعایا افلاس و درماندگی میں مبتلا ہو کر بھوک کے عذاب سے ہلاک نہ ہو ٭

عزیزمن۔ میں دو سال سے تمہاری کثرت عیاشی کے افسانے سُن رہا ہوں حیران ہوں۔ کہ ایسی حالت میں تم اب کس طرح زندہ رہ سکتے ہو۔ بھلا ایسے غافل و عیاش کو کون چھوڑتا ہے۔ امور سلطنت سے بے خبری اور غفلت صرف ملک کو نہیں کھوئے گی۔ بلکہ ساتھ ہی تمہاری عزیز جان بھی جاتی رہیگی۔ طمع سلطنت باپ بیٹے کو لڑا دیتا ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں۔ کہ اگر موقعہ ملے۔ تو سلطنت کی خواہش نہ کرے۔ تمہاری غفلت شعاری عیاشی کے حالات سُن کر باپ کی سلطنت خاندان اور تمہارا ماتم کر چکا ہوں۔ میں یہ سنکر کہ تم نے میرے باپ کے نمکخواروں اور خاندان کے خیر خواہوں کو ہلاک کر دیا۔ پیچ و تاب کھا رہا ہوں ٭

میرا بڑا بھائی خان شہید مر چکا۔ اس کے بیٹے کو تم نے ذبح کرا دیا۔ میں لکھنوتی

پڑا ہوں۔ تمہارا یہ حال اب جوں ہی تیرا فیصلہ ہوا۔ سلطنت دوسرے خاندان میں منتقل ہو جائیگی۔ ہمارا نام و نشان مٹ جائیگا۔ میرے پدر بزرگوار نے مصیبتیں اُٹھا کر سلطنت کو بنایا تھا۔ اور تم کو بغیر تکلیف مل گئی۔ اِس کی قدر نہیں کرتے۔ تمہارے یہ دو سال بھی میرے باپ کے رعب و انتظام کے سبب سے گذر گئے۔ ورنہ تم تو ایک دن بھی بادشاہ نہیں رہ سکتے تھے۔ افسوس تم کو اپنی ذات کی بھی خبر نہیں۔ ذرا شیشہ میں مُنہ تو دیکھو۔ تمہارا وہ حُسن یوسفی کہاں۔ پھُول سے چہرے کملائے ہوئے ہیں۔ ارغوانی رنگ اب زعفرانی ہے خون کا نام تک نہیں رہا۔ سب عیاشی حرامکاری کی نذر ہو چکا۔ بھلا جس کو اپنی جان کی خبر نہیں۔ وہ امور جہانداری سے کیا خبر رکھ سکتا ہے۔ مجھ کو شفقت پدرانہ مجبور کرتی ہے۔ جو صاف صاف کہہ رہا ہوں۔ ورنہ اوروں کو اس قدر دلسوزی و ہمدردی کی کیا ضرورت ہے ؟

کثرت ازواج سے اولاد زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ مگر میرا باپ (بلبن) فرمایا کرتا تھا کہ میں بیگمات اور کنیزوں سے زیادہ اولاد پیدا کر سکتا ہوں۔ لیکن کثرت اولاد سے آخر سلطنت برباد ہوتی ہے۔ عموماً نہ تو بادشاہ بھائی بھی انصاف کرتا ہے۔ اور نہ ماتحت بھائی پوری پوری اطاعت کرتا ہے۔ نتیجہ اختلاف و نفاق نکلتا ہے۔ اور بادشاہ دوسرے بھائیوں کو قتل۔ قید جلاوطن کرتا ہے۔ یا باہمی کشت و خون سے سلطنت دوسرے خاندان میں چلی جاتی ہے۔ اور سابقہ شاہی خاندان کی بربادی کے ساتھ ہی اعوان و انصار نمکخوار بہ تیغ کٹے جاتے ہیں۔ یہ تمام کشت و خون کا جوابدہ وہ عیاش بادشاہ ہوتا ہے جو شہوت پرستی سے زیادہ اولاد پیدا کرتا ہے۔ دیکھو تمہاری عیاشی نے رعیت کو بھی بدچلن عیاش کر دیا۔ قاعدہ ہے کہ بیخواہ۔ زنا کار بادشاہ کے اراکین سلطنت خصوصاً اور طبقہ رعایا میں عموماً یہی عادات رزیلہ اثر کر جاتی ہیں۔ اگر بادشاہ نیک چلن پرہیزگار ہو۔ تو ماتحت بھی اتقاد ورع کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ میرا باپ بلبن فرماتا تھا۔ کہ جہانداری کے لئے پانچ چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) عدل و احسان (۲) برجستگی فوج اور خوشنودی رعایا۔ (۳) خزانہ میں کافی روپیہ (۴) خیر خواہوں۔ وفاداروں کی پرورش اور حوصلہ افزائی (۵) ملک کے ہر ایک طبقہ رعیت بلکہ ہر ایک فرد کے حالات سے باخبر رہنا۔ لیکن تم میں ایک وصف بھی نہیں ہے۔ بھانڈ۔ نقال۔ ارباب۔ نشاط۔ طوائف تمہارے دربار کی زینت

اور یہی لوگ تمام خزانے کے مصرف ہیں۔ تمہارے جلیس و ندیم خود غرض غیر شرع ہیں۔ تم کو کب راہِ راست پر آنے دینگے۔ مجھ کو صرف محبت پدری مجبور کر رہی ہے ؛

میں اب ان چند نصائح پر کلام ختم کرتا ہوں۔ اور تم سے وداع ہوتا ہوں (۱) اگر تم کو خدا کا خوف مخلوق کا شرم نہیں تو اپنی جان اور جوانی پر ترس کھاؤ۔ اور عیاشی کو بالکل چھوڑ دو شاہدانِ بازاری کو نکال دو۔ خود غرض لالچی مصاحبوں کو موقوف کرو۔ کیونکہ اول جان دنگاہ جہان (۲) کسی کے بہکانے پر امرائے سلطنت کو قتل و ہلاک نہ کرو۔ یہی لوگ سلطنت کے بازو اور مددگار ہوتے ہیں۔ اس سے اعتبار جاتا رہتا ہے۔ اور موقعہ پر کوئی یار مددگار نہیں بنتا ایسا سلوک اختیار کرو۔ کہ دشمنوں تک بھی دوست بنجائیں (۳) نظام الدین اور قوام الدین جو اس وقت موجود ہیں ان کے ساتھ اور دو۔ امیر شریک انتظام بنا کر ایک کونسل مقرر کرو۔ اور ہر ایک کے سپرد علیحدہ علیحدہ محکمہ وزارت۔ فوج۔ دفتر۔ مال کرو۔ ہر ایک معاملہ چاروں کی صلاح و مشورے سے کرو۔ ایک شخص کے ہاتھ میں کل انتظام سلطنت نہ دو بلکہ ہر ایک معاملہ چاروں ممبران کونسل کے روبرو اور اتفاق رائے سے فیصلہ کیا جاوے تاکہ تم ہر ایک ممبر کونسل کے نیک و بد سے خبردار رہو۔ اور اپنے مدبر و منتظم دادا کے قوانین کو ملک میں رواج دو۔ اور رعب سلطنت کو قائم رکھو۔ اگر جب تک شراب چھوڑ دو گے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکیگی۔ (۴) چوتھی نصیحت یہ ہے۔ کہ میں نے سنا ہے۔ کہ تم نماز نہیں پڑھتے۔ اور روزہ رمضان نہیں رکھتے۔ لالچی علماء کے فتوے سے ایک غلام آزاد یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا کر روزہ کی فرضیت سے سبکدوش ہو جاتے ہو۔ یہ حریص اور بیدین علماء کا حیلہ ہے۔ یہ تو اُن لوگوں کے لئے ہے جو کسی جبر و عارضہ کے سبب سے روزہ نہ رکھ سکیں یا کوئی اتفاقیہ روزہ رہ جائے۔ اس طرح اس کی تلافی کا حیلہ ہوسکتا ہے نہ کہ نوجوان تندرست آسودہ حال خصوصاً سلطان کے لئے جو شراب خوری بدکاری کے لئے موقعہ نکالتا ہو۔ اور عیاشی و بدکاری کے لئے قدرت و توانائی رکھتا ہو۔ اور روزہ سے بچنے کے لئے حیلہ کو کام میں لاتا ہو ؛

تمہارا دادا (بلبن) فرمایا کرتا تھا۔ کہ علماء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ علمائے آخرت جو طمع و لالچ سے آزاد اور قول و فعل کی مطابقت میں صادق ہوتے ہیں ؛

دوسری قسم علمائے دنیا کے ہیں۔ جو دیوانہ کتے کی طرح ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں

اور عموماً اہل دول کے گھروں پر پھرتے رہتے ہیں۔ اُن کا پیشہ مسایل دین کی تحریف و تاویل ہوتا ہے۔ عقلمند دیندار بادشاہ کا فرض ہے۔ کہ راستی پیشہ علماء کے کہنے پر عمل کرے اور دین فروش دنیا پرست علماء کو اپنے پاس تک بھٹکنے نہ دے۔ نجات اسی میں ہے کہ شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام اُنہیں لوگوں کے حوالہ کیا جاوے۔ جو عامل بالشرع مقلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ تم نے اپنے جد بزرگوار کو دیکھا ہے۔ کہ وہ کس قدر پابند صوم وصلوٰۃ تھے صیام وقیام میں کوئی شیخ وزاہد بھی اُن کی (بلبن) برابری نہیں کرسکتا تھا۔ ہم دونوں میں سے اگر کوئی بھائی نماز جماعت میں کبھی شامل نہ ہوسکتا تھا۔ تو ایک ایک ماہ ہم سے بات تک نہ کرتے اور ترک نماز کی سخت پرسش فرماتے جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ اور جو روزہ کھاتا ہے جوان مرتا ہے۔ پس میری سخت تاکید ہے کہ روزہ رمضان نہ کھاؤ اور نماز ترک نہ کرو۔ اور کوئی خیر خواہ دیندار بطرز ناصح اپنے پاس رکھو جو وقتاً فوقتاً تم کو پابندی شریعت کی ہدایت کرتا رہے۔

بغراخان اس قدر کہہ کر زار زار رونے لگا۔ اور بیٹے کو بار بار چومنے لگا۔ اور بغلگیر ہوکر بوقت وداع کیقباد کے سر و چشم کو بوسہ دیتے ہوئے کان میں کہہ دیا۔ کہ نظام الدین وزیر کو مروا ڈالنا۔ ورنہ وہ تم کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اور شعر ذیل پڑھتا ہوا رخصت ہوا ؎

بگذار تا بگریم چوں ابر نوبہاراں کز سنگ گریہ آید روز وداع یاراں

حاضرین بغراخاں کی یہ حالت دیکھ کر زار زار روتے تھے۔ بغراخاں روتا چلاتا ہوا سوار ہوا اور منزل پر پہنچ کر کھانا نہ کھایا۔ اور مصاحبوں کو کہا۔ کہ آج میں نے بیٹے اور سلطنت دونوں کو ہمیشہ کے لئے وداع کیا ہے۔ کیقباد جلدی ہی مارا جائیگا۔ اور سلطنت ہمارے خاندان سے نکل جائیگی۔ بغراخاں اسی غم وغصہ سے روانہ بنگالہ ہوگیا۔

باپ کی نصیحت سے روگردانی اور بربادی

کیقباد کی عیاشانہ داد و دہش کی شہرت تمام ملک میں پھیل چکی تھی۔ اس لئے گداغازیان نامدار ارزلان بدکار وغیرہ بازاری رنڈیوں طوائف نے دور دور سے دہلی کی طرف کوچ کیا تھا۔ کیقباد کے تحفہ اور پیشکش کے لئے خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں کو گانے بجانے لطیفہ گوئی۔ بذلہ سنجی۔ شطرنج و نردبازی۔ شاہ سواری۔ گیند و چوگان بازی نیزہ بازی و شمشیر زنی وغیرہ

فنون کی تعلیم و تربیت دیکر عیاش کیقباد کی دل لگی اور پیوند دلبستگی کیلئے خوبصورت اور قیمتی لباس اور زیورات پہناکر کیقباد کے راستہ میں کھڑا کرتے۔ چند روز تو ضبط رکھا۔ مگر ؎ پند پدر نافع نشد رسوائے مادر زادرا۔ کے مطابق آخر ایک لولی بچہ شوخ و شنگ نے عین سواری کے وقت اپنے حسن داد اکے جوہر دکھاکر کیقباد کو گرفتار بند مصیبت کرلیا۔ اور جیساکہ پہلے لکھا گیا ہے۔ باپ کی نصیحت کو پس پشت ڈالکر علانیہ شراب کا دور چلنے لگا۔ اور ملاہی و مناہی میں غرق ہوگیا ؛

بات یہ تھی کہ بقول ؎ چھٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی۔ شرابخوری اور عیاشی کیقباد کی طبیعت میں راسخ ہوگئی تھی۔ چند روزہ ترک صرف باپ کی نصیحت کے شرم و حیا سے تھی۔ ورنہ وہ دل سے بُرا نہ جانتا تھا کہ ایک شاہد بازاری کے ناز و کرشمہ دکھانے اور ترغیب دینے سے عیاشی پر آمادہ ہوگیا۔ جن لوگوں کو یہ مرحلہ پیش آچکا ہے یا کسی ایسے شخص کی حالت کو دیکھا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ شراب و زنا ایسی بُری عادتیں ہیں۔ کہ جب تک دل پر کوئی مذہبی چوٹ نہ لگے یا کوئی اور سخت سبق آموز حادثہ پیش نہ آئے۔ یہ بُری اور ذلیل عادتیں ہرگز نہیں چھوٹ سکتیں۔ کیقباد اس دفعہ ایسا از خود رفتہ ہوگیا۔ اور ان دشمنان اخلاق کے ہاتھ میں ایسا گرفتار ہوا۔ کہ تمام دن ان اعدائے دین کے ساتھ شطرنج و نرد کھیلتا اور شراب کا دور چلتا رہتا۔ تمام امور سے غافل صرف عیاشی میں منہمک رہتا دربار کیا تھا۔ اندر کا اکھاڑا تھا۔ جس میں رنڈیوں۔ کنچنیوں۔ امردوں۔ بھانڈوں۔ مسخروں کا ہجوم تھا۔ اور ملک کی آمدنی انہیں لوگوں پر خرچ کرتا۔ اسی موقعہ پر زبدۃ التواریخ کے مصنف نورالحق ولد شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

مثنوی

بہر کامے و لے کامے گرفتے	جہان دادے و جامے گرفتے
سپاہی رنج و مطرب گنج میبرد	یکے رنج و یکے نا رنج میبرد
درم افزوں زقدر مرد میداد	بمطرب گنج باد آورد میداد

کیقباد کی اس قدر شیفتگی سے یہ زنا پیشہ قوم اس قدر نمودار ہوگئی۔ کہ کوچہ و بازار و بام جدھر دیکھو یہی لوگ نظر آتے تھے۔ امیر و وزیر وضیع و شریف سب عیاشی کے دریا میں ڈوب گئے۔ بقول ضیا برنی اس کے اثر سے عابد و زاہد بھی نہ بچ سکے۔ میخانہ معمور اور مسجدیں

خالی رہ گئیں۔ نادان بادشاہ نے توخزانہ لٹادیا۔ اوروں نے قیمتی جائیدادیں کھودیں۔ کئی ایک خاندانی شریف زادے مفلس و نادار ہوگئے جس کے سودیباچ فروخت جائدادسے ہندوملتانی شاہوکار مالامال ہوگئے۔ بیسیوں امیرزادے نادار ہوکر دہلی سے لکھنوتی چلے گئے۔ سچ ہے کوئی قانون اسقدر اثر نہیں کرسکتا جسقدر کہ خود بادشاہ اور افسران سرکاری کے اعمال اثر کرتے ہیں رعیت کی نیک چلنی و بدچلنی کے ذمہ وار اس ملک کی گورنمنٹ ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں رعیت کا سدھارنا اور بگاڑنا ہوتا ہے۔

کیقباد تو تین سال عیاشی میں اپنی مال و جان کھوتا رہا۔ مگر نظام الدین اور قوام الدین جو اعلیٰ درجہ کے منتظم و مدبر تھے۔ ملک کو سنبھالے رہے نظام الدین میں اگر مادہ تنکحرامی نہ ہوتا۔ اور طمع سلطنت سے اندھا نہ ہوجاتا۔ تو بینظیر بدبر ثانی آصف برخیا تھا۔ مردم شناسی کا جوہر اسقدر رکھتا تھا کہ انسان کو دیکھتے ہی اسکی عام لیاقت اور حالت بتادیتا تھا۔ اور ہر ایک کو عہدہ و منصب لیاقت کے مطابق عطا کرتا۔ کیقباد کی نالائقی نے اسکو سلطنت چھیننے پر آمادہ کیا۔ اور سچ یہ ہے کہ نظام الدین کے کرتوت تو ظاہر ہوگئے معلوم نہیں کہ اس نازک وقت میں اور کس کس کو آرزوئے سلطنت پیدا ہوئی ہوگی نظام الدین کی ناکامی پر جلال الدین خلجی کھڑا ہوگیا۔

کیقباد کو باپ کی اور نصیحت تو کوئی یاد نہ رہی اور سب کو شہوت پرستی کے سمندر میں بہادیا۔ مگر نظام الدین کے دفیعہ کی تدبیر سوچتا رہا آخر دہلی پہنچنے سے چند ماہ بعد ہی نظام الدین کو گورنری ملتان پر جانیکا حکم دیا۔ نظام الدین سمجھ گیا کہ بغراخاں کی بات اثر کرگئی اب خیر نہیں ملتان کی تبدیلی سے انکار کیا نظام الدین کے دشمن بہت تھے اور بادشاہ کے بگاڑ کو خدا سے چاہتے تھے کیقباد سے نظام الدین کی ہلاکت کی اجازت لے کر شراب میں زہر دیکر مارڈالا نظام الدین سے تو چھٹکارا ہوا لیکن دہلی میں اب اور کوئی نظام الدین کے رعب داب اور لیاقت کا نہ رہا تھا۔ جو ایسے غافل عیاش سلطان کی وزارت کا کام سنبھال سکتا۔ لایق امراء کیقباد کی نادانی اور نظام الدین کی شرارت سے فنا ہوچکے تھے اس لئے ابتری پڑگئی۔ کیقباد جو شراب و جماع کی کثرت سے دن بدن کمزور و ضعیف زار و نزار ہورہا تھا۔ حتیٰ کہ شراب کے آخری نتیجہ لقوہ و فالج میں مبتلا

ہو گیا۔ امرا اس کی زیست سے مایوس ہو گئے ارا کین دربار نے کیقباد کے سہ سالہ بیٹے کیومرث نامی کو شمس الدین خطاب دیکر تخت پر بٹھایا۔ اور ایک ترک وزیر اور جلال الدین خلجی سپہ سالار مقرر ہوا۔

سلاطین غلام خالص ترک تھے اس عہد میں اکثر امرا و ملوک ترک برسر حکومت رہے نظام الدین نے ترکوں کا زور گھٹایا۔ مگر جو چند ترک امیر باقی تھے۔ انہوں نے پھر ترکوں کی طاقت بڑھانے کا خیال کیا۔ اور غیر قوموں کے امرا کو دفع کرنے کی تجویز کی قوم خلجی کا اس وقت زور تھا۔ اور ان کا سردار جلال الدین خلجی جو عہد بلبن میں چھاؤنی سمانہ واقعہ پٹیالہ کا کمانڈر اور پنجاب میں اعلیٰ فوجی خدمات کر چکا تھا۔ اور اس وقت سپہ سالار تھا۔ فہرست امرائے کشتنی میں اس کا نام بھی لکھا گیا تھا اور وہ سہارنپور میں قدیم و جدید فوج کو جمع کر رہا تھا۔ غالباً اس جمع آوری فوج سے ہی ترک امیر چونکنے ہوئے ہونگے اور جلال الدین کے مارنے کا ارادہ کیا ہوگا۔ ایک امیر ترک جلال الدین کے کیمپ میں گیا تاکہ دیکھ کر دہلی لائے۔ مگر جلال الدین کے ڈیرہ پر ابھی گھوڑے سے اترا ہی نہ تھا کہ جلال الدین کے پرجوش بیٹوں نے اسکو قتل کر دیا اور فوراً پانسو سوار لیکر دہلی پہنچے اور قصر شاہی سے شمس الدین ولد کیقباد کو اٹھا کر اپنے باپ جلال الدین کے پاس لے گئے اور ساتھ ہی ملک الامرا فخر الدین کوتوال کے بیٹوں کو بھی قید کر کے لے گئے ایک ترک امیر نے تعاقب کیا۔ لیکن مارا گیا۔ دہلی والوں نے کیقباد کے بیٹے کی مدد پر ہتھیار اٹھائے اور شہر سے نکلے مگر فخر الدین کوتوال نے اپنے قیدی بیٹوں کے خیال سے شہریوں کو واپس کر لیا۔ اور عام جوش فرو ہو گیا۔ جلال الدین کیلوگڑی میں پہنچ کر تخت نشیں ہوا۔ اگرچہ ابتدا میں خلجیوں کے تسلط سے بعض لوگ ناراض تھے مگر آخر سب راضی ہو گئے اور کیقباد کو ایک امیر کے ہاتھ سے جس کے باپ کو کیقباد نے مروایا تھا ہلاک کرا دیا اس ظالم نے محل شاہی میں جا کر کیقباد کو جو دم توڑ رہا تھا چند لاتیں مار کر ہلاک کیا اور کمبل میں لپیٹ کر دریائے جمنا میں بہا دیا۔ اور ترکوں کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ بیس سال کی عمر ۶۸۹ھ میں تین سال سلطنت کے بعد مرا۔

رباعی

اے دل تو دریں جہاں چرا بے خبری　　روزانہ شباں در طلب سیم و زری

سرمایۂ عمر در جہاں یک کفن است　　آن ہم بامیدے کہ بری یا نبری

تاریخ فرشتہ میں کیقباد کے واقعہ پر نظم لکھی ہے جو ناظرین کتاب کی عبرت کے لئے لکھی جاتی ہے۔

نظم

بناگاہ در قصر شاہ آمدند　　بخونِ پدر کینہ خواہ آمدند

بیک جا مخانہ تنِ شاہ را　　بہ پیچید آں قوم وحشت گرا

بکردند انگہ لگد مال زود　　فلک طرفہ بازی بخسرو نمود

چنیں بازی ایں گنبد نیلگوں　　نماید دریں دیر شش در فسوں

کشاند شہانرا بدست خساں　　کساں راکند عاجز ناکساں

سر تاجداراں بخاک افگند　　تنِ سرکشاں در مغاک افگند

ازاں رو درین عالم بے وفا　　نہ بستند دل اہل ملک دلا

سر از تاج شاہی و گردن کشی　　کشیدند باصد رضاء و خوشی

نہ امید از عالم خاک شاں　　نہ بیمی ز دوران املاک شاں

جلال الدین نے ملک چھجو کشلیخاں برادر زادہ بلبن کو جو حقدار سلطنت تھا۔ کڑہ (الہ آباد) جاگیر دیکر رخصت کیا۔ کیقباد کے بیٹے کو مروا کر محل کیقباد واقعہ کیلوگڑی میں تخت پر بیٹھا۔ اور باشندگان دہلی اور امرائے سلطنت کے تالیف قلوب میں ساعی ہوا۔

خلجی قوم کی اصلیت

خلجیوں کی اصلیت قوم کی بابت مورخین کا اختلاف ہے۔ نظام الدین ہروی) تو قاچ خاں داماد چنگیز خاں کی اولاد بتلاتا ہے جو معرکہ سندھ اور فتح ایران کے بعد باعث ناراضگی چنگیز خاں سے علیحدہ ہو کر معہ تین ہزار خاندانوں کے علاقہ غور میں سکونت پذیر ہوا اور یہ قوم شاہانِ غور کی فتح ہندوستان کے عہد میں دفتاً فوقتاً وارد ہندوستان ہوتی رہی فرشتہ اس روایت کے ساتھ ہی ترک بن یافث کے گیارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام خلج لکھتا ہے پہلی روایت درست معلوم نہیں ہوتی چنگیز خاں بت پرست یا بدھ تھا۔ اور اسلام کا دشمن تھا۔ اسکی تلوار کی مسلمان تاب نہیں لا سکے اس لئے ایسے جابر و قاہر اور طاقتور فاتح کشور کشا کو کوئی ضرورت نہ تھی کہ اپنی بیٹی کا نکاح ایک

مسلمان کے ساتھ کرے اگر قالج خان مسلمان نہ تھا بلکہ چنگیزی مذہب رکھتا تھا اور تیس ہزار خاندان کا سردار قوم تھا تو ایسے زبردست باغی کو اس کے بیٹے خصوصاً ہلاکو خاں خود مختار حالت میں کب چھوڑ سکتا تھا اور چنگیز خاں کا داماد معہ تیس ہزار خاندان جس میں کم سے کم ایک لاکھ جمعیت ہوگی۔ اس پرجوش مغلیہ عہد میں کب غور کے پہاڑوں میں بیکار بیٹھے سکتا تھا۔ جبکہ اور سرداران مغل اطراف عالم میں تاخت و تاراج اور فتوحات سے ہاتھ رنگ رہے تھے۔ دوئم یہ صریح غلط ہے کہ قالج خاں کی اولاد شاہان غور کی فتح ہندوستان کیوقت ہندوستان میں داخل ہوئی چنگیز خاں کا عروج سلطان محمد غوری کے انتقال کے بعد ہوا۔ معرکہ ۶۰۲ھ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوا۔ اس وقت غوریوں کی بساط اُٹھ چکی تھی سلطان جلال الدین خلجی ستر سال کی عمر میں ۶۸۹ھ کے اخیر میں قابض سلطنت ہوا۔ اس حساب سے وہ ۶۱۹ھ میں پیدا ہوا جبکہ التمش تخت دہلی پر متمکن تھا چونکہ اسکی عمر شاہان دہلی کی ملازمت جنگی اور مغلوں کے مقابلہ میں معہ اپنی قوم خلجی کے گذری اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ التمش کی اولاد کا فوجی سردار تھا اگر قالج خاں عہد التمش میں چنگیز خاں سے جدا ہوا۔ اور غور میں جنگی مہمات چھوڑ کر غور کی پہاڑی امن گاہ میں رہنے لگا۔ تو اس صورت میں جلال الدین یا تو قالج خاں کا پوتا نہیں یا قالج خاں چنگیز خاں کا داماد نہیں ہے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ نظام الدین اور فرشتہ خلجیوں کو چنگیز خاں کے داماد قالج خاں کی اولاد خیال کرکے چنگیز خاں کے بعد علاقہ غور میں آباد ہونا لکھتے ہیں۔ گویا اس سے پہلے افغانستان میں خلجیوں کا وجود نہ تھا۔ حالانکہ سلاطین غزنی کی فوج میں بہادران خلجی موجود تھے سلطان محمد غوری کی فوج میں سرداران خلجی کی شمولیت خود فرشتہ تسلیم کرتا ہے۔ پھر یہ کس طرح باور کیا جائے کہ قوم خلجی چنگیز خاں کے ساتھ افغانستان میں داخل ہوئی۔ اور اس قدر جلدی اسلام لاکر بلبن کے معتبر جرنیل مغلوں کے سدراہ بنگئے۔ جو نو مسلم مغل تھے کیقباد کے عہد میں نظام الدین وزیر کی شرارت سے سب ہلاک ہو چکے تھے۔ اور خلجیوں کو کسی نے نہ پوچھا علاوہ اس کے محمد غوری کے عہد میں قوم خلجی اپنے بہادر سردار بختیار خلجی کے ماتحت بنگالہ کو فتح کر چکی تھی اور اس کے بعد ایک خود مختار اسلامی سلطنت کی بنیاد بنگالہ میں ڈال چکی تھی۔

ان تمام حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلجی قوم گو نسل کے اعتبار سے ترک ہونگے مگر مدت سے افغانستان کے رہنے والے اور خاندان غزنی سے پہلے افغانستان میں جنگلی قوم موجود تھی۔ شاہان غزنی وغور کی فوج ظفر موج کا جزو اعظم خلجی رہے سلطان محمدؒ غوری جس کے قدر دان عہد میں بہادروں کو شجاعت کے جوہر دکھانے کا زیادہ موقعہ ملا۔ بہادران خلجی کا نام مشہور ہوا۔ دہلی کے سلاطین غلام کے عہد میں اگرچہ امرائے ترک کا زیادہ زور تھا مگر دوسرے درجہ پر قوم خلجی تھی یہی باعث ہے کہ ترکوں کا زور گھٹتے ہی خلجی سلطنت پر قابض ہو گئے مورخین کو لفظ قالج نے دھوکہ دیا ہے جس سے قلج اور خلج نکلا ہوا خیال کرتے ہیں۔ ورنہ جلال الدین اس قالج خاں کا پوتا نہیں ہو سکتا جو چنگیز خاں کا داماد تھا۔ جلال الدین اور دیگر خوانین خلجیوں کو ان خلجیوں کی اولاد کہنا چاہیئے۔ جو علاقہ غور وغیرہ حصص افغانستان میں رہتے تھے اور سلطان معز الدین محمدؒ غوری رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات ہند میں شامل رہے نہ وہ خالص ترک تھے نہ افغان بلکہ ایک تیسری قوم تھی۔ جو افغانستان کے مغربی حصے میں بکثرت آباد تھی۔ اور ان کا میل جمل افغانوں سے زیادہ رہا۔ بلبن کے عہد میں مغلوں نے زیادہ پرجوش حملے شروع کئے۔ اس لئے جنگی قوموں اور بہادر سرداروں کی سخت ضرورت تھی سمانہ واقعہ پنجاب کی چھاؤنی کا نائب سپہ سالار جلال الدین خلجی تھا جو بہادران خلجیہ کے ساتھ حملہ آور مغلوں کے منہ توڑ مقابلے کرتا رہا۔ جلال الدین اور اس کا بھائی شہاب الدین والد علاؤالدین کامل جہادی مذاق رکھتے تھے۔ کیقباد کی بیماری اور اسکے بیٹے کی برائے نام تخت نشینی کے وقت سپہ سالار ہو گیا۔ اور ترکوں کی کمزوری اور خلجیوں کی کثرت اور فوجی طاقت کے بھروسہ پر سلطنت کا خیال دامنگیر ہوا۔ سہارنپور۔ بہادرپور میں سابقہ فوج کے علاوہ جدید فوج بھرتی کرنے لگا۔ اگر جلال الدین کو طمع سلطنت نہ تھا تو اس فوجی طاقت کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی ایک دو ترک امیروں کو جو کچھ طاقت رکھتے تھے مار کر اور فخر الدین کوتوال کے بیٹوں کو قید کرنے سے سب راستے صاف کر لئے کیقباد کے بیٹے شمس الدین کو قابو کر لیا۔ تاکہ کوئی اور امیر اس برائے نام بادشاہ کے ذریعہ پاؤں نہ جما سکے اور کیا دگھڑی پہنچکر کیقباد کو صریحاً مروا دیا۔ اور اس کے بیٹے کو خفیہ ہلاک کرا کر سب کانٹے نکالکر تخت پر جلوس کیا گو ابتدا میں ترکوں کی جگہ خلجیوں کی حکومت لوگوں کو ناگوار گذری۔

مگر آخر امید و بیم و بذل و عطا سے سب خوش ہو گئے۔ جلال الدین نے تالیف قلوب میں اس قدر مبالغہ کیا۔ کہ باوجود دعوی دینداری و پرہیزگاری رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرتا شراب کا دور چلتا۔ خود پیتا اور پلاتا اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ پکا مسلمان نہیں تھا خواہ کس قدر نقصان اٹھانا پڑے۔ سچا مسلمان کبھی شراب نہیں پی سکتا یہ فعل حقیقی پرہیزگاری کے خلاف ہے۔ جلال الدین ملکی مصلحت میں دبا ہوا تھا۔ کیقباد کی سہ سالہ حکومت میں مےخواری اور عیاشی کے جلسوں کا ہی زور رہا۔ اور وزراء بلکہ زاہدوں تک عیاشی پر اتر آئے تھے خلجی ترکوں کے نمکخوار ملازم تھے عموماً اس انقلاب کو پسند نہیں کیا گیا تھا جلال الدین ہر دلعزیز بننے کے لئے شراب پیتا پلاتا رہا۔ مجالس عیش و عشرت کو جاری رکھا یہ اخلاقی جرم جلال الدین کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے جو اس کے دیگر واقعات سے بھی ظاہر ہوتی ہے

جلال الدین کا بھرے دربار میں تخت نشینی کیوقت اپنی سابقہ حالت ملازمت کو یاد کرنا اور محلے بلبن کے قریب جاکر گھوڑے سے تعظیماً اترنا۔ اور ایک امیر کے اعتراض کے جواب میں بلبن کی شان و شوکت عظمت و رعب اعوان و انصار کی کثرت اور اخیر میں اس کے خاندان کی اس قدر جلد بربادی اور دنیا کی بے ثباتی و زوال کے بارہ میں جلال الدین نے جو تقریر کی ہے اور جس کو ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں مفصل لکھا ہے۔ اس سے ضرور جلال الدین کی نیک ذاتی اور شریفانہ فطرت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن کیقباد اور اس کے خورد سال بیگناہ بیٹے کی ہلاکت پر نوشش نہ لینا جلال الدین کی تمام دینداری پر پانی پھیر دیتا ہے گو طبع سلطنت بری بلا ہے اور مدعیان حکومت سے ایسی حرکات ہوتی رہی ہیں لیکن جس شخص کا یہ قول ہو۔ کہ میں مسلمانی میں پیدا ہوا ہوں سوائے کفار مغل کے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا اور واقعی اپنے عہد حکومت میں چیونٹی تک کو بھی نہ ستایا ہو۔ اور ہمیشہ خوف قیامت سے جملہ مظالم سے دست کش رہا ہو اس کے اشارے سے ایسے خون کے واقعات حیرت بخش ہیں۔

ملک چھجو کی بغاوت

جلال الدین نے اپنے بھائی بیٹوں بھتیجوں کو بڑے بڑے عہدہ دیئے۔ دیگر امرائے بلبنی کو حسب مدارج انعام جاگیر سے خوش کیا ملک چھجو کشلیخاں جو بلبن کا بھتیجا اور اس عہد

میں جود وسخا اور شجاعت میں شہرہ آفاق تھا۔ چند نمکخواراں بلبن اور ہندو رؤساء اودھ کے درغلانے سے باغی ہو گیا۔ اور اپنا سکہ وخطبہ جاری کیا۔ مگر مقابلہ کے وقت جلال الدین کے دوسرے فرزند اس کلیخاں نے جب تلوار نکالی۔ تو ہندو فوج بھاگ نکلی۔ اور ملک چھجو کی شکست کا باعث ہوئی ملک چھجو معہ رفقا قید ہوا۔ قیدی امراء کو دست وپا بستہ دیکھکر جلال الدین کا دل بھر آیا۔ اور سب کو نہلا دہلا اور لباس فاخرہ پہناکر دربار میں بلایا اور قصور معاف کیا۔ ملک چھجو کو ملتان میں بطور اسیر سلطانی رکھا۔ اور جملہ سامان عشرت مہیا کر دیا اور یہی سلوک عام مجرمان رعایا سے کرتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نڈر ہو گئے چوری ڈاکہ کی واردات بڑھ گئی۔ جلال الدین کو امراء خلجی ناقابل سلطنت کہنے لگے غالباً اسی وقت سے علاؤالدین کو ارزوے سلطنت پیدا ہوئی ہوگی۔

علاؤالدین کے باغیانہ خیالات اور فتح دیوگڈھ

علاءالدین اور الماس بیگ پسران شہاب الدین سے جلال الدین کی بیٹیاں بیاہی گئی تھیں۔ علاؤالدین کی بیوی نہایت خوبصورت تھی غرور حسن اور باپ کی شاہی پر مغرور تھی وہ اور اس کی ماں ترکان جہاں جس کا جلال الدین پر بہت کچھ اختیار تھا علاؤالدین کو بہت دق کرتی تھی۔ بیوی اور ساس کے ہاتھ سے تنگ آکر وہ دہلی سے دور رہنا اور اپنے منصوبوں کو کامیاب بنانے کی تدبیر سوچتا تھا۔ کہ ملک چھجو کی جگہ سادہ لوح جلال الدین نے اپنے پروردہ برادرزادہ اور داماد علاؤالدین کو کڑہ (الہ آباد) کی حکومت عطا کی جلال الدین کا خیال تھا۔ کہ اودھ سے بغاوت کے بقیہ مادہ کو علاؤالدین دور کریگا مگر تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ کے راز سے ناواقف تھا۔ اسکو کیا معلوم تھا۔ کہ جسکو خیر خواہ حقیقی قابل اعتبار جانکر بغاوت دبانے کے لئے روانہ کرتا ہوں۔ یہی خود میری جان لیگا۔

علاؤالدین دربار سے دوری خدا سے چاہتا تھا۔ کڑہ پہنچکر پر پرزے نکالنے لگا۔ ملک چھجو کے ہمراہی ہندو مسلمان علاؤالدین کے رفیق ہو گئے۔ اور کہا کہ ملک چھجو کے پاس روپیہ ہوتا۔ تو ضرور تخت چھین لیتا۔ کڑہ میں فوج کی کمی نہیں۔ علاؤالدین کی نیت بگڑی ہوئی تھی۔ کسی دولت مند علاقہ کی تلاش کرنے لگا۔ تاکہ وہاں کی غنیمت سے طاقت بہم پہنچا سکے۔ یا کم سے کم بیوی اور ساس کی اذیت سے نجات پاکر کہیں دور دراز ملک میں

تشفین بنا سکے۔ آئندہ روندہ سے دکن کے حالات دریافت کرنے لگا۔ پتہ لگا کہ دیوگڈھ کا راجہ نہایت دولتمند ہے۔ وہ جمع آوری فوج اور سامان جنگ میں چپکے چپکے مصروف ہو گیا۔

جلال الدین کی غفلت اور علاؤ الدین کی چالاکی

جلال الدین تو ملک چھجو کے واقع کے بعد مطمئین ہو گیا کہ اب کوئی مدعی سلطنت نہیں رہا۔ ملک اس کے بیٹوں بھتیجوں اور دیگر خوانین ظلجیہ اور خیر خواہوں میں تقسیم سے سیاست سلطانی کو مطلق چھوڑ دیا۔ چور ڈاکو اس کے سامنے آتے۔ تو صرف پند و نصیحت کر کے چھوڑ دیتا۔ ہزار ٹھگ گرفتار ہو کر آئے تو ان کو بغیر سزا بنگالہ کی طرف نکال دیا انسان کو قید اور مصیبت نہ دیکھکر اس کا دل بھر آتا۔ چیونٹی تک کو ستانا پسند نہ کرتا امرا اور حریف مجلس اس قدر شوخ و گستاخ ہو گئے کہ بادشاہ کو رو در رو سرزنش اور ملامت کرتے۔ اور حلیم بردبار سلطان درگزر کر جاتا۔ جلال الدین کے قتل کے مشورہ کئے جاتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک امیر کے ہاں مجلس شراب میں ایک دو نے یہانتک کہدیا کہ ہم سلطان کا سر تلوار سے اڑا دیں گے۔ اہل مجلس میں سے کسی نے سلطان کو خبر کر دی۔ سب حاضرین مجلس پکڑے آئے۔ جلال الدین نے جس کو اپنی شجاعت پر کمال غرور تھا۔ تلوار میان سے کھولکر مفسدین کے سامنے رکھدی اور کہا کہ تم جو میرے مارنے کا مشورہ کرتے ہو۔ یہ لو تلوار پڑی ہے میں تنہا ہوں جو چاہے مقابل آئے۔ اور ہاتھ دکھائے۔ تم رنڈی باز۔ شراب خور۔ شاہد باز ہو مستی میں بکواس کرنا تو آسان ہے۔ لیکن مردوں کے سامنے آنا تم جیسے نامردوں سے کب ہو سکتا ہے مفسدین شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے۔ آخر اس ایک امیر نے جس نے بحالت مستی جلال الدین کا سر کاٹنے کا دعوے کیا تھا۔ عاجزانہ گفتگو سے سلطان کا غصہ فرو کیا اور متحمل سلطان نے سب کا قصور معاف کیا۔ اور اپنے ہاتھ سے اس مفسد امیر کو پیالہ شراب دیا۔ اور باقی مفسدین کو شریک محفل شراب کیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بوڑھاپے نے جلال الدین کے سامنے موت کا نقشہ کھینچدیا تھا۔ اور عذاب عقبیٰ سے ڈر کر قتل و مردم آزاری سے پہلو بچاتا تھا۔ اور طبعاً بھی قتل انسان سے نفور تھا۔ گو جہادی لڑائیوں

میں بہ تعمیل فاقتلوا ہم حیث ثقفتموہم" پچاس سال تک ہزارہا مغلوں کی گردنیں اڑاتا رہا۔

سید مولا کا واقعہ

سید مولا کا واقعہ نہایت عبرت ناک ہے۔ دنیا داروں اور درویشوں دونوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے۔ سلطنت کو درویشوں پر پولیٹیکل تہمتیں لگانے اور بدگمانی پیدا کرنے سے پرہیز مناسب ہے۔ اور درویشوں کو بھی آداب سلطنت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن امور سے محتاط و محترز رہنا چاہیئے۔ کہ جن سے گورنمنٹ کو پولیٹیکل بدگمانی پیدا ہونے کا موقعہ مل سکے۔ اور یہ اصول ہر ایک زمانہ میں دونوں گروہوں کے لئے کارآمد ہیں۔

سید مولا۔ جرجانی الاصل تھا۔ مغرب میں تعلیم پائی۔ اور جرجان واپس آکر ہندوستان کا سفر کیا۔ جہاں اس وقت کام کرنے والے اشخاص کے لئے میدان وسیع تھا۔ اور ہر ایک لیاقت والے اور اہل کمال کے لئے ہندوستان میں کمال قدر ہوتی تھی۔ اجودہن (پاکپٹن) پہنچکر قطب عالم شیخ المشائخ حضرت فرید الدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ اور بقول ضیاء برنی تین چار روز وہاں ٹھہر کر روانہ دہلی ہوا۔ حضرت قطب عالم نے بنور عرفان فرمایا۔ کہ تم دہلی جاتے ہو لوگوں کی آمد و رفت اور اظہار نام و نمود پسند کرتے ہو۔ تم خود اپنا نفع و نقصان سوچ سکتے ہو۔ لیکن امراء و ملوک کی آمد و رفت سے پرہیز کرنا۔ ورنہ اندیشہ ہلاکت ہے حضرت قطب عالم گنج شکر رضی اللہ عنہ نے گویا آنے والی مشکلات کو جتلا دیا۔

سید مولا بلبن کے عہد میں دہلی پہنچا۔ لنگر جاری کرایا۔ بہت بڑی عالیشان خانقاہ بنوائی۔ مسافرین۔ غربا۔ مساکین کو دو وقت کا کھانا ملتا تھا۔ اور حسب ضرورت نقدی سے بھی مدد کرتا۔ نہ کسی سے مانگتا۔ اور نہ کسی سے نذر و فتوح لیتا ترک جماعت و جمعہ کے سوا پابند صوم و صلوٰۃ زاہد و مرتاض تھا۔ اس کے لنگر میں روزمرہ ایکہزار من میدہ۔ پانچسو من گوشت تین سو من کھانڈ۔ دو سو من مصری اور اسی اندازہ سے دیگر اشیاء خوردنی خرچ ہوتی تھیں اور طرح طرح کے عمدہ کھانے دسترخوان

پہنچنے جاتے۔ جو امرا کے دسترخوان پر بھی کم دیکھے جاتے۔ باوجود اس کے سید مولا خود چاول کی روٹی یا سوکھی روٹی کھاتا۔ صرف ایک چادر پہنتا۔ کوئی لونڈی غلام خدمتگار نہ رکھتا۔ لذات شہوانی سے دور رہتا۔ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا۔ تحفہ انعام جاگیر وغیرہ کوئی ذریعہ آمدنی نہ رکھتا۔ حاجت مندوں کو پانچ پانچ ہزار تک نقد روپیہ دیتا۔ جب کوئی مانگتا تو یہ کہدیتا۔ کہ فلاں بوریا کے نیچے سے زر مطلوبہ اٹھالو۔ جو بالکل سکوکہ جدید ہوتا۔ لوگ اس کو کیمیا گر جانتے یا دست غیب کا عامل مانتے۔ ان تمام واقعات کو بہ تفصیل ضیاء برنی نے لکھا ہے جس نے بچشم خود سید مولا کی رونق کو دیکھا۔ مگر کسی مورخ نے ان واقعات کی فلاسفی بیان نہیں کی۔ مجھکو بھی کرامت اولیاء سے انکار نہیں مشہور قول ؎ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند۔ انہیں بندگان دین کی شان میں کہا گیا ہے۔ لیکن بحث یہ ہے کہ اگر سید مولا عموماً ایسا کرتا تھا۔ اور بوریا کے نیچے سے کئی کئی ہزار روپیہ نکالکر دیتا تھا۔ تو اس کو کرامت اولیاء کے ساتھ کہاں تک تعلق ہے۔ ہم نے جہاں تک حالات اولیاء اللہ پڑھے ہیں۔ ایسی کرامات کا ظہور شاذ و نادر ہی ہوا ہے۔ اور وہ بھی اضطراری طور سے نہ کہ استقراری اور دعائی طرز سے بلکہ ان کا تو ؎

گہی بر پشت پائے خود نہ بینم + کا زریں مقولہ تھا۔ اگر سید مولا سے کبھی کوئی ایسا واقعہ ہوا ہو تو تعجب نہیں۔ کرامت ہو سکتی ہے مگر تمام محتاجوں کو جن کی تعداد کا اندازہ مشکل ہے۔ نقدی حسب ضرورت دیتا تھا تو ہرگز کرامت نہیں بلکہ کوئی چالاکی تھی۔ اور حضرت قبلۂ عالم گنج شکر رضی اللہ عنہ کا اس دوکانداری سے اشارتاً منع فرمانا ہماری رائے کی تائید کرتا ہے۔ اور آخیر کو برائیت ضیاء برنی حصول سلطنت کے لئے منصوبے باندھنے سید مولا کی درویشی پر شبہ لگاتے ہیں۔ اور کہنا پڑتا ہے کہ مغربی سیاحت و تعلیم نے جہاں عبید اللہ بانی خاندان نبی فاطمیہ مہدی بانی خاندان موحدین مراکو حسن بن صباح جیسے لوگ زبردست سلطنتوں کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ سید مولا کو بھی اسی پیمانہ پہ کام کرنے کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ زہد و ریاضت اور مذہبی ادعا کے بغیر ایشیائی قوموں خصوصاً اہل اسلام میں کامیابی مشکل ہے۔ اس لئے سید مولا کی زہد و ورع عوام کی کشش کے لئے ضروری تھی

لنگر کا اجرا عموماً مشائخ کبار کا دستور ہے۔ مگر درویشوں کا لنگر تو طریقت بجز خدمت خلق نیست۔ کا نمونہ ہوتا ہے۔ نہ کہ حصول سلطنت کے لئے۔ راقم گو درویش دوست اور کرامت اولیاء کا قول سے ماننے والا ہے۔ لیکن مورخانہ رائے اور شے ہے۔

سید مولا کے واقعات اُس کو متلاشی سلطنت ظاہر کرتے ہیں۔ جلال الدین کی برباد ی اگر سید مولا کے خون کے انتقام میں تسلیم کیجائے تو ولی کے سوائے ہر ایک شخص کے خون کی سزا منتقم حقیقی کی بارگاہ سے ہی ہو سکتی تھی۔ مقتول مظلوم خواہ کتنا ہی گمنام اور بیدین کیوں نہ ہو۔ محمد بلبن میں چونکہ رعب سلطانی اور انتظام سلطنت کمال درجہ کا تھا۔ اِس لئے سید مولا کا دربار پھیکا رہا۔ مگر کیقباد کے عہد میں جبکہ عیش و عشرت نے سلطنت اور رعیت دونوں کا دیوالہ نکال دیا تھا۔ سید مولا کو عروج ہوا۔ اور جلال الدین کے عہد میں جبکہ امیر الامرا فخر الدین کوتوال نوے سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اور اس کا خاندان بگڑ گیا۔ تو بارہ ہزار قرآن خواں جو روزمرہ ختم قرآن کرتے تھے محتاج ہو گئے۔ اور بلبنی عہد کے اکثر امرا اور ملوک زادے یکبارگی تنگدست بن گئے۔ تو اِن تمام محتاجوں بیکاروں کی شکم پری کے لئے صرف سید مولا کی خانقاہ ہی تھی۔ ہجوم خلائق بڑھ گئی۔ ارکین سلطنت کی آمد و رفت شروع ہو گئی جلال الدین کا بڑا بیٹا ولیعہد خانخاناں معتقد ہو گیا۔ اور سید مولا کو فرزند ارجمند کہنے لگا۔ قاضی جلال الدین کاشانی سے ربط ضبط بڑھ گیا خلوتیں ہونے لگیں۔ بقول مورخین قاضی مذکور نے سید مولا کے دل میں ڈال دیا کہ آل رسولؐ کی موجودگی میں اور کوئی شخص مستحق سلطنت نہیں ہو سکتا۔ غیر شرع امور کے مٹانے اور کلمۃ الحق کی تائید کے لئے آپ کو بادشاہ بننا چاہیئے۔ سید مولا اس دھوکہ میں آگیا۔ لیکن اگر سید مولا حقیقی خدا دوست ہوتا۔ تو کبھی فتنہ انگیز قاضی کی باتوں میں نہ آتا۔ یا شروع ہی میں گنج شکر رضی اللہ عنہ کے عارفانہ اشارے پر عمل کرتا۔ مگر قاضی کی صلاح و مشورہ پہ چلنے اور برائیت ضیاء برنی دس ہزار کس سے خفیہ بیعت سلطنت لینے اور پہنچی کوتوال اور ہنا پایک ہندو پہلوان کو جمعہ کے دن سلطان جلال الدین کے قتل پر آمادہ کرنے اور بیکار مریدوں میں عہدہائے سلطنت بانٹنے اور شریف قاضی کو شیخ الاسلامی کلہڑ اور ملتان کی خیالی جاگیر دینے سے سید مولا کی ولائیت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ خیر ہم تو

گنہگار نادان انسان ہیں۔ سات سو سال گذر چکے ہیں۔ اصلیت کو خدا جانتا ہے۔ اور وہی منتقم حقیقی ہے۔

سیّد مولا کا قتل

جس مجلس میں پرنجی کوتوال اور مہتیا پایک نے قتل سلطان پر آمادگی ظاہر کی تھی اس مجلس سے ایک شخص نے سلطان کو سب حال سنا دیا۔ سلطان نے سب کو بلایا۔ اور مُخبر کا بیان سنایا۔ تمام ملزموں نے انکار کیا۔ سلطان نے سچ جھوٹ کی تمیز کے لئے شہر کے باہر بہت بڑی آگ جلائی۔ اور امراء علماء مُخبرین کو لیکر وہاں گیا۔ اور مُجرم آگ میں کودنے کو تیار تھے۔ اور یہ جرأت یا تو اپنی صداقت کے بھروسہ پر تھی یا محض خودکشی کے لئے تاکہ قتل وغیرہ دیگر سزاؤں کی تکلیف سے نجات پائیں۔ مگر جبکہ سلطان نے علماء سے فتوے پوچھا۔ تو اُن خداپرست دینداروں نے صاف صاف کہدیا کہ آگ کا خاصہ جلانا ہے۔ سچا ہو یا جھوٹا سب کو جلا دیتی ہے۔ گواہ واقعہ صرف ایک ہے۔ اور ایک شہادت اثبات جرم کے لئے کافی نہیں ہے۔ قانون شریعت میں آگ کے ذریعہ سچ جھوٹ کی امتیاز جائز نہیں ہے۔ جلال الدین نے ارادہ بدل دیا اور قاضی کاشانی کو بداؤں کا قاضی بنا کر دہلی سے نکال دیا۔ اور باقی امیرزادوں کو بھی جلاوطن کر دیا۔ سیّد مولا کی بابت شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو جو پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہا۔ (جس کے مرید حیدری (قلندر) جلال الدین کے ممنون احسان تھے۔ کہ اس شخص (سید مولا) نے کس قدر میرے برخلاف منصوبہ کیا ہے۔ تم ہی انصاف کرو۔ یہ سنکر بحری نام ایک قلندر نے جھٹ سید مولا کو اُسترے سے زخمی کرنا شروع کیا۔ شدت درد و اذیت سے سید مولا نے کہا۔ کہ میں مرنے سے نہیں گھبراتا۔ مگر بیجا تکلیف ندو۔ جلد مار دو۔ جلال الدین کے تند مزاج بیٹے ارکلیخان نے مست ہاتھی کو سید مولا پر چھوڑنے کا حکم دیا۔ اور ہاتھی نے سید مولا کو پاؤں تلے روند کر ہلاک کر دیا۔

ضیاء برنی اپنا چشمدید واقعہ بیان کرتا ہے کہ اس وقت سخت سیاہ اندھیری آئی تھی۔ گو یہ امر اتفاقیہ ہو۔ لیکن جب شریعت نے سزا کے لئے کافی شہادت نہیں پائی تھی۔ اس کو قید رکھ سکتا تھا۔ اگر اس کی زیست سے اندیشہ فساد تھا۔ تو فوراً قتل کر دیتا

بے رحم قلندر سے وحشیانہ سزا نہ دلوائی۔ اور سفاک بیٹے کے ظالمانہ سزا کو پسند نہ کرتا اگر سید مولا نے بغاوت کا جرم کیا تھا۔ تو سلطان نے بھی رحم و انصاف سے کام نہ لیا جس میں کہ وہ مشہور تھا۔ پس یہ تیسرا الزام ہے۔ جو جلال الدین کی رحیمانہ شہرت اور پابندی شریعت کے خلاف ہے۔ بلبن کا بڑا بیٹا خانخانان اس واقعہ سے پہلے مر چکا تھا۔ مورخین سید مولا کے واقعہ کو زوال جلال الدین کی وجہ لکھتے ہیں۔ ضرور سید مولا کا جرم شرعاً اور قانوناً ثابت نہیں ہوا۔ اور سفاکانہ طور سے مارا گیا اور ایسے مظالم کا صحیح نتیجہ بربادی و زوال ہوتا ہے۔ لیکن بربادی کی اصلی وجہ خاندان بلبن کی بربادی تھی جس کا اس نے برسوں نمک کھایا تھا۔

رنتھور پر ناکام حملہ

۶۹۱ھ/۱۲۹۰ء میں جلال الدین نے رنتھور پر چڑھائی کی۔ چونکہ بڑا بیٹا مر چکا تھا۔ اسلئے دوسرے بیٹے ارکلیخان کو دہلی میں نائب چھوڑ کر خود مالوہ کو روانہ ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ راجپوتوں نے کیقباد کی غفلت کے سبب سے بغاوت اختیار کی تھی۔ جلال الدین نے چہابن کو تو جاتے ہی فتح کر لیا۔ اور باغیان مالوہ کو سزا دیکر قلعہ رنتھور کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اپنی کمزوری طبیعت کے باعث جو بڑھاپے کے سبب سے عارض ہو چکی تھی۔ یہ کہہ کر کہ میں محاصرہ قلعہ میں مسلمانوں کو مروانا نہیں چاہتا۔ محاصرہ اٹھا لیا۔ ملک احمد چپ نے جو وزیر اور سلطان کا بھانجا اور اصابت رائے میں آصف ثانی تھا۔ ہرچند کہا۔ کہ بلا حصول فتح محاصرہ کے اٹھانے سے مخالفین کے حوصلہ بڑھ جائینگے۔ اور انتظام بگڑ جائیگا مگر سلطان بار بار یہی کہتا رہا۔ کہ میں چند روزہ سلطنت کے لئے اسقدر مخلوق خدا کو گھائیل نہیں کرا سکتا اور نہ اسقدر گناہوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں۔ تم مجھکو فرعون بنانا چاہتے ہو۔ جو مجھکو پسند نہیں ہے۔ اس پر بحث کرنی فضول ہے۔ دنیا میں دونوں قسم کے آدمی ہوتے ہیں بہرحال مردم آزاری اور ہلاکت بنی آدم کے ذریعہ توسیع سلطنت اچھی نہیں ہوتی۔ بقول ؎

بمردی کہ ملک سراسر زمین ✦ نیرزد کہ خونے چکد بر زمین

مگر شاہان کشور کشا کے لئے کوئی جرم نہیں۔ بلکہ باغیوں کی سرکوبی میں ایسے خیالات کا مدنظر رکھنا گورنمنٹ کے لئے عیب ہے اس زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کا بچہ بچہ جوش بہادرا

اور فاتحانہ امنگوں سے مست ہو رہا تھا۔ اور شجاعت و تہور کے جوہر دکھانے کے لئے نئے نئے میدان ڈھونڈتا تھا۔ جلال الدین جیسے شخص کا بادشاہ دہلی ہونا ہرگز موزون نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ قوم نے اپنی ضرورت زمانہ کے مطابق اپنا اور لیڈر چن لیا علاء الدین نے دھوکے سے جلال الدین کو قتل کیا۔ اور محسن کش بنا۔ مگر علاء الدین اگر ایسا نہ کرتا تو زمانہ نے کسی اور اولوالعزم کو جلال الدین جیسے نرم دل کی علیحدگی پر مجبور کرنا تھا۔ اس وقت کے شمشیر زن جو شیلے مسلمانوں کے لئے انقلاب ضروری تھا۔

سلطان محمود غزنوی کی نسبت جلال الدین کی رائے

ملک احمد چپ نے اپنی تقریر میں سلطان محمود غزنوی اور سلطان سنجر ترکمانوں کی عزم جہانگیری کا حوالہ دیا تھا جس کو رد استہزا سلطان نے یہ جواب دیا۔ کہ نادان تو وزارت دہلی پر مغرور ہو رہا ہے۔ اور شاہ دہلی اور سلطان محمود کی شوکت و طاقت میں تمیز نہیں کر سکا سلطان کی اسلامی خدمات اور قومی جذبات بہادران محمودی کی جانبازی غازیانہ ہمت کی مثال کہاں مل سکتی ہے اُس دین پناہ سلطان کی حمیت دین اسقدر تھی۔ کہ باوجود اسقدر وسیع سلطنت کے کوئی ملحد و زندیق اس کی قلمرو میں نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے بت پرستی کی جڑ کاٹ دی تھی۔ اور اسلام کی اشاعت کے راستہ صاف کر دیئے تھے۔ مجھکو اس حامی شریعت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جسکے عہد میں کفر و الحاد کا زور ہے۔ اور ہم بے غیرت مسلمان کچھ نہیں کر سکتے۔ سلطان محمود دین پناہ مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ سلطان سنجر کی طاقت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ علاء الدین جہاں سوز جیسے جابر و قاہر کو بہادران سنجری پابجولان دربار سنجری میں پکڑ لائے۔ بھلا آج امرائے دہلی میں اس لیاقت کا کون نظر آتا ہے؟۔

مُغلوں کا حملہ

عبداللہ خاں بنیرہ ہلاکو خاں ۶۹۱ھ یا ۱۲۹۲ء میں ایک لاکھ پچاہ ہزار سوار جرار لیکر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ جلال الدین جس کی عمر مغلوں کے مقابلہ میں ہی گذری تھی شیر ببر کیطرح اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور نہایت شان و شوکت سے مقابلہ کو روانہ ہوا سدریائے بیاس پر دونوں

فوجیں وار پار پڑی رہیں۔ چند روز تک فوج طرفین میں خفیف خفیف لڑائیاں ہوتی رہیں اور ہندوستانی فوج کا پلہ بھاری رہا۔ آخر شاہ دہلی کی فوج مقدمہ نے دریا کو عبور کیا۔ اور فریقین میں خونخوار معرکہ ہوا جس میں مغلوں کو شکست ہوئی۔ اور ان کے ایک دو امیر گرفتار ہو گئے اور پھر دونوں میں صلح ہو گئی۔ جلال الدین باپ اور عبد اللہ بیٹا بنا تحفہ تحائف بھیجے گئے۔ دونوں لشکروں میں خرید و فروخت شروع ہو گئی۔

وجہ صلح مغلوں میں اشاعت اسلام تھی

مورخین نے وجہ صلح نہیں لکھی۔ مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گو مغل ایک صدی سے بہادران ہندوستان سے شکستیں کھاتے رہے لیکن ابھی ان کی زبردست طاقت ایشیا کے اکثر ممالک میں موجود تھی۔ ان کو شاہ دہلی سے رابطہ اتحاد پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بہادران ہندوستان کی شمشیر براں بھی اگرچہ کچھ کم ہیبت ناک نہ تھی۔ لیکن اصلی وجہ اسلام تھا۔ جو اس وقت مغلوں میں پھیل رہا تھا۔ جس کی بحث ہم حصہ اول . . . . میں لکھ چکے ہیں۔ عبد اللہ افسر فوج مسلمان تھا۔ مغلوں کے دربار میں کئی مسلمان بحیثیت ملازمت داوستادی اشاعت اسلام کی خدمت کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے عبد اللہ کو اہل اسلام کی باہمی کشت وخون کے مذہبی اور قومی نقصان جتلائے ہونگے۔ عبد اللہ تو واپس چلا گیا۔ لیکن الفوخاں نبیرہ چنگیز خاں معہ کئی ایک امراء مغلی جو ہزارہ (ایک ہزار) سوار کے افسر اور صدہ (ایک سو سوار کے افسر تھے جلال الدین کے پاس چلے آئے۔ اور کئی ہزار مغلوں سمیت مسلمان ہوا۔ سلطان نے اپنی بیٹی کا نکاح الفوخاں سے کر دیا۔ اور ان مغلوں کا علیحدہ محلہ مغلپورہ آباد کیا گیا۔ اور سب کو وظیفہ ملتا رہا۔ اور کئی مغل جنکو آب وہوا موافق نہ آئی۔ واپس چلے گئے۔ باقی امرا ہندوستان سے خلط ملط ہو گئے۔ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ وہ انصاف کریں۔ کہ یہ نو مسلم مغل کس تلوار سے اسلام لائے۔ ہمیشہ ہندوستان پر حملے کرتے رہے۔ اور پنجاب کو پے سپر کرتے رہے لاکھوں کی تعداد میں مغل شمشیر زن موجود تھے۔ پس ان مغلوں کا دہلی آنا اور مسلمان ہونا اسلام کی حقیقی روشنی کا نتیجہ تھا۔ جس نے اس سے پہلے شاہان مغل تک کو گرویدہ اسلام کر لیا تھا۔ اور مغلوں میں اسلام پھیل رہا تھا۔ جلال الدین کی مذہبی عظمت اور ہندستان

کے مسلمانوں کے میل ملاپ نے ان مغلوں کا دل اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ ورنہ ایسے بہادروں کو اور کوئی خوف نہ تھا۔ الغ خاں ایک شہزادہ مغل تھا۔ چونکہ اس کے خاندان میں اسلام اثر کر چکا تھا۔ اس لئے مسلمان ہوا۔

علاء الدین کے منصوبے

علاء الدین میں وہ جملہ صفات موجود تھیں۔ جو شاہان کشور کشا میں ہوا کرتی ہیں۔ جلال الدین بڑھاپے کے سبب سے جسقدر دنیا کی طرف سے سرد دل تھا۔ علاء الدین کی امنگیں اسی قدر زوروں پر تھیں۔ کڑہ (الہ آباد) کا جاگیر دار تھا۔ بہلسیہ کو فتح کیا۔ مال غنیمت اور دولت کلاں کو دہلی لایا۔

جلال الدین اس بھتیجے اور داماد کی فتوحات سے خوش ہوتا۔ انعام واکرام دیتا۔ اودھ کے جدید علاقہ کی حکومت سے علاء الدین کی طاقت بڑھادی۔ علاء الدین کے سلطان کو مہربان دیکھکر فتح چندیری کے لئے جدید فوج بھرتی کرنے کی اجازت حاصل کی سادہ لوح جلال الدین کو کیا معلوم تھا۔ کہ علاء الدین دہلی سے دور رہکر میری ہی بیخکنی کے لئے طاقت بڑھا رہا ہے۔

علاء الدین نے کڑہ پہنچکر تین چار ہزار شہ سوار اور دو ہزار تجربہ کار پیادہ فوج لیکر بظاہر چندیری کے فتح کی افواہ سے اور دل میں دیوگڈھ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر دیوگڈھ کے ارادہ کی کسی کو خبر تک نہ کی۔ دیوگڈھ کی دولتمندی کی خبریں سُن چکا تھا۔ اور راجہ دیوگڈھ (مہاراشٹر) گوڈکن کا زبردست مشہور راجہ تھا۔ اور کئی ہزار سوار پیادے ہاتھی گھوڑے رکھتا تھا۔ لیکن علاء الدین کا صرف چھ ہزار فوج لیکر بلا استعانت شاہ دہلی ایسے دور دراز ملک میں جانا جس کے راستہ میں کئی ایک ہندو خود مختار راجگان موجود تھے۔ تمام راستہ عموماً صحرائی اور کوہستانی تھا۔ اس وقت کے بہادران اسلام کے عزم واستقلال اور خود علاء الدین کی ذاتی شجاعت وتہور کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جادیتا ہے۔ گو اس راستہ سے ایک بہادر انگریز جرنیل بھی اٹھارہویں صدی عیسوی میں مرہٹوں کے مقابلہ پر گیا تھا۔ لیکن اس کے راستہ میں نظام حیدرآباد کی دوست سلطنت واقعہ تھی۔ راجہ ناگپور دامن گرفتہ تھا۔ بمبئی۔ مدراس۔ کلکتہ۔ الہ آباد میں ہر طرف

انگریزی فوجیں موجود تھیں۔ شاہ انگلستان کی اجازت اور سرکار کمپنی کی مدد سے یہ مہم طے ہوئی تھی۔ علاء الدین کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اس وقت تک فاتحین اسلام مالوہ سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ مالوہ سے آگے راس کماری تک ہندو طاقت بلا اشتراک غیرے موجود تھی۔ گویا اٹک ہند و نصف ہندوستان کے خود مختار شاہنشاہ تھے۔ اسلئے علاء الدین کی یہ مہم خاص امتیاز رکھتی ہے۔ اور مسلمانوں کی بہادرانہ ہمت اور اس وقت کے ہندوؤں کی ناقابلیت جنگی اور بیرونی حالات سے بیخبری اور مسلمانوں کی نگاہوں میں ان کی کمزوری ثابت کرتی ہے۔ علاء الدین ان تمام دشت و بیابان کو طے کرکے جوالہ آباد اور برار کے درمیان واقعہ تھے۔ دو ماہ کے عرصہ میں ایلچ پور پہنچ گیا۔ اور وہاں سے ایلغار کرتا ہوا دیوگڈھ جا پہنچا۔ رام دیو راجہ دیوگڈھ نے دو تین ہزار فوج مقابلہ پر بھیجی۔ باقی فوج راجہ کے بیٹے کے ہمراہ کسی مہم پر گئی ہوئی تھی اسکو اتفاق کہو یا یاوری اقبال بہر حال علاء الدین کی ہوشیاری اور رام دیو کی غفلت شعاری پر دلالت کرتی ہے خونخوار دشمن تو سینکڑوں کوس سے دیوگڈھ پہنچ جائے اور راجہ کو خبر تک نہ ہو سکے۔ شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر علاء الدین کی فوج قراول سے مرہٹوں کا مقابلہ ہوا۔ مگر بہادران اسلام کی ضرب شمشیر بباں اور تیر سینہ شگاف کی تاب نہ لاسکے اور بھاگ نکلے۔ راجہ رام دیو قلعہ میں محصور ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ قلعہ کی خندق و استحکامات نہ تھے اگر ہوتے بھی تو اس فوج نے کیا کمائی کرنی تھی۔ جو دشمن کی شکل دیکھتے ہی میدان چھوڑ گئی تھی۔ علاء الدین نے شہر کو لوٹ لیا۔ خاص راجہ کے اسطبل سے چالیس ہاتھی ایک ہزار گھوڑے ہاتھ آئے اس کے بعد قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔

راجہ رام دیو کی دھمکی اور پیغام صلح

کہتے ہیں۔ کہ علاء الدین نے مشہور کر رکھا تھا۔ کہ دہلی سے بیس ہزار اور فوج مدد کو آرہی ہے رام دیو نے اسکو صحیح باور کرلیا۔ اور ڈر کر پیغام صلح دیا لیکن مآل اندیش تجربہ کار مخالف کی ایسی بے بنیاد افواہوں پر کب اعتماد کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ہوا علاء الدین کی موجودہ

فوج کی فوق العادت شجاعت اور راجہ کے خوف وہراس بزدلی سے ہوا۔

راجہ نے کہلا بھیجا کہ تمہارا دیوگڈھ آنا خلاف عقل ہے شہر پر کو تم نے قبضہ کرلیا ہے۔ لیکن شہر فوج سے خالی تھا۔ ہماری فوج کا حصہ کثیر ٹکا صاحب کیساتھ ایک مہم پر گیا ہوا ہے۔ باقی فوج اِدھر اُدھر بیرونی علاقوں میں پڑی ہے۔ لڑائی میں ہماری فوج نے ابھی حصہ نہیں لیا۔ مہاراشٹر کی تمام فوج اور کمکی راجگان کے آنے پر تم میں سے ایک بھی زندہ بچ کر نہیں جائیگا اگر کوئی یہاں سے بچکر نکل بھی گیا۔ تو راستہ میں راجگان خاندیس گوندواڑہ۔ الوہ کی زبردست فوجوں سے بچنا مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ قیدیوں کو زر فدیہ لیکر چھوڑ دو چونکہ صلح سے انکار شرعاً ناجائز تھا۔ اور راجہ کی پیش کردہ رقم خراج وغیرہ کی پچاس من سونا اور کئی من موتی اور دیگر اقمشہ نفیسہ تھے۔ اور علاء الدین کو دہلی سے امداد پہنچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اسلئے رقم مذکور کی ادائگی پر ۱۲ روز کے بعد قیدیوں کو رہا کرنیکا وعدہ کیا۔ مگر رام دیو کا بڑا بیٹا حملہ علاء الدین کی خبر سن کر عین اسوقت دیوگڈھ پہنچگیا۔ جبکہ علاء الدین واپس جانیکی تیاری کر رہا تھا۔ رام دیو نے بیٹے کو لڑائی سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ اور علاء الدین کو پیغام بھیجا کہ اگر خیر چاہتے ہو تو جسقدر مال ومتاع دیوگڈھ سے لوٹا ہے۔ واپس دیدو۔ ورنہ تم میں سے ایک متنفس بھی زندہ نہ جاسکیگا۔

علاء الدین کا منہ جوش غیرت سے لال ہوگیا اور ایلچیوں کا منہ کالا کرکے ناکام واپس کیا۔ مطلب یہ تھا۔ کہ اس عہد شکنی کی سزا میں روسیاہی کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ نکلیگا۔ نصرت خان کو ایک ہزار سوار کے ساتھ محاصرہ قلعہ پر مامور کیا۔ اور خود باقی فوج لیکر راجہ کے بیٹے کے مقابل ہوا۔ مرہٹوں کے ٹڈی دل نے مسلمانوں کی قلیل جماعت پر لگاتار پرجوش حملے کئے اور قریب تھا۔ کہ مسلمانوں کے پانوں ڈگمگا جائیں کہ نصرت خاں یہ حالت دیکھ کر بلا اجازت علاء الدین ہندو فوج پر یکایک آپڑا ہندوؤں نے وہ بیس ہزار فوج خیال کی۔ کہ جس کے دہلی سے آنیکی افواہ اُڑ رہی تھی۔ اس لئے ہندو میدان سے بھاگ نکلے۔ بہرحال کچھ ہو۔ علاء الدین کا اسقدر ہندو فوج کثیر سے بلا دھڑک مقابلہ کرنا۔ اور ملک نصرت خاں کا اس بہادرانہ شوکت و عظمت سے حملہ آور ہونا کہ مخالف ایکہزار کو بیس ہزار سمجھے اس سے اسوقت کے بہادران اسلام

کی بہادرانہ جرأت وشجاعانہ جان فروشی جنگی تربیت۔ فوجی مہارت مظفرانہ لیاقت کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ کہ وہ ہندو فوج کی کثرت سے مطلق نہ ڈرتے تھے۔ اُن کے ہزاروں لاکھوں پر بھاری ہوتے تھے۔ اسلامی تہور نے فیصلہ کر دیا تھا کہ اللہ اکبر کے نعروں کی تاب ہندو بہادر نہیں لا سکتے ہندوستان کے دشت وجبل کوہ وبیابان سب تیغ مجاہدین کے سامنے سرنگوں ہیں۔

وہ سچے بہادر تھے کسی ٹھڑہی کارروائی سے مخالف کو مات کرنا جوانمردی کے خلاف جانتے تھے جس طرح کہ علاء الدین نے وکلائے دیوگڈھ سے سلوک کر کے فوراً بل جنگ بجا دیا۔ اور اپنی قلت فوج اور علاقہ دہلی سے دوری اور ہندو فوج کی کثرت وعدت کا مطلق خیال نہ کیا اگر کوئی اور ہوتا تو کم سے کم چند روز نامہ پیام میں ہی گذار دیتا اور دہلی سے مدد منگوانے یا کسی اور مخرج کیلئے چال چلتا۔ مگر علاء الدین اور اس کے ہمراہیوں کو صدیوں کے تجربہ سے یقین ہو چکا تھا کہ غازیان اسلام کا مقابلہ ہند و خواہ کس قدر جوش وخروش اور کثرت کے ساتھ کریں ہرگز نہیں کر سکتے اس حق الیقین نے علاء الدین کو تسلی دے رکھی تھی اور اسی حوصلہ نے اس کو فتح دلوائی۔

علاء الدین فتح پاکر محاصرہ قلعہ میں مصروف ہوا۔ رام دیو نے راجگان گلبرگ خاندیس۔ مالوہ۔ تانگانہ سے مدد مانگی مگر امداد پہنچنے سے پہلے ذخیرہ کی کمی کے سبب علاء الدین سے عاجزانہ خط وکتابت شروع کر دی۔ اور عرض کی کہ ٹکا صاحب نے بلا اجازت ومشورہ مقابلہ کیا۔ میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ بدستور سابق شرائط صلح منظور فرما کر قصور معاف کریں۔ اور ایلچیوں کو خفیہ کہدیا کہ قلعہ میں غلہ وآذوقہ کچھ نہیں رہا اگر دو تین دن تک اور محاصرہ قائم رہا۔ تو قلعہ والے ہلاک ہو جاوینگے۔ صلح کا فیصلہ کرائیں۔ علاء الدین یہ بات سمجھ گیا تھا۔ مگر جب ایلچیوں نے زیادہ منت وسماجت کی۔ تو چھ سو من سونا اور سات من موتی دو من جواہر لعل۔ یاقوت۔ الماس۔ زمرد۔ ایک ہزار من چاندی۔ چار ہزار جامہ ابریشمی وغیرہ قیمتی مال ومتاع اور ایلچ پور کے علاقہ کا خراج لینا منظور کیا۔ علاء الدین نے یہ اسباب لیکر قیدی رہا کر دیئے اور ۲۵ دن کے محاصرہ کے بعد واپس ہوا۔

نوٹ

دیوگڈھ کی فتح سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) دیوگڈھ اگرچہ دولت مند سلطنت تھی لیکن استحکامات اور فوجی ضروریات سے خالی تھی کہ ۲۵ روز کے محاصرہ میں ہی کمسریٹ خرچ ہوگیا یہ سہل انگاری ہندوستان کی آب وہوا کی تاثیر کا خاصہ تھا۔ یا ایک صدی تک مالوہ سے آگے جنوب کیطرف مسلمانوں کے نہ بڑھنے نے دکن کی ریاستوں کو بیخوف کر دیا۔ کہ مسلمان شمالی ہندوستان سے آگے بڑھنے کی طاقت اور لیاقت نہیں رکھتے۔ یا متواتر عزل ونصب کے انقلابات سے فاتحانہ طاقت کھو بیٹھے ہیں لیکن صدی مذکور میں شاہان دہلی کو حملہ آوران منغل نے اور کسی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ علاء الدین بھی بلا اطلاع شاہ دہلی خود بخود دیوگڈھ پر حملہ آور ہوا ورنہ شاہ دہلی کی طاقت عہد غلامان میں خالص اسلامی جوش سے مضبوط تھی۔ جہاد وغزا کا جوش زوروں پر تھا راجگان دکن نے بہادران اسلام کی جرأت اور شاہ دہلی کی حالت اور طاقت کا اندازہ کرنے میں غلطی کھائی کہ دیوگڈھ جیسے قلعہ میں ایک ماہ کا آذوقہ بھی جمع نہ کیا اور جسطرح کہ وہ آپ آرام طلب اور گھر کی چار دیواری میں رہنا پسند کرتے تھے اُسی طرح غازیان اسلام کو تصور کر لیا۔

(۲) راجہ دیوگڈھ کا زر دوست ہونا ثابت ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر زر و دولت کے جس میں سے کچھ حصہ علاء الدین کو دیا گیا جو دیگر بادشاہوں کے خزانوں سے زیادہ تھا۔ مگر حفاظت ملک کے لئے کوئی انتظام نہ تھا۔ دشمن سینکڑوں کوس سے منہ اٹھائے دیوگڈھ سے دو کوس تک پہنچ جائے اور والی ملک کو خبر تک نہ ہو۔

سرحدی حفاظتی فوج کے علاوہ پولیس۔ جاسوس وغیرہ جو سلطنت کے لئے ضروری ہوتے ہیں اُن میں سے کوئی بھی نہ تھا جو دشمن کی خبر دیتا۔

راجہ رام دیو نے ؎

زر از بہر ترتیب لشکر بود ۔۔ نہ از بہر آئین و زیور بود

پر عمل نہ کیا۔ ہندوانہ عادت کے مطابق خزانے جمع کئے جو وقت کے ساتھ دشمن کے حوالے کرنے پڑے۔ ملکم صاحب نے اپنی تاریخ میں ایسے ہی واقعات سے ہندو قوم کو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ زر دوست لکھا ہے یہ کروڑوں کا مال ومتاع زر و جواہر جو علاء الدین کو دیا گیا اگر سامان جنگ تربیت فوج۔ جمع آوری رسد پر خرچ کرتا تو

اس قدر جلدی سلسلہ صلح نہ ہلاتا۔

(۳) شمالی ہندوستان کے راجاؤں نے اگرچہ مسلمانوں سے شکستیں کھائیں لیکن اکثر معرکوں میں مسلمانوں سے سخت مقابلہ کئے گئے۔ فوجیں بھی کثرت سے مسلمانوں کے مقابلے پر جمع ہوتی رہیں۔ مگر دکن نے پہلے ہی حملہ میں چند ہزار بہادران اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ مہاراشٹر جو آج ہندوؤں میں بہت بڑا بہادر علاقہ گنا جاتا ہے قدیم زمانہ میں مردانہ حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ اور نہ شمالی ہندوستان کے ہندوؤں کی طرح جنگجو تھا۔ آجکل کے سیٹھوں کی طرح دولت جمع کرنے کا ڈھنگ جانتا تھا۔ پس ماننا پڑتا ہے کہ مرہٹوں کی شجاعت کی نشوونما عہد افغانیہ میں شروع ہوئی۔ اور دکن کے شاہان اسلام کی جنگی تعلیم و تربیت سے بڑھتی بڑھتی عہد مغلیہ میں زبردست ہوگئی۔ اس لئے مرہٹہ طاقت اسلامی عہد سلطنت کی یادگار ہے جس کے صلہ میں مرہٹوں نے اسلامی یادگاروں کے مٹانے میں قابو پاکر کچھ کسر اٹھا نہیں رکھی جس کی سزا مرہٹوں کو مشہور معرکہ پانی پت میں بہادران دُرانیہ کے ہاتھ سے اٹھاکر شاہنشاہی ہندوستان کے خیال کو ہمیشہ کے لئے دماغ سے نکالنا پڑا۔

جلال الدین کی سادہ لوحی

علاء الدین بغیر حکم جلال الدین دیوگڈھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ بادشاہ کو کچھ خبر نہ تھی۔ کہ علاء الدین کہاں ہے۔ اس کا نائب علاء الملک عم ضیاء برنی جھوٹی رپوٹیں بادشاہ کی خدمت میں بھیجتا تھا۔ کہ علاء الدین سرکشوں کی تنبیہ میں مصروف ہے۔ اس لئے خود عرضی نہیں بھیج سکا۔ سادہ لوح بادشاہ تو نہ سمجھا۔ مگر بعض عقلمند معاملہ فہم جانتے تھے کہ علاء الدین کی اسقدر دلیری خالی از علت نہیں ہے۔

بادشاہ گوالیار میں سیر و شکار میں مشغول تھا جہاں ایک عالیشان عمارت بنوائی تھی۔ اور اسپر یہ رباعی طبعزاد لکھوائی تھی۔

رباعی

مارا کہ قدم بر سر گردوں سائید ✦ از تودہ سنگ و گل چہ قدر افزائید

این سنگ شکستہ زاں نہادیم زدست ٭ باشد کہ شکستہ در و آسائید

یہاں گوالیار میں فتح دیوگڈھ کی خبر پہنچی - اور علاء الدین کی کثرت مال وغنیمت کی خبر سنی - اس برادرزادہ کی فتوحات سے خوش تھا - اور وہ سمجھتا تھا کہ یہ دولت میرے خزانے میں داخل کیجاویگی - مگر خیر خواہوں نے کہا - کہ اس قدر زر وجواہر کہیں فساد کا مادہ نہ ہو اس لئے ارکین سلطنت سے مشورہ کیا - کہ میں خود جاکر علاء الدین سے ملوں یا یہیں مقیم رہوں - یا دہلی چلا جاؤں -

وزیر احمد چپ کی رائے اور بحث

ملک احمد چپ نے جو بادشاہ کا وزیر اور بہانچا وفادار مدبر تھا عرض کی - کہ مال وفتنہ لازم وملزوم ہیں - خدا معلوم اس قدر زر دمال کے ہاتھ آنے سے علاء الدین کے دل میں کیا کیا خیالات گذرتے ہونگے وہ اسقدر بیباک ہے کہ بغیر حکم شاہی دیوگڈھ کے غیر علاقے پر حملہ آور ہوا - اور کامل کامیابی سے واپس ہوا - ملک چھجو کے تمام فتنہ انگیز رفیق علاء الدین کے ہمراہ ہیں مناسب یہ ہے - کہ حضور چندیری میں جاکر ڈیرے ڈالیں - اور راستہ روک لیں - علاء الدین کی فوج قلیل اور تکالیف سفر سے تھکی ماندی ہوگی - اور ابھی مفسدین کڑہ میں دور ہونگے - علاء الدین ڈر کر تمام نقد وجنس خزانہ شاہی میں داخل کر دیگا - آپ جواہرات اور ہاتھی لیکر باقی زر ومال اس کی فوج پر تقسیم کر دیں - اور علاء الدین کا منصب بڑھا دیں - مفسدین کڑہ کو علاء الدین سے جدا کر دیں - اگر حضور نے دامادی اور برادرزادگی کے خیال سے ہماری گذارش پر توجہ نہ کی - تو علاء الدین کے ہاتھ سے خود بھی برباد ہونگے - اور ہمکو بھی تباہ وہلاک کریں گے علاء الدین مدت سے ملکہ جہاں اور اپنی بیوی سے ضرر رسیدہ اور رنجیدہ ہے - اور ملکہ جہاں کے خوف سے کوئی حضور کو اصل معاملہ کی خبر نہیں کر سکتا تھا - علاء الدین کی بغاوت کے لیئے یہی ایک رنجش کافی تھی - چہ جائیکہ وہ اب دس بادشاہوں کے برابر دولت رکھتا ہے - اور دیگر اسباب تمرد جمع کر چکا ہے - جو صلاح درست تھی - عرض کی گئی - آئندہ اختیار ہے - بادشاہ نے کہا کہ تو ہمیشہ علاء الدین کی مخالفت کرتا رہتا ہے - اور مجھ کو علاء الدین کی نسبت بدگمان بناتا ہے - وہ میرا بیٹا کبھی باغی نہیں ہو سکتا -

دیگر دونوں سے صلاح پوچھی۔ ملک فخرالدین کوچی نے بد دیانتی سے جلال الدین کی رائے کی تائید کی۔ اور کہا۔ کہ چندیری جانے اور راستہ روکنے سے علاءالدین کو خواہ مخواہ بغاوت پر آمادہ کرنا یا اس کو آوارہ کرنا۔ اور مال و دولت کا ہاتھ سے کھونا ہے۔ بہتر یہی ہے۔ کہ اس کو کڑہ آنے دیجئے۔ اس کی نیت بگڑی دیکھی تو فوراً سزا دیجاویگی۔

وزیر احمد چپ نے کہا۔ کہ تو صداقت کا خون کر رہا ہے۔ اور غلط مشورہ دے رہا ہے علاءالدین کڑھ پہنچ گیا۔ تو میں اور تو کوئی بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ بدقسمت جلال الدین نے حقیقی خیرخواہ احمد چپ کی رائے پر عمل نہ کیا۔ اور دہلی چلا آیا۔

علاءالدین کے منصوبے

چند روز بعد علاءالدین کی عرضی پہنچی۔ کہ میں بخیریت کڑہ پہنچ گیا ہوں اور بے شمار زر و مال لایا ہوں۔ حضور کے خزانے میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ مگر حضور کی اجازت کے بغیر دیوگڈھ پر حملہ آور ہوا۔ ایک سال تک کوئی عرضی نہیں بھیج سکا قصوروار ہوں نادم ہوں۔ میں اور میرے رفقا ڈرتے ہیں۔ اگر فرمان معافی تصور صادر ہو۔ تو نوازش پدرانہ سے بعید نہیں۔ بادشاہ طمع دولت یار شتہ داری کے دھوکہ میں آگیا۔ اور معافی نامہ لکھکر دو معتبروں کے ہاتھ بھیجدیا جنہوں نے علاءالدین کے لشکر میں پہنچکر حقیقت حال سے جلال الدین کو اطلاع دینی چاہی۔ مگر پہرہ چوکی کی سختی اور نظربندی سے دہلی خبر نہ پہنچا سکے۔

جلال الدین کے دربار میں علاءالدین کا بھائی الماس بیگ مکار غدار موجود تھا۔ وقتاً فوقتاً علاءالدین کے خوف و دہشت کے بناوٹی افسانہ بادشاہ کو سنادیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ علاءالدین کا ایک خط بھی دکھلادیا جس میں علاءالدین نے بھائی کو لکھا تھا۔ کہ بادشاہ میرا باپ مربی و محسن ہے میرے پاس جس قدر زر و جواہر مال و اسباب ہے سب سلطان کا ہے۔ مگر دشمنوں نے سلطان کو مجھ پر ناراض کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے میں خودکشی پر تیار ہوں۔ زہر ہر وقت رومال میں باندھے رکھتا ہوں۔ اس رنجیدہ اور ذلیل زندگی سے نجات پاکر خاندان سے ہمیشہ کے لئے فارغ ہونے والا ہوں۔ یہ خط جو دونوں بھائیوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔

موقع پاکر الماس بیگ نے بادشاہ کے سامنے رکھدیا۔ اور زار زار رونے لگا۔ اور کہا۔ کہ عنقریب میرا بھائی خودکشی کرے گا۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ اب کیا ہوسکتا ہے۔ الماس بیگ نمک حرام نے جیساکہ علاء الدین نے سمجھا رکھا تھا عرض کی۔ کہ حضور خود بدولت جس قدر جلد ممکن ہو۔ کڑہ پہنچکر علاء الدین کو پدرانہ تسلی دیں۔ مال وزر خود حضور کا ہے۔ جلال الدین دہوکہ میں آگیا۔ اور الماس بیگ کو کہا کہ تم فوراً علاء الدین کے پاس پہنچ جاؤ۔ اور تسلی وتشفی دے کر ہلاکت و آوارگی سے بچاؤ۔ الماس بیگ فوراً کشتی پر سوار ہوگیا۔ اور سات روز میں کڑہ پہنچا۔ علاء الدین جس کو بھائی کی جان کا خطرہ تھا۔ اس کے صحیح وسالم پہنچنے سے بہت خوش ہوا۔ اور جلال الدین کے قتل کے منصوبے کرنے لگا۔ تجویز یہ ٹھیری۔ کہ جلال الدین کو جریدہ اپنے لشکر میں لاکر قتل کیا جائے۔

جلال الدین جس کو طمع دولت نے اندھا کر رکھا تھا۔ احمد چپ وغیرہ کسی خیرخواہ کی بات نہ سنتا تھا۔ جو معاملہ کی اصلیت کو تاڑکر جلال الدین کو جریدہ طور سے کڑہ جانے سے مانع ہوتے تھے۔ آخر بقول ؎

مرغے کہ دگر آشیاں نخواہد دید　　قضا ہمی بردش تا بسوئے دانہ دوم

براہ دریا ایک ہزار سوار لیکر کڑہ کو روانہ ہوا۔ علاء الدین نے سمجھ لیا تھا۔ کہ نادان جلال الدین نہ خود عقل رکھتا ہے۔ اور نہ کسی کی سنتا ہے۔ ان ہزار سواروں کو بھی جلال الدین سے علیحدہ رکھنے کا منصوبہ کیا۔ اور الماس بیگ کو بھیجا جسنے کہا۔ کہ حضور کے ہمراہی سواروں سے میرا بھائی کانپ رہا ہے۔ وہ بھاگنا چاہتا تھا۔ میں نے بمشکل اس کو روکا ہے۔ سواروں کی کیا ضرورت ہے۔ علاء الدین حضور کا فرزند و غلام اور اس کی فوج حضور کی ملازم ہے۔ سواروں کو ساتھ رکھنا مناسب نہیں۔ نادان سلطان نے بفحوائے ؎

قضا چوں زبالا فرو ہشت پر　　ہمہ زیرکاں کور گردند و کر

ان ہزار سواروں کو ملک احمد چپ کے حوالہ کیا۔ اور دریا کے دوسرے کنارے ٹھیرنے کا حکم دیا۔ اور چند خواصوں کے ساتھ جو دو کشتیوں میں ساتھ بیٹھے تھے۔ الماس بیگ کی خرارت سے ہتھیار کہلوا دیئے۔ علاء الدین کا لشکر مسلح کنارہ پر کھڑا تھا۔ جلال الدین

کے ہمراہی سمجھ گئے۔ کہ خیر نہیں۔ اور ایک امیر نے الماس بیگ کو کہہ بھی دیا۔ کہ ہم چند شخصوں کے تو ہتھیار بھی کھلوا دئے۔ اور تمہارا لشکر سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہے الماس بیگ نے کہا۔ کہ استقبال سلطانی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ ہم روزہ دار ہیں۔ اتنی دور سے چلکر آئے ہیں۔ علاء الدین کشتی پر بھی استقبال نہیں کر سکا۔ الماس بیگ مکار نے کہا کہ میرا بھائی تمام زر و جواہر کو حضور کے قدموں پر رکھنا چاہتا ہے۔ افطاری کا انتظام کر رکھا ہے۔ وہاں افطار کرنے سے ہماری عزت بڑھ جائیگی۔ جلال الدین ان تمام فریب آمیز باتوں کو صحیح مانتا تھا۔ رحل پر قرآن رکھ کر پڑھ رہا تھا۔ کنارہ پر پہنچکر کشتی سے اترا۔ علاء الدین قدموں پر گرا۔ جلال الدین نے گلے لگایا۔ اور آنکھوں پر بوسہ دیا۔ اور مشفقانہ کلمات سے کہا۔ کہ تم بچپن میں جو میری گود میں موتتے رہے۔ اس کی بو اب تک نہیں گئی۔ تم کو بیٹوں کی طرح پالا۔ معزز کیا اب کو کس طرح مار سکتا تھا۔ میں اور تو ایک نسل اور ایک خون ہیں۔ کوئی غیر نہیں۔ یہ کہہ کر علاء الدین کا ہاتھ پکڑ کر کشتی کی طرف کھینچا علاء الدین کے اشارہ سے محمود سالم سامانہ کے ایک رذیل نے جلال الدین کو تلوار ماری۔ جو اوچھی پڑی۔ نمک حرام اختیار الدین نے ایسی ضرب لگائی کہ جلال الدین کا سر بدن سے جدا ہو گیا اور سر کو تمام لشکر اور پھر اودھ کے تمام علاقہ میں مشتہر کیا۔ جلال الدین روزہ دار بوقت افطار ۱۷ رمضان شنبہ کو شہید کیا گیا۔ اور تاج شاہی علاء الدین کے سر پر رکھا گیا +

فاضل ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں علاء الدین کا حال ۱۳۵ صفحوں پر لکھا ہے۔ چونکہ ضیاء برنی خود علاء الدین کا ہم عصر اور اس کا چچا اور باپ علاء الدین کے معزز عہدہ دار تھے۔ اس لئے ضیاء برنی کی تاریخ سے بڑھ کر اور کوئی کتاب تذکرہ علاء الدین میں معتبر نہیں ہو سکتی۔ اور جس طرح کہ ضیاء برنی نے پوست کندہ نیک و بد حالات لکھے ہیں۔ وہ کسی تاریخ میں مفصل نہیں دیکھے گئے۔ اس لئے ہم علاء الدین خلجی کے واقعات کو فیروز شاہی سے لیں گے۔ بعد کے مورخ فرشتہ۔ ہردی۔ بدایونی وغیرہ وغیرہ سب ضیاء برنی کے خوشہ چین ہیں +

علاء الدین اور دیگر شاہان دہلی کا مقابلہ

علاء الدین تمام سلاطین دہلی سے وسعت ممالک اور فتوحات جدیدہ میں بڑھا

ہوا ہے۔ پشاور سے لیکر راس کماری تک اور برہما سے لیکر سیوی بلوچستان تک نافذ الحکم شاہ دہلی صرف ایک علاءالدین ہی گذرا ہے۔ مغلوں میں اورنگ زیب نے آرام ..... ارکان تبت سے خراج لیا۔ اور کابل وغزنی بھی اس کی ماتحت تھے۔ لیکن دونوں کی حالتوں میں بھاری فرق ہے۔ علاءالدین پہلا سلطان فاتح تھا۔ اس نے کوہ بندھاچل کے جنوب میں زبردست ہندو سلطنتوں کو تسخیر کیا۔ اور اسکی بہادر فوجوں نے ہندوستان کی منتہائی آبادی راس کماری تک نشان فتح گاڑکر خانہ خدا (مسجد) کو بطور یادگار اسلام تعمیر کیا۔ اور جو کچھ کیا محض قوت بازو سے کیا۔ بخلاف اس کے اورنگ زیب سلطان ابن سلطان خاندانی شہنشاہ تھا۔ اگرچہ اورنگ زیب کو زیادہ جری اور تربیت یافتہ فوجوں سے لڑنا پڑا۔ اور علاءالدین کے عہد کی طرح مغلیہ فوج میں اسلامی جوش بھی نہ تھا۔ اور دکن کی اسلامی سلطنتوں کے مقابلہ میں غازیانہ ترغیب کام نہیں دے سکتی تھی۔ مگر مغلیہ فوج کبھی بھی علاءالدین کی یادگار تک نہ پہنچ سکی۔ ضرور جنوبی ہند کے رؤسا باجگذار دہلی تھے۔ مگر تمام دکن کو دہلی کا باجگذار بنانے کی عزت علاءالدین خلجی کو ہی حاصل ہوئی ہے ؛

علاءالدین کی تخت نشینی

اور

زربخشی

علاءالدین ۱۲۹۵ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اور لوگوں کے دلوں سے قتل جلال الدین کے جرم کو بھلانے کے لئے انعام واکرام ترقی مناصب وتنخواہ کے علاوہ عام زربخشی شروع کی ؛

جب کڑہ سے روانہ دہلی ہوا۔ تو ہر ایک منزل میں بذریعہ منجنیق وفلاخن پنج من سونے کے گلولے لٹاتا تھا۔ لوگ سلطان علاءالدین پر خوش ہوگئے۔ جلال الدین کے مرنے کی خبر سنکر اس کی بیوی ملکہ جہان نے چھوٹے بیٹے رکن الدین ابراہیم کو تخت نشین کیا۔ اور بڑے بیٹے ارکلیخان گورنر ملتان کی انتظار رہ کی۔ اس سے ارکلیخاں ناراض ہوگیا۔ دہلی سے

جو امیر سلطان علاء الدین سے لڑنے کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔ وہ سب بقول ؎
زر برسر فولاد نہی نرم شود ۔ رشوت لیکر سلطان علاء الدین سے جا ملے۔ رشوت جو دی گئی۔ اس کی مقدار تیس اور پچاس من سونے کے درمیان درمیان تھی۔ اس امر کو اخلاقی جرم کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس سے کوئی مہذب سلطنت بھی نہیں بچ سکتی۔ رکن الدین نے دہلی کے باہر مقابلہ کیا۔ لیکن فوج رات کو علاء الدین سے جا ملی۔ اور رکن الدین مع بیگمات راتوں رات ملتان کو بھاگ گیا۔ جس کے ساتھ صرف دو امیر ملک قطب الدین علوی اور ملک احمد چپ وفادار رہے۔ ملتان کا فوج علاء الدین نے محاصرہ کیا۔ دو ماہ بعد پسران جلال الدین نے بذریعہ شیخ رکن عالم صاحب بنیرہ حضرت شیخ بہاء الحق صاحب صلح کی۔ اور گرفتار ہو کر دہلی روانہ کئے گئے۔ راستہ میں پسران جلال الدین قتل کئے گئے۔ اور ملک احمد چپ کی آنکھیں نکلوائی گئیں +

رشوت کی واپسی

سلطان علاء الدین نے ابتداء میں تو متعدد بار جشن انعام وصلہ جشن شادی اور نذر پاشی سے تمام لوگوں کو گرویدہ کر لیا۔ امیروں کے منصب بڑھاتا رہا۔ چنانچہ عم ضیاء برنی علاء الملک کو گورنری اودھ اور کڑہ دے گئی۔ اور ضیاء برنی کے باپ مؤید الملک کو برن مراد آباد کی کمشنری دی گئی۔ اسی طرح دیگر امراء و وزراء کی حوصلہ افزائی کی گئی +

واپسی رشوت

جب علاء الدین کا کوئی حریف نہ رہا۔ تو زر رشوت کی واپسی پر نصرت خاں جیسے جابر کو لگایا۔ جن لوگوں نے علاء الدین سے رشوت لی تھی۔ وہ قتل۔ قید۔ معزول کئے گئے بیوفاؤں کے خاندان۔ قومیں برباد ہو گئیں۔ گھر بار لٹ گئے۔ صرف تین امیر جنہوں نے رشوت نہ لی تھی۔ اور پسران جلال الدین کے ساتھ وفادار رہے تھے۔ سلامت رہے نصرت خاں نے جرمانہ سے ایک کروڑ روپیہ وصول کیا +

مغلوں کا حملہ

دوسرے سال جلوسی میں مغلوں نے سندھ سے اُتر کر پنجاب پر حملہ کیا۔ جالندھر کے نواح میں لڑائی ہوئی مغلوں کو شکست ہوئی +

فتح گجرات و سومنات

تیسرے سال جلوسی میں گجرات پر چڑھائی کی گئی۔ کرن راجہ گجرات کو شکست ہوئی غنیمت میں کنولا دیوی زوجہ راجہ کرن ہاتھ لگی۔ سورت کے خواجگان (مسلمان سوداگر) کو لوٹا۔ وہیں سے ملک کافور ہزار دیناری کو (ہزار دینار پر بکا تھا) اُس کے مالک سے نصرت خاں نے بزور چھینا۔ اور بادشاہ کا منظور نظر ہوا۔ بُت سومنات جو بعد سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ بنایا گیا تھا۔ توڑا گیا۔ اور دہلی لاکر پے سپر کیا گیا +

مغلوں کا حملہ اور ظفر خان بہادر

سیوستان پر مغلوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ظفر خان بہادر نے بزور شمشیر سیوی کو فتح کیا صفدری سردار مغل کو کئی ہزار مغلوں کے ساتھ قید کیا۔ جو دہلی میں قتل کئے گئے مگر اس قدر صفدری اور ظفر مندی سے الغ خاں (الماس بیگ) برادر سلطان کو حسد پیدا ہوا۔ اور بقول ضیاء برنی سلطان علاء الدین بھی متوہم ہو گیا +

مغلوں کا تیسرا حملہ

اسی سال میں قتلغ خواجہ مغل دو لاکھ سوار لیکر دہلی پر حملہ آور ہوا۔ راستہ میں کہیں لوٹ مار نہ کی۔ اکثر لوگ ڈر کر شہر دہلی کے اندر چلے گئے۔ سکنی مکانات کے علاوہ مسجدیں بھر گئیں۔ سلطان علاء الدین نے دہلی سے نکلکر بمقام سیری جو اُسی کی آباد کردہ چھاؤنی تھی مقابلہ کی تیاری کی۔ کوتوال دہلی عم ضیاء برنی نے لڑائی سے روکا۔ اور کہا کہ اس دفعہ کسی طرح مغلوں کو ٹال دینا چاہیئے یا کسی جنگی دھوکہ سے نقصان پہنچایا جائے

مگر علاء الدین نے کمال درجہ کی شجاعت اور استقلال سے جواب دیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ سلطان علاء الدین واقعی سکندر ثانی تھا۔ اور جس قدر اس کو فتوحات حاصل ہوئیں۔ اس کا مستحق تھا ✦

کوتوال کی تقریر اور علاء الدین کی تردید

کوتوال دہلی نے کہا۔ کہ اس دفعہ مغل فوج کثیر اور چیدہ لائے ہیں۔ سردار فوج شاہ ترکستان کا بیٹا تغلق خواجہ ہے۔ ہماری فوجیں ہندوؤں سے لڑنے کی عادی ہیں بہتر یہی ہے کہ اس دفعہ مغلوں کو ٹالا جائے۔ اور آئندہ ہم اپنی فوج کو زیادہ قواعد دان اور مغلوں کے کمین ولڑائی کے طریقوں سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔ لڑائی کو طول دینے کے لئے ایک لاکھ سانڈنی سوار کمیل کو رمقابلہ پر بھیجا جائے۔ جس سے مغلوں کے گھوڑے بدکیں گے۔ اور حضور باقی فوج کے ساتھ شتر سواروں کے پیچھے رہیں۔ موقعہ مناسب ہو۔ تو حملہ کر دیں۔ ورنہ اسقدر طوالت سے چونکہ وہ اس دفعہ ملک کو نہیں لوٹتے خرچ سے تنگ آجائیں گے یا رسد کم ہو جائیگی۔ اور واپسی پر مجبور ہونگے۔ عام جنگ صف سے اندیشہ نقصان ہوتا ہے ✦

علاء الدین کا بہادرانہ جواب

علاء الدین نے تمام فوجی افسروں کو بلا کر کہا۔ کہ علاء الملک کہتا ہے کہ اس دفعہ مغلوں کی لڑائی سے پہلوتہی کی جائے۔ لیکن سنو مثل مشہور ہے۔ اُشتر دزدیدن وکوزر فتن راست نیاید۔ یہی حال ہمارا ہے۔ کہ شہنشاہِ ہندوستان کہلانا اور مغلوں کے جنگ سے دِل چرانا اور کوہان شتر کی اوٹ میں پناہ ڈھونڈھنا ایسی حرکت سے ہمارا نام بہادروں کے زمرہ سے مٹ جائیگا۔ اور آئندہ نسلیں ہم کو بُزدِل اور نامرد کہیں گی۔ میری رائے یہ ہے کہ دشمن کا استقبال تیغ وتبر سے کیا جائے۔ میدان کیلی میں ایک فیصلہ کن جنگ کیا جائے۔ فتح ونصرت خدا کے ہاتھ ہے۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور سلطان حفاظت دہلی اسی کوتوال کے حوالہ کر کے میدان کیلی میں جا اترا۔ دروازہ بدایوں کے سوا دہلی کے تمام دروازہ بند کئے گئے۔ جہاں کافی فوج موجود تھی ✦

ہندوستان کی اسلامی شمشیر

تغلق خواجہ سردار مغل خدا سے چاہتا تھا۔ کہ خود شاہ دہلی سے مقابلہ ہو اور صدیوں کی شکستوں کی کسر نکالی جائے۔ اور اسی آرزو سے اُس نے بخلاف دیگر حملہ آوران مغل دہلی تک نہ کوئی معرکہ کیا۔ اور نہ کسی کو ستایا۔ علاء الدین کے ساتھ تین لاکھ سوار۔ دو ہزار سات سو ہاتھی جنگی تھے۔ شروع اسلام سے لیکر اب تک اور بعد میں بھی کبھی ہندوستان کے ایک معرکہ میں فریقین کی اسقدر فوج کثیر جمع نہیں ہوئی تھی۔ اور مغلوں نے بھی اس دفعہ جسقدر زور لگایا۔ کبھی کسی اور شہر یا ملک کی فتح میں اس قدر اجماعی طاقت سے کام نہیں لیا۔ تغلق خواجہ دو لاکھ شاہ سوار لیکر دریائے سندھ سے اُترا۔ اور اپنی طاقت کو فتح دہلی کے لئے محفوظ رکھتا ہوا دریائے جمنا پر پہنچ گیا۔ راستہ میں ہندوستانی فوجوں سے کہیں مقابلہ نہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیپالپور اور سمانہ واقعہ پنجاب کی چھاؤنی کو جو دہلی کے راستہ میں تھیں۔ یا تو خود مغلوں نے نہ چھیڑا۔ یا وہاں کی فوجیں دہلی کو بھاگ گئیں۔ اور یہی اغلب ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ عام لوگ بھی دہلی کو بھاگ گئے اور اس قدر ہجوم ہوا۔ کہ عام مکانات۔ شاہی عمارات۔ سرائیں۔ پبلک ہوس۔ مسجدیں خانقاہیں تکیہ وغیرہ سب پناہ یافتوں سے بھر گئیں۔ اس دفعہ جس قدر ہندوستان کو خطرہ پیدا ہوا تھا اس قدر پہلے کبھی لاحق نہیں ہوا۔ کہ بہادران دہلی کی شمشیر بران نے ظفر خان کی ماتحتی اور جان بازی سے مغلوں کے خطرہ کو بالکل مٹا دیا۔ اور ثابت کر دیا۔ کہ ہندوستان کی اسلامی شجاعت بدستور موجود ہے۔ اور اسی طرح خونخوار اور جنگجو دشمن کے پرخچے اُڑا سکتی ہے۔ جس طرح مغلوں کے مورث اعلیٰ چنگیز خاں کے عہد سے لیکر اب تک بہادر مغلوں کو خاص شکستیں دیکر خائب و خاسر بھگاتی رہی ہے ٭

میدان جنگ اور بہادر ظفر خان

لڑائی کا دن مقرر ہوا۔ اور طبل جنگ بجایا گیا۔ تغلق خواجہ جو مشہور سپہ سالار اور خاندانی شہزادہ تھا۔ حملہ آور ہوا۔ مغلوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر ہندوستان کی سپر ظفر خان آگے بڑھا۔ اور تمام حملے کی زد اپنی ذات پر لی۔ مؤرخ ظفر خان کو رستم و اسفندیار لکھتے ہیں

نگر میں اس کو حیدر کرار اور خالد بن ولید کہونگا۔ جس نے ایثار نفس سے سچے بہادران اسلام کی نظیر قائم کی۔ اور فوج میمنہ جس کا وہ کمانبر تھا۔ ہندوستانی فوج اور حملہ آور مغلیہ فوج کے درمیان حایل ہوگئی۔ اور اس قدر بے جگری سے لڑی۔ کہ مغل جو آندھی کی طرح آرہے تھے۔ ظفر خاں اور اس کے بہادر ہمراہیوں کی غازیانہ شمشیر زنی سے رُک گئے۔ اور ظفر خاں کے دوسرے پُرجوش حملے سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے اور ظفر خاں نے تیسرے حملے میں تلوار کے آگے فوج مغل کو رکھ لیا۔ اور میدان سے بھگا دیا۔ ظفر خاں جوش تہور میں میدان جنگ سے ۸ میل دور تک تعاقب میں چلا گیا +

ہندوستان کی پھوٹ اور ظفر خاں کی شہادت

ہندوستان کا میوہ پھوٹ مشہور ہے۔ افسوس کہ اس وقت اپنا اثر دکھا گیا فوج میسرہ کا جرنیل الغ خاں برادر سلطان تھا۔ ظفر خاں کے رستمانہ کارناموں سے حسد کرتا تھا۔ اس کا فرض تھا۔ کہ ظفر خاں کا ساتھ دیتا۔ اور مغلوں کے تعاقب میں جاتا۔ مگر وہ حاسد قوم کا دشمن جگہ سے نہ ہلا۔ اور مغلوں نے یہ معلوم کرکے کہ ظفر خاں کے پیچھے اور کوئی امدادی فوج نہیں ہے۔ اور شاہی لشکر سے دور ہوگیا ہے۔ ظفر خاں کو گھیر لیا۔ بہادر ظفر خاں اپنے جان نثار رفقا کے ساتھ حملات کرنے اور کشتوں کے پشتہ لگانے لگا۔ مگر تابکے۔ گھوڑا تیروں کی بوچھاڑ سے گرا۔ اور ظفر خاں پیادہ ہوگیا۔ اور تیروں سے دشمن کو نشانہ بنانے لگا۔ تغلق خواجہ نے کہلا بھیجا۔ کہ اب تیر و کمان رکھدو۔ میرے باپ کے پاس چلو۔ جس قدر شاہ دہلی کے ہاں تمہاری عزت ہے۔ اس سے بڑھ کر وہاں ہوگی۔ مگر وہ غیور جان فروش اپنے آقائے شاہ دہلی سے مُنہ موڑ کر بیوفائی کا داغ اپنی مردانہ نیکنامی پر کب لگا سکتا تھا۔ بدستور لڑائی پر آمادہ رہا۔ تغلق خواجہ نے تیر بارانی کا حکم دیا۔ مگر کسی مغل کو جرات نہ ہوئی۔ کہ اکیلا اس شیر ہندوستان کے سامنے آتا۔ یک لخت ہزاروں تیراولوں کی طرح پڑنے لگے۔ جن کے صدمہ سے ظفر خاں تاج شہادت پہن کر راہی فردوس بریں ہوا +

ظفر خاں کی شجاعت کی مغلوں میں اس قدر دھاک بندھ گئی تھی۔ کہ گھوڑا جب پانی نہیں پیتا تھا۔ تو مغل کہتے تھے۔ کہ مگر ظفر خان را ندیدی کہ آب نمی خوری۔ یہ تھی۔ اُس وقت

کی شمشیر ہندوستان جس نے بہادر اور فاتحین مغل میں ظفر خاں کی شجاعت کو ضرب المثل بنا دیا تھا۔ گو ظفر خان ملک و قوم پر قربان ہو گیا۔ مگر مغلوں کے دلوں پر بہادران ہندوستان کا اسقدر رعب چھا گیا۔ کہ تیس کوس تک کہیں مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اور الغ خاں کے حاسدانہ تساہل سے فائدہ اُٹھا کر سندھ پار ہو گئے ؛

مذہب جدید کا اختراع
اور
اور غیر ملکوں کی فتح کی آرزو

فاضل ضیاء برنی نے ان خیالات کا باعث جہل و حماقت و غرور و تکبر۔ کثرت مال و دولت اور متواتر فتوحات لکھے ہیں۔ جلال الدین کا قتل۔ اُس کی اولاد و رفقا کی تباہی مغلوں کی دوبارہ شکست اور عظیم الشان ظفر مندی۔ گجرات کی فتح اور باغیوں کی بربادی فوج کی شکست ہاتھیوں کی عدت۔ بیٹوں کی تولید وغیرہ متواتر کامیابیوں نے علاء الدین کے دِل میں یہ خبط ڈال دیا۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی کامیابی کی وجہ چار یاروں کی مخلصانہ امداد تھی۔ اگر میں اپنے چار وفادار امراء الغ خان۔ نصرت خان۔ الف خان وغیرہ کی مدد سے جدید مذہب نکالوں۔ تو کامیابی ہو سکتی ہے۔ اور استحکام سلطنت کے لئے محبت ارادی کا مستحکم سلسلہ قائم ہو سکتا ہے۔ یہ خیال خواہ کسقدر غلط ہے۔ مگر بعض دنیا پرستوں کے دِل میں ضرور گذرتا رہا ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں بھی ایک دو قومی مگر اسلام سے خارج لیڈروں نے اسلام کی نسبت اسی قسم کا خبط جما کر عقائد اسلامیہ میں قطع و برید شروع کی تھی۔ مگر قابل غور یہ امر ہے۔ کہ علاء الدین کے دِل میں یہ خیال کیوں گذرا۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جسقدر کمال درجہ کا اولوالعزم تھا۔ اسی قدر بے علم۔ جاہل۔ علماء کی صحبت سے نفور تھا۔ طبعی اولوالعزمی اُس کے خیالات میں جولانیاں پیدا کرتی اور بے علمی کے سبب سے شدنی و ناشدنی امور میں امتیاز نہ کر سکتا تھا۔ کل بنی آدم کی اطاعت اور کرہ ارض کی تسخیر کے خیالات اُس کے دِل میں گدگدا تے۔ اور اُس کے لئے ایک جدید مذہب کا خود بانی ہونا ضروری سمجھتا۔ اگرچہ اس سے پہلے اور پیچھے عموماً علم والے بھی ایسی ٹھوکریں کھاتے رہے تھے۔ مگر اُن کی خود غرضی

اور علاء الدین کی جہالت تھی۔ وہ سچ مچ جانتا تھا۔ کہ جدید مذہبی ارادت سے زیادہ فتوحات حاصل ہونگی۔ اُس نے کسی کم علم یا بیدین ملحد سے جو اس وقت ہند و ستان میں پہنچ گئے ہوئے تھے۔ یہ سُن لیا تھا۔ کہ ترقی اسلام کا باعث صرف صحابہ تھے یا اسلام خود ساختہ مذہب ہے۔ اگر اس کو علم ہوتا۔ اور اسلام کے عروج کی تاریخ سے واقفیت رکھتا۔ تو صرف چار یاروں کے اخلاص و ایثار کو ہی ترقی کا ذریعہ نہ جانتا۔ ضرور اصحاب اربعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص وفادار یا غمگسار تھے۔ اُنہوں نے ہر ایک مشکل وقت میں تن من دھن سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمات کیں۔ مگر یہ صفات جملہ اصحاب مہاجر و انصار میں موجود تھیں۔ علاء الدین ان صفات عالیہ کے پیدا ہونے کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ اور اسلام کی فلسفی پر غور نہ کر سکا۔ اور نہ نبوت و سلطنت میں فرق کر سکا +

مسلمان اختراع مذہب جدید کی خبریں سُن سُن کر ڈرتے تھے۔ اور امرائے دربار میں سے کسی کو حوصلہ نہ پڑتا تھا کہ کچھ کہہ سکے +

مذہب جدید کے برخلاف تقریر وزیر

اور

اخلاقی سبق

ہم اس موقعہ پر علاء الدین کے ایک وزیر علاء الملک کی تقریر لکھتے ہیں۔ تاکہ بداعتقاد خبطیوں کو مذہب کی وقعت معلوم ہو سکے۔ اور مذہب کو جو ایک ڈھکوسلا جانتے ہیں۔ اس سے اپنی غلط رائے کا اندازہ کر کے مذہبی فضیلت کی طرف توجہ کریں علاء الملک بہت موٹا تھا۔ اسی وجہ سے صرف ہر ماہ کی پہلی تاریخ دربار جاتا۔ بادشاہ کو اسکی عقل و رائے پر کمال بھروسہ تھا۔ اور وہ بھی بیخوف و خطر صاف صاف کہہ دیتا تھا۔ ایک دفعہ علاء الدین نے اپنی دونوں خواہشیں اختراع مذہب جدید اور تسخیر ممالک غیر کی علاء الملک سے بیان کیں وہ پہلے ہی سُن چکا تھا۔ عرض کی کہ شراب کو مجلس سے دور کیا جائے۔ اور صرف چار ملوک (لارڈ) دربار میں رہیں۔ شراب اور اس کا سامان مجلس سے ہٹایا گیا۔ اور چار ملوک (لارڈ) کے سوا اور درباری رخصت کئے گئے۔ علاء الملک نے کہا۔ کہ مذہب کا

اختراع صرف انبیاء کا کام ہے۔ جن کو تائید ربانی حاصل ہوتی ہے۔ بغیر تائید الٰہی نبوت کا کام چل نہیں سکتا۔ سلطنت کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمیشہ جہانداری سلاطین کرتے رہے۔ اور نبوت انبیاء کو ملتی رہی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکیں۔ اور بڑے بڑے بہادر فاتح ہو چکے۔ مگر دعوٰے نبوت کسی نے نہیں کیا۔ اور نہ کوئی مدعی نبوت کامیاب ہوا۔ جھوٹے نبی ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے رہے۔ شاہانہ جاہ و جلال اور کثرت زر و مال مذہب جدید کے لئے کافی ذریعہ نہیں ہیں۔ ایسے ناشدنی خیال کو دل سے نکال دیں۔ ورنہ مسلمان بگڑ جائینگے۔ اور جن مسلمانوں کی تلوار آج آپ کے دشمنوں کے سر کاٹ رہی ہے۔ وہی مسلمان آپ کی جان و خاندان کے دشمن ہو جائینگے۔ یہ کوئی معمولی بغاوت نہیں ہوگی۔ بلکہ مذہبی جوش ہوگا۔ جس کا فرو کرنا آپ کی طاقت سے باہر ہوگا۔ خدانخواستہ اگر ایسی حالت پیدا ہوئی۔ تو کوئی مسلمان آپ کا ساتھ نہیں دیگا۔ آپ کے مقابلہ میں سب مسلمان اسلام پر جانیں قربان کر دیں گے۔ کیا آپ چنگیز خاں مغل سے طاقت مند فاتح ہیں۔ جس نے گو اسلامی دُنیا کے لاکھوں مسلمانوں کو ذبح کر ڈالا۔ کہیں ایک مسلمان کو بھی مذہب مغلی (بُدھ) میں نہ لا سکا۔ بلکہ خود مغل اسلام میں جذب ہو گئے۔ کوئی مذہب تلوار اور سلطنت کے زور سے نہیں پھیل سکتا۔ یہ شان نبوی تھا کہ بے یار مددگار مفلس و نادار یتیم و بیکس تائید الٰہی سے مغرور و سرکش مشرکین وغیرہ پر کامیاب ہوا۔ اور سب نے اسلام کی صداقت کے سامنے گردنیں جھکا دیں +

حضور یاد رکھیں کہ مذہب کا اجرا الٰہی کا کام ہے۔ اور نبوت ختم ہو چکی ہے تمام مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ آپ کے دعوٰے نبوت کو سُن کر تمام مسلمانان عالم دشمن بنجائینگے۔ اور سلطنت کو سخت صدمہ پہونچیگا۔ خونریزیاں ہونگی۔ مسلمان آپس میں ہی کٹ کر مر جائینگے۔ اور بُری یادگار قائم ہوگی آپ کے امراء و زراء خوف جان سے سچ نہیں کہتے۔ اور آپ کی غلط رائے کی تصدیق و آفرین کر رہے ہیں۔ لیکن یہ خیر خواہی نہیں بدخواہی ہے +

علاء الدین کو تو ال کی یہ بے لاگ باتیں شنکر سوچ بچار میں پڑ گیا۔ اور دیر تک سرنگوں خاموش رہا۔ آخر بولا کہ تم پر اور تمہارے ماں باپ پر صد آفرین ہو۔ جو صاف

صاف کہدیا۔ اور حق نمک ادا کیا۔ خیر خواہوں نے نمک حلالوں کی طرح میری غلطی کو جتلایا میں آئندہ کبھی یہ بیہودہ کلمہ زبان پر نہ لاؤنگا۔ اور اختراع مذہب جدید کا خیال دل میں ہرگز نہ کرونگا +

اب عزم جہانگیری کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔ وزیر باتدبیر نے عرض کی۔ کہ میں اس آرزو کے مخالف نہیں۔ سلاطین جہانگیری و کشور کشائی کیا ہی کرتے ہیں۔ ضرور حضور کے پاس زر و جواہر اسپ و فیل فوج و لشکر کی کثرت ہے۔ کم سے کم تین لاکھ سوار آراستہ معہ ساز و سامان مکمل فتح ممالک غیر کے لئے ساتھ لینے پڑیں گے اور کم سے کم اسی قدر فوج ہندوستان میں رکھنی پڑے گی۔ اور خرچ کثیر کا متحمل خزانہ نہیں ہو سکیگا۔ رعایا پر خرچہ جنگ ڈالا جائیگا۔ تو ناراضی پھیلے گی۔ فوج تھوڑی ہوئی تو ہندو جو ہمیشہ موقع کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اور وقت پر عہد و پیمان کی پرواہ نہیں کرتے۔ حضور کی غیبت سے فائدہ اُٹھاکر اور فوجی انتظام کو کمزور پاکر بغاوت کرینگے +

سب سے مشکل یہ ہے۔ کہ آپ انتظام ہندوستان کس کے حوالہ کرینگے اور ایسی لیاقت کون رکھتا ہے جو انتظام سلطنت کر سکے۔ اور جس کے حوالہ کریں گے۔ اُس کی وفاداری پر کس طرح اعتماد ہو سکتا ہے۔ معلوم نہیں کہ حضور کی واپسی پر کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔ اور کس قدر فتنہ و فساد پیدا ہو جائیں +

مانا کہ آپ سکندر کی طرح اولوالعزم بہادر ہیں۔ مگر ارسطو جیسے وزیر کہاں سے لائینگے کہ جس کے معتقد خاص و عام اسقدر تھے۔ کہ فوج و لشکر بغیر سکندر کے ۱۲ سالہ غیبت میں کوئی شخص ارسطو کے فرمان سے سرکشی نہ کر سکا۔ اور ایک سوئی تک بھی نقصان نہ ہوا۔ سکندر کی واپسی پر ملک میں امن و امان اور رعیت خوش و خورم فارغ البال تھی۔ اُس زمانہ میں ایفائے وعدہ اور قول و قرار کا خیال سب سے مقدم تھا۔ مگر آج معاملہ برعکس ہے ان وجوہات سے سلطان کے لئے ہندوستان سے باہر ملکوں کی فتح کے لئے جانا خطرناک ہے +

سلطان علاء الدین نے کہا۔ کہ پھر اسقدر مال و دولت اسپ فیل سوار و پیادہ سے کیا فائدہ۔ علاء الملک نے جواب دیا۔ کہ اگر حضور کو فتوحات کا شوق ہے تو ابھی ہندوستان کے کئی علاقہ سلطنت دہلی کے مطیع نہیں ہوئی۔ رنتھور۔ چتوڑ۔ چندیری۔ مالوہ۔ دھار۔ اجین

وغیرہ کو فتح کیجئے۔ مشرق میں بنگال وغیرہ پڑا ہے۔ کوہ ہمالہ کی ریاستیں با جگذار بنائیں۔ دکن میں سیت بندر رامیشور تک فتح کا نشان اڑائیں۔ اور سب سے بہتر یہ ہے۔ کہ ممالک ماتحت کا انتظام کریں۔ چور ڈاکوؤں کا نام و نشان نہ چھوڑیں۔ سب سے ضروری فرض حضور کا یہ ہے کہ مغل جو ہر سال پنجاب کو تاخت و تاراج کرتے ہیں۔ اُن کا راستہ بند کریں۔ تمام فالتو فوج کو ملتان۔ دیپالپور۔ سمانہ واقعہ پیشالہ کی چھاؤنیوں میں اس قدر عدت و کثرت کے ساتھ بسر کردگی نامور بہادر سپہ سالاران کے مقرر کریں۔ کہ ہندوستان کو مغلوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ قلعے بنوائیں۔ خندقیں کھدوائیں۔ سامان جنگ اور کمسریٹ کئی سالوں کے لئے جمع رکھوائیں۔ فوج کو قواعد پریڈ مشقی جنگ سے ہمیشہ مستعد و تیار رکھیں۔ گھوڑے اعلیٰ نسل کے قیمتی اور عمدہ ہوں۔ مغلوں کے روکنے اور صوبجات ہندوستان کی فتح کے بعد حضور خود بدولت دار السلطنت دہلی میں اقامت پذیر ہو کر عدل و انصاف اور انتظام ملکی میں مصروف ہوں۔ اس کے بعد چیدہ اور منتخب لشکر تجربہ کار جرنیلوں کے ماتحت ممالک غیر کی فتح پر نامزد فرمادیں فتح ہوئی تو بہتر ورنہ اصل ممالک ہندوستان میں کوئی خلل نہیں آئے گا +

جب علاء الملک یہ تقریر کر چکا۔ اور دیکھا۔ کہ سلطان علاء الدین پر اثر ہوا ہے آداب بجا لا کر کہنے لگا۔ کہ انتظام ملک اور فتح صوبجات ہندوستان تب ہوگی جب حضور نخوشی ترک یا کم کریں گے۔ شاہی جشنوں اور جلسوں میں جو شراب کا دور علانیہ چلتا ہے۔ اس کو دیکھ کر عام رعیت ملک شراب کے جلسہ کرتے ہیں دعوتوں کا دارو مدار شراب پر رہ گیا ہے۔ حضور کی کثرت شرابخوری اور شکار کی مصروفیت سے کاروبار سلطنت ناقص و معطل پڑے رہتے ہیں جس سے مخالفان سلطنت۔ باغیوں۔ غداروں کے حوصلے بڑھ رہے ہیں۔ اور شرارت کے منصوبہ پکا رہے ہیں۔ شکار کی تفریح کے لئے خاص محل سپہری کے قریب ایک شکارگاہ مخصوص کی جاوے وہاں کبھی کبھی تفریحاً شکرہ و باز سے شکار کھیل لیا جاوے۔ موجودہ حالت شکار نظم و نسق میں خلل انداز ہے +

علاء الدین یہ تمام تقریر سُنکر بہت خوش ہوا۔ اور کہا۔ کہ جو کچھ تم نے کہا ہے سلطنت کی بہتری اور خیر خواہی کے لئے کہا ہے۔ میں اسی پر عمل کرونگا۔ علاء الملک کو انعام دیا۔ چاروں ملوک (لارڈ) نے بھی انعام و تحفہ علاء الملک کے گھر بھیجے۔ اور ہر ایک نے علاء الملک کی

رائے کی تحسین و آفرین کی +

مؤلف کا نوٹ

جدید مذہب کی خواہش کرنا اور ایک کو توال کی تردید سے خواہ کس قدر معقول تھی اس آرزوئے مذہب سے باز آنا علاء الدین کی حقیقی فطرت کو بخوبی ثابت کرتا ہے۔ سلطان بے علم وجاہل تھا۔ مذہب کی فلاسفی سے بے خبر تھا۔ مگر اولوالعزمی۔ بلند حوصلگی اس کی طبیعت میں ودیعت تھی۔ ایسے اشخاص کے دلوں میں اس قسم کے خیالات کا آنا کچھ عجب نہیں ہے۔ اگر خود خواندہ ہوتا یا علماء کی صحبت میں بیٹھتا۔ تو شانِ نبوت و رسالت و مذہب کی بناوٹ سے واقفیت حاصل کرتا۔ اور کبھی نہ کہتا۔ کہ چند سرداروں کی مدد سے جدید مذہب اختراع ہو سکتا ہے۔ اور رواج پا سکتا ہے۔ یہ خیالات چالاک لوگوں کے دلوں میں گذرتے رہے ہیں۔ اور انھوں نے دعوئے نبوت بھی کیا ہے۔ مگر ان مدعیانِ نبوت اور علاء الدین میں فرق ہے۔ مدعیانِ نبوت اور بانیانِ مذاہب جدید یا تو بالکل پولیٹیکل بہروپئے تھے۔ یا خبطی۔ مگر علاء الدین ان دونوں مرضوں سے پاک تھا جس نے ایک امیر کے سمجھانے سے ارادہ ترک کر دیا۔ اس کا دل صاف تھا۔ ایک جاہلانہ امنگ اُس کے دل میں اُٹھی تھی۔ جو ایک معقول تقریر سے بیٹھ گئی۔ ورنہ وہ اگر حقیقت میں اسلام کے برخلاف ہوتا۔ تو کبھی باز نہ آتا۔ اور اس مطلب کے لئے لاکھوں کے خون بہا دیتا۔ مگر اُس کی فطرت وطینت نیک تھی۔ جو کوتوال کے سمجھانے سے اپنے بُرے ارادہ سے باز آگیا۔ علاء الدین انتظام ملک کے لئے ہر ایک عادت و خواہش کے چھوڑنے کے لئے تیار رہتا۔ جیسا کہ آیندہ بیان ہوگا۔ ملکی انتظام اور بہبودی رعیت کے لئے وہ ایثار نفس کا اعلےٰ نمونہ تھا۔ جس صفت میں دُنیا کا کوئی بادشاہ علاء الدین کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے +

رنتھور پر حملہ کی وجہ

گجرات کے مال غنیمت کی (جس میں پانچواں حصہ حق شاہی تھا) تحقیقات نہایت سختی سے کی گئی تھی۔ تلاشی سے سپاہی تنگ آ گئے تھے۔ اِس سے نومسلم سپاہی

جو زیادہ تر مغل تھے۔ باغی ہو گئے ۔ سلطان علاء الدین کے بھانجے کو سپہ سالار نصرت خان کے شبہ میں قتل کر دیا۔ اور خود لڑ بھڑ کر راجگان ہند کے پاس چلے گئے باغیوں کے زن و فرزند سے نہایت ہی ظالمانہ سلوک کیا گیا لہذا۔ ان باغیوں میں سے اکثر راجہ چتوڑ کے پاس جاکر ملازم ہو گئے تھے۔ رنتھور۔ راجپوتانہ میں نہایت مستحکم اور مضبوط قلعہ تھا۔ وہاں کا راجہ ہمیر دیو پرتھی راج کا پوتا تھا۔ یہ قلعہ اگرچہ سلاطین غلامان کے عہد میں بھی مطیع کیا گیا تھا۔ اور اسلامی فیاضی سے راجپوتوں کے قبضہ میں ہی رہا۔ اب باغی مغلوں کو ملازم رکھنے سے مخالفت کا صاف صاف اظہار تھا۔ یا یوں کہو۔ کہ شاہ دہلی کے مقابلہ کے لئے ایسے لوگ ملازم رکھے جاتے تھے۔ جو خاص ہندوؤں کی نسبت زیادہ جری اور مسلمانوں کے مقابلہ کے قابل تھے۔ اور اگر صرف پناہ دینا ہی مقصود تھا۔ تو بھی زیر رسوخ یا دوست رؤسا شاہنشاہ کے مخالفوں باغیوں کو پناہ نہیں دے سکتے۔ اگر کوئی رئیس ایسا کرے تو باغی شمار ہوتا ہے۔ یہی وجہ رنتھور پر حملہ کرنے کی تھی۔ جو راجہ چتوڑ کی حمایت میں تھا۔ رنتھور کے بعد چتوڑ پر حملہ ہوا +

فتح رنتھور

فتح رنتھور میں جس قدر علاء الدین ہمہ تن مصروف رہا۔ اور تمام چیدہ لشکر محاصرہ میں لگا رہا۔ اس سے رنتھور کی حصانت اور راجپوتوں کی بہادرانہ مدافعت کا پورا پتہ لگتا ہے اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس جنگ میں خوب اتفاق و اتحاد سے کام لیا گیا۔ اور قومی جنگ کا حق ادا کیا گیا۔ ہندوؤں کے کسی قلعہ کے فتح کرنے میں مسلمانوں کو اسقدر دیر نہیں لگی۔ جسقدر کہ فتح رنتھور میں یہ توقف باغی مغلوں کی جاں بازی اور بہادرانہ سرفروشی سے ہوا یا علاء الدین کی ظالمانہ سخت گیری سے مسلمانوں نے سرگرمی نہ دکھائی۔ مگر بہر حال راجپوتوں کی شجاعت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ رنتھور بہت سی مشکلات اور ہزاروں کے سر کٹوانے کے بعد فتح ہوا۔ اثنائے محاصرہ رنتھور میں چند خوفناک بغاوتیں ظہور میں آئیں۔ جن کا ذکر آئندہ لکھا جائیگا۔ مگر سلسلہ کلام کے لئے رنتھور اور چتوڑ کی فتح مقدم لکھی گئی ہے۔ ناظرین معاف فرماویں۔ فتح کے بعد رنتھور کی حکومت

الغ خان کو دی گئی۔ جو حملہ دکن کی تیاری کر رہا تھا۔ کہ اتفاقاً مر گیا۔ اور جلال الدین کی نمک حرامی کا الزام لے گیا۔ اور دنیا سے ناکام گیا +

چتوڑ اور پدمنی کا افسانہ

چتوڑ کا راجہ راجپوتوں میں نہایت زبردست تھا۔ باغی مغلوں کو جو سلطنت دہلی کے دشمن تھے۔ پناہ دی تھی۔ اور اس پناہ دینے کی غرض وہی تھی۔ جو نتھور کے بیان میں لکھی گئی ہے۔ پس رنتھور کی فتح کے بعد جہاں تمام راجپوتوں نے علاء الدین کے مقابلہ میں زور لگایا تھا۔ چتوڑ پر حملہ کیا گیا۔ کوئی گورنمنٹ اس بات سے درگذر نہیں کر سکتی۔ کہ اُس کے باغیوں کو پناہ دی جائے۔ اسی وجہ سے رنتھور اور بعد میں چتوڑ پر حملہ ہوا۔ راجہ چتوڑ کی رانی پدمنی کے عشق و محبت سے مجبور ہو کر چتوڑ پر حملہ نہیں ہوا۔ تھا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ضیاء برنی سے زیادہ معتبر علاء الدین کے عہد کا اور کوئی مؤرخ نہیں ہے۔ اور ضیاء برنی علاء الدین کے ظلم و سفاکی کے واقعات مفصل لکھتا ہے بلکہ صریح لفظوں میں بیدین و جاہل تک لکھ دیتا ہے۔ اگر پدمنی کا افسانہ صحیح ہوتا۔ جس کو کہ آزاد دہلوی نے لون مرچ لگا کر انشاء پردازی کے جوہر دکھائے ہیں ..... تو ضیاء برنی اس شرمناک واقعہ کے لکھنے سے کبھی نہ ٹلتا۔ اور ظلم و جہالت کے ساتھ مغلوب الشہوت کا الزام بھی لگا دیتا۔ اور ایسے حیوانی شہوانی واقعہ کو کبھی نہ چھپاتا۔ مگر ضیاء برنی نے فتح چتوڑ کے بیان میں پدمنی کی بابت کچھ نہیں لکھا۔ اور یہی حال فرشتہ اور نظام الدین ہروی کا ہے۔ معلوم نہیں۔ کہ آزاد دہلوی نے کس مستند تاریخ سے یہ افسانہ نقل کیا ہے۔ جو تاریخیں علاء الدین کے واقعہ چتوڑ سے چار سو سال بعد لکھی گئی ہوں وہ ضیاء برنی پر فوقیت نہیں رکھ سکتیں۔ جو علاء الدین کا ہمعصر تھا۔ آزاد دہلوی نے غالباً پدمنی کا قصہ سیر المتاخرین سے لیا ہوگا۔ جو قدیم تاریخ لکھنے میں غلطی کھاتا ہے۔ سیر المتاخرین کا مؤلف کسی تاریخ کا حوالہ نہیں دیتا۔ پھر اُس کی اور اس کے پیرو آزاد دہلوی کی بے سند روایت کو کس طرح صحیح تسلیم کیا جائے۔ جس طرح آزاد نے لکھا ہے۔ اُس سے تو علاء الدین محض ظالم و وحشی ہی ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ نادان بے سمجھ غیر محتاط بے انتظام اور اس کی فوج ڈرپوک کم سوار پائی جاتی ہے۔ جو پانسو جلی ڈولیاں

چتوڑ سے فاصلہ دراز طے کر کے دہلی پہنچ جائیں۔ اور علاء الدین کی خفیہ پولیس کو جسکی بابت ہم آئندہ لکھیں گے۔ خبر تک نہ ہو۔ کہ ڈولیوں میں مرد ہیں یا عورتیں اور پھر خاص دہلی سے جہاں ہزارہا سوار موجود تھے۔ پانچسو راجپوت لڑ بھڑ کر راجہ کو نکال لیجائیں اور دُنیا کے مشہور اسلامی شاہ سوار مُنہ دیکھتے رہ جائیں۔ یہ ایک ہندوستانی افسانہ ہے۔ جس کو آزاد دہلوی نے تاریخی رتبہ دیکر پنجاب کی تعلیمی سکیم میں داخل کرا لیا تھا۔ جواب خارج ہو چکا ہے ؛

ضرور اس قدر بات ہوگی۔ کہ مغلوں کی پناہ دہی یا رنتھور کی امداد کی وجہ سے چتوڑ پر حملہ کیا گیا۔ راجپوتوں نے سخت مقابلہ کیا۔ اثنائے محاصرہ میں پدمنی کا حسن وجمال سنا ہوگا۔ علاء الدین کوئی فرشتہ نہ تھا۔ انسانی شہوت رکھتا تھا۔ فتح سے پہلے یا بعد میں پدمنی کے حوالہ کئے جانیکی خواہش کرنا بھی قرین قیاس ہے۔ مگر پدمنی کی وجہ سے چتوڑ پر حملہ کرنا اور صلح کی شرط صرف آئینہ میں سے پدمنی کا شکل دکھا دینا خلاف قیاس ہے۔ علاء الدین ایسا غیر محتاط کہاں تھا۔ کہ جریدہ طور سے دشمن کے محلوں میں چلا جاتا۔ اور نہ راجپوتی خون اس بے غیرتی کو گوارا کر سکتا تھا۔ کہ اُس کی بیوی غیر مرد کو آئینہ میں سے بحیثیت معشوقانہ چہرہ دکھلائے۔ اسی غیرت سے شریف وغیور راجپوت اپنی عورتوں کو ذبح کرتے رہے یا خود راجپوت عورتیں غیرت کے مارے آگ میں جلکر راکھ ہوتی رہیں۔ پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ چتوڑ کا خاندانی راجہ ایسی بے عزتی کو عمل میں لائے۔ ضیاء برنی لکھتا ہے۔ کہ فتح چتوڑ کے بعد علاء الدین نے اپنے بیٹے کو چتوڑ کی حکومت سپرد کی۔ اور راجہ کا خاندان پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ جب چتوڑ میں سلطان کا بیٹا موجود تھا۔ تو پدمنی کہاں تھی۔ اور چتوڑ میں کس طرح ٹھیر سکتی تھی۔ جب راجہ قید ہو کر دہلی چلا آیا تھا۔ کیا سلطان علاء الدین جس کا بیٹا چتوڑ کا حکمران تھا۔ ایک بیکس عورت کو جو چتوڑ کے محلوں میں بیٹھی تھی جبراً نہیں پکڑ سکتا تھا۔ الفنسٹن صاحب نے بھی پدمنی کا افسانہ نہیں لکھا۔ بہرحال اور واقعات ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن اس بات کو ہم ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ راجہ چتوڑ سے بگاڑ پدمنی کی وجہ سے ہوا۔ اور پدماوت کا عشق چتوڑ کے حملہ کا باعث ہوا ؛

اگر آزاد مرحوم غورہ تحقیق سے کام لیتا تو ایسے بے سند واقعہ میں زور قلم نہ دکھاتا۔ نہ تو راجپوت راجہ کو بے غیرت بناتا۔ اور نہ بہادر و منتظم علاء الدین کے کیریکٹر پر بار تہمت دھبہ

لگاتا۔ چونکہ فتح چتوڑ سے پہلے چند بغاوتیں ہوئی تھیں۔ اِس لئے اُن کا مقدم لکھنا ضروری ہے یہاں ہم چتوڑ کے قصہ کو اس بات پر ختم کرتے ہیں۔ کہ ان متعدد بغاوتوں کے رفع کرنے کے بعد چتوڑ سخت لڑائی کے بعد فتح ہوا۔ راجہ گرفتار اور بقول انفسٹن صاحب بھاگ کر تکلیف کا باعث ہوا۔ اگرچہ بے سند ہے۔ مگر ممکن ہے۔ لیکن ڈولیوں کا آنا اور علاء الدین کا دھوکہ کھانا اور پدمنی کا آئینہ میں سے شکل دکھانا نہیں لکھا ہے۔ اس سے ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے +

بغاوت اکتخان

جب سلطان علاء الدین نے رنتھور پر چڑھائی کی۔ اور بمقام تلپت شکار کے لئے مقام کیا۔ تو ایک دن عین شکار میں جبکہ سلطان کے ساتھ صرف چند خواص تھے سلطان کے پیچھے اکتخان نے چند سواروں سمیت علاء الدین پر حملہ کیا۔ علاء الدین ایک ٹیلہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سے اُتر کر ٹیلہ کو مورچہ بنا لیا۔ باغیوں نے تیر برسانے شروع کئے۔ سلطان کے بازو پر بھی دو تیر لگے۔ ایک غلام نے اپنے آپ کو سلطان کی سپر بنایا۔ جدھر سے تیر آتا۔ اُدھر ہی سے سلطان کو بچاتا اور سخت زخمی ہوا۔ باغی سوار تلواریں کھینچکر سلطان کا سر کاٹنے کو بڑھے۔ چند شاہی پیادوں نے مقابلہ کیا۔ اور مشہور کیا۔ کہ علاء الدین مرگیا ہے۔ اکتخاں ناتجربہ کار نادان نوجوان تھا۔ سلطان کو سچ مچ مردہ تصور کرکے شاہی کیمپ کی طرف چلا گیا۔ اور جاتے ہی تخت پر بیٹھ گیا۔ اور سلطان کے قتل کا واقعہ بیان کیا۔ سب نے اطاعت کرلی۔ لیکن داروغہ محلسرائے سلطانی نے یہ کہکر محلسرائے پر قبضہ نہ دیا۔ کہ جب تک علاء الدین کا سر نہ دکھلایا جائے۔ محلسرائے پر قابض نہ ہونے دونگا +

اُدھر جب ذرا علاء الدین کو ہوش آئی تو اپنے بھائی اُلغ خاں کے پاس بمقام چھابن جانے کا ارادہ کیا۔ مگر ہمراہیوں نے کہا۔ کہ ابھی اکتخاں کو استقلال نصیب نہیں ہوا۔ ابھی لوگ شش و پنج میں پڑے ہیں۔ فوراً کیمپ کی طرف جانا چاہئے حضور کا چتر شاہی دیکھ کر سب خیر خواہان اکتخان کو چھوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائینگے۔ علاء الدین نے یہ رائے پسند کی کیمپ کو چلا۔ راستہ میں جو سوار و پیادہ دیکھتا۔ آداب

بجا لاکر ساتھ ہو لیتا۔ اسی طرح کیمپ میں پہنچنے تک پانچسو سوار ساتھ ہو گئے۔ قریب پہنچکر ایک ٹیلہ پر پہنچکر چتر شاہی دکھلایا۔ فوج دیکھتے ہی دوڑی۔ اور دعائیں دینے لگی نمکحرام اکتخان یہ دیکھ کر بھاگا۔ مگر گرفتار ہو کر قتل کیا گیا +

بغاوت (۳) ملک عمر خان۔ منگو خان

علاء الدین کے عہد میں پہلی بغاوت نومسلم مغلوں نے کی۔ جو مال غنیمت گجرات کے سبب سے ہوئی دوسری بغاوت اکتخاں برادر زادہ سلطان نے کی۔ تیسری بغاوت سلطان کے ہمشیرہ زادوں ملک عمر اور منگو خاں نے کی۔ جو بداؤں اور اودھ کے گورنر تھے۔ سلطان محاصرہ رنتھور میں مشغول دیکھ کر باغی ہو گئے سلطان نے سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی جس نے دونوں کو گرفتار کر کے سلطان کے پاس مقام رنتھور پہنچا دیا۔ یہاں بحکم سلطان دونوں باغیوں کی آنکھیں کمال بیدردی سے خربوزہ کی پھانکوں کی طرح نکلوا کر ہلاک کیا گیا۔ ان کے رفقا زن و بچہ سب تہ تیغ کئے گئے +

بغاوت (۴) حاجی مولا

حاجی مولا ملک فخر الدین قدیم کوتوال دہلی کا آزاد شدہ غلام تھا۔ چالاک فتنہ پرداز تھا۔ چونکہ خلجیوں کے ہاتھ سے کوتوال مذکور کا خاندان تباہ ہوا تھا جس خاندان سے حاجی مولا کا تعلق تھا اس لئے وہ سلطنت خلجیہ کے برخلاف تھا۔ علاء الدین کی سخت گیری جو حد ظلم تک پہنچ چکی تھی۔ اس سے لوگ ناراض تھے۔ یہاں تک کہ خود علاء الدین کا بھتیجا جان کا خواہاں اور بھانجے باغی خواستگار سلطنت بن چکے تھے۔ سلطان اس وقت رنتھور کی مہم میں سخت مشغول تھا۔ فوج شاہی کا اکثر حصہ محاصرہ رنتھور میں مصروف تھا۔ اور تین سال کے طویل محاصرہ سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ دہلی اور اس کے نواح میں کوئی زبردست فوج موجود نہ تھی۔ ان تمام بواعث نے حاجی مولا کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ اور ایک کوتوال دہلی کو فریب سے قتل کر کے دوسرے کوتوال کو محصور کر لیا۔ قیدی رہا کر دئے۔ خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک علوی کو جو شمس الدین التمش کے نواسوں سے تھا۔ زبردستی بادشاہ بنا لیا +

علاء الدین نے رنتھور میں یہ خبر سُنی۔ لیکن اُس اولوالعزم بہادر کے چہرہ پر بل تک نہ آیا۔ اور بدستور محاصرہ قلعہ پر زور دیتا رہا۔ دہلی کا ایک امیر حمید الدین جس کے بیٹے مشہور بہادر اور صف شکن تھے اپنی جمعیت لیکر باغیوں کی سرکوبی کے لئے تیار ہوگیا۔ اور اس قلیل اور تربیت یافتہ فوج اور علاء الدین کی یاوری اقبال سے باغیوں پر غالب ہا۔ علوی بادشاہ اور حاجی مولا قتل کئے گئے۔ اور ان کے سر مع فتحنامہ علاء الدین کے پاس بمقام رنتھور بھیجے گئے۔ سُلطان نے الف خان کو انتظام دہلی کے لئے روانہ کیا۔ جس نے باغیوں اور ان کے متعلقین زن و بچہ کو قتل کیا +

ہندوؤں کی بغاوت (۵)

مندرجہ بالا چاروں بغاوتیں مسلمانوں خصوصاً شاہی خاندان کے متوسلین نے کی تھیں۔ جو خود علاء الدین سے سیکھی تھیں۔ مگر ان باغیوں میں علاء الدین جیسا حوصلہ و ہمت تدبیر اور کثرت رفقا اور زر و مال نہ تھی۔ علاء الدین کا مقابلہ جلال الدین بوڑھے سادہ لوح سے تھا۔ اور ان باغیوں کا علاء الدین جیسے بہادر مدبر اولوالعزم سے تھا۔ اس لئے کوئی باغی کامیاب نہ ہوا +

مسلمانوں کی ان باغیانہ حرکات اور باہمی سر پھٹول کو دیکھ کر ہندوؤں نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کئے۔ نمبردار۔ مقدم۔ چودھری مسلح جمعیتیں رکھنے لگے۔ جنگی قواعد نشانہ بازی کی مشق ہونے لگی۔ شکار۔ شہ سواری۔ جنگی مشق کا عام طور سے رواج ہوگیا۔ کثرت آبادی اور جنگی طاقت کے بھروسہ پر خراج زمین۔ جزیہ۔ خانہ شماری۔ چرائی جو ہمیشہ گورنمنٹ کو دیا کرتے تھے۔ اس سے انکار کر دیا۔ اور باوجود اجرائے ثمن طلبی حکام عدالتوں میں حاضر نہ ہوتے۔ یہ جملہ علامات بغاوت و سرکشی کی تھیں۔ اگر گورنمنٹ کی طرف سے کچھ عرصہ اور تغافل رہتا۔ تو ضرور اعلیٰ پیمانہ پر مقابلہ کیا جاتا۔ مگر سلطان جو بغاوتوں کے دبانے میں نہایت مستعمل تھا۔ اور بہادر مسلمانوں کو بغاوت کا مزا چکھا چکا تھا ہندوؤں سے کب دبتا تھا۔ باغی ہندوؤں کی سرکوبی کے لئے تھوڑی سی فوج مقرر کی۔ جس کے ہاتھ سے کچھ تو مارے گئے۔ اور زیادہ معافی کے خواستگار ہوئے اور بغاوت فرو ہوگئی۔ اور احکام سلطانی کی تعمیل ہونے لگی۔ فیروز شاہی صفحہ ۲۹۱

بغاوت (سڈیشن) کا انسداد

جب ملک میں بغاوت کا اسقدر مادہ پیدا ہو گیا۔ تو علاء الدین نے وزراء کی کونسل جمع کی۔ اور اسباب بغاوت دریافت کئے۔ بہت سے بحث مباحثہ کے بعد بغاوت کے اسباب ذیل بیان کئے گئے ؛

جو ہندوستان کی ہر ایک گورنمنٹ کے لئے ہر ایک عہد میں مفید ہو سکتے ہیں۔ چونکہ آجکل ہمارے زمانہ میں بعض ناعاقبت اندیش ہندوستان کی بے چینی کا موجب ہو رہے ہیں۔ اور انگریزی مدبر اس مضمون پر بہت کچھ لکھ رہے ہیں۔ اس لئے ایسے وقت میں سلطان علاء الدین کی عملی تجاویز خالی از دلچسپی نہیں۔ ہو سکتیں ؛

کونسل کی تجاویز

(۱) پہلا سبب یہ ہے۔ کہ سلطان معاملات سلطنت اور رعایا کے نیک و بد خیالات سے بے خبر ہے۔ سلطان علاء الدین ایک خود مختار بادشاہ تھا۔ استبدادی حکومتوں اور خود مختار سلطنتوں میں بادشاہ کی بیداری و غفلت کا سلطنت کے ہر ایک اہلکار پر اثر پڑتا ہے۔ جمہوری سلطنتوں میں بادشاہ کے ذاتی عمل کا کوئی اثر انتظام پر نہیں پڑتا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ آج ہندوستان انگریزی جمہوری سلطنت کے ماتحت ہے۔ اور ہر ایک عہدہ دار جمہوری سلطنت کا ممبر ہے۔ عہدہ داران سلطنت ہندوستان کے طرز عمل کا وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جو ایک سلطان وقت کی حرکات و عادات کا نکل سکتا ہے۔ علاء الدین کی بے خبری کو وجہ بغاوت قرار دینا بالکل درست ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ افسران انگریزی میں سے بہت کم ایسے عہدہ دار ہونگے۔ جو رعیت کے حقیقی خیالات، اصلی تکالیف سے واقفیت رکھتے ہوں۔ ملک کا دورہ دریافت حالات کے لئے ہوتا ہے۔ مگر دورہ میں جن لوگوں کو ملاقات کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ وہ خوشامدی خود غرض ہوتے ہیں۔ ملک کے صحیح صحیح حالات بیان نہیں کرتے۔ اور نہ افسران ایسے حالات صحیحہ دریافت کرنے کی کوشش کرتے

ہیں۔ ان میں ہندوستانیوں کا ہی تصور ہے۔ جو ہمیشہ حکام کا سلام کسی ذاتی غرض کے لئے ہی کرتے ہیں۔ جس سے حکام انگریزی دیسیوں کی ملاقات کو فائدہ بخش نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر کوشش کی جائے۔ اور سلام کے لئے صرف موٹے تازے دیسیوں کو ہی منتخب نہ کیا جائے۔ بلکہ ملاقاتیوں کی فہرست میں عہدہ دار۔ تاجر۔ زمیندار۔ اڈیٹر۔ مصنف ہر ایک قسم کے لوگوں کا نام بحصہ رسدی لکھا جائے۔ اور ملاقات کرنے کے لئے صرف جاگیر و خطاب زر و دولت کو ہی معیار قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ عام لیاقت۔ آزادی خیالات۔ ملکی خدمات کی بھی قدر کی جائے۔ اور ایسے لوگوں کے خیالات سے ملک کی ضروریات معلوم کی جائیں۔ سید غلام حسین مؤلف سیر المتاخرین نے ڈیڑھ سو سال پہلے انگریزی حکام کی اجنبیت اور دیسیوں سے علیحدگی و نفرت کا رونا رویا ہے وہی عادات انگریزوں میں ۱۸۵۷ء کے شرارت انگیز واقعات سڈیشن تک موجود تھیں۔ جس سے ملک کے امن و امان میں خلل پیدا ہوا تھا۔ اگر عہدہ داران انگریزی ملک کے صحیح حالات سے خبر رکھتے۔ تو یہ نفرت بڑھانے والا مادہ جو ۲۲ سال سے پک رہا تھا کبھی اس طرح نہ پھوٹتا۔ اگر ان نتائج سے حکام واقف تھے۔ تو انتظام قابل تعریف نہیں۔ اور وہ ان ابتدائی واقعات کو خفیف سمجھتے رہے۔ جو نتیجہ بے خبری تھا۔ اور جس نتیجہ پر سلطان علاء الدین کی کونسل پانچسو سال پہلے پہنچ چکی ہے۔ آج گورنمنٹ انگریزی نے عمل شروع کیا ہے۔ دیسیوں سے میل ملاپ اور ایتلاف قلوب کی تحریک بہت کچھ مفید ثابت ہوگی ✤

علاء الدین کی کونسل نے بے خبری کی وجوہات میں خفیہ پولیس کی کمزوری بھی بیان کی تھی۔ جس پر میں آئندہ بحث کرونگا ✤

(۳) وزیروں نے دوسری وجہ بغاوت کثرت شراب کو قرار دیا۔ جلسوں۔ میلوں۔ بیاہ شادیوں میں علانیہ شراب کا استعمال اور بحالت نشہ متمردانہ الفاظ کا منہ سے نکالنا بیان کیا۔ کہا کہ شراب سے بے حیائی۔ گستاخی۔ بے ادبی۔ ضد۔ سینہ زوری کی عادت پڑتی ہے۔ ایسے شراب کے جلسوں میں اکثر فتنہ و بغاوت کے خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں۔ بغاوت کے خیالات شراب کی بندش سے کم ہو جاویں گے۔

ناظرین ذرہ زمانہ حال کی طرز معاشرت پر غور کریں ۔ کہ شراب کا کس قدر رواج ہو رہا ہے ۔ یورپ سے کروڑوں روپیہ کی شراب ہندوستان میں آتی ہے جو ہندوستانیوں کی جسمانی و روحانی صحت کو بگاڑتی ہے ۔ مناہی و ملاہی کا ارتکاب کراتی ہے ۔ مذہبی احکام کی وقعت دل سے کھوتی ہے ۔ بلکہ خوف خدا بھی نہیں رہتا ۔ جب خوف خدا نہ رہا ۔ تو گورنمنٹ کی دقار کس طرح دل میں رہ سکتی ہے ۔ جب یہ دونوں خوف نہ رہے ۔ تو بغاوت (سڈیشن) اپنا اثر دکھاتی ہے ۔ غالباً ہماری اس رائے سے تاجران شراب اور شراب خور اتفاق نہیں کرینگے ۔ اور شراب کی بندش کو آزادی تجارت کے اصول کے خلاف کہیں گے ؛

لیکن جہاں گورنمنٹ عالیہ رعیت کی جسمانی حفاظت کرتی ہے اور کروڑوں روپیہ خرچ کرکے رعایا کی جانیں بچاتی ہے ۔ وہاں روحانی امراض سے بچانا بھی گورنمنٹ کا فرض ہے ۔ روح بگڑا تو جسم کی بناوٹ کس کام آئے گی ۔ ہم یہ نہیں کہتے ۔ کہ کسی خاص مذہب کی رعایت کرے ۔ یا کسی خاص عقیدہ کی تعلیم دیں ۔ لیکن شراب جس کا استعمال کسی مذہب میں جائز نہیں ۔ اور جس کے برخلاف نیک دل یورپین بھی سر توڑ کوششیں کر رہی ہیں ۔ اور ترک شراب کے لئے سوسائیٹیاں بنا رہے ہیں ۔ انسداد شراب کا کوئی قانون پاس کیا جائے ۔ تو سوائے چند سوداگران شراب کے کوئی خدا پرست و خیر خواہ خلق اس قانون کو برا نہیں مانیگا ۔ بلکہ جس طرح سلطان علاءالدین خلجی بندش شراب کے احکام سے مورخین کی نگاہ میں جملہ سلاطین سے بڑھ کر ممتاز نظر آتا ہے ۔ اسی طرح آئندہ نسلوں میں انگریزی گورنمنٹ عزت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی ۔ اور رعیت کی جسمانی اور روحانی امراض کی مہربان ڈاکٹر تصور ہوگی ؛

اگر قطعی بندش نہیں ہو سکتی ۔ تو کم سے کم سرکاری دعوتوں ۔ جلسوں میں کھلے طور سے پینا یا عام بیاہ شادیوں ۔ پبلک میلوں میں اس کا رواج بند کیا جائے ۔ سرکاری ملازموں کے اعمالنامہ (کیریکٹر رول) میں شراب کی بابت خاص طور سے افسر مجاز نوٹ لکھیں ۔ کہ شراب پیتا ہے یا نہیں ۔ اور یہ حکم گورنر جنرل سے لیکر ایک چپراسی تک نافذ کیا جائے ۔ اگر انگریزوں پر یہ حکم نہیں چل سکتا ۔ تو دیسیوں کو ایسے قانون

سے مستفید کیا جائے۔ اور جس طرح کہ بعض قوانین کے اجراء میں ملکی انتظام و بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے عام رجحان کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اسی طرح لوگوں کی میخواری اور چند روزہ ناراضگی کی پرواہ نہ کی جائے۔ جب گورنمنٹ ستی وغیرہ مذہبی رسوم کو اڑا چکی ہے۔ تو شراب کو جو ہندو مسلمانوں کے مذہب کے خلاف ہے کیوں نہیں اڑاتی۔ علاء الدین اور اس کے درباریوں سے بڑھ کر کون شراب خور تھا۔ مگر اس حقیقی امن کے خیر خواہ رعیت کے مہربان۔ ملک کے نبض شناس نے بالکلیہ شراب کو ترک کر دیا۔ اور قطعی انسداد کر دیا +

سلطان علاء الدین کے تجربہ سے ہندوستان کو فائدہ پہنچایا جائے۔ اور یہ اعتراض کہ جہاں یورپ کی سلطنتوں کا سایہ پڑتا ہے۔ سب سے اول شراب قدم رکھتی ہے اور اس ملک کے روحانی فضایل کو نقصان پہنچاتی ہے دور کیا جائے علاء الدین نے جو انسداد شراب کے لئے طریقہ اختیار کیا آئندہ بیان ہوگا +

(۳) تیسری وجہ بغاوت کونسل نے یہ بیان کی۔ کہ چونکہ امراء و ملوک (لارڈ) باہم رشتہ کرتے ہیں۔ اور ایسی قرابت سے اُن کی ذاتی طاقت اور رسوخ بڑھ جاتا ہے جب بصورت جرم گورنمنٹ ایک کو پکڑتی ہے۔ تو اس کے باقی رشتہ دار بھی بگڑتے ہیں۔ اور سلطنت کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ آئندہ ایسے رشتہ بلا اجازت سلطان نہ ہوا کریں +

کونسل کا یہ ریزولیوشن نہایت سنجیدہ تھا۔ وزرا کی معاملہ فہمی اور تدبیر و دانش پر دلالت کرتا ہے۔ واقعی ماتحت عہدہ داروں اور رعایا کے مختلف فرقوں کی طاقت کا موازنہ رکھنا اصول سلطنت میں داخل ہے۔ جو گورنمنٹ کسی فرقہ یا قوم کو سلطنت کے کاروبار میں زیادہ دخیل کرتی ہے۔ یا کسی خاص فرقہ یا جماعت کی ملکی و مالی طاقت دیگر رعیت کے فرقوں سے بڑھاتی ہے۔ اخیر میں مشکلات میں مبتلا ہوتی ہے۔ رشتہ داری امراء ان کی متحدہ طاقت کو بڑھا کر تمرد و سرکشی کا موجب ہوتی تھی۔ ملازمت کا یہ سنہری اصول ؎

دو ہمجنس دیرینہ و ہم قسم نباید فرستاد یک جا بہم

اسی قسم کے خوفناک تجربوں کے بعد قائم کیا گیا ہے +

میں اس صدیوں کے آزمائے ہوئے فلاسفرانہ تجربہ کی تائید میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ زمانہ کے حالات کو غور سے دیکھنے والے اسکی ضروریات اور متمدن گورنمنٹوں کے طرز عمل سے ہماری رائے کی صداقت دیکھ سکتے ہیں ٭

(۴) چوتھی وجہ بغاوت روپیہ کی کثرت بیان کی گئی۔ عہد غوریہ میں جبکہ اسلامی سلطنت کی بنیاد ہندوستان میں مستقل طور سے پڑی۔ اور لک بخش قطب الدین اور رعیت کے حامی التمش اور خداداد دوست ناصرالدین اور منتظم بلبن کے پُرامن عہد میں رعایا ہند کو ایک صدی رفاہیت و امنیت رہی۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے مقررہ اخراج کے سوا جس کی مقدار بمقابلہ پیداوار و آمدنی بہت ہلکی تھی۔ اس کے سوا اور کسی قسم کا ٹیکس وغیرہ دینا نہ پڑتا تھا۔ آزادی کے ساتھ بلا شراکت قوم فاتح تجارت۔ زراعت صنعت حرفت سے روپیہ کماتے رہے۔ ان وجوہات سے روپیہ کی کثرت ہوگئی۔ اور تمول سے جرأت و جسارت بڑھ گئی۔ جنگی طاقت اور حرارت کو بڑھانے لگے۔ جو حقیقت میں دوبارہ ہندو حکومت کے قائم کرنے کا پیش خیمہ تھا۔ اس تجویز سے بھی کوئی منصف مزاج زمانہ شناس انکار نہیں کرسکتا۔ کہ کثرت دولت ہی سرکشی و بغاوت دلیری و جرأت کا بھاری سبب ہوتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں اور روزمرہ کے حالات اور سلطنتوں کی مشکلات کے بواعث کو سمجھ سکتے ہیں وہ ضرور ہی علاء الدین کی تجویز کو ہر ایک عہد کے موافق پاسکتے ہیں ٭

علاء الدین کا انتظام اور انسداد بغاوت

تجویز اول کی بابت سلطان علاء الدین نے خفیہ پولیس کا محکمہ اس قدر وسیع کر دیا کہ کوئی خبر سلطان سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ جو کچھ امراء کے گھروں میں ہوتا سب کچھ بے کم و کاست سلطان کو معلوم ہو جاتا۔ اور سلطان امراء سے جواب طلب کرتا۔ یہ محکمہ اس قدر کڑا ہوگیا۔ کہ امراء کو ہزار ستون (دربار شاہی) میں بات کرنی مشکل ہوگئی۔ اور پولیس کی دھاک بندھ گئی۔ بغاوت کے منصوبہ رُک گئے۔ اسی وجہ سے پولیس کا محکمہ ہر ایک گورنمنٹ میں نہایت ضروری ہوتا ہے ٭

دوسری تجویز کی بابت علاء الدین نے حکم دیا۔ کہ کوئی شخص شراب کی کشید اور فروخت نہ کرے اور مے نوشی۔ بھنگ۔ چرس وغیرہ مسکرات کے استعمال کی ممانعت کر دی۔

مشہور اور عادی شرابخوروں اور بھنگیوں کو جن کی صحبت سے لوگ بگڑتے ہیں شہر سے نکالکر دور دور جلا وطن کر دیا۔ مسکرات کی آمدنی کثیر دفتروں سے خارج کر دی۔ سلطان نے سب سے پہلے خود بسم اللہ کی۔ اور شراب کا جملہ سامان سنہری و روپہلی صراحی پیالہ اور زراندود بط و شیشہ کو توڑ تاڑ دیا۔ اور دہلی کے دروازہ بدایوں کے باہر شراب کا جملہ سامان پیپہ وغیرہ جمع کئے گئے۔ شراب لنڈھائی گئی۔ راستہ اور سڑک پر کیچڑ ہو گیا۔ سلطان علاء الدین نے بالکل شراب کا پینا چھوڑ دیا۔ اور نامزدوں کے اس مشہور قول ؎ چھٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی کو غلط ثابت کر دیا۔ اور دکھلا دیا۔ اولوالعزم جوانمرد جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اُس سے کوئی بات اُن کو روک نہیں سکتی۔ سلطان نے ملوک (لارڈوں) کو حکم دیا کہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر ہر ایک بازار و محلہ میں منادی کریں۔ کہ کوئی شخص شراب کی کشید۔ فروخت۔ استعمال نہ کرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شرم وحیا کے رکھنے والے اشخاص نے تو اسی عام منادی سے شراب کو ترک کر دیا۔ مگر بے شرم اور بدمعاش گھروں میں گوڑ کی شراب بنا لیتے۔ اور باہر سے بھی کسی نہ کسی حیلہ سے شہر کے اندر شراب پہنچ جاتی مگر گرفتاری پولیس پر بید سے پٹوائے جاتے۔ جرمانہ کی سزا پاتے۔ قید کئے جاتے جب قیدیوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اور خفیف سزاؤں سے فائدہ نہ نکلا۔ تو کنوئیں کھدوا کر اُن میں شراب بیچنے والوں اور پینے والوں کو ڈال دیا جاتا۔ جن میں سے اکثر مر جاتے اور جو چند روز بعد زندہ برآمد ہوتے۔ تو وہ بھی نیم مردہ نکلتے۔ اور عرصہ بعد طاقت پاتے۔ اس سخت سزا نے اچھا اثر کیا۔ کہ شراب قریباً بند ہو گئی۔ اور جو لوگ شراب نہ چھوڑ سکتے تھے۔ وہ قانون سے بچنے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ جب مدبر سلطان نے دیکھا۔ کہ شراب کا رواج عام طور سے بند ہو گیا ہے۔ تو سزائے چاہ زنداں کی صرف اُن لوگوں سے مخصوص کر دی۔ جو میلوں جلسوں مجلسوں۔ پبلک گذرگاہوں۔ حریفوں کے ساتھ ملکر پیتے۔ اور بدچلنی کا بیج بوتے۔ نہ یہ حکم شرعی تھا۔ اور نہ چاہ زنداں کی سزا شرعی تھی۔ صرف استعمال شراب کا چھوڑانا منظور تھا۔ خفیہ مے نوشی کو گورنمنٹ کے قانون کی حد سے مستثنیٰ کرنا بھی خلاف شرع تھا۔ مگر ملکی مصلحت کو سمجھنے والے انکار نہیں کر سکتے۔ جس گورنمنٹ کے ماتحت

مختلف مذاہب - قومیں ہوں - وہ اس قسم کے مستثنیات کرنے پر مجبور ہوتی ہے - بہرحال سلطان علاء الدین کی یہ اخلاقی جرأت جملہ سلاطین کے لئے قابل تقلید ہے - کہ مے نوشی سے انتظام سلطنت میں نقص پیدا ہونے کے علاوہ رعیت کی صحت صوری و معنوی کے لحاظ سے ترک شراب کے لئے ہمہ تن کوشش کرنی چاہیئے - اور کوئی عذر مسموع نہ کیا جائے - علاء الدین کی طرح سخت سزائیں نہ دی جائیں - لیکن کم سے کم شراب کی عام بکری دیہات تک شرابخانوں کے اجراء اور شراب کی زینت مجلس ہونے کو تو قانوناً منع کرے - عہدہ داران سرکاری کے لئے ترک شراب کو وجہ امتیاز قرار دیا جائے ٭

ہم نے علاء الدین کی یہ کارروائی جو ضیاء برنی نے لکھی ہے - اور انگریزی خواناں اصحاب کے مطالعہ سے نہیں گذری تھی - اور یورپین مؤرخین نے اپنی مبسوط تاریخوں میں درج نہ کی - اور گورنمنٹ عالیہ کے کانوں تک نہ پہنچ سکی - اس غرض سے لکھی ہے - کہ گورنمنٹ ہند اس مضمون پر توجہ مبذول کرے - اور جوانانِ ہند کی مال وجان کو جو نقصان پہنچ رہا ہے - اس کا تدارک کرے ٭

مجالس باغیانہ کا انسداد

(۳) تیسری تجویز کی بابت "ایکٹ باغیانہ مجالس" پاس کیا گیا - کہ کوئی جلسہ اور اجتماع خلاف قانون نہ ہوا کرے - اور اس قدر تشدد کیا گیا - کہ سلطانی خوف سے امراء و ملوک کی باہمی نشست برخاست اور ایک دوسرے کے ہاں کھلے بندوں آنے جانے میں سخت مشکل پڑی - امراء کی باہمی رشتہ داری بلا اجازت و اطلاع سلطان نہ ہو سکتی تھی - شریر و فتنہ انگیزوں کو کہیں جگہ نہ ملتی تھی - اگر کہیں جاتے تھے - تو خفیہ پولیس کے خوف سے نہ کوئی منہ لگاتا - اور نہ بات چیت کر سکتا - خفیہ پولیس نے اسقدر قافیہ تنگ کر دیا تھا - کہ امراء و ملوک جائز باتوں کے کرنے سے بھی جھجکتے تھے - یہ قانون شاید ناظرین کے خیال میں معیوب دکھائی دے - مگر ہر ایک گورنمنٹ کو ایسی ملکی ضرورتیں پیش آجاتی ہیں - کہ وہ ایسے قانون کے اجراء پر مجبور ہوتی ہے - جیسا کہ آجکل گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کو

ضرورت زمانہ نے پولیٹکل جلسوں۔ باغیانہ مجالس کی بندش کے لئے قانون پاس کرنا پڑا۔ حالانکہ بغاوت اور جمع خلاف قانون کے لئے تعزیرات ہند میں پہلے ہی دفعات موجود تھیں۔ پس علاء الدین ہو یا کوئی اور ملک کے انتظام اور امن و امان کے لئے اگر ایسے احکام صادر کرے۔ جو ظاہر بین آنکھوں میں ظالمانہ دکھائی دیں۔ قابل گرفت نہیں۔ بلکہ کمال تدبر اور مآل اندیشی۔ انتظامی قابلیت کا ثبوت ہے ؛

(۴) مندرجہ بالا ہر سہ قانون مسلمانوں خصوصاً امراء لارڈوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کا اثر ہندوؤں پر بہت کم پڑا۔ لیکن چوتھا حکم جو تجویز (ریزولیوشن) نمبر ۴ کی بابت دیا گیا۔ اس کا نتیجہ عموماً ہندوؤں کو بھگتنا پڑا۔ اگر مذہبی یا قومی تعصب سے یہ حکم دیا جاتا۔ تو بے شک قابل اعتراض تھا۔ مگر جہاں انتظام ملکی کے لئے تین حکموں کا نشانہ مسلمانوں کو بننا پڑا۔ اس چوتھے کا نزلہ ہندوؤں پر گرا۔ غیر مسلم ناظرین کتاب ہذا براہ مہربانی شاہ وقت کی حالت اور مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں۔ کہ ہر ایک ذمہ دار سلطنت ایسے وقت میں کیا کر سکتی ہے۔ عہد التمش سے ہندوستان کی زراعت۔ صنعت و حرفت اور تجارت داخلیہ عموماً ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ علاوہ اس کے مسلمانوں میں فضول خرچی اور عام داد و دہش کی کثرت نے پہلے ملتانیوں کو اور پھر دہلی وغیرہ کے ہندوؤں کو مسلمان امراء کو قرضہ دینے کا چسکا ڈال دیا تھا۔ امراء کے جاگیروں۔ تنخواہوں۔ آمدنیوں کے مالک ہندو ساہوکار بن گئے تھے۔ اور اسی طرح سے سلطنت کا روپیہ ہندوؤں کے گھروں میں چلا جاتا تھا۔ اور نیز ایک صدی تک اسلامی سلطنت کی عادلانہ اور فیاضانہ حکمرانی سے ہندو رعایا دولت مند بن گئی۔ اور ہندو سلطنت کے بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ دولت مند شہریوں کے علاوہ دیہاتی ہندو زردار فارغ البال ہو گئے۔ اسلامی گورنمنٹ نے گاؤں کے مقدموں۔ نمبرداروں کو خاص حقوق اور خاص رعائتیں دے رکھی تھیں۔ وصولی معاملہ کا انتظام مثل راجگان ہنود انہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔ جس سے وہ رقم مقررہ کی زیادہ ستانی سے ادنیٰ زمینداروں کا خون چوستے۔ چھوٹے چھوٹے مقدمات میں بھی یہی لوگ فیصلہ کرتے۔ ملک میں ان

لوگوں کا رسوخ و اعتبار بہت بڑھ گیا تھا۔ ان رعایتوں اور پنچائتی اختیارات روپیہ اور مال مویشی کی کثرت سے اعلےٰ ہندو زمینداروں کے حوصلے بڑھ گئے۔ غریب رعایا کی جان و مال میں تصرف کرنے لگے۔ گورنمنٹ کے اغماض سے عہدہ دارانِ شاہی کو بھی آنکھیں دکھانے لگے۔ اور طلبی حکام پر حاضری عدالت سے انکار کرنے لگے جنگی قواعد اور استعمال آلاتِ حرب کی مشق ہونے لگی۔ گویا اسلامی گورنمنٹ کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اس ملکی ضرورت نے سلطان علاء الدین کے دربار کو مندرجہ ذیل قانون کے پاس کرنے پر مجبور کیا۔ جو اس وقت بادی النظر میں ظالمانہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ہر ایک گورنمنٹ استحکام سلطنت کے لئے ایسے قوانین کے اجراء پر معذور رکھی جاتی ہے۔ بغاوت کے اسباب کا دُور کرنا اور متمرد فرقوں کی طاقت کا گھٹانا ہر ایک مدبر گورنمنٹ کا فرض ہوتا ہے۔ سلطان علاء الدین پر معترض ہونے سے پہلے ترقی یافتہ زمانہ حال کے پولیٹکل واقعات اور قوانین پر غور کریں۔ اور دیکھیں کہ اجرائے قوانین کا منشاء ہر ایک عہد میں امن و امان کا قیام اور سلطنت کا استحکام تھا۔ گو سلطان علاء الدین کے قانون صاف صاف اور کسی پالیسی کے پردہ میں نہ ہونے کے باعث جور و ظلم کی حد تک دکھائی دیتے ہیں۔ مگر نتیجہ دونوں کا یکساں ہے۔ ایسے سخت قوانین کے ذمہ دار خود وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو غلط فہمی یا ذاتی اغراض سے رعیتانہ حدود سے باہر قدم رکھنے کی جرأت کرتے ہیں انصاف پسند ناظرین فاتح و مفتوح نسل و مذہب کی مخالفت کو خیال میں لاکر سلطان علاء الدین کے قانون پر رائے زنی کریں ؎

سلطان علاء الدین نے ان جابر اور قابو یافتہ اعلےٰ زمینداروں کا زور گھٹانے اور غریب رعایا کے سروں سے نمبرداروں۔ چودھریوں کا تسلط اُٹھانے کے لئے وصولی معاملہ کا کام سرکاری عہدہ داروں کے سپرد کیا۔ نمبردار جو زیادہ ستانی کرتے تھے۔ وہ بند کی گئی جو حقوق نمبرداروں کو ملتے تھے وہ سب بند ہو گئے۔ زمین کی پیمائش کرائی گئی۔ اور نصف محصول کی وصولی کا حکم دیا گیا۔ محکمہ بندوبست قائم کیا گیا۔ جس کا افسر شرف قائمی فاضل تھا۔ جس نے امثلہ مال مرتب کرائیں۔ ہر ایک زمیندار کے حقوق کی تصریح کی گئی۔ اعلیٰ زمینداروں، نمبرداروں کی ناجائز آمدنی کے جملہ وسائل بند

کروئے۔ ہر ایک زمیندار کے لئے اعلیٰ ہو یا ادنیٰ چار بیل۔ دو بھینسیں۔ دو گائیں۔ بارہ بکریوں اور بھیڑوں سے زیادہ رکھنے کی ممانعت کی گئی۔ گھوڑے کی سواری سے روک دی گئی۔ ایکٹ اسلحہ جاری کیا گیا۔ ہتھیاروں کا استعمال قانوناً منع ہوا۔ دودھ دینے والی گائے بھینس پر چرائی مقرر ہوئی۔ جیسی کہ پنجاب کے اضلاع جھنگ اور منٹگمری میں بنام ترنی جاری ہے۔ سکونتی اور آباد گھروں پر خانہ شماری (کری) لگائی گئی۔ عملہ بندوبست کی امثلہ مال کے مطابق۔ معاملہ اراضی۔ چرائی۔ کری وصول ہوتی تھی گھوڑے ہتھیار چھن گئے۔ مال مویشی کی تعداد مقرر ہو گئی۔ نمبرداروں اعلیٰ زمینداروں کا زور گھٹ گیا۔ اسباب سرکشی کی کمی سے تمام باغیانہ خیالات جاتے رہے +

انسداد رشوت ستانی

غریب رعایا ظالم نمبرداروں مقدموں کے پنجے سے تو رہا ہوئی۔ لیکن ہر کاری عہدہ داران مال کی رشوت کا شکار ہونے لگی۔ اس لئے رعایا پرور سلطان نے رشوت خواروں کے لئے ایسی سخت سزائیں مقرر کیں۔ اور نگرانی و پڑتال کا انتظام ایسا مضبوط کر دیا۔ اور صحیح اندراج کی۔ اور خفیہ پولیس کی بے لاگ رپورٹوں سے اہلکاروں کے لئے حصول مفاد کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔ اور جس بالائی آمدنی کے لئے ملازمت مال کرتے تھے وہ یک قلم بند ہو گئی۔ اور محکمہ مال کی ملازمت کوئی خوشی سے قبول نہ کرتا تھا۔ ملازمانِ محکمہ مال دوسرے پیشوں کو خواہ کس قدر ذلیل ہوں۔ ملازمت مال پر ترجیح دیتے تھے۔ علاء الدین نے لالچی اور ظالم عہدہ دارانِ شاہی کے ہاتھ سے غریب رعیت کو بچا لیا۔ اور انسداد رشوت جو کبھی کسی بادشاہ سے نہ ہو سکی تھی۔ اس دلیر اور منتظم سلطان نے رشوت ستانی کو قریباً معدوم کر دیا۔ اور تخمیناً دس ہزار محرروں کو سزا دی گو ضیاء برنی وغیرہ مورخ علاء الدین کو جابر و ظالم کہتے ہیں۔ اور جاہل شریعت سے بے پرواہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن رشوت کے انسداد میں جو انتظامی لیاقت علاء الدین نے دکھائی کسی پابند شرع سلطان سے بھی نہیں ہو سکی۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت شہادت پر فیصلہ کرتی ہے۔ اور رشوت کے گواہ نہیں مل سکتے۔ اور علاء الدین صحیح واقعہ کی موجودگی میں باضابطہ جوڈیشل تحقیقات کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اور بعض حالتوں میں مہذب سے مہذب

سلطنت بھی ایسا ہی کر دیتی ہے۔ رشوت کے لئے شہادت واقعہ نہ ہو۔ تو عہدہ دار کی آمدنی و خرچ عام حیثیت جایداد غیر منقولہ سے مدد مل سکتی ہے ۔

افسوس کہ زمانہ حال میں رشوت خوار تو مزہ اڑاتے ہیں۔ اور دیانتدار بیزار حسرت زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہو۔ جہاں حصول عہدہ کے لئے علمی مقابلہ ہوتا ہے وہاں ترقی مدارج کے لئے دیانت کا صحیح اندازہ لگایا جائے۔ اور حقیقی دیانتداروں اور محتاط عہدہ داروں میں امتیاز رکھا جائے۔ خوشامد پسندی اور خود غرضی کو دور کیا جائے جس سے حقوق انسانی پامال ہوتے ہیں ۔

علاء الدین کی لیاقت

علاء الدین ابتدا میں تو بالکل بے علم تھا۔ مگر بعد میں اسقدر لیاقت پیدا کر لی تھی۔ کہ پولیس کی معمولی رپورٹیں خود پڑھ سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ طبیعت ذہین و ذکی تھی۔ عام علمی لیاقت کے نہ ہونے اور اولوالعزمی کے باعث اجرائے احکام میں قانون شریعت کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ علمائے وقت کو اُس کے دربار میں دخل نہ تھا۔ قاضی مغیث الدین بیانوی مشہور فاضل کی دربار میں آمد و رفت تھی سلطان نے ایک دن قاضی مذکور سے چند مسائل شرعی دریافت کئے۔ جن کا جواب علاء الدین کے منشاء کے خلاف تھا۔ مگر عالم باعمل اور راستباز قاضی جان سے ہاتھ دھو کر یہی کہتا رہا۔ کہ آپ جس قدر سزائیں دیتے ہیں۔ شریعت کے خلاف ہیں۔ قاضی تو موت کا منتظر تھا۔ مگر سلطان علاء الدین نے جس کی فطرت صداقت پسند اور مطیع شریعت تھی۔ قاضی کو خلعت گراں بہا عطاء کیا۔ اور کہا :۔

علاء الدین کی تقریر

سلطان نے قاضی کے اعتراض سُنکر کہا۔ کہ قاضی صاحب آپ کو علم ہے تجربہ نہیں۔ اور مجھ کو تجربہ ہے علم نہیں۔ مسلمان و مسلمان زادہ ہوں۔ تم نے جو کچھ کہا حق ہے۔ مگر ہندوستان میں محض شرعی سزاؤں سے امن و امان قائم نہیں رہ سکتا۔ میں اگرچہ جاہل ہوں لیکن رعیت کی بہتری کے لئے سخت حکم جاری کئے ہیں۔

کیونکہ لوگ معمولی شرعی تحقیقات اور سزاؤں سے صراط مستقیم پر چل نہیں سکتے +
میں نے حکم دیا ہے۔ کہ جو شخص دوسرے کی بیوی سے زنا کرے۔ اس کو خصی کیا جائے۔ لیکن باوجود اس قدر سخت سزاؤں کے زنا کاری اس قدر بڑھ گئی ہے۔ کہ ہر روز ایسے مجرم گرفتار ہوتے ہیں۔ اور زناء سے باز نہیں آتے۔ خیانت کے جرم میں دس ہزار عہدہ داروں کو گدائی کرائی گئی۔ اور پبلک میں ذلیل طور سے مشتہر کئے گئے۔ بعض خائنوں کے بدنوں کو کیڑوں سے کٹوایا۔ مگر پھر بھی خیانت کو نہ چھوڑا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ محرّری اور خیانت دونوں توام مادرزاد اور آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ شرابخوروں اور شراب فروشوں کے لئے چاہ زندان کھدوائے۔ مگر وہاں بھی شراب پینا نہ چھوڑا۔ سپاہی پریڈ میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور تین تین سال کی تنخواہ جرمانہ کی جاتی ہے۔ مگر پھر بھی ہر روز دو تین سو سپاہی غیر حاضر رہتے ہیں اور نمکخواری اور حقوق سلطانی کا خیال نہیں رکھتے۔ اور فرض منصبی سے پہلوتہی کرتے ہیں غرضیکہ اس زمانہ میں ہزاروں لوگ ہیں۔ جو بیخوف اور نڈر ہیں۔ شریعت کی باقاعدہ تحقیقات اور نرم سزائیں ایسے لوگوں کو کب اخلاق کے راہِ راست پر لا سکتے ہیں۔ پس میں جو کچھ کرتا ہوں۔ رعیت کی اخلاقی تمدنی بہبودی اور سلطنت کی ملکی و مالی بہتری کے لئے کرتا ہوں۔ ورنہ شریعت سے نعوذ نہیں +

چتوڑ کی فتح

چتوڑ کی چڑھائی اور پدمنی کے افسانہ کا حال لکھا گیا ہے۔ یہاں کا راجہ خاندان سسوڈیہ راجپوتوں میں نہایت زبردست تھا۔ اور اب تک شاہان دہلی کی زد سے چتوڑ بچتا رہا تھا۔ قلعہ رنتھور کی لڑائی میں راجہ چتوڑ نے حصّہ لیا تھا۔ اور وجہ عداوت پیدا کی تھی۔ اثنائے محاصرہ رنتھور میں حاجی مولا وغیرہ کی بغاوت اور دہلی کے فساد کے سبب رنتھور کی فتح کے بعد سلطان دہلی چلا گیا تھا۔ اور چتوڑ کو سزا نہ دے سکا۔ دہلی کے رفع فساد اور انتظام کے بعد چتوڑ پر حملہ آور ہوا۔ ضیاء برنی۔ نظام الدین ہروی انفشنٹن صاحب نے معرکہ کی تفصیل نہیں لکھی۔ صرف مجمل طور سے فتح چتوڑ لکھی

ہے الفنسٹن صاحب صرف اسقدر ایزاد کرتا ہے۔ کہ سلطان نے اپنے بیٹے کو حاکم چتوڑ مقرر کیا۔ راجہ پکڑا گیا۔ اور پھر بھاگ کر تکلیف کا باعث ہوا۔ مگر پدمنی کا آئینہ سے شکل دکھانا۔ اور پانسو ڈولیوں کا دہلی آنا مطلق ذکر نہیں کیا۔ جس سے ہماری اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ چتوڑ پر حملہ پدمنی کے لئے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پولیٹیکل وجوہات سے کیا گیا تھا۔

مُغلوں کا محاصرہ دہلی

مغلوں نے جس قدر ذلیل شکستیں بہادران ہندوستان کے ہاتھ سے کھائی تھیں۔ اس قدر کہیں بھی ناکامی نہ ہوئی تھی۔ ایک سو سال سے ہر سال ایک دو دفعہ ہندوستان پر حملہ آور ہوتے رہے۔ اور شمشیر ہندوستان سے پاش پاش ہو کر بھاگتے رہے۔ علاء الدین کے عہد میں بھی دو بھاری شکستیں کھا چکے تھے جالندھر کی شکست میں گو بہادر ظفر خان ہندوستان پر قربان ہو گیا۔ مگر مغلوں پر غازیان ہندوستان کا اس قدر خوف چھایا ہوا تھا۔ کہ ظفر خاں کی شہادت سے فائدہ اٹھا کر پاؤں نہ جما سکے۔ ان تمام شکستوں کا دھبہ مٹانے کے لئے مغل موقعہ کی تلاش میں تھے سلطان علاء الدین کو چتوڑ کے محاصرہ میں ہمہ تن مصروف اور دہلی کو خالی دیکھ کر طرغی مغل ایک لاکھ بیس ہزار سوار جرار لیکر حملہ آور ہوا۔ جبکہ سلطان کو فتح چتوڑ سے واپس آئے ابھی ایک ماہ ہی گذرا تھا اور ملک فخر الدین جونا کو جو بعد میں محمد تغلق کے نام سے سلطان ہوا۔ فوج کثیر کے ساتھ دارنگل (دکن) کی تسخیر پر بھیج چکا تھا۔ اور باقی امراء بھی اپنی اپنی فوجوں سمیت اپنی جاگیروں۔ علاقوں۔ چھاؤنیوں میں چلے گئے تھے۔ سلطان کے ساتھ فوج بہت کم تھی۔ اور جو تھی۔ وہ بھی سامانِ جنگ کافی نہ رکھتی تھی۔ کیونکہ رنتھور اور چتوڑ کے معرکوں میں بہت سامان خرچ ہو چکا تھا اور باقی ماندہ ابھی دہلی نہیں پہنچا تھا۔ امراء کے نام طلبی کے فرمان لکھے تھے۔ لیکن کثرت بارش اور پانی دکیچڑ کی شدت اور مغلوں کی مزاحمت کے سبب کوئی امیر دہلی نہ پہنچ سکا۔ سلطان نے خار بندی۔ دہس بندی۔ مورچہ بندی۔ خندقوں وغیرہ سے دہلی کو مضبوط کر لیا۔ اور ناقابل تسخیر بنا لیا۔ مگر جبکہ امدادی فوج کے پہنچنے سے مایوس ہوا۔

تو کمزوروں کی طرح زیادہ عرصہ محصور رہنا اپنی مشہور شجاعت کے خلاف سمجھا۔ اپنی قلیل فوج سوارہ لیکر شہر سے نکلا۔ اور چھاؤنی سیہری میں مقام کیا۔ اور مدافعانہ پہلو اختیار کیا۔ اور تجربہ کار جرنیلوں کی طرح اس طرح لڑائی کا ڈھنگ ڈالا۔ کہ مخالف باوجود فوج کثیر حملہ آور نہ ہو سکا۔ جو حوض سلطانی تک مار دھاڑ کر جاتا۔ اور فوج نیزک (بکیٹ) سے مقابلہ بھی ہو جاتا۔ مگر بہادران ہندوستان کا پلہ بھاری رہتا۔ سلطان اور اس کی بہادر فوج کے اس قدر مردانہ استقلال نے مغلوں کے دل میں ڈال دیا۔ کہ جب اس تھوڑی سی فوج پر کامیابی مشکل ہے۔ تو جب کہ برسات کے کم ہونے اور راستوں کے کھل جانے پر تمام ہندوستانی فوجیں پہنچ گئیں۔ تو جان بچا کر جانا مشکل ہو جائیگا۔ اِس لئے دو ماہ تک دریائے جمنا کے کنارہ ٹھیر کر واپس چلے گئے۔

الفنسٹن صاحب کی رائے

مغلوں کی واپسی کو الفنسٹن صاحب رسد رسانی کے گھٹ جانے پر محمول کرتا ہے۔ جو درست نہیں۔ جو فوج ترکستان سے فتح کرنے کی نیت سے آئی تھی۔ کیا اس کا سامان جنگ دو ماہ کے عرصہ میں ہی خرچ ہو گیا۔ رسد کی فراہمی کا انتظام جس طرح اور حملہ آور کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح مغل بھی کرتے تھے۔ اور دیگر ممالک میں عموماً اسی جگہ سے حملہ آور مغل رسد لیتے رہے۔ دراصل بات یہ ہے۔ کہ مغل دہلی کو علاء الدین سے خالی سنکر آئے تھے۔ اور وہ چیتوڑ سے واپس آچکا تھا۔ فوج شاہی گو قلیل تھی۔ مگر جس فوج کا کمانڈر خود علاء الدین جیسا اولوالعزم سکندر ثانی بہادر ہو۔ وہاں قلت کی تلافی بخوبی ہو سکتی ہے۔ سلطان نے حوصلہ نہ ہارا۔ اگرچہ قلعہ دہلی بھی مضبوط تھا۔ لیکن بہادر سلطان کی یہ جرأت زیادہ کام کر گئی۔ کہ قلعہ سے نکل کر سیری میں کیمپ لگا دیا۔ اور مورچہا اس قدر مضبوط کر لئے۔ کہ مغلوں کو حملہ کرنے کی سکت نہ رہی۔ غرضیکہ سلطان کی دلیری اور ہندوستانی فوجوں کی برجستگی نے دہلی کو بچا یا۔ اور مغل علاء الدین کے قلیل ہمراہیوں کی مردانہ شجاعت اور جان بازی کو دیکھکر فتح سے مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ اگر مغل نہ جاتے۔ تو موسم

برسات کے گذرتے ہی ہندوستانی فوجیں جو برسات کے سبب سے کول و درین میں رُکی پڑی تھیں۔ حملہ آور ہوتیں۔ اور اس طرح مغل محصور ہو جاتے۔ اور مشکلات میں گھر جاتے۔ بعض مورخ اس واپسی کو حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کی کرامت لکھتے ہیں۔

مغلوں کے حملات کی رکاوٹ

ہندوستان کو بیرونی حملہ سے بچانے کی تدبیر ہر ایک گورنمنٹ کرتی رہی ہے۔ ہندوستان پر عموماً مغرب کی طرف سے ہی حملے ہوتے رہے ہیں۔ اور مغل تخمیناً ایک صدی برابر اس طرف سے حملات کرتے رہے۔ حملہ آور مغلوں کے راستہ میں جس قدر پرانے قلعہ تھے۔ ان کی مرمت کرائی گئی۔ جدید قلعے تعمیر کئے گئے۔ سامان جنگ اور کمسریٹ وغیرہ وافر جمع کیا گیا۔ اسلحہ سازی کے کارخانہ مناسب جگہ جاری کئے گئے۔ لائق کاریگر۔ صناع۔ انجنیر ملازم رکھے گئے۔ مختلف چھاونیوں کے علاوہ دیپالپور اور سامانہ واقع پٹیالہ کو بھاری جنگی ہیڈکوارٹر بنایا گیا۔ جو دہلی کے راستہ میں تھے۔ دیپالپور کی کمان غازی بیگ تغلق کو دی گئی۔ جو بعد میں غیاث الدین تغلق کے لقب سے سلطان دہلی ہوا۔ پنجاب اور سندھ کی دوامی فوجوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور خاص دہلی کی شاہی فوج اور دیگر صوبجات خصوصاً اجودھانہ اور دکن کے جدید تسخیر شدہ علاقوں کے ضبط و انتظام کے لئے بھی بہت کچھ فوج درکار تھی۔ اور اس قدر فوج کثیر کے دوامی اخراجات کے لئے خزانہ شاہی کافی نہ تھا۔ اس لئے اس مشکل کو سلطان نے کونسل وزراء میں پیش کیا۔

جنگی اخراجات کثیر کا انتظام

مدبر دور اندیش کونسل نے تمام پہلوؤں پر غور کر کے یہ تجویز پیش کی کہ بیرونی خطرات کے دفعیہ اور اندرونی امن و امان کے قیام کے لئے فوج برجستہ کا کافی طور سے مہیا رکھنا۔ اور حسب ضرورت بڑھانا اور کیل کانٹے سے درست و مستعد رکھنا نہایت ضروری ہے لیکن نہ تو ہمیشہ کے لئے خزانہ سلطانی اور نہ موجودہ ابواب

آمدنی اس قدر فوج کثیر کے اخراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور نہ رعایا پر کوئی جدید ٹیکس لگانا قرین انصاف ہے۔ سلطان نے تنخواہوں کی تخفیف کی رائے دی۔ مگر وزراء نے حرف دیدی۔ اور کہا کہ کمی تنخواہ کی صورت میں ملازمت کو کوئی پسند نہ کرے گا۔ جب سپاہی کا پیٹ ہی نہ بھرا۔ اور گذارہ ہی نہ ہو سکا۔ تو جان نثار جنگی ڈیوٹی کس طرح قبول کر سکتا ہے۔ موجودہ تنخواہیں بھی ہر ایک چیز کی گرانی نرخ کے سبب سے عیالدار فراغت سے گذارا نہیں کر سکتے۔ قلت تنخواہ میں کس طرح گذارہ ہو سکیگا۔ اگر خزانے کی حالت پر خیال کر کے حضور تنخواہوں کی معیار گھٹانی چاہتے ہیں۔ تو اولاً گرانی کو دور فرماویں۔ اور نرخ اشیاء کا انتظام کریں۔ تاکہ سپاہی وغیرہ کم آمدنی میں بسر اوقات کر سکیں۔ گھوڑے۔ سامان بار برداری کمریٹ تھوڑی قیمت پر دستیاب ہو سکیں۔ اور روپیہ کی قدر بڑھ جانے سے رنگروٹ آسانی سے مل سکیں۔ غربا و مساکین جو گرانی غلہ سے جان بلب رہتے ہیں۔ اور گورنمنٹ کے برخلاف نفرت پھیلاتے ہیں۔ فراغت سے زندگی بسر کریں۔ کیونکہ یہی لوگ سلطنت کی جڑ ہیں۔

گرانی غلہ کا انتظام

علاء الدین نے وزیروں کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور مندرجہ ذیل احکام صادر کئے۔ ان میں سے گرانی غلہ کا ایک ایسا سوال ہے۔ جو آج ہندوستان میں عام طور سے زیر بحث ہے۔ اور جس پر گورنمنٹ عالیہ برطانیہ بھی غور کر رہی ہے۔ اور استحکام سلطنت کے لئے اس مسئلہ کی گرہ کشائی سب سے مقدم ہے۔ انگریزی گورنمنٹ نے آجکل جس قدر رعایتی حقوق ہندوستانیوں کو عطا کئے ہیں ان کا تعلق عموماً معزز تعلیم یافتہ گروہ سے ہے اور اس فرقہ کا منہ کچھ دنوں کے لئے ضرور بند ہو گیا ہے۔ مگر ادنیٰ اور متوسط درجہ کے لوگوں کو گرانی نرخ کی شکایت ہے۔ اور گرانی نرخ کے باعث باوجود سخت محنت و جانکاہی کے آرام و فراغت سے گذارہ نہیں کر سکتے۔ اور یہی لوگ آبادی کی جزو اعظم اور ڈے وقت پر کام آنے والے ہیں۔ ان کی ناراضگی سے ملک کے بدخواہ امن کے دشمن فتنہ پرداز بہت کچھ فائدہ اٹھایا

سکتے ہیں۔ پس استحکام سلطنت کی جملہ تجاویز سے مقدم گرانی نرخ کا سوال ہے ایشیائی لوگ قحط و وبا کو سلطان وقت کی نیت کا ثمرہ خیال کرتے رہتے ہیں۔ نوشیروان کا قصہ اورنگ زیب کا خط شاہد حال ہے۔ یہ عذر لنگ کہ کاشت کاران کو گرانی غلہ سے فائدہ پہنچتا ہے۔ درست نہیں۔ جس قدر گرانی غلہ سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اُس سے کئی گنا زیادہ دیگر اشیا سے مایحتاج۔ اور جو ب کاشت کی گراں قیمت سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور اس گرانی کا اثر گورنمنٹ برطانیہ کے فوجی نظام پر بھی ویسا ہی پڑتا ہے۔ جیساکہ سلطان علاء الدین کے عہد میں جنگی انتظام پر پڑا تھا۔ حربی انتظام اور حفاظت ہندوستان کا وہی سوال عائد ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ علاقہ تیراہ جیسی بے تاج و تخت قوم کی سرکوبی میں ہی کروڑوں پر پانی پھر گیا تھا۔ اور بقول لارڈ کرزن صاحب سابق گورنر جنرل بہادر اگر اس وقت کوئی بیرونی دشمن سر اٹھاتا۔ تو خزانہ ہند اخراجات کا متحمل نہ ہو سکتا۔ پس عام غریب رعایا کے حالات سے قطع نظر کر کے خود گورنمنٹ کو استحکام و حفاظت ملک کے لئے گرانی نرخ کے دور کرنے کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ سلطان علاء الدین کے ہر ایک قائم مقام کو ہر ایک زمانہ میں تدابیر رفع مشکلات مجوزہ علاء الدین پر توجہ کرنی لازم ہے۔ ہم اس موقعہ پر صرف ہندوستان کی بہتری کے خیال سے ضوابط نرخ مقررہ سلطان علاء الدین کو تحریر کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ جملہ قواعد زمانہ حال کے موافق ہونگے۔ لیکن اگر کوئی فائدہ اٹھانا چاہے۔ تو ان قواعد سے مدد لے سکتا ہے۔ اگرچہ آجکل عام رائے گرانی غلہ کی بڑی وجہ برآمد غلہ بیان کرتی ہے۔ جو غیر ممالک کو جاتا ہے۔ مگر اور وجوہات بھی ہیں۔

قواعد ارزانی غلہ

سلطان علاء الدین خلجی نے ارزانی غلہ کے مفصلہ ذیل قواعد مقرر کئے تھے۔

(۱) غلہ کا نرخ بادشاہ مقرر کرے۔ جو ہر فصل کی حالت ملک کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر مقرر ہوتا تھا۔ غلہ کے بادشاہ بیوپاریوں کے ہاتھ میں نہ تھا۔

(۲) سلطانی غلہ کے انبار و ذخیرے جمع کئے جاویں۔ تا کہ خشک سالی میں رعایا کو مقررہ

نرخ پر غلہ آسانی سے مل سکے۔

(۳) غلہ کی منڈیاں مقرر ہوں۔ اور ہر ایک قسم کا غلہ منڈی میں فروخت ہو۔ منڈی کا شحنہ (افسر) معتبر اور با اختیار ہو۔

(۴) جس کے رجسٹر میں تمام بیوپاریوں کے نام درج رہیں۔ اور وہی قانون نرخ کا نگران اور ان کے مقدمات کا جوڈیشل فیصلہ کیا کرے۔

(۵) دہلی سے سو سو کوس تک اور دوآبہ گنگا جمنا میں شرح لگان اراضی اس معیار سے مقرر کیجائے۔ کہ زمیندار دس من غلہ سے زیادہ ذخیرہ نہ رکھ سکے۔ اور اس قدر بھی لگان سخت نہو۔ کہ زمیندار مجبور ہو کر بیچنے پر آمادہ ہو۔

(۶) حکام ماتحت کا فرض قرار دیا گیا۔ کہ غلہ بیوپاریوں کے ہاتھ فروخت کرانے کی آسانیاں پیدا کریں۔ اور بیوپاری منڈی میں لاکر فوراً فروخت کر دیا کریں۔ اور بامید گرانی غلہ ذخیرہ نہ رکھیں۔

(۷) منڈیوں میں روزنامچہ نویس مقرر کئے۔ تاکہ منڈی کے نرخ وغیرہ کے حالات روزمرہ بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کریں۔

(۸) خشک سالی کے دنوں میں کوئی شخص ضروریات روزمرہ سے زیادہ ایک دانہ بھی نہ خریدے۔

یہ آٹھ ضابطہ ارزانی نرخ غلہ کیلئے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ عہد علاءالدین میں باوجود متواتر خشک سالیوں کے مقررہ نرخ سے ایک چھٹانک بھی کم وبیش نہ ہو سکا۔ اور علاءالدین کے عہد میں نرخ حسب ذیل رہا۔

گندم فی من	½ چیتل (ٹکا)	جو فی من	چار چیتل
شالی فی من	۵ چیتل	ماش فی من	۵ ″
چنا فی من	″	موٹھ فی من	۳ ″

چیتل ایک ٹکے کے برابر تھا چونکہ غلہ کی ارزانی پر دیگر اشیاء خوردنی کے نرخ کی کمی وبیشی ہوتی ہے۔ اس لئے دیگر اشیاء خوردنی کے نرخ میں خود بخود ارزانی ہو گئی تعمیل ضوابط کے لئے شحنہ منڈی (کمشنر تجارت) ملک قبول الف خانی مقرر ہوا جو ایک فاضل تجربہ کار اور سیاق سباق میں بےنظیر تھا۔ اس کو زر خیر اور بیش قیمت جاگیر

دی گئی۔ تاکہ لالچ و رشوت کا خیال پیدا نہ ہو۔ اور ایک لائق دیانتدار امیر اس کا نائب مقرر ہوا۔ اور زبردست دستہ پولیس اس کے ماتحت رکھا گیا۔ منڈیوں کی رپورٹ روزمرہ سلطان کو بذریعہ شحنہ منڈی۔ محرر منڈی جاسوس (خفیہ پولیس) کی برابر پہنچتی رہتی تھی۔ اگر تینوں رپوٹیں متفق نہ ہوتیں۔ تو جس میں غلطی یا کبھی کی بیشی دانستہ ہوتی۔ اس کا لکھنے والا سزا کا مستحق ہوتا۔ خفیہ پولیس کے ملازم تو پہلے ہی بے نام و نشان ہوتے۔ اس پر ہرگز جاسوسی کا اشتباہ نہ ہو سکتا تھا۔ اور ہمیشہ تبدیل و معزول بھی ہوتے رہتے۔ مگر محرروں کو بھی شحنہ منڈی کے ساتھ سازش کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ ایک دفعہ شحنہ منڈی (کمشنر تجارت) نے کچھ نرخ گھٹانے کی درخواست کی۔ اور سزا پائی تھی۔

دیگر اشیا کا نرخ اور انتظام جنگی پر اثر

غلہ کے مقررہ نرخ اور کھیت پر فروخت کرنے سے زمینداروں کو جو نقصان ہوتا تھا۔ وہ دیگر اشیاء کی ارزانی سے پورا کیا گیا۔ اگر زمیندار غلہ کی قیمت کم لیتے تھے۔ تو اُن کو بھی دیگر ما یحتاج کے خریدنے میں کم قیمت دینی پڑتی تھی۔ اس لئے نرخ غلہ کی تقرری سے زمینداروں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ بلکہ قانون کے خوف سے بیوپاری غلہ کھیت پر ہی خرید لیتے۔ اور زمیندار نقد روپیہ وصول کر لیتے۔ کھیت کا نرخ مقرر نہ تھا۔ جو منڈیوں کے مقررہ نرخ سے سستا ہوتا تھا۔ اس لئے بیوپاری بھی کچھ فائدہ اٹھا کر بھیجتے۔ بنجاروں (بیوپاریان غلہ) کو دریائے جمنا کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ جہاں اِن کے بیلوں کو چارہ آسانی سے ملسکتا تھا۔ یہ لوگ دیہات سے غلہ خرید کر شہری منڈیوں میں لاتے تھے۔ اس تجویز سے غلہ کی اس قدر کثرت ہو گئی۔ کہ دہلی کے ہر ایک محلہ میں غلہ کے دو تین سٹور (کوٹھے) بھرپور رہتے تھے۔ جب بیوپاریوں کے غلہ کی کمی یا امساک باراں ہوئی۔ تو سرکاری ذخیروں سے بیوپاریوں کو غلہ دیا جاتا۔ اور ضروری مقامات پر پہنچایا جاتا۔ بصورت تساہل بیوپاری سزا پاتے۔ اس انتظام سے علاءالدین کے عہد میں قحط کے زمانوں میں بھی نہ تو غلہ کی کمی کی شکائیت پیدا ہوئی۔ اور نہ نرخ مقررہ سے ایک ذرہ بھی گھٹ سکا۔ قلت آمدنی اور کثرت عیالداری کی تکالیف سے

رعایا نے نجات پائی۔

ہندوستانی فوج پر نرخ کا اثر

جنگی ضرورتیں تھوڑے خرچ سے پوری ہوگئیں۔ رنگروٹ آسانی سے ملنے لگے۔ کئی لاکھ فوج معہ کافی سامان مستعد و تیار ہر ایک حصہ ملک میں موجود رہنے لگی۔ شمالی سرحدی خطرات کا اندیشہ کم ہوگیا۔ خونخوار مغلوں کے حملات کو تقریباً بند کر دیا گیا۔ پنجاب میں فوج اس قدر زبردست اور ضرورت سے زائد جمع ہوگئی۔ کہ پنجاب کے گورنر جنرل غازی بیگ تغلق نے (جو بعد میں غیاث الدین تغلق کے لقب سے سلطان دہلی ہوا) مغلوں کے حملات کو ہی نہیں روکا۔ بلکہ حدود پنجاب سے آگے بڑھ کر مغلوں کو تہ تیغ اور ان کے ماتحت علاقوں کو تاخت و تاراج کر کے ہندوستان کا انتقام لینے لگا۔ فوج دہلی کو یہ بہادرانہ موقعہ شیر خاں مرحوم کے بعد اب تہائی صدی کے بعد ملا تھا۔

مغلوں کا ہمالیہ کے راستہ سے حملہ کرنا

شیر دل غازی بیگ تغلق اور پنجاب کی بہادر اور کثیر فوج کے خوف سے پنجاب کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ آور ہونا تو بند ہوگیا۔ مگر لوٹیرے مغلوں کے منہ میں ایک صدی سے خون لگا ہوا تھا۔ انہوں نے پنجاب کا راستہ چھوڑ کر ہمالیہ کے غیر محفوظ پہاڑی راستوں سے براہ کماؤں۔ روہیلکھنڈ کے علاقوں میں داخل ہوگئے۔ اور امروہہ تک آپہنچے۔ مغلوں کا خیال تھا۔ کہ شاہ دہلی کے فوجوں کا اجتماع اور زور پنجاب اور اس کے سرحدی مقامات پر ہوگا۔ دہلی وغیرہ دیگر علاقوں میں کافی فوج نہ ہوگی۔ مگر مدبر علاء الدین نے ہر ایک چہاؤنی خصوصاً دہلی میں اس قدر شائستہ اور جرار فوج مہیا کر رکھی تھی۔ کہ پنجاب کی فوج کے بغیر ہر ایک دشمن کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ دہلی سے زائد فوج بھیجکر مغلوں کو شکست دی۔ ہزاروں مغل قتل اور قید کئے گئے۔ قیدی معہ دو مغل سرداران ترناک اور علی بیگ کے دہلی لاکر مارے گئے۔ اور بطور یادگار فتح ان کی کوپریون کی منار بنائی گئی۔

اس شکست کا انتقام لینے کے لئے مغل جرنیل کنگ ملتان تک آپہنچا۔ مگر غازی بیگ تغلق کمانڈر افواج پنجاب نے ایسا دبایا۔ کہ دریائے اٹک سے پار کر کے مغلوں کو پیاس سے ہلاک کیا۔ کچھ تو بھاگ گئے۔ اور سردار فوج معہ چار ہزار مغلوں کے گرفتار ہوا۔ اور دہلی میں تمام مغل قیدی قتل کئے گئے۔ اس کے بعد اقبال مند نام مغل فوج کثیر سے حملہ آور ہوا۔ اور غازی بیگ تغلق سے شکست پاکر قتل ہوا۔ ہزاروں مغل معہ زن و فرزند قتل و قید ہوئے۔ اور آئندہ مغلوں نے علاء الدین کے عہد میں حملہ کا نام نہ لیا۔

نوٹ مؤلف بر حفاظت ہندوستان

مغلوں جیسا خونخوار دشمن کبھی اس طرح ہاتھ دھو کر ہندوستان کے پیچھے نہیں پڑا لیکن سلطان علاء الدین کی تدبیر و ہمت نے ثابت کر دیا۔ کہ اگر ہندوستان کی قدرتی پیداوار سے کام لیا جائے۔ اور ہندوستان کو گرانی نرخ سے نجات دی جائے تو ہندوستان اسقدر فوج کثیر اور برجستہ مہیا کر سکتا ہے۔ کہ ہندوستان کا ہر ایک صوبہ خصوصاً پنجاب ہر ایک سرحدی خطرہ کا سدباب بن سکتا ہے۔ اور ہندوستان کے فوجیں ملک کی بخوبی حفاظت کر سکتی ہیں۔ گورنمنٹ کے جائز ذرائع آمدنی جنگی ضرورتوں اور فوجی معرکوں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ کسی جدید مہم کے لئے رعیت کی جیبیں ٹٹولنے کی ضرورت نہیں پیدا ہوتی۔ یہ ایسا تجربہ ہے۔ کہ گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کو اس سے فایدہ اٹھانا چاہیئے۔ جس کے مدبروں کے سامنے حفاظت ہندوستان کا مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہتا ہے۔

ہندوستان کی حفاظت کے لئے کوہ ہمالیہ کے درونکا انتظام بھی ویسا ہی ضروری ہے۔ جیسا کہ کوہ سلیمان کے درونکا۔ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ کہ مغل پنجاب سے مایوس ہو کر ہمالیہ کے راستہ روہیلکھنڈ میں گھس آئے۔ گو ہماری گورنمنٹ ہند نے کوہستانی راجاؤں کے عہد و پیمان وغیرہ سے ہمالیہ کی جانب سے طمانیت حاصل کی ہوئی ہے لیکن یا تو زیر اثر کوہستانی ریاستوں کی حدود ملحقہ تبت پر انگریزی فوج مقیم رہے یا ہمالیہ کے دامن میں ہندوستان کی حدود پر مناسب مقامات پر متعدد

فوجی چھاؤنیاں ہونی ضروری ہیں خرچ بڑھیگا لیکن اگر علاء الدین کی طرح نرخ اشیاء کا انتظام کیا جائے تو رعیت کے فائدہ کے علاوہ فوجی اخراجات تھوڑی رقم سے پورے ہو سکتے ہیں۔

نرخ اشیاء

سلطان علاء الدین نے غلہ کے سوا گھوڑے ٹٹو اور اجناس کا نرخ حسب ذیل مقرر کیا تھا۔

اسپ قسم اول	سو سے ۱۲۵ تنکہ	مصری فی سیر	دو چیتل
اسپ قسم دوم	۸۰ " ۹۰ "	کھانڈ فی سیر	ایک چیتل
اسپ قسم سوم	۶۵ " ۷۰ "	شکر سرخ فی سیر	نیم "
ٹٹو	۱۲ " ۲۰ "	کنجد تین سیر	فی "
بیل	۴ " ۵ "	روغن زردنی سیر	۱½ "
گائے	تین روپیہ	نمک ۵ سیر	ایک "
بھینس	دس روپیہ		

اسی طرح ہر ایک چیز کی قیمت کلاہ سے موزہ تک شانہ سے سوئی تک گنے سے سبزی تک حلوائی صابونی سے ریوڑی تک۔ کاک سے بریانی تک۔ نان سے ماہی تک برگ پان سے ساگ پات تک بادشاہ خود نرخ مقرر کرتا جس کی تعمیل نہایت سختی سے ہوتی۔ کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ سلطانی نرخ سے کم و بیش فروخت کر سکے زن و بچہ بوڑھے جوان ہر ایک کو ایک بہاؤ میں ملتا۔ وزن و ترازو کی بابت خاص احکام نافذ تھے کوئی کم نہ تول سکتا تھا جو خلاف ورزی قانون کرتا۔ جرمانہ قید ضبطی اموال کی سزا پاتا نرخ کے بارہ میں اس قدر کوشش کی گئی۔

ارباب نشاط

کہ ارباب نشاط اور گانے بجانے والوں کی بھی اُجرت مقرر کر دی اور دین و دنیا کے اس غارت گر فرقہ کی مشہور و ستبرد سے لوگوں کو بچا لیا پیشہ ور بازاری عورتیں

جو دولتمند نوجوانوں کو دنوں میں مفلس و قلاش کر دیتی تھیں۔ خود بخود کم ہو گئیں یہ اعتراض کہ بادشاہ نے اس فرقہ کو معدوم یا اس رزیل پیشہ کو بند کیوں نہ کیا۔ وہ ہندوستان کی اس تمدنی حالت پر غور کریں۔ جو علاء الدین کے عہد میں اور اس سے پیشتر بوقت آغاز سلطنت اسلام ہندوؤں میں تھی کنچنی جس کو اس زمانہ میں رام جنی کہتے تھے ملک کے ہر ایک حصے میں موجود تھیں۔ بڑے بڑے مندروں میں ایسی فاحشہ عورتیں بھجن گانے کے لئے ملازم تھیں۔ گدا غازی (نٹ)، بازیگر وغیرہ اور کئی قومیں جن کا نشان اب تک ہندوستان میں اکثر پایا جاتا ہے۔ یہی پیشہ کرتی تھیں۔ پس اس قدر عادی اور آبادی پیشہ سے لوگوں کو جو غیر مذہب کے پیرو تھے یکلخت پیشہ مذکور سے ہٹانا مصلحت ملکی کے خلاف تھا جبکہ ہندوؤں کے دیگر مذہبی اخلاقی تمدنی امور میں شاہان اسلام دخل نہیں دیتے تھے تو ان ہندو قوموں کو صدیوں کے موروثی پیشہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا تھا۔

غرضیکہ پیشہ ور اور گانے بجانے والی رنڈیوں کے نرخ مقرر کرنے سے سابقہ لوٹ مار نہ رہی۔ اور بدکاری کا بازار سرد ہو گیا ضرور علاء الدین کے احکام آجکل کی مہذب نگاہوں میں ظالمانہ دکھائی دیں گے مسکرات اور زناکاری کا انسداد ارزانی غلہ کا انتظام۔ رشوت کی روکاوٹ جس طرح سلطان علاء الدین نے کی۔ وہ روئے زمین کے کسی بادشاہ سے نہیں ہو سکی۔ ظالم تھا۔ جاہل تھا مگر اس کی انتظامی قابلیت دلیرانہ ہمت۔ فاتحانہ اولوالعزمی عام نظم و نسق۔ امن و امان رعیت و ملک کے مفید مطلب قوانین پر علم و فضل خشک تہذیب سو جان سے قربان ہے واقعی انتظامی جرأت اسی شخص میں پائی جاتی ہے جو غلظت طبع اور تند مزاجی میں ممتاز ہو۔ نرم مزاج سلاطین کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

چوری و راہزنی کا انسداد

چوری وغیرہ کا انتظام ہر ایک گورنمنٹ کرتی رہی ہے مگر علاء الدین نے جسطرح انتظام کیا اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ہدیۂ ناظرین ہے۔

سلطان علاء الدین نے نمبرداروں اعلےٰ زمینداروں کو راستوں کی حفاظت

کا ذمہ دار قرار دیا۔ جو سر راہ کھڑے ہو کر مسافروں اور قافلہ والوں کی حفاظت کرتے جس نمبردار و مقدم کی حدود میں کوئی واردات ہو جاتی وہ چور اور مال مسروقہ کے برآمدگی کا ذمہ دار ہوتا۔ اس انتظام سے اندرونی اور بیرونی چور دست اندازی نہ کر سکتے اگر کوئی کرتا تو نمبردار و مقدم مجرموں کو گرفتار کرا دیتا نہ کہ زمانہ حال کی طرح اخفائے واردات میں ساعی ہوتے چوروں کی مدد کرتے۔ بلکہ مال مسروقہ میں سے حصے بخرے لیتے ہیں اسی رعب سلطانی اور حسن انتظام کا نتیجہ تھا کہ مسافر اسباب نقد و جنس جنگل میں بے خوف و خطر چھوڑ کر چلتے پھرتے اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا افسوس کہ ایسے مدبر و منتظم خیر خواہ رعایا کے اس قسم کے عمدہ حالات سے انگریزی تاریخیں خالی پڑی ہیں۔ اور انگریزی تعلیم یافتہ بے خبر ہیں! ایسے حالات کے ہوتے شاہان اسلام پر بدنظمی و ظلم کا الزام لگایا جاتا ہے اس سے بڑھ کر نظم و نسق مشکل ہے۔ نشہ آور چیزوں کی بندش۔ شراب کی ممانعت۔ زناکاری کا قلع و قمع رشوت کا انسداد۔ بازاریوں میں صداقت کا رواج۔ قحط کی معدومی۔ غلہ کی ارزانی اسباب معاش کی فراوانی۔ چوری و ڈاکہ زنی کا استیصال۔ عہدہ داروں کو عدالت کا خیال سرکشوں کی اطاعت۔ گورنمنٹ کے عمدہ انتظام کی دلیل ہوتی ہے۔ جن کا وجود مورخین خصوصاً علاء الدین کا ہمعصر اور عیب مین ضیاء برنی عہد علاء الدین میں تسلیم کرتا ہے۔

علاء الدین جیسے کامیاب بادشاہ بہت کم گذرے ہیں اور سلاطین دہلی میں وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

کپڑے کا نرخ

کپڑے کے نرخ کے لئے چار ضابطہ مقرر ہوئے

(۱) ایک سرائے عدل (منڈی) مقرر ہوئی۔ جہاں ہر ایک قسم کا کپڑا بیوپاریوں کا ہو یا سلطانی وہاں فروخت ہوتا۔ اس سے فائدہ یہ تھا کہ خریدار تمام شہر میں بھٹکتے نہ پھرتے جس قسم کا کپڑا چاہیں ایک جگہ سے خرید لیں۔ دکانداروں کو کمی بیشی نرخ کا موقع نہ ملے نگرانی آسانی سے ہو سکے۔

(۲) حسب ذیل نرخ تھا چیرا وسیلی سولہ روپیہ چیرا کوٹلہ چھ روپیہ۔ سنری صاف اعلیٰ پانچ آنہ۔ سری صاف میانہ تین روپیہ۔ سری صاف ادنیٰ دو روپیہ۔ سلاہنی اعلےٰ چار روپیہ۔ سلاہنی میانہ تین روپیہ۔ سلاہنی ادنےٰ دو روپیہ۔ کرپاس اعلیٰ بیس گزنی روپیہ کرپاس میانہ تیس گزنی روپیہ۔ کرپاس ادنیٰ چالیس گزنی روپیہ۔ اسی انداز پر باقی کپڑوں کا بھاؤ تھا۔ صبح سے نماز ظہر تک منڈی میں خرید و فروخت ہوتی۔

(۳) کپڑے کے تمام بیوپاریوں کے نام ایک رجسٹر میں درج کئے جاتے۔ اور جملہ بیوپاریوں سے اقرار نامہ لئے گئے۔ کہ ہر سال اس قسم کا کپڑا سرائے عدل (منڈی) میں لایا کریں۔ اور نرخ سلطانی پر بیچا کریں۔

سوداگروں کی روپیہ سے مدد

(۴) اس وقت عام بیوپاری کپڑے کے ملتانی ہندو تھے ان کو بیس لاکھ روپیہ نقد پیشگی دیا گیا۔ تاکہ اور ممالک سے کپڑا خرید کر لایا کریں۔ اور نفع اٹھائیں اس سے بڑھکر تجارت کی مدد اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ رعایت ہندوؤں کو اس شاہ دہلی نے دی تھی جس کو پدمنی کے بے سروپا افسانوں سے بدنام کیا جاتا ہے سرائے عدل (منڈی) کے تمام عہدہ دار ملتانی ہندو تھے۔ ان کو حکم تھا کہ جب باہر سے کپڑا سوداگر کسی وجہ سے نہ لا سکیں۔ تو وہ لایا کریں۔

(۵) ضابطہ پنجم یہ تھا۔ کہ امراء اور اعلیٰ عہدہ داران شاہی میں سے جس کسی کو پارچہ نفیس اور قیمتی کی ضرورت ہوتی۔ تو وہ رئیس بازار کا پروانہ حاصل کرتا۔ رئیس بازار (چوہدری) حسب حیثیت امراء و ملوک جن کو کہ وہ جانتا تھا۔ کہ سوداگری کے لئے نہیں خریدتے۔ ضرورت کے مطابق خرید دیتے۔ یہ شرط اس واسطے لگا رکھی تھی۔ کہ بیوپاری وغیرہ نفیس کپڑے کا عدل سے ارزاں خرید کر اور مقامات میں گراں قیمت پر نہ بیچ سکیں۔

غلام و کنیزک

علاء الدین نے غلام و کنیزک کی قیمت دو سو روپیہ سے پانچسو روپیہ تک مقرر کی اس

سے غلاموں کے تاجروں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ جو ایک ایک غلام کی قیمت لاکھ لاکھ روپیہ تک لیتے رہے تھے۔ اور اس طمع سے اس معیوب طریقہ تجارت کی ترقی ہو رہی تھی۔ سلطان علاء الدین نے تجارت غلاموں کو بند تو نہیں کیا۔ لیکن بہت کچھ کم کر دیا۔ ہندوستان میں غلاموں کی آمد کی وہ کثرت نہیں رہی تھی جو سابق میں تھی۔ اور جن بدقسمت قوموں خاندانوں کو غلامی کا نشانہ بننا پڑتا تھا وہ بھی نسبتاً کچھ بچ گئے۔ سلطان علاء الدین کا مخلوق خدا پر یہ کچھ کم احسان نہیں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ جب یورپ تجارت غلامان کی ترقی اور غلاموں پر سختیاں کرنے میں ایشیا سے کم نہ تھا۔ بلکہ بڑھا ہوا تھا۔ ایسے وقت میں سلطان علاء الدین کا غلاموں کی تجارت میں روکاوٹ ڈالنا اخلاقی جرأت انسانی ہمدردی کا اعلےٰ نمونہ ہے۔

قوانین علاء الدین کے انتظامی نتائج

ان ضوابط و قوانین کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ بنگال۔ بہار۔ اودھ۔ مالوہ۔ گجرات۔ راجپوتانہ کی فوجوں کے علاوہ صرف دہلی۔ سمانہ۔ دیپالپور۔ ملتان وغیرہ پنجابی چھاؤنیوں میں صرف فوج سوارہ چار لاکھ بہتر ہزار سوار حرار تھی اور اسقدر فوج کثیر کی لئے کافی سامان رسد اور جنگ برسوں کے لئے موجود رہتا تھا جو ارزانی غلہ کی وجہ سے تھا گھوڑے عمدہ اور اعلیٰ فوجی خدمت کیلئے آسانی سے ملسکتے تھے۔ روپیہ کی قیمت بڑھ جانے سے رنگروٹ بھرتی کرنے میں کچھ مشکل پیش نہ آتی تھی۔ ان وجوہات سے قریباً پونے پانچ لاکھ سوار مہیا ہو گئے جو صرف سیردنی حملہ آوروں کے روکنے کی خدمت پر مامور تھے اس سے سلطان علاء الدین کی فوجی طاقت شاہانہ عظمت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اور جب اس قدر حرار اور کثیر فوج میں سوا مسلمانوں کے اور کسی مذہب کے آدمی کا نام نہیں پایا جاتا۔ تو صاف اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ عہد علاء الدین میں خالص اسلامی فوج اسلامی طاقت کا نظارہ تھا۔ اور علاء الدین کے فتوحات اور سطوت و جرأت کا یہی راز تھا۔ کہ وہ استحکام سلطنت میں کسی غیر قوم کے زور بازو کا محتاج نہ تھا۔ ضرور اس وقت عام مسلمان جنگجو سپاہی تھے اور ہندوستان کے ملحقہ ممالک اسلامیہ سے بھی جدید سپاہیوں کی بھرتی ہوتی

رہتی ہوگی۔ لیکن ہر حال میں علاءالدین کی عملدگی انتظام اور تدبیر و دانش کا اثر تھا۔ ہندوستان کی فارغ البالی اور سلطان کی قدر دانی غیر ملک کے باشندوں کو کھینچ لاتی ہوگی۔ اگر یہ نہ بھی ہو۔ تو خاص مسلمانان ہندوستان جنکی صحیح تعداد تو مقرر نہیں کیجا سکتی۔ مگر قریباً دو سو سال کی فاتحانہ آمد اور مستقل سکونت نے اس قدر اسلامی آبادی کر دی ہوگی۔ کہ فوجی خدمت کے لئے لاکھوں جوانمرد نکل سکتے ہوں۔ جبکہ اُس عہد میں سب سے شریف اور اعلیٰ پیشہ تلوار کی دھار پہ کھیلنا تھا۔ تو پھر ہندوستان کی اسلامی آبادی میں بہادروں کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔

ان فوجی تیاریوں کے بعد مغلوں نے چار دفعہ ذانت پیس کر ہندوستان پر حملے کئے مگر ہر دفعہ غازی بیگ سپہ سالار پنجاب کے ضرب شمشیر سے ہزاروں جانیں دیکر ذلت اور ناکامی سے متہرم ہوتے رہے اور پھر مدت تک ہندوستان کا نام تک نہ لیا۔

یہ تو حفاظت سلطنت کا نتیجہ نکلا جو ہر ایک گورنمنٹ کا مقدم فرض ہوتا ہے لیکن غریب رعایا کی جان و مال کی حفاظت کا سوال جسطرح سلطان علاءالدین نے حل کیا۔ کبھی کوئی نہیں کر سکا۔ قحط و گرانی وہ مصیبتیں ہیں۔ کہ جن سے لاکھوں انسان فنا ہو جاتے ہیں۔ یا لگاتار محنتوں سے بھی کنبہ کا گذارہ نہیں کر سکتے۔

فاقہ اور خودکشی

ہندوستان چھوڑ خود یورپ میں بھی فاقہ مستی کی بدولت خودکشی کے عام واقعات ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر جونسن بانی کمی افلاس فنڈ انگلینڈ کو دو ہزار خطوط اس مضمون کے آئے تھے۔ کہ خودکشی کا باعث فاقہ مستی ہے درحقیقت جبکہ رات دن خاک اڑانے اور محنت کرنے سے گذارہ بھی نہ ہو سکے۔ اور فاقہ سے نجات نہ ملسکے۔ تو ایسی زندگی سے موت بہتر شمار ہوتی ہے۔ اور اس فاقہ مستی اور تنگی گذران کا باعث گرانی ہے جس کا علاج اور انتظام سلطان علاءالدین نے کیا تھا۔ اور غریب رعایا کو تکالیف سے بچایا تھا۔ اور سچ تو یہی فرائض کو نہایت جرأت سے بجا لاکر رعیت کی عزیز جانیں ہلاکت سے بچائی تھیں اِس

انتظام نے سلطنت اور رعیت دونوں کو یکساں فائدہ بخشا تھا۔ مبارک ہے وہ گورنمنٹ جو ایسی ستجاویز کو عمل میں لاتی ہے۔

آجکل گورنمنٹ عالیہ برطانیہ نے بھی گرانی غلہ کے اسباب دریافت کرنے کے لئے (جو ہندوستان میں عالمگیر ہے) ایک سرکاری کمیشن مقرر کی ہے اور یقین ہے۔ کہ بیدار مغز کمیشن عہد علاء الدین کے واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اصل مطلب پر پہنچ جائیگی۔

علاء الدین کا انتظام اور جفاکشی

ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ علاء الدین نے آراستگی فوج اور جنگی تیاریاں اعلےٰ پیمانہ پر کرلیں۔ بیرونی حملہ آوروں کا کوئی خطرہ نہ رہا۔ اندرونی انتظام اس قدر مضبوط کرلیا۔ کہ چوری وغیرہ کا نام تک نہ رہا۔ جو زمیندار پہلے مسافروں کو لوٹتے تھے اب خود حفاظت کرتے خفیہ پولیس نے باغیانہ منصوبوں کی جڑ کاٹ دی۔ بازاری۔ بیوپاری۔ نرخ مقررہ سے نہ کم بیچ سکتے اور نہ کم تول سکتے جفاکش اور محنتی اسقدر تھا۔ کہ تمام ریوڑوں کو خود ٹپہ رکھتا۔ اور خود ہی حکم دیتا۔ جہاں عدول حکمی بے انصافی۔ پائمالی رعایا کی خبر پاتا سخت سزائیں دیتا۔ علاوہ اس کے فوج کشی جنگ و جدل۔ دیگر انتظامی امور میں احکام صادر کرتا اور کاغذات کو سنتا جس سے علاء الدین کمال درجہ کا محنتی اور جفاکش ثابت ہوتا ہے۔

زمانہ شجاعت

ہندوستان کے مسلمانوں کا زمانہ شجاعت سلطان محمود غزنوی یا محمد غوری سے شروع ہوتا ہے جس کا کمال عہد علاء الدین میں تھا یہ وہ عہد تھا۔ کہ جس میں مسلمان کنیزکیں اور مخنث غلام فوج کی کمان کرتے اور ہندو راجاؤں کو شکستیں دیتے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ اس عہد کے مسلمانوں کا شجاعانہ جوش نہایت ہی بڑھا ہوا تھا۔ اس کے بعد طوائف الملوکی میں جبکہ دہلی۔ جونپور۔ مالوہ۔ گجرات دکن میں مختلف اسلامی طاقتیں پیدا ہوگئیں۔ لیکن ہر ایک نے

اسلامی شجاعت کا سکہ قایم رکھا۔ اور قومی خدمات کو انجام دیتی رہی مغلوں نے اچھا انتظام کیا۔ اور مورونی شجاعت کے ساتھ اسلامی تہور کے نشان بھی قایم رکھے۔ اورنگ زیب کے مرنے تک اسلام کا شاہانہ جلال اعلیٰ درجہ پر رہا۔ لیکن عہد افغانیہ کا زمانہ خالص اسلامی شجاعت کا زمانہ ہے جس کے غازیانہ کارناموں نے کل عالم پر اسلامی سکہ بٹھا دیا۔ . . . . .

اس عہد کے مسلمان کشور کشائی میں کسی غیر قوم و مذہب کے محتاج نہیں ہوئے جو کچھ کیا مسلمانوں نے اپنی ہمت اور زور بازو سے کیا لیکن مغلوں کے عہد میں ہندو عنصر مخلوط تھا۔ اکبر نے ایسی سکیم جاری کی کہ ہندو راجپوتوں کی تعداد فوج وغیرہ میں خاصی ہوگئی۔ اور اکبر کے عہد سے لیکر اورنگ زیب کے آخیر عہد تک جدید صوبجات بھی وہی سلطنت دہلی سے ملحق یا مطیع ہوئے جو کہ صدیوں سے مستقل اسلامی علاقہ تھے۔ یا یوں کہو۔ کہ عہد افغانیہ میں ہندو ریاستیں فتح ہوئیں۔ اور مغلوں کے عہد میں اسلامی ریاستیں برباد ہوئیں۔ پس اس خیال سے میں عہد افغانیہ کو تو اسلام کا خالص زمانہ شجاعت قرار دیتا ہوں اور عہد مغلیہ کو مخلوط اور اسی گنگا جمنی اختلاط نے مغلیہ سلطنت کی ناؤ ڈبوئی جس پر مفصل بحث حصہ سوم میں کی جائیگی۔

جنوبی ہندوستان کی فتوحات

جب ملک میں ہر طرح انتظام کا سکہ بیٹھ گیا۔ اندرونی نرخ فوج اور سامان فوج اس قدر وافر ہوگیا۔ کہ پنجاب کی چھاونیوں میں معقل اور دوامی فوج کے علاوہ پنجاب کی زائد فوج سپہ سالار غازی بیگ کی ماتحتی میں پنجاب سے باہر مغلوں کی تلاش میں گشت کرنے لگی۔ اور ترکستان و ایران تک بہادران ہندوستان کی دھاک بندھ گئی۔ متواتر چار پانچ شکستوں سے مغلوں کے حوصلے پست ہوگئے اور مغربی بیرونی خطرہ نہ رہا۔ تو علاء الدین نے جو الوالعزمی میں واقعی سکندر ثانی تھا۔ دکن کی تسخیر پر توجہ کی۔ جہاں ابتک شاہان دہلی بلکہ اسلام کا فاتحانہ قدم نہیں پڑا تھا شاعت اسلام تو فتح سندھ کے قریب یا

کچھ بعد بذریعہ مسلمان سوداگروں کے دکن میں ہو چکی تھی۔ ایک راجہ بھی مغربی گھاٹ کا مسلمان ہو چکا تھا لیکن فاتحانہ طرز پر علاء الدین سے پہلے کوئی مسلمان دکن میں نہیں پہنچا۔ کوہ بندھیاچل سے لیکر راس کماری تک خالص ہندو طاقت موجود تھی۔ پس جس طرح شمالی ہندوستان کا پہلا فاتح سلطان محمود غزنوی ہے۔ اسی طرح دکن کا پہلا فاتح مسلمان سلطان علاء الدین ہی ہے۔

دیوگڈھ مہاراشٹر کو عہد جلال الدین خلجی میں فتح کیا تھا۔ اور جنوبی ہندوستان کی فتوحات کا راستہ نکالا تھا۔ مگر علاء الدین کی ابتدائی مشکلات خارجی اور داخلی کی وجہ سے پھر دکن کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ اور راجہ رام دیو والی دیوگڈھ نے خراج بھیجنا بند کر دیا اور شاہ دہلی کی اطاعت کا جوا گردن سے اتار دیا۔ اس لئے علاء الدین نے سب طرف سے فارغ ہو کر ملک کافور کو امرائے کبار کے ساتھ دیوگڈھ کی فتح پر روانہ کیا۔ اور تمام مناسب ہدائتیں لکھ دیں۔

ہدایات سلطان علاء الدین

عام فاتحان اسلام کا جو مفتوحہ اقوام سے سلوک رہا ہے اور جسکی وجہ سے اسلامی سلطنت نے اس قدر جلدی روئے زمین پر عروج پکڑا۔ وہی اصول علاء الدین کے تھے۔ اور ہندوستان میں شاہان اسلام عموماً اسی طرز حکمرانی کے پابند رہے۔ نسبتہً ملک اور غیر مذاہب پر حکومت کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی قاعدہ نہیں ہو سکتا۔ آج اقبالمند یورپ کا کسینفدر انہیں پر عمل ہے۔

(۱) قول و فعل کو مطابق رکھو (۲) جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو (۳) حتی المقدور لڑائی سے پہلو بچاؤ۔ (۴) قتل و غارت سے پرہیز کرو (۵) راجہ اگر اطاعت قبول کرے۔ تو لڑائی سے ہاتھ اٹھالو۔

کشور کشائی کے لئے اس سے اچھے اور کیا احکام ہو سکتے ہیں۔ اور یہ اصول اسلام کے سکھلائے ہوئے ہیں اور جہاں جہاں فاتحانِ اسلام گئے وہاں انہیں قواعد کے پابند رہے عام رعایا کے قتل و غارت سے پرہیز کرتے رہے ہاں مخالف حریف اور اسکی فوج کی غارت گری ہوتی رہی۔ جو ہرگز معیوب نہیں

ایفائے وعدہ مسلمان فاتحین سے بڑھ کر کسی قوم نے نہیں کیا جو وعدہ کرتے اسکو کوئی پالیسی توڑ نہ سکتی کبھی کسی دوست کے بگاڑنے کی درپہ وہ کوشش نہیں کی گئی۔ کسی زبردست طاقت کے ملکی اقتدار کو بنظر شبہ نہیں دیکھا گیا جبتک کہ وہ علانیہ باغیانہ حرکات کی مرتکب نہ ہو۔ مذہبی آزادی فاتحان اسلام سے بڑھکر اور کوئی دنیا والا نہیں ہے صرف فرائض مذہبی کے ادا کرنے کو ہی آزادی نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ علوم مذہبی کی سرپرستی اور مقتدایان مذہب کی امداد اور ہر ایک مذہب کے مقلدین کے خصومات و مقدمات اسی مذہب کے مطابق فیصل کرنے سے مذہبی آزادی ہو سکتی ہے یہ جملہ باتیں شاہان دہلی کے عہد میں حاصل تھیں۔ محمد بن قاسم نے تو ہندو مقتداؤں برہمنوں کے لئے خراج میں حصہ مقرر کر دیا تھا سلطان محمود غزنوی اور محمد غوری کی فتوحات میں ہندو صرف ٹیکس (جزیہ) یا خراج دیکر اپنے اندرونی معاملات تمدن اور مذہب میں آزاد رہتے تھے زبردستی مسلمان کوئی نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ الزام ایسے نرم قواعد پر عمل کرنے والوں پہ عائد کرنا خلاف انصاف ہے۔

علاء الدین کا رعب و انتظام

ملک کافور جس کو اس عہد کا مشہور مورخ ضیا برنی مخبون مابون نیش بریدہ پس دریدہ کے کہ یہ الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ اور اس وقت کے عام مسلمان سرداروں کے خیالات کی نسبت ملک کافور پر روشنی ڈالتا۔ ایک خواجہ سرائے غلام تھا۔ بقول ضیاء برنی علاء الدین کے عشرت خانہ کی جزو اعظم تھا۔ لیکن اس کی سپہ سالاری اور جملہ خاندانی امراء و ملوک (لارڈ) کی ماتحتی سے سلطان علاء الدین کا کمال درجہ کا ضبط و انتظام ثابت ہوتا ہے عہد علائی میں اس قدر یکہ تاز جان باز بہادر موجود تھے۔ کہ۔ اگر ان میں سے ہر ایک کے حالات بالاستیعاب مفصل لکھے جائیں تو کتاب بہت بڑھ جائے لیکن چونکہ حتی الامکان اختصار منظور ہے حسب ضرورت ناظرین کے پیش کرتے ہیں۔ ملک کافور نے جس قدر فتوحات حاصل کیں۔ وہ دیگر سرداروں کی ہمت اور علاء الدین کے اقبال سے کیں اور غالباً

علاء الدین کو یہی دکھلانا منظور تھا۔ کہ میرا ایک غلام جو مردان شمشیر زن میں معیوب نہیں ہو سکتا جنوبی ہندوستان کی قدیم دولتمند سلطنتوں کے لئے کافی ہے۔ اور اسی طرح علاء الدین نے راجہ چہابور کے مقابلہ میں اپنی ایک کنیزک گل بہشت نام کو مقرر کیا تھا۔ اور راجہ کے غرور کو توڑا تھا۔ واقعی جس سلطان یا گورنمنٹ کے اقبال کا ستارہ اوج پر ہوتا ہے۔ وہاں ایسے واقعات کا نظارہ حیرت انگیز نہیں ہو سکتا۔

ملک کافور کے ہمراہ حاجی خواجہ کو کیا گیا تھا جس کو جملہ پولیٹکل اور مالی اختیارات حاصل تھے اور وہ ایک تجربہ کار لایق افسر تھا۔

دیوگڈھ کی فتح

ملک کافور براہ مالوہ دیوگڈھ کے علاقہ میں داخل ہوا۔ اور حسب ہدایت سلطان علاء الدین رعیت کا کچھ نقصان نہ کیا اور شفقت سے پیش آیا۔ رام دیو نے انجام کار پر خیال کر کے اطاعت قبول کی۔ گذشتہ سالوں کے خراج اور خرچہ جنگ کے عوض میں تمام خزانہ اور ۷ ہاتھی پیش کئے اور آئیدہ اطاعت کی حلف اٹھائی ملک کافور مظفر و منصور رام دیو کو معہ اس کے پسران کے دہلی لایا سلطان رام دیو سے عزت و تعظیم کے ساتھ پیش آیا۔ دعوت کا ایک لاکھ روپیہ اور خطاب رائے رایان اور حکومت دیوگڈھ دے کر واپس کیا۔

شاہان دہلی کا ہندو ریاستوں سے سلوک

ناظرین غور فرمادیں کہ رام دیو نے بغاوت کی عہد شکنی کی سلطان کو مجبوراً زبردست فوج کشی کرنی پڑی۔ رام دیو کی فوجی طاقت اور ملکی قوت کو علاء الدین بخوبی جانتا تھا عہد جلال الدین میں چند ہزار فوج کے ساتھ دیوگڈھ کی مرہٹہ طاقت کو پائمال کر چکا تھا۔ حالانکہ یہ وقت آوارگی اور بے یار و مددگار کا تھا۔ اب شاہنشاہ دہلی کی بہادر فوجیں مغلوں جیسے منہ الفوں کے پنجہ اوڑا چکی تھیں اور ہندوستان کی شمشیر کا رعب ایران و توران تک بیٹھا چکی تھیں۔ ملک کافور دہلی۔ گجرات۔ مالوہ۔ اودھ

چہابن کی چیدہ فوجیں اور تجربہ کار جرنیل لیکر حملہ آور ہوا تھا۔ اس سیلاب عظیم کی ٹکر کی برداشت دیوگڈھ کیا تمام جنوبی ہند بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ راجہ رام دیو میں ہرگز مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اور نہ کوئی ہندو راجہ مدد کرنے کے قابل تھا جس کے خوف سے سلطان نے تاج بخشی کی ہو۔ بات یہ ہے کہ اظہار اطاعت کے بعد پھر تلوار اٹھانے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اور اسلام کی اس عالمگیر فیاضی کا نتیجہ ہے۔ کہ آج ہندوستان میں سینکڑوں ہندو ریاستیں برقرار ہیں علاء الدین جس کو ظالم و جابر کہا جاتا ہے جسکی فوجی طاقت کو دہلی کا کوئی مسلمان بادشاہ نہیں پہنچ سکا۔ یہ اسکی فیاضی کا نمونہ ہے جس سے شاہان دہلی کے اس عام سلوک کا پتہ لگتا ہے۔ جو وہ ہندو ریاستوں سے کرتے رہے۔ اگر علاء الدین لالچی۔ طماع متعصب ہوتا۔ تو دیوگڈھ کے وسیع علاقہ کے الحاق کے لئے اور کون سا بہتر موقع ملسکتا تھا رام دیو نے بغاوت کی باغیوں سے بدسلوکی آجکل کی پالیسی کے مطابق کوئی اخلاقی جرم نہیں۔ عزل و نصب۔ الحاق ایک معمولی سزا تصور ہوتی ہے۔ مگر مہاراشٹر کا نہ تو الحاق ہوا۔ اور نہ کوئی ہندو جبراً مسلمان ہوا۔ بلکہ تاریخوں میں اس مہم کے تذکرہ میں معمولی اشاعت اسلام کا بھی نشان نہیں ملتا۔ ہندوؤں کے مذہبی مکان۔ مندر وغیرہ مسلمانوں کے دست تصرف سے آزاد رہے کسی ہندو رعایا کو ستایا نہیں گیا۔ اس سے بڑھ کر فوجی مہم کے عمدہ انتظام اور کیا ہو سکتے ہیں۔

دیول دئی

کنولا دیوی راجہ کرن کی بیوی مہم گجرات میں ہاتھ آئی۔ اور علاء الدین کی چاہتی بیگم بنی۔ راجہ کرن سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک تو مرگئی دوسری دیول دئی زندہ راجہ کرن کے پاس موجود تھی جو دکن میں آوارہ پھر رہا تھا جب شاہی فوجیں دیوگڈھ کو روانہ ہوئیں۔ تو کنولا دیوی نے بادشاہ سے عرض کی کہ میں اپنی بیٹی دیول دیوی کے فراق میں اسقدر غمناک ہوں کہ حضور کی عنایت سے جس قدر سامان عیش مہیا ہیں کوئی نہیں بہاتا میری لخت جگر دیول دیوی کو منگا دو۔ تب چین پڑتا ہے بادشاہ نے فوراً الغ خاں اور ملک کافور کو تاکیدی احکام بھیج دیئے کہ جس

طرح ممکن ہو راجہ کرن سے دیول دیوی کو لیکر روانہ دہلی کرو۔ الغ خاں نے ہر چند علیات شاہی اعزاز کے وعدہ اور لڑائی کی دھمکی دی۔ مگر غیور راجہ نے منظور نہ کیا اس سے پہلے راجہ رام دیو کا بیٹا سکل دیو بھی اس گوہر شب چراغ پر دل و جان دے چکا تھا۔ اور درخواست کر چکا تھا۔ مگر چونکہ ذات میں راجہ کرن سے بیٹا مرہٹہ تھا اس لئے راجہ کرن نے پیغام شادی کو منظور نہ کیا۔ اسی ذاتی لالچ سے رام دیو جلاوطن اور مصیبت زدہ کرن کی کچھ مدد نہ کرتا تھا۔ مگر جب افسرانِ شاہی نے زور دیا۔ اور لڑائی تک نوبت پہنچی جس کی طاقت راجہ کرن میں اس وقت نہ تھی۔ تو اس موقع کو غنیمت جان کر سکل دیو نے اپنے بھائی بہیم دیو کو کچھ فوج اور قیمتی تحف و تحائیف دے کر راجہ کرن کے پاس بھیجا۔ راجہ کرن نے جو مرہٹوں کے رشتہ کو مسلمانوں کی قرابت سے کم بُرا نہ سمجھتا تھا۔ مجبوراً دیول دیوی کو بہیم دیو کے ہمراہ روانہ دیوگڈھ کیا۔ جب افسران شاہی کو پتہ لگا۔ کہ پری کو دیو اڑا لے گیا تو پچتائے۔ اور غضب سلطانی اور کنولا دیوی کے ملال سے گھبرائے۔ پر لگا کر اڑے تب میں اڑے۔ مگر دیول دیوی کا پتہ نہ لگا۔ دیوگڈھ سے ایک دن کے فاصلہ پر چند سلطانی سپاہی اُلورہ کی غار کی سیر کر رہے تھے۔ کہ کچھ سوار نظر آئے۔ رام دیو کی مخالف فوج سمجھ کر لڑائی پر تیار ہو گئے۔ بہیم دیو کی محافظ فوج کو شکست دے کر ایک مسلمان سپاہی دیول دیوی پر دست درازی کرنے لگا تھا۔ کہ لونڈی نے کہا دیکھنا یہ دیول دیوی ہے سپاہی بازغ بازغ ہو گیا۔ اور سکھپال میں بٹھلا کر الغ خاں کے پاس لے گیا۔ وہاں سے بحفاظت تمام دہلی کو روانہ کی گئی۔ ماں بیٹی کو دیکھ کر خوش و خرم ہو گئی۔ اس وقت دیول دیوی کی عمر ۸ سال کی تھی۔ خضر خاں ولیعہد سلطنت کے میل ملاپ اور باہمی کھیل کود سے محبت کا آغاز ہوا۔ علاء الدین دونوں کی شادی برضامندی کنولا دیوی کرنی چاہتا تھا مگر خضر خاں کی ماں جو الغ خاں کی بہن تھی۔ الغ خاں کی بیٹی سے شادی کرنا پسند کرتی تھی۔ یہ شادی تو ہو گئی۔ مگر خضر خاں دیول دیوی کے عشق میں دن بدن گھلا جاتا تھا۔ اس لئے علاء الدین نے دیول دیوی سے بھی شادی کرا دی۔ امیر خسرو اور دیگر شعرا نے اس داستان عشق پر بہت کچھ جولانی طبع

دکھائی ہے۔ خضر خاں کی قید میں دیول دیوی ساتھ رہی اور جب گوالیار میں قتل ہوا۔ تو خضر خاں کو بچاتے ہوئے اپنے ہاتھ کٹوا دیئے۔ اور بقول بعض مبارک اور خسرو خاں غاصب کے نکاح میں آئی۔

فتح سیوانہ

سیوانہ مارواڑ میں گجرات کے شمال میں ایک زبردست ریاست تھی وہاں کا راجہ ہمیشہ شاہ دہلی کو ستاتا رہتا تھا۔ اس لئے جب ملک کافور دکن کو گیا۔ تو خود علاء الدین نے سیوانہ پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ کئی سال سے مقابلہ پہ اڑا ہوا تھا۔ مگر باشاہ کی موجودگی نے راجہ سیتل دیو کا حوصلہ پست کر دیا۔ اپنی مورت سونے کی بنا کر اور گلے میں رسی ڈال کر اظہار عجز کے لئے سلطان کے پاس معہ ایک سو ہاتھی اور قیمتی تحائف کے روانہ کی۔ چونکہ سیتل دیو برسوں سے شاہی فوج کو تکلیف دے رہا تھا۔ اور دیگر سرکشوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ اس لئے علاء الدین اس کو زیادہ کمزور کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے حکم دیا کہ جب تک خود حاضر نہ ہو معاملہ طے نہیں ہو سکتا راجہ حاضر ہوا۔ جس کی معہ اہل و عیال جان بخشی کی گئی۔ اور سیوانہ کی حکومت بھی بدستور اسی کو دیگئی۔ مگر زر و مال اور دیگر سامان شان و شوکت جس سے مکر رلبغاوت کا اندیشہ ہو سکتا تھا سب کچھ چھین لیا۔

فتح جھالور اور ایک لونڈی کی جیتل

جھالور بھی گجرات کے شمال میں ایک راجپوت ریاست تھی وہاں کا راجہ کانہڑ دیو بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک دن بادشاہ نے کہا کہ آج ہندوستان کا کوئی زمیندار و راجہ ایسا نہیں کہ میری فوج کا مقابلہ کر سکے۔ کانہڑ دیو نے کہا۔ کہ اگر میں مقابلہ کروں اور کامیاب نہ ہوں۔ تو سزا میں قتل کیا جاؤں۔ بادشاہ دل میں تو بہت ناراض ہوا۔ اور منہ سے کچھ نہ بولا چند روز بعد راجہ کو روانہ جھالور کر دیا اور کچھ مدت بعد اپنی لونڈی گل بہشت نام کو فتح جھالور پر مقرر کیا۔ گل بہشت نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اور اس قدر شجاعت مردانہ دکھائی کہ راجہ کانہڑ دیو تمام بہادران

صف شکن دنگ رہ گئے قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے۔ کہ گل بہشت بیمار ہو کر روانہ بہشت ہوئی۔ گل بہشت کا بیٹا شاہین نام بدستور محاصرہ کئے رہا۔ اور راجہ کانیر دیو کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بادشاہ نے ایک اور جرنیل سید کمال الدین کو تازہ لشکر دے کر روانہ کیا۔ کمال الدین نے کمال دلاوری سے قلعہ فتح کیا۔ اور راجہ معہ رفقا مارا گیا۔

نوٹ

گل بہشت کے واقعہ سے اس عہد کی اسلامی طاقت جنگی جوش فوجی ہیبت کا بخوبی پتہ لگتا ہے کہ ہندو راجاؤں کی سرکوبی کے لئے مسلمان لونڈیاں بھی کافی خیال کی جاتی تھیں۔ یا ہیجڑے غلام و خواجہ سرا ہندو ممالک کی تسخیر کے لئے انتخاب ہوتے رہے۔ تاریخی واقعات کی سند پر ہمارا دعوے ہے۔ کہ اکبر کے عہد تک راجپوت اپنی جنگی طاقت کو کھو چکے تھے۔ اکبر نے دوبارہ راجپوتوں کو پولیٹیکل قوت بخشی جس کا خمیازہ اس کی اولاد کو اٹھانا پڑا جس پر مفصل بحث آئندہ اکبر اور اورنگ زیب کے حالات میں کی جائیگی۔

مہم تلنگانہ

۹۰۰ھ/۱۳۰۹ء میں دوبارہ تسخیر بنگالہ پر ملک کافور کو مامور کیا۔ اڑیسہ کا ہندو راجہ اس مہم کا باعث ہوا تھا۔ اپنے ہمسایہ ہندو راجہ ورنگل سے حسد کرتا تھا۔ اڑیسہ کے راستہ اسلامی لشکر کو ورنگل میں داخل کر دیا۔ لیکن ناکامی ہوئی تھی اب علاء الدین کے یہ داغ مٹانے کے لئے صرف فوج شاہی کے بل پر راجہ ورنگل کو سزا دینی مناسب خیال کی اس مطلب کے لئے ملک کافور کو دوبارہ زبردست فوج شاہی کیساتھ روانہ تلنگانہ کیا اور حسب ذیل ہدایتیں دیں۔

ہدایات

ملک کافور تم غیر ملک میں جاتے ہو۔ جو منہ سے کہو اس پر عمل کرو۔ وعدہ خلافی سے بچو

ماتحتوں کے معمولی جرائم سے اغماض کرو۔ ایسا کوئی کام نہ کرو جس سے فتنہ و فساد برپا ہو۔ نرمی و گرمی اپنے اپنے موقعہ پر استعمال کرو رعب و سیاست قائم رکھو جسکو روپیہ کی ضرورت ہو۔ اس کو قرض دیدو۔ سپاہی کو اخراجات ضروریہ کی مشکلات سے بچاؤ۔ ماتحتوں کو فارغ البال اور خوش رکھو قتل و غارت سے پرہیز کرو جہاں تک ہو سکے۔ لڑائی سے بچو۔ جس سپاہی یا افسر کا گھوڑا ضائع ہو جائے اس کو شاہی اصطبل سے دیا جائے۔ راجہ لدر دیو اگر خراج دینا منظور کرے تو لڑائی نہ کرو ممکن ہو تو اس کو ہمارے سلام کے لئے دہلی بھیجدو۔

ان احکام سے علاء الدین کا طرز عمل جو وہ ہندو راجاؤں سے کرتا رہا اور جس قدر شفقت سپاہیوں سے عمل میں لاتا تھا ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی فتوحات ہندوستان منتہائے آبادی راس کماری تک پہنچ گئیں اور گو خود ساتھ نہ تھا لیکن فوج سلطان کی عزت و نام پر جانیں قربان کرتی تھی۔

منزل راہڑی تک ملک کافور اور حاجی خواجہ کو جو پولیٹکل افسر تھا خود سلطان نے وداع کیا۔ اور چندیری میں ہندوستان کی چھاؤنیوں کی فوجیں جو مہم تلنگانہ پر مقرر ہوئی تھیں سب ملک کافور سے جا ملیں۔ ملک کافور حدود دیوگڈھ پر پہنچا۔ رائے رایاں رامدیو نے استقبال شایان کیا۔ اور تمام سرداران فوج شاہی کو دعوت اور تحائف دیئے رسد رسانی کا سامان خوب کیا۔ نرخ سلطانی پر فروخت اشیا کا حکم دیا دیوگڈھ میں چند روز اسلامی لشکر توقف کر کے تلنگانہ کو روانہ ہوا۔ رامدیو نے اپنی فوج کو راہبر مقرر کیا۔ ورنگل کی حدود تک رسد وغیرہ سے مدد کرتا رہا اور مسلمان سرداران فوج کے دل میں اپنی قومی شرافت کا سکہ بٹھا دیا۔ اور دیگر ہندو راجگان کیلئے شاہان اسلام کے سامنے اعتبار کا دروازہ کھولدیا۔

فتح وارنگل

وارنگل جو علاقہ ہز ہائینس نظام دکن میں ہے یہاں کا راجہ لدر دیو تھا۔ اس کو پیغام اطاعت دیا گیا۔ جس کا جواب بہادر راجہ نے سختی سے دیا۔ حدود وارنگل پر پہنچتے ہی لڑائی شروع ہوگئی۔ مگر بہادران اسلام کی ضرب شمشیر سے فوج وارنگل ہر ایک

میدان اور قلعہ سے بھاگ کر وارنگل کے قلعہ خام میں جو نہایت مضبوط اور بہت بڑا وسیع تھا۔ جا داخل ہوئے۔ فاتح فوج نے وارنگل کا محاصرہ کر لیا۔ خود راجہ لدر دیو وارنگل کے پختہ قلعہ میں معہ عیال و اطفال و امرا وغیرہ محصور ہو گیا۔ قلعہ خام لڑائی کا زور پڑا۔ محصورین و محاصرین بڑھ بڑھ کر بہادری کے جوہر دکھاتے اور دھڑ دھڑ گرتے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلتا آخر کئی روز کے بعد بہادران اسلام جہادی جوش میں آکر جانوں سے ہاتھ دھو کر بہ سستی آگ اور تیروں کی بوچھاڑ میں کمندیں لگا کر قلعہ پر چڑھ گئے اور قلعہ فتح ہو گیا ہزاروں ہندو مارے گئے اب پختہ قلعہ پر لڑائی کا زور ڈالا گیا۔ لدر دیو نے دیکھا کہ جب قلعہ خام جو زیادہ مضبوط تھا اور ہندو فوج کے کمال درجہ کی مدافعانہ ہمت کے باوجود بہادران اسلام نے آسانی سے فتح کر لیا ہے۔ تو یہ قلعہ جس میں لڑنے والے بھی کم ہیں کب تک مقابلہ کر سکے گا۔ اور بزور شمشیر فتح ہونے کی صورت میں مجھکو معہ رفقا تلوار کے گھاٹ اترنا پڑے گا۔ اس لئے فاضل برہمنوں فصیح اللسان بہاٹوں کو ملک کافور کے پاس بھیج کر اس شرط پر امان طلب کی۔ کہ تمام موجودہ خزانہ زر و جواہر ہاتھی گھوڑے وغیرہ خرچہ جنگ میں بالفعل لیا جائے اور آئندہ مقررہ خراج اور ہاتھی دربار دہلی میں بھیجتا رہوں گا۔ ملک کافور نے اس شرط کو منظور کیا۔ اور وارنگل کی حکومت بدستور سابق لدر دیو کو دے کر ۱۳۱۰ھ میں دہلی واپس آیا۔

کرامت اولیاء

علاء الدین کا دستور تھا۔ کہ جہاں کہیں لڑائی پر فوج بھیجتا۔ دہلی سے وہاں تک گھوڑوں کی ڈاک بٹھلا دیتا جس سے لشکر کی خبر روزمرہ علاء الدین کو پہنچتی رہتی مہم وارنگل میں کسی وجہ سے راستہ کی چند ڈاک چوکیوں کا انتظام بگڑ گیا اور ملک کافور کا کوئی عریضہ نہ پہنچا۔ بادشاہ کو تردد پیدا ہوا۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں دو امیر بھیجکر لشکر متعینہ تلنگانہ کی بابت اضطراب ظاہر کیا۔ اور دعائے فتح و نصرت کے التجا کی۔ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رحمتہ اللہ نے بنور کشف و شہود ایک بادشاہ کے ذکر میں فرمایا۔ کہ اس فتح کے علاوہ

اور فتوحات بھی ہونگی۔ بادشاہ سنکر خوش ہوا۔ اور یقین کر لیا۔ چنانچہ اسی روز عصر کی نماز کے وقت فتحنامہ پہنچ گیا۔ اور شادیانہ بجائے گئے اور حسب فرمودہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ اس فتح کے بعد کرناٹک ملیبار۔ تمام دکن راس کماری تک فتح ہو گیا۔ گو علاء الدین کو حضرت محبوب الٰہی سے عقیدت تھی۔ لیکن افسوس کہ غرور سلطنت نے ایسے یگانہ روزگار غوث زماں کی ظاہری صحبت سے مستفید نہ ہونے دیا۔

فتح کرناٹک ملیبار سیت بندرا میشور پر تعمیر مسجد

سنہ ۷۱۰ھ ۱۳۱۰ء میں ملک کافور اور خواجہ حاجی کو فوج جرار دیکر کرناٹک اور ملیبار کو روانہ کیا۔ تلنگانہ پٹن واقعہ گرداوری پہنچا کر کرناٹک کا راجہ بلال دیو مقابلہ سے پیش آیا لیکن ہر موقع پر منہزم ہوا۔ اسلامی لشکر راجہ کی راج دہانی دھوا سمندر تک پہنچ گیا۔ اور فتح ہو گیا۔ راجہ قید اور بت توڑے گئے اور سیت بندرا میشور (پل آدم) پر فتح اسلام کی یادگار میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کی۔ جو فرشتہ کے عہد تک مسجد علامی کے نام سے موجود تھی۔ اس مہم میں ملک کافور کو بہت خزانے اور جواہرات وغیرہ ہاتھ لگے۔ مال غنیمت میں تین سو بارہ ہاتھی بیس ہزار گھوڑے چھیانوے من سونا اور موتیوں کے کئی صندوق وغیرہ تھے۔ اس قدر مال و دولت لے کر ملک کافور واپس دہلی آیا۔ اور بادشاہ خوش ہوا۔ سلطان نے خوب داد دہش کی ہر ایک امیر کو پانچ پانچ من سونا۔ مشائخ و علماء مستحقین میں سے ہر ایک کو ڈیڑھ ڈیڑھ من سونا انعام دیا۔

الزام ناقدردانی علوم اور تردید

اس سے پایا جاتا ہے کہ علاء الدین پر یہ الزام درست نہیں۔ کہ وہ اہل علم کا قدردان نہ تھا۔ ہاں اس کے دربار میں ۔۔ فوجی اور پولیٹکل لیاقت کے لوگوں کی زیادہ قدر تھی۔ مگر جسقدر علما، فضلاء، ماہران ہر فن کا اجتماع علاء الدین کے عہد میں ہوا جسکی فہرست تاریخ فیروز شاہی میں لکھی ہے اور جنہوں نے کئی ایک علوم عقلیہ و نقلیہ کے اعلیٰ

مدارس اور کالج کھول رکھے تھے جس کی بابت آگے چلکر ہم کچھ بحث کریں گے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ۔ مصر۔ روم۔ ایران و توران تک کے فاضل دہلی میں اسی واسطے آتے تھے کہ علاء الدین کے عہد سلطنت یا امرائے سلطنت کی قدر دانی علوم و فنون سے گذارہ عزت و فراغت سے ہوتا تھا مشائخ کبار کے لنگر جن میں ہزاروں کھانا کھاتے تھے وہ بھی عہد علائی کے دولت مند زمانہ کے طفیل تھا۔ فتح دکن پر ہر ایک شیخ طریقت اور عالم کو ڈیڑھ ڈیڑھ من سونے کا عطا کرنا کچھ کم سرپرستی علوم نہیں علاء الدین اپنے عہد میں کسی شیخ سے بدگمان نہیں ہوا۔ اور نہ کسی عالم کو ستایا۔ ضرور وہ التمش ناصر الدین۔ بلبن جیسا منتقی و پرہیزگار نہ تھا لیکن اس کے عہد کی انسنیت و رفاہیت عام نظم و نسق اس کی کسر نکال دیتی تھی مشائخ کبار کی روحانی تعلیم اخلاقی تربیت اور علماء ظواہر کی عام تعلیم علوم اس پر زمانے کے اثر سے تھی۔ آجکل کی ترقی یافتہ سلطنتوں کے اصول کو دیکھا جائے تو مذہب اور سلطنت کو جدا جدا رکھا جاتا ہے اور ملکی مصلحت کے مقابلہ میں مذہب کو نظر انداز کیا جاتا ہے انسانی زندگی کو پرائیویٹ لائف اور پبلک لائف دو شقوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایسے مدعیان تہذیب علاء الدین کی طرز عمل کو برا نہیں کہہ سکتے۔ گویا جن اصول پر آج یورپ کا عمل ہے۔ مدبر علاء الدین کئی صدیاں پیشتر ان قواعد کا کاربند رہ چکا ہے۔ امن کے زمانہ میں ہر ایک چیز کو ترقی ہوتی ہے اشاعت اسلام کا کام جس میں سلطان کا ہاتھ نہ تھا مشائخ کبار اعلیٰ پیمانہ پر کر رہے تھے جس تعریف کا مستحق علاء الدین کا اعلیٰ درجہ کا انتظام ملکی ہو سکتا ہے۔

پس میرے نزدیک ضیاء برنی کا یہ اعتراض کہ سلطان علاء الدین اہل علم کی قدر نہ کرتا تھا۔ اس کے عہد کی ارزانی اور شراب و مسکرات کا انسداد و شہرت و زنا کی کمی علاء الدین کی وجہ سے نہ تھی۔ جو کئی ایک معاصی لازمی و متعدی میں مبتلا تھا اور جن انتظامی ترقیوں اور فتوحات کثیرہ کو دیکھکر لوگ حیرت میں پڑکر علاء الدین کی کرامات یا استدراج پر دلالت کرتے تھے۔ درست نہیں میں حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ اور ضیاء برنی سے کم عقیدت نہیں رکھتا لیکن مورخانہ اصول سے مجبور ہو کر لکھتا ہوں کہ اگر علاء الدین ارزانی نرخ اور

شراب وغیرہ کی بندش کا سبب نہیں تھا۔ تو عہد کیقباد۔ جلال الدین۔ مبارک خلجی میں کیوں یہ عمدہ قواعد جاری نہ رہ سکے قحط و وبا سے سخات بزرگان دین کی یمن و برکت سے ہوتی ہے مگر عام ایشیائی عقائد کے مطابق گورنمنٹ کی نیت کو بھی دخل ہوتا ہے پس ان آسمانی بلیات کا نہ ہونا بھی علاء الدین کی نیک نیتی پر دلالت کرتا ہے۔

عہد علاء الدین میں جس قدر اشاعت اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر ہوا۔ اور جس کا ذکر آئندہ کیا جائیگا۔ اس میں علاء الدین نے گو براہ راست حصہ نہیں لیا۔ لیکن یہ ویسا ہی تعلق تھا جیسا کہ شاہان یورپ کے زیر سایہ حمائت عیسائی مشنری مذہب عیسوی کی اشاعت مساوی نہایت فارغ البالی سے کر رہے ہیں۔ علاء الدین مذہبی حمائت میں شاہان یورپ کے برابر قابل تعریف ہے۔ اور اس کی کم علمی یا کم درجہ کی پرہیزگاری پر نکتہ چینی کرنا ہمت سلاطین کا زہد خشک سوجان سے قربان ہے۔

سلطان علاء الدین کی پولیٹکل لیاقت

سلطان علاء الدین کی فتوحات کثیرہ کے ساتھ ساتھ علماء و فضلاء صناعوں کا ہر گوشہ کا اجتماع اور علمی مذہبی مدارس کا کثرت سے خود بخود علماء اسلام کا جاری کرنا اور مشائخ کبار کا فارغ البالی سے اعلیٰ پیمانہ پر تبلیغ اسلام اور منادی قرآن کا کام کرنا اور اسلام کا ترقی پکڑنا۔ سلطان علاء الدین کی اعلیٰ درجہ کی لیاقت ملکی کو ثابت کرتا ہے اشاعت اسلام بھی ہوتی رہی۔ اور بظاہر اسقدر علیحدہ رہا۔ کہ ضیاء برنی جیسے بزرگوں کے دلوں میں علاء الدین کی مذہبی توقیر نہ رہی مگر آج یورپ کی خاموشی کا نتیجہ خیر مذہبی امداد کو دیکھکر کہنا پڑتا ہے۔ کہ سلطان علاء الدین مذہبی حمائت اور اسلام کی اشاعت میں سلاطین یورپ سے کچھ کم مددگار نہ تھا۔ وہ نادان سلاطین کی طرح ایسی حرکات نہیں کرتا تھا کہ جس سے ہندوؤں کو تشویش اور نفرت پیدا ہو۔ اور تعصب سے بدنام نہ ہو غیر قوموں اور غیر مذاہب پر حکومت کرنے کے لئے اس سے زیادہ موزون لوٹی اور طریق نہیں ہے۔

علاء الدین کی بخشش

علاء الدین نے اس موقعہ پر خوب داد و دہش سے کام لیا ہر ایک امیر کو پانچ پانچ من سونا اور مشائخ و علماء وغیرہ مستحقین کو ڈیڑھ ڈیڑھ من سونا انعام دیا اور اسی طرح باقی حقداروں کو کچھ نہ کچھ عطا کیا۔ کیا مشائخ و علماء کو دینا مذہبی اور علمی امداد نہیں تھی۔ کیا ایسے عطیات علوم ظاہری و باطنی مدراس کی ترقی کا باعث نہیں ہو سکتے اور طلبائے علم کا حوصلہ بڑہانے کا موجب نہیں بن سکتے تھے۔ جب ایک بے علم سلطان اس قدر عطیات علماء کو دیتا تھا۔ تو دیگر امراء و اراکین سلطنت جو بڑے بڑے علم دوست خدا پرست تھے۔ وہ ان روحانی و جسمانی معلموں کی کیا کچھ کم مدد کرتے ہونگے جن کی وجہ سے مشائخ کبار اور اہم علماء نامدار مختلف روحانی اور علمی کالجوں میں فارغ البالی سے تعلیم دیتے اور ہر ایک طالب علم بے فکری سے حصول تدریس میں مشغول رہتا۔ ان تمام ترقیات کا سہرا سلطان علاء الدین کے سر ہے۔ جس کی تاریخ کا روشن پہلو بے انصاف مورخین نے تاریکی میں رکھا ہے۔

ہندوستانی کسانوں کی غلامانہ حالت

کرناٹک کی مہم میں کہیں چاندی کا ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کرناٹک میں سونے کی اس قدر افراط تھی۔ کہ چاندی کوئی استعمال نہیں کرتا تھا۔ یہ قیاس عام ہے۔ مگر یہ مال غنیمت یا تو مندروں سے ملا جہاں بطور خزانہ جمع ہوتا تھا یا راجاؤں کے خزانوں سے یا امراء و معززا شخاص سلطنت سے اس صورت میں یہ خیال غلط معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت دولت یا تو راجاؤں کے پاس تھی یا مندروں کے پوجاریوں کے تصرف میں یا ٹھاکروں سرداروں معززا راکین کے پاس تھی جو صدیوں کی ریاست یا خاندانی وجاہت سے جس میں ہندو سلطنت اور ہندو قوم دنیا کی کل قوموں سے ممتاز ہے۔ سونا جواہرات جمع ہوتے رہے عوام بیچارے ویسے ہی کنگال تھے۔ جیسے کہ آجکل پنجاب کے سوا جہاں قانون بہبود چارہ نے غریب زمینداروں کو

حقوق مساوات دے رکھے ہیں۔ باقی صوبجات ہندوستان اور ایک دو اضلاع پنجاب میں غریب کسان رات دن کی لگاتار محنتوں کے باوجود بمشکل اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔ اِن کی پوشاک خوراک کو اعلیٰ زمینداروں سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ کسانوں کے یہ غلامانہ حالت اِسی عہد ہنود کی یادگار ہے جس میں کہ اسلامی گورنمنٹ نے دست اندازی نہ کی۔ اور آج انگریزی گورنمنٹ بھی اُسی تقلید میں بیچارے کسانوں کی حالت سنوار نہیں سکی۔ ہندوستان کے کسان روس کے کسانوں کی طرح اعلیٰ زمینداروں کے بالکل غلام ہوتے ہیں روس میں تو آزادی حاصل ہوئی۔ دیکھیں ہندوستان کے غریب اور محنتی کسانوں کو کب نجات ملتی ہے موجودہ نسل کو دیکھکر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ علاء الدین کے عہد میں عام ہندو رعایا زر و مال سے محروم تھی۔ تمام دولت راجاؤں برہمنوں رئیسوں کے پاس تھی۔ اور مصارف کی کمی اور کئی پشتوں کی کفایت اور زر اندوزی سے خالص سونا ہی سونا جمع ہوگیا تھا۔ اور جب سونے کی افراط ہو۔ تو چاندی کو کون استعمال کرتا ہے۔ ورنہ غنیمت دکن میں چاندی کا ذکر نہ ہونا۔ وہاں کی عام آبادی اور رعیت کی دولتمندی کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ جیساکہ خیال کیا جاتا ہے۔

نومسلم مغلوں کا قتل

فتح گجرات کے بعد مغلوں کی بغاوت نے علاء الدین کو مغلوں کی طرف سے بدگمان کر دیا تھا۔ باغیوں سے اکثر تو معہ زن و بچہ مارے گئے جو رہے سہے یا بعد میں ہندوستان آئے اُنکی جانب سے بھی طمانیت نہ ہوئی اور جبکہ مغل ایک زندہ قوم دنیا کے نامور فاتح جنگجو نسل اور ہندوستان کی صدیوں کی مخالف خونخوار ہو۔ اور خود علاء الدین کے عہد میں مغل کئی بار دہلی پر سخت حملات کر چکے ہوں۔ تو ایسے گروہ پر کوئی مآل اندیش فوراً اعتماد نہیں کر سکتا اور ذمہ داری کی ملازمت نہیں دیسکتا۔ اِن پولٹیکل وجوہات نے علاء الدین کو مجبور کیا۔ کہ مغلوں کو ملازمت سے موقوف کردے بیکاری نے ان نومسلم مغلوں کا قافیہ تنگ کر دیا اور بقول سمرتا کیا نہ کرتا۔ چند شورہ پشت مغلوں نے مشورہ کیا۔ کہ بادشاہ کو شکارگاہ میں قتل کیا جائے۔ جبکہ وہ معمولی

لباس پہنکر شکرہ اوڑاتا ہے۔ اور ہمراہیوں کے پاس بھی کافی ہتھیار نہیں ہوتے۔ مگر بادشاہ کو خبر لگ گئی۔ اور حکم دیا۔ کہ جہاں کہیں نو مسلم مغل ہوں ایک دن تاریخ مقررہ پر قتل کئے جائیں۔ چنانچہ تاریخ معینہ پر سترہ ہزار مغل قتل کئے گئے۔

دیوگڈھ کی دوبارہ فتح

دیوگڈھ کا راجہ رام دیو مر گیا تھا۔ اس کا بیٹا منحرف ہو گیا خراج دینا بند کر دیا علاء الدین نے ملک کافور کو سزا دہی کے لئے روانہ کیا۔ راجہ لڑائی میں مارا گیا تمام مہاراشٹر فتح ہو گیا۔ کرناٹک کے جن راجاؤں نے سرکشی کی تھی سب کو سزا دی گئی۔ اور اس قدر رعب سلطانی بٹھایا گیا۔ کہ آئندہ کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہوئی۔

مشائخ کی تعلیم سے امن عامہ پیدا ہوتا ہے

سلطان علاء الدین کی اعلیٰ درجہ کی نظم و نسق امن و امان ارزانی غلہ قحط وبا کے نہ ہونے اور دیگر ملکی کامیابیوں کو دیکھکر عوام متعجب و ششدر تھے۔ اور ضعیف الاعتقادی سے اس امر کو علاء الدین کی کرامت یا استدراج سمجھتے مگر اُس عہد کا مورخ اس امن و امان اور فارغ البالی کو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کی میامن برکات کا نتیجہ لکھتا ہے۔ شاید آج کل اس کو بھی خوش اعتقادی کہا جائے گا لیکن جبکہ آجکل پولیٹیکل تجربات نے دوست و دشمن کے مُنہ سے یہ کہلوا دیا ہے۔ کہ سلامت روی اور امن و امان کا مدار اخلاق حسنہ پر اور اخلاق کا انحصار مذہبی تعلیم پر ہے۔ تو سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان مدرسہ الٰہیات کہ جس میں علوم صوری و معنوی کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور عالم باعمل ہونے کی عملی ترغیب تحریص اور ؎

ہر جا کہ وجود کردہ سیرست ایدل میدان بہ یقین کہ محض خیرست ایدل

کے مطابق خیر محض کی ابتدا صفی اور صلح کل و تفویض کل کے صراط مستقیم پر چلنے کی

ہدایت کی جاتی ہو۔ وہاں شر و فساد کا خیال کب رہ سکتا ہے۔ حقوق العباد کو نظر انداز کرنے سے ہی بغاوت و فساد تمرد و سرکشی کا خیال پیدا ہوتا ہے مشائخ طریقت ان ردی عادات کو روکتے ہیں۔ پس ان حالات پر غور کرنے سے ضیاء برنی کا قول کہ علاء الدین کی برکات کا باعث حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ تھے ایک امر واقع ہے۔

اخلاقی تعلیم کے لئے مذہبی پیشواؤں کی ضرورت

علم تاریخ قصص الاولین عبرۃ للآخرین ہے۔ اور بلند اقبال بیدار قومیں تاریخ سابق سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ فاضل مورخ ضیاء برنی کے اس قول پر کہ "سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کی روحانی تعلیم نے امن و امان کو قائم کیا۔ گورنمنٹ کی اطاعت اور خدا کی عبادت کا میلان بڑھا۔ شاطران یورپ غور کریں۔ اور جو کوتاہ بین استحکام سلطنت کو پیشوایان دین کے ضعف و اضمحلال میں خیال کرتے ہیں وہ ضیاء برنی کی رائے سے فائدہ اٹھائیں۔ مذہبی تعلیم کی کمی اور پیشوایان مذہب کی کس مپرسی سے ضرور لوگ مذہب سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور جاہلانہ تعصب بھی کسیقدر کم ہو جاتا ہے اور غالباً اسی کامیابی پر ہمارے عیسائی مشنری دوست یورپ کو اندھا بنا رہے ہیں۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے مذہب سے بے پرواہی اخلاقی قیود کھو دیتی ہے۔ خوف خدا نہیں رہتا شرم و حیا جس پر تمدن کا مدار ہے۔ جاتا رہتا ہے۔ جب خالق حقیقی کے ازلی و ابدی حقوق کو نظر انداز کیا گیا۔ تو پھر گورنمنٹ کے تعلقات بشری کی طرف سے آنکھیں موٹہ لینا کون سی بڑی بات ہے۔ اور اسی غلطی نے جس کا بانی سررشتہ تعلیم ہے۔ گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کو مشکلات میں آج کل ڈال رکھا ہے اور حکام وقت میں ایک صدی کے تلخ تر تجربہ کے بعد مذہبی تعلیم کا سوال اٹھا ہے تو سررشتہ تعلیم تردد میں پڑا ہوا ہے اور اس کو کوئی جامع و مانع تجویز نہیں سوجھتی۔ اس موقع پر اس سوال کو زیر بحث لانا موزون نہیں۔ یہاں صرف یہ دکھلانا منظور ہے۔ کہ اخلاق کی درستی حضرات مشائخ کی تعلیم و

صحبت کے بغیر قریباً ناممکن ہے۔ کوئی گورنمنٹ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا فرض ہے۔ کہ اگر وہ رعیت کے حقیقی فوائد اخلاقی کو چاہتی ہے۔ تو مشائخ طریقت کو جس طرح ممکن ہو مدد دے اور ان کے مدارس الٰہیات کی سرپرستی کرے یہ مدارس درستی اخلاق کے لئے موجودہ مدارس سے کئی گنا بہتر و مفید ملک و قوم ثابت ہوں گے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت کا حال آگے بیان کریں گے۔

ہندوستان میں اشاعت اسلام

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ایک خاص فصل "ترقی اسلام بذریعہ صوفیائے کرام" کے عنوان سے لکھی گئی ہے جس میں مجملاً حضرات صوفیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی علمی و عملی صوری و معنوی کمالات کا ہندوؤں سے مقابلہ کیا گیا۔ اور بتلایا گیا ہے۔ کہ ہندوؤں کے اسلام لانے کی وجہ انہیں بزرگان اسلام کے پاکیزہ نمونے اور روحانی فیضان تھا ہندو اس وقت عموماً بت پرست تھے اور بتوں کو متصرف فی الاشیاء مانتے تھے اور عام مسلمان [1] "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ" پر اعتقاد رکھتے ہوئے "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" کا پانچ وقت ورد کرتے تھے ہندوؤں کے اعلیٰ فلاسفر موحد و یدانتی اگر ہر میں ہر ہر یقین رکھتے تھے۔ تو مسلمان موحدین "نَحْنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" اور "اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" میں اپنی ہستی کو محو کر دیتے تھے اور وحدت وجود کی نشہ میں چور رہتے یہ مقابلہ تو ظاہری و باطنی تھا جس میں حضرات صوفیائے باکمال کا پایہ بلند رہتا اور ہندوؤں کے خاص و عام کو اسلام کی جانب کھینچتے تھے علاوہ اس کے ہندوؤں کے مسلمان ہونے کی بھاری وجہ اسلام کے عالمگیر اصول تمدن اور ہندو رسوم کی تنگ نظری بھی تھی ہندوؤں میں ذاتوں کی تقسیم اور لاکھوں مخلوق خدا کو شودر نیچ کے لقب سے پکارنا اور روحانی و جسمانی ترقی سے محروم رکھنا اور مخلوط النسل لوگوں کو قوم و ملت سے علیحدہ کر دینا اور علم و کمال کا دروازہ ادنیٰ قوموں کیلئے بند ہونا اور

[1] میں اپنے منہ کو اُس ذات کی طرف خالص پھیرتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں

بمقابلہ اس کے اسلام کا اعلان کہ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم (شرافت پرہیزگاری پر موقوف ہے) تھا۔ اسلام لانے سے عرب وعجم کا لئے گورے کی تمیز مٹ جاتی تھی۔ سب کے حقوق برابر تھے۔ ترقی کی راہیں ادنیٰ و اعلیٰ کے لئے کھلی تھیں۔ خدا کی عبادت میں ادنیٰ و اعلیٰ امیر و فقیر سلطان و غریب شانہ بشانہ کھڑے ہو سکتے ہیں اسلام کے ان قوانین نے بھی ان ہندوؤں کو اسلام کی طرف مائل کیا۔ ہندو قانون کی اس غلطی کو آج درست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور نیچ ذاتوں کو ہندو ذات میں ملانے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ پس ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا باعث اسلامی شریعت کی عالمگیر فیاضی اور صوفیائے کرام کے درویشانہ کمالات تھے۔ یہ مقدس گروہ عربوں کے فاتحانہ داخلہ سندھ سے پہلے ہی ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ بقول بعض بابا رتن جس کی مزار بھٹنڈا میں ہے۔ ایک صحابی خیال کئے جاتے ہیں۔ عربوں کے داخلہ کے وقت جو ۲۳ھ ہجری کے بعد سے شروع ہوا کئی درویش صوفی مشرب ہندوستان پہنچ گئے اور اشاعت اسلام کرنے لگے عباسی سلطنت کے زوال اور غزنوی عروج کے درمیانی زمانہ میں اعلیٰ پیمانہ پر قرآن کی منادی نہ ہو سکی۔ لیکن سندھ میں بدستور اسلام کے پاؤں جمے رہے۔ سلطنت غزنویہ کے اقبال کے ساتھ ہی علماء و صوفیائے کرام سر زمین ہند میں اپنے علم و عمل کا اثر ہندوؤں پر ڈالنے لگے۔ محمود کے فوت ہونے کے بعد پھر کوئی بلند اقبال غزنوی پیدا نہ ہو سکا کہ فتوحات کا دائرہ وسیع کرتا۔ مگر پنجاب ملتان۔ سندھ میں مستقل طور سے سلطنت اسلام کے پاؤں جم گئے۔ اور اسلام بڑھتا رہا۔ سلطان محمد غوری نے ہندوستان کی ہندو سلطنت کو اوکھاڑ دیا اور اسلامی سلطنت کو شمالی ہندوستان میں استقلال حاصل ہوا۔ کتب سیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حملات غوری سے پیشتر ہی بہ تعمیل بشارت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت خواجہ بزرگوار شیخ المشائخ خواجہ معین الدین چشتی سنجری رضی اللہ عنہ معہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور چالیس رفقا کے ہندوستان پہنچ چکے۔ اور بروایت مصنف گلزار ابرار سیالکوٹ۔ پشاور امیرو غیرہ میں اجمیر پہنچنے سے پہلے ۱۰۳۸ھ ہندو خواجہ بزرگوار رضی اللہ عنہ کے

دست حق پرست پر محض کمالات روحانی دیکھکر مسلمان ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نہ تلوار تھی۔ نہ کوئی فوج تھی۔ ہاں صداقت اسلام کی شمشیر تھی۔ جس کے سامنے ہر ایک کو گردن تسلیم خم کرنی پڑتی تھی۔ راجہ پرتھی راج کے خیالات اور جیپال جوگی کا ساحرانہ مقابلہ اور اسلام لاکر عبداللہ نام رکھنا۔ تاریخ خواجگان میں موجود ہے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ خواجہ بزرگوار عہد شمس الدین التمش میں فوت ہوئے۔ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں خواجہ فرید الدین مسعود شکر گنج رضی اللہ عنہ اجودہن (پاکپٹن) پنجاب اور بہاؤ الدین ذکریا رضی اللہ عنہ ملتان میں۔ جو ولیوں میں بازسپید کہلاتے تھے۔ مسند خلافت کو زینت بخش کر ہندوستان میں اسلام کی اشاعت فرما رہے تھے۔ جناب خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ۲۱ تھے۔ اور خواجہ قطب الدین بختیار رضی اللہ عنہ کے ۲۶ خلیفہ تھے۔ جو دیگر ممالک کے علاوہ زیادہ تر ہندوستان میں تبلیغ احکام قرآن کی ڈیوٹی ادا کرتے تھے۔ خواجہ فرید الدین مسعود شکر گنج رضی اللہ عنہ کے مشاہیر خلفاء ۳۳ تھے۔ اور یہ بزرگ عموماً ہندوستان میں ہی اسلامی خدمات انجام دیتے تھے۔ ان میں سے سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء اور خواجہ علاء الدین علی احمد صابر اور خواجہ قطب جمال ہانسوی رضی اللہ عنہ مظہر کمالات اور مرجع خلائق تھے۔ حضرت صابر صاحب رضی اللہ عنہ کی کرامات باہرہ ہندوؤں کو مبہوت کرتی تھیں۔ خواجہ قطب جمال صاحب کی ارشاد و تلقین کی کوئی تحریر نہیں دیکھی۔ ہم نے خود ہانسی جاکر بھی تلاش کی۔ مگر اب وہاں یہ علمی خزانے کہاں۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کے تذکرے بہت ہیں۔ مگر درویشانہ عقیدت سے لبریز جن کا اندراج اس تاریخ میں ضروری نہیں۔ البتہ اس عہد کے مشہور مورخ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں جو حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کے فیض عام کا حال لکھا ہے۔ اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کس طرح حضرات صوفیائے کرام اسلامی تعلیم اور اسلامی صداقت کو پھیلاتے اور غیر مسلم اقوام کے دلوں میں محبت اسلام پیدا کرتے

یہ بحث جس قدر مسلمانوں کو فائدہ بخش ہو سکتی ہے۔ مخالفین کو بھی جو جبریہ اسلام کے الزام پر ضد کرتے ہیں۔ تاریخ کا صحیح پہلو دکھا سکتی ہے۔ موجودہ مشائخ طریقت کو بھی اعلائی کلمۃ اللہ کا راستہ بتلا سکتی ہے۔ رعایا کے علاوہ گورنمنٹ کو بھی صوفیائے کی تعلیم سے اخلاق کا سدھرنا۔ اور امن و امان کا قایم رہنا معلوم ہو سکے گا۔ اور اس مقدس گروہ کو امن عامہ کا باعث جان کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گی۔

علاء الدین کے عہد کے مشائخ کبار

حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ

حضرت سلطان المشائخ کے ہمعصر مشائخ شیخ الاسلام علاء الدین نبیرہ خواجہ فرید الدین مسعود شکر گنج اور شیخ الاسلام رکن الدین نبیرہ مخدوم بہاؤ الدین ذکریا ملتانی ہدایت خلایق پر مامور تھے۔ ایک دنیا ان کی بیعت کرتی۔ گناہوں سے توبہ کرتی۔ اور فسق و فجور کو ترک کرتی۔ جو توبہ کرتے۔ پھر جیتے جی گناہ کا نام تک نہ لیتے۔ دنیاوی لالچ و طمع جس سے تمام برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ گھٹ جاتا باہمی لین دین میں راستی اور سچائی کا رواج ہو جاتا۔ جو نتیجہ فوجداری سزاؤں سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ وہ ان بزرگان دین کی بیعت سے نکل سکتا۔ چوری ڈکیتی۔ رشوت۔ اندار سانی دھوکہ و فریب تمرد و عصیان ان مشائخ کی تعلیم سے کم ہو گیا۔ یہ بہت بڑی ملکی خدمت تھی جس کا اثر رعایا کے علاوہ گورنمنٹ پر بھی پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں۔ کہ مشائخ صوفیاء کی ارادت و عقیدت بغاوت و عصیاں نہیں پیدا کر سکتی۔ درستی اخلاق اور قیام امن جس طرح حضرات مشائخ صوفیائے کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وہ نہ تو سررشتہ تعلیم کر سکتا ہے اور نہ کوئی جابرانہ قانون۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیا رضی اللہ

اور

اُن کا مدرسہ الٰہیات

غیاث پورہ واقعہ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ نے مدرسہ الٰہیات کھول رکھا تھا۔ جہاں وحدت وجود۔ تصوف کی (فلسفہ اسلام) علمی عملی تعلیم دیجاتی۔ جہاں کے تعلیم یافتہ ایشیا کے دور دراز ملکوں میں جاکر اشاعت اسلام کا کام کرتے تھے۔ حضرت اخی سراج آپ کے خلیفہ چین میں پہنچکر توحید باریتعالےٰ کی منادی کرنے لگے۔ ایسا ہی دیگر ملکوں خصوصاً ہند۔ وستان میں اشاعت اسلام ہوتی تھی حضرت سلطان المشائخ نے دروازہ بیعت کھول رکھا تھا۔ عام و خاص محنتی و کنگال۔ عالم و جاہل۔ شاہ و گدا۔ شریف و رزیل۔ شہری و دیہاتی غازی و مجاہد۔ آزاد و غلام کو مرید بناتے۔ بڑے مشہور عادی گنہگاروں سے توبہ کراتے اور اکثر کو خرقہ خلافت عطا کرتے۔ چنانچہ بقول مولف مراۃ السالکین آپ کے خلفائے مشاہیر آٹھ تھے۔ جو خلقت کی ہدائیت اور اسلام کی اشاعت میں مصروف تھے اس قدر مقدس درویشوں کی جماعت کا خدمت اسلام پر مامور ہونا۔ اس عہد کے اسلامی رونق کا خاکہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے یہ اسلامی مشن تھا۔ جس کو نہ کبھی گھوڑے کی ضرورت تھی۔ نہ بنگلہ کوٹھی کی۔ زہد و قناعت نے اُن کو نہایت سادہ زندگی بسر کرنے والا بنا دیا تھا۔ ضیاء برنی لکھتا ہے کہ اس وقت میں عموماً جوان بوڑھے۔ لونڈی۔ غلام۔ زن و بچہ تک تمام لوگ پابند نماز تھے۔ اور اکثر مرید نماز چاشت اور اشراق تک قضا نہ کرتے کئی ایک نیکبختوں نے دہلی سے غیاث پور تک راستہ میں فرحت افزا چبوترے بنوا کر اُن پر چھپر ڈلوا دئے تھے کنوئیں کھدوا دیئے۔ پانی کے مٹکے۔ گھڑے۔ کونڈے وہاں رکھوا دیئے تھے۔ نماز کے لئے فرش بوریا بچھا رہتا تھا۔ ہر ایک چبوترہ میں حافظ قرآن

اور خادم مقرر تھا جس سے مرید ان حضرت اور دیگر زائرین کو وضو کرنے اور ادائے صلوٰۃ و وظائف میں ہرج واقع نہ ہوتا۔ اور اس تمام پُر جوش مذہبی نظارہ کو دیکھکر ہر ایک کے دل پر مسلمان ہو یا ہندو اسلام کا گہرا اثر پڑتا تھا۔ اور انہیں دلکش نقاب رو سے اسلام بلا جبر و اکراہ ہندوستان میں پھیلا۔ اور آئندہ بھی پھیل سکتا ہے۔ یہی مرنج و مرنجان اور پائیدار طریق اشاعت اسلام ہے۔ جو ہمیشہ بزرگان اسلام کا معمول رہا ہے۔ اور اسی کشش مقناطیس نے دنیا کی زبردست قوموں کو اسلام کا گرویدہ بنایا۔ انہیں لوگوں کے حق میں مُحَدَّثُوْنَ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل وارد ہوا ہے ضیاء برنی لکھتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کے فیضان تعلیم سے معاصی کا نام تک لینا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ذکر ہوتا تھا۔ تو نماز چاشت اشراق زوال۔ اوابین۔ و تہجد کی تہویت و طریق ادا کا شوق عبادت اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ جدید مرید حضرت سلطان المشائخ و حضرت گنج شکر حضرت بختیار کاکی کے تقسیم اوقات اور اوراد و وظائف کو پوچھتے اور ان کی تقلید کی کوشش کیجاتی۔ قلت غذا۔ نفس کشی میں سلطان المشائخ کا تتبع کیا جاتا۔

اکثر مرید بڑی عمر میں قرآن مجید حفظ کرتے تھے۔ نئے مرید قدیم مریدوں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے۔ اور قدیم مرید سوائے عبادت و ریاضت تجرید و تفرید ترک تعلق مطالعہ کتب تصوف بزرگان دین کے تذکرے و سوانحعمریاں پڑھتے۔ اور اپنے پیر طریقت حضرت سلطان المشائخ کے مقامات سلوک بیان کرتے۔ ضیاء برنی قسیمہ بیان کرتا ہے۔ کہ کبھی دنیا اور دنیا داروں کا ذکر اُن کی زبان سے نہیں سنا گیا۔ اور یہ کمال درجہ کا زہد و ورع و استغنا تھا۔ دنیاداروں سے ہرگز اختلاط نہ کرتے اور ؎

اہل دنیا چہ کہیں وچہ مہیں لعنۃ اللہ علیہم اجمعین

کی فلاسفی کا عملی نمونہ دکھاتے۔ اور غیر قوموں کو اسلام کا فریفتہ بناتے۔ ایسے مرید تارک الدنیا سینکڑوں تھے جن کا کام محض اسلامی نور کا پھیلانا۔ اور چراغ ولائیت سے ملک کو روشن کرنا۔ اور اسلامی صداقت کا سکہ بٹھلانا تھا حضرت کے خلیفہ ہندوستان کے علاوہ خراسان۔ ایران۔ ترکستان۔ عرب۔ مصر۔ چین

تک اشاعت وترقی اسلام میں مصروف تھے۔ لوگوں میں شوق عبادت اس قدر بڑھ گیا تھا کہ خاص محل سلطانی میں امیر و سردار۔ غلام۔ کنیز ک نماز اشراق و چاشت تک ادا کرتے اور ایام بیض اور ذی الحجہ کے روزوں تک قضا نہ کرتے ہر ایک محلہ میں ہفتہ دو ہفتہ بعد درویشوں کی مجلس سماع منعقد ہوتی۔ اور مسلم غیر مسلم اقوام پر درویشانہ اثر ڈالتی۔ اور طریقت صوفیانہ کا شوق بڑھاتی نماز تراویح میں ختم قرآن تو مریدوں کا عام معمول تھا۔ کئی ایک تمام ماہ رمضان قائم اللیل رہتے۔ اور یاد الٰہی کرتے۔ اکثر مرید۔ دو تہائی یا تہائی رات رہے بیدار ہو جاتے۔ اور بعض عابد نماز عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے ضیاء برنی لکھتا ہے۔ کہ میں ان مریدوں کو جانتا ہوں۔ جو حضرت سلطان المشائخ کی تربیت سے صاحب کشف و کرامت ہو چکے ہیں۔ سلطان علاء الدین معتقد اور اس کا خاندان مرید تھا آخر عہد علائی میں شراب خوری۔ شاہد بازی۔ قمار و فحش۔ لواطت وغیرہ فسق و فجور کا نام و نشان تک نہ رہا تھا۔ اور یہ نتیجہ حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے مدرسہ الٰہیات کی علمی و عملی تعلیم کا تھا۔ جو مریدوں کے دلوں میں اخلاق حسنہ کا بیج بوتی تھی۔ اور سفر و حضر خلاف ملامیں مکروہات شرعی کی جانب نہ جانے دیتی تھی۔ اور اس روحانی ارادت کے بغیر اخلاق کا سدھرنا حباب بر آب ہے حضرت کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ کہ ان معاصی کو بمنزلہ کفر خیال کیا جاتا تھا۔ بازاری لوگوں سے کم تولنے۔ جھوٹ بولنے۔ ملاوٹ و فریب کی عادتیں چھوٹ گئیں۔ علاء الدین کے سلطانی قانون نے بھی ایسے لوگوں کو دبایا لیکن قطعاً ان رذی عادات کا چھوڑانا گورنمنٹ کی قانونی طاقت سے باہر ہے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ عالیہ برطانیہ نے تعزیرات ہند میں یہ تمام دفعات رکھی ہوئی ہیں۔ اور گرفتاری پر کم و بیش سزا بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن استیصال کی جگہ نرقی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کے عہد میں ایسے مدارس الٰہیات کی کمی ہے حضرت کے مرید امراء ملوک (لارڈ) کتب تصوف مثل قوت القلوب احیاء العلوم عوارف کشف المحجوب۔ رسالہ قشیری۔ مرصاد العباد۔ مکتوبات[1]۔ عین القضاۃ لوائح جامی۔ ابن عربی۔ لوامع قاضی حمید الدین ناگوری۔ فوائد الفواد

[1] اس کتاب کا ترجمہ ہمارے زیر اہتمام زیر طبع ہے۔ [2] مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کا ترجمہ بھی زیر طبع ہے عجیب چیز ہے۔ عبد الرحیم

مؤلفہ امیر حسن کا مطالعہ کرتے۔ اس عہد میں تصوف کی کتابیں گراں ہو گئیں۔ حتیٰ کہ مسواک و کوزہ کی قیمت بڑھ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کو سلطان العارفین شیخ المشائخ سلطان جنید بغدادی اور شیخ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کا نمونہ (مثیل) پیدا کیا تھا۔ آپ کے لنگر میں ماسوا دیگر مخلوق کے چار صد عالم فاضل موجود رہتے تھے۔ چنانچہ لنگر میں نمک فلفل وغیرہ مصالح روزمرہ بقول مصنف مراۃ السالکین دس اونٹ کا بوجھ خرچ ہوتا تھا۔ اور ایشا خوردنی کا زیادہ حصہ لنگر کے لئے خریدا جاتا جس سے بازار میں بعض اشیاء گراں بکتیں یا کم بکتیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے لنگر میں روزمرہ کس قدر خرچ تھا۔ اور زاہدین مستغنین کا کہاں تک اجتماع تھا۔ مگر باوجود اس قدر رجوعات کے حظ دنیوی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ تمام عمر مجرد رہے۔ کوئی نکاح نہیں کیا۔ غیر مسلم اقوام خصوصاً ہندو دل پر جو ہندو ساہوں جوگیوں کے شیفتہ تھے۔ کچھ کم اثر پڑتا نہ ہوگا۔ اشاعت اسلام اسی طریقہ سے ہوئی اور آئندہ ہو سکتی ہے۔

حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے کرامات لکھنے کا یہ موقعہ نہیں۔ صرف ترقی اسلام بذریعہ صوفیائے کرام کے تائید میں ایک مشہور مورخ کی تحریر ہدیہ ناظرین کی گئی ہے۔ فن ہدایت آپ پر ختم تھا۔ ؎

زیں فن مطلب بلند نامی — کاں ختم شد است بر نظامی

حضرت سلطان المشائخ ۱۸۔ ماہ ربیع الاول ۷۲۵ھ ہجری بعمر ۹۰ ماہ ۹۰ سال عہد سلطان محمد تغلق میں فوت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط۔

شیخ علاء الدین عبادت مجسم پاک پٹن

سلطان المشائخ فرید الدین مسعود شکر گنج رضی اللہ عنہ کے زہد و ریاضت کے افسانہ آج بھی ہندو مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ اکثر ہندو قومیں آپ کی کرامات باہرہ اور فیوضات ظاہرہ اور ریاضت کی محنت شاقہ کو دیکھ دیکھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں جس سے روشن خیال اہل علم ہندو بھی

انکار نہیں کرتے۔ آپ کے مشہور خلفاء ۳۶ تھے جن میں حضرت نظام الدین اولیا دہلوی کا بیان لکھا گیا ہے۔ آپ کے جائے نشین آپ کے بھتیجے شیخ علاء الدین عبادت مجسم تھے۔ اور ریاضت میں جد امجد کا نمونہ تھے ان کا ایک منٹ بھی بغیر عبادت الٰہی ذکر و نفل کے نہ گذرتا تھا۔ رات دن یاد الٰہی میں مصروف تھے۔ چونکہ معرفت کے انتہائی درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اس لئے عموماً مستغرق رہتے۔ ضیاء برنی لکھتا ہے۔ کہ شیخ علاء الدین ان ملائکہ کا نمونہ تھے جن کی بابت لکھا ہے کہ سوا عبادت الٰہی اور کوئی کام نہیں کرتے۔ اس قسم کے زہد و عبادت استغراق و اخلاص و نیز کرامات کو دیکھ کر غیر مسلم بطوع و رغبت اسلام لاتے تھے۔ علاء الدین جو ایک پولیٹکل دماغ کا سلطان تھا۔ اس کے ہاتھ سے۔ ایک ہندو بھی مسلمان نہیں ہوا۔ اور نہ اس کو ایسی باتوں کی پرواہ تھی۔ شیخ علاء الدین سال سال اور چھ چھ ماہ تک روضہ جد امجد پر چلہ کشی کرتے۔ عبادت سے فرصت ہوتی۔ تو تلاوت قرآن۔ مطالعہ کتب حدیث یا مریدوں کی تلقین میں مشغول ہوتے۔ مگر زیادہ وقت آپ کا عبادت الٰہی میں صرف ہوتا۔ ضیاء برنی کا یہ قول بالکل درست ہے۔ کہ جب تک انسان کو خدائے تعالےٰ سے کمال محبت اور ماسوا ء اللہ سے قطع تعلق نہ ہو۔ عبادت بے تصور و فتور نہیں ہو سکتی۔ اور شیخ علاء الدین اس صفت سے موصوف اور جد بزرگوار کے لائق جانشین تھا۔

شیخ المشائخ علی احمد صابر صاحبؒ

آپ کے کمالات استغراق اور جوش عشق الٰہی اور صفات جلال کا اظہار متعدد مقامات اور اوقات میں اس طرح ہوتا رہا۔ کہ غیر مسلم لوگوں کو مبہوت و مرعوب کرتا رہا۔ اور ہندوؤں کے دلوں پر کرامات اسلامی کا رعب جماتا رہا آپ حضرت شکر گنج رضی اللہ عنہ کے نواسہ اور جناب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے تھے۔ عہد علاء الدین سے چار سال پہلے فوت ہو چکے

تھے۔ ضیاء برنی نے اس واسطے آپ کا تذکرہ نہیں لکھا اور چونکہ آپ کی زندگی کے حالات عموماً مجذوبانہ اور جلال و کمال عاشقانہ جوش و خروش سے بھرے ہیں اور اس کتاب میں حضرت صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے صرف اسی قدر حالات لکھنے منظور ہیں جس قدر کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس لئے حضرت سلطان اولیاء مخدوم علی احمد صابر صاحب رضی اللہ عنہ کے حالات سے خاموشی اختیار کیجاتی ہے۔

مخدوم رکن الدین سہروردی ملتانی

ملتان کا خاندان سہروردیہ اسلامی خدمات میں دیگر سلاسل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ خاندان سہروردیہ کا مشہور شیخ المشائخ خواجہ شہاب الدین سہروردی ہے۔ جو ۵۳۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۶۳۲ھ میں بعمر ۹۳ سال بغداد میں فوت ہوئے۔ ان کے خلیفہ حضرت بہاء الدین ذکریا المعروف مخدوم بہاء الحق بمقام کروڑ ضلع میانوالی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ تاریخ تولد

دراز بحر قدم آمد بفالم

ہے۔ جو عہد خسرو ملک غزنوی میں پیدا ۵۶۶ھ ہوئے۔ آپ قاری حافظ فاضل تھے ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد کمال باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کی فیضان تعلیم سے جلدی ہی عارف باکمال ہوکر ۶۱۴ھ میں بغداد سے روانہ ہندوستان ہوئے۔ ان دنوں ناصر الدین قباچہ محمد غوری کا غلام گورنر ملتان تھا۔ آپ کی فضیلت علمی اور کمال معنوی کا جلدی شہرہ ہوگیا۔ اور علاقہ ہندوستان کے علاوہ ہندوستان کے دیگر حصص اور اسلامی دنیا کے دیگر ممالک میں آپ کے مرید کثیر تھے۔ ہندو مسلمان آپ کے معتقد تھے۔ سندھ کی اکثر قومیں روحانی تعلیم سے اسلام لائیں۔ آپ کو اس قدر فتوحات تھیں۔ کہ ایک مرید نے سترلاکھ مہریں سونے کی خرچ لنگر کے لئے نذر کی تھیں۔ جو لوگ آج یورپ کی فیاضیوں سے حیران ہیں۔ وہ اس اسلامی چندہ کی مقدار پر غور کریں۔ کہ زمانہ اقبال میں مسلمان کچھ کم فیاض نہ تھے روحانی

مدارس (خانقاہوں) اور تعلیمی مدارس کی امداد دل کھول کر کرتے تھے۔ جس سے مشائخ کرام اور صوفیائے عظام مریدوں نو مسلموں کو مدد دینے کے قابل ہو سکتے۔

مخدوم بہاؤالحق کا روحانی کالج جس کو اُن کے عارف بیٹے اور لائق پوتے نے بہت کچھ رونق دی۔ اسلامی تعلیم واشاعت کا کام ہندوستان میں اعلیٰ پیمانہ پر کرتا رہا مخدوم بہاوالحق صاحب ۶۶۶ھ میں فوت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

حضرت مخدوم بہاوالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صوفیانہ بلند پروازی ذیل کی رباعی سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو شیخ المشائخ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کثرت مال ومنال کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

رباعی غوث بہاؤالحق صاحبؒ

دنیا شکار گاہِ کمینہ سگانِ ماست — عقبیٰ چراگاہِ خرانِ حرانِ ماست
جملہ بشر کواکب افلاک انجمن — جبریل با ملائکہ از چاکرانِ ماست
کرسی وعرش جملہ بزیر قدم نہاں — اسلام وکفر سوز دازیں امتحانِ ماست

مخدوم رکن العالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہاؤالحق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اُن کے فرزند عارف صدرالدین اور اُن کی جگہ اُن کے بیٹے مخدوم رکن الدین ابوالفتح المعروف بہ مخدوم رکن عالم صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ۶۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ حافظ قاری اور فقہ حدیث تفسیر کے فاضل تھے۔ آپ کا دائیرہ ارادت بہت وسیع تھا۔ دور دور سے لوگ آ آ کر مرید ہوتے تھے۔ دربار شاہی میں آپ کا بہت رسوخ تھا علاؤالدین خلجی خود استقبال کرتا۔ اور دو دو لاکھ تک نذرانہ پیش کرتا۔ آپ کے فیض صحبت اور کرامات دیکھ دیکھ کر ہندو اسلام لائے آپ کی خانقاہ مدرسہ الٰہیات کے تعلیم یافتہ بہت تھے مخدوم جہانیاں اور مولانا جلالی کیتوہ اس خاندان عالیشان

کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ کی کرامات وسلوک کے اظہار کا یہ موقعہ نہیں۔ صرف یہ دکھلانا منظور ہے۔ کہ عہد علاء الدین خلجی میں مخدوم رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ جیسے عارف پاکباز اشاعت اسلام بلاجبر واکراہ میں مشغول تھے۔ اور اس صلح کل طریقہ سے اسلام ہندوستان اور دیگر ممالک میں شائع ہوا۔ کسی خاص نادان بادشاہ کی کارروائی اصول اسلام کے برخلاف نظیر نہیں بن سکتی مگر ہندوستان کی تاریخ ایسے دیوانہ بادشاہوں سے قریباً خالی ہے۔

ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر صوفیائے کرام اور علمائے عظام اسی طریقہ سلف سے اسلام کو غیر مذاہب کے سامنے پیش کریں۔ اور اعلیٰ اخلاقی اور علمی نمونے دکھائیں۔ تو ترقی اسلام بدستور سابق ہو سکتی ہے گو ظاہری سلطنت نہیں رہی۔ لیکن اسلام کی معنوی حکومت بدستور موجود ہے۔ صرف کام کرنے والوں کی ضرورت ہے میدان میں آئیں۔ اور یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ کا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الخ کی تعمیل میں ایمانی صداقت کے جوہر دکھائیں۔

علمی ترقی

ان بزرگ مشائخ طریقت کے علاوہ اور کئی بزرگ بھی راستی وصداقت کے اعلےٰ نمونے تھے جو غیر مسلم لوگوں کو اپنے طرز عمل اور پاکیزگی صفات کے ذریعہ اسلام کی جانب مائل کرتے تھے۔ چنانچہ بداؤن میں سید تاج الدین اور سید رکن الدین اور کیتھل میں سید مجیب الدین اور سید مغیث الدین زہد و تقوےٰ۔ علم وفضل میں شہرہ آفاق تھے۔ علمی ترقی کے لئے معقول ومنقول کے اعلےٰ مدارس کھول رکھے تھے۔ نوہہ میں سادات کا خاندان تھا۔ جو اپنی ستودہ اخلاق سے غیر مسلموں کو شیفتہ اسلام بناتے ان کا ظاہری اور باطنی درجہ تقدس اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ دہلوی کے اکثر علماء اور مشہور سادات ان دونوں بھائیوں کے قدموں پر گرتے تھے۔ ان کا علمی کالج دور دور تک مشہور تھا۔

ان کے علاوہ ضیاء برنی نے علماء معقولات ومنقولات میں سے کئی ایک

کا نام لکھا ہے۔ جس کو وہ غزالی اور رازی کا ہم پایہ بیان کرتا ہے۔ ایسے علماء
۴۰ بیان کئے ہیں۔ جنہوں نے مختلف علوم کے کالج اور مدارس کھول رکھے تھے
ایسی تعلیم گاہوں کی امداد پبلک چندوں سے ہوتی تھی۔ اور غیر ملک کے طالب علم
بھی یہاں تعلیم پاتے۔ طالب علموں کو خرچ خوراک اور خرچ تعلیم کالج فنڈ سے
ملتا تھا۔ جو زبردست فاضل پرنسپل کی تعلیمی شہرت کے مطابق ہوتا تھا۔ یا ایسے
طالب علموں کے امداد عام فارغ البال مسلمان کرتے تھے۔ جو مسلمانوں
میں معمول رہا ہے۔ افسوس کہ گورنمنٹ علائی کی طرف سے ایسی مفید درس
گاہوں کو بہت کم مدد ملتی تھی۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ایک تو فضلائے اسلام قناعت
ورع کے اعلےٰ نمونے تھے۔ ان کو زمانہ حال کے استادوں کی طرح
صرف کشیدہ زر کا ہی خیال نہ ہوتا تھا۔ بلکہ محض نبی آدم کی بہتری کو اعلےٰ فرض
انسانی جانتے تھے۔ اور اشاعت اسلام خلائق کی نفع رسانی تب ہو سکتی
ہے کہ گورنمنٹ کی امداد پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ اور تعلیم یافتہ بزرگ تعلیمی خدمات
کے لئے اپنی ذات کو وقف کر دیں۔ اور پبلک خود تعلیمی امور میں شوق سے حصہ
لے۔ ضرور ہارون۔ مامون۔ محمود و سنجر کی قدردانی علوم کو دیکھکر علاء الدین خلجی
پر ضیاء برنی کا الزام ناقدر شناسی علوم موزون دکھائی دیتا ہے۔ لیکن زمانہ
حال کی ترقی یافتہ سلطنتوں کے طریق عمل پر خیال کیا جائے تو علاء الدین اعلیٰ درجہ کا
مدبر ثابت ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ عالیہ برطانیہ ایک صدی کے تجربہ
کے بعد تعلیمی بوجھ رعایا پر ڈالتی جاتی ہے۔ رعایا گورنمنٹ کی مفید اور پر معز زرہنمائی
سے اپنی اپنی تعلیم کا بوجھ اٹھانے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ گویا عہد علاء الدین
میں جس سیلف ہلپ کا عام طور سے رواج تھا۔ وہ اب پھر ہندوستان
میں مروج ہو رہا ہے۔ ضرور اس وقت امرائے اسلام صاحب ثروت
اور فیاض علم دوست تھے۔ اور عام مسلمان بھی زمانہ حال کی طرح محتاج
نہ تھے۔ علمی امداد ایک مذہبی فرض تھا۔ جس کے ادا کرنے کے لئے مسلمان
یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ میں داخل ہونے کے لئے تعلیم کے رفاہ عام کاموں میں
زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ اور معلمین اور متعلمین کو گورنمنٹ کی مدد کی ضرورت نہ پڑتی

اور قوم کی اس قدر آسودگی اور فارغ البالی کا باعث سلطان علاء الدین کے عہد کی امنیت اور رفاہیت تھی جس نے روزمرہ کی ما یحتاج کے نرخ مقرر کر کے غریب رعایا کی آسانی کر دی تھی۔ اور معلم و طالب علم تھوڑے خرچ میں گذارہ کر سکتے تھے۔ اسی عہد علائی کا اثر تھا کہ روم و مصر تک فضلائے علوم مختلفہ اور صناع ہندوستان میں چلے آتے تھے۔ اور ہندوستان کے فیاض اور علم دوست امرائے سلطنت سب کے گذارہ کا انتظام کرتے تھے۔

ضعف سلطنت

بقول "ہر کمالے را زوالے" اب علاء الدین کا آفتاب اقبال بھی ڈھلنے لگا گو ماتحت ملکوں میں کوئی سرکشی پیدا نہ ہوئی لیکن خاص دربار شاہی اور خاندان سلطنت میں فتور پڑ گیا۔ ضیاء برنی لکھتا ہے کہ کثرت فتوحات سے علاء الدین مغرور ہو گیا اور آخیر عہد سلطنت میں لایق عہدہ داروں کی جگہ نالایق بھرتی کئے گئے ممکن ہے۔ کہ یہ بھی وجہ ہو لیکن ہمارے خیال میں کافور غیر قوم اور غیر کفو کا اس قدر ستیلا سلطنت علائی کی بربادی کا باعث ہوا۔ سلطان کی بیماری کی خواہ کوئی وجہ ہو ہر حال میں تلون مزاج کا باعث ہو سکتی ہے۔ شاہزادوں کا قبل از بلوغ تادیب گاہوں سے نکال کر امور سلطنت میں مختار بنانا بھی نقص سلطنت کی وجہ بیان کی جاتی ہے۔ مگر اکثر شاہزادے چھوٹی عمر میں ملکی و فوجی مہمات میں شامل ہوتے رہے۔ اور یہی ان کی تربیت گاہ ہوتی تھی۔ شاہزادوں کی تربیت میں نقص تھا۔ اور سلطان علاء الدین کی آزاد مشربی بھی شاہزادوں کے بگاڑ کا باعث ہو سکتی ہے۔ شاہزادہ خضر خاں ولیعہد سلطنت کے ذمہ سوا اس کے کوئی قصور نہیں ہے۔ کہ سلطان کی بیماری کے دنوں میں تیمارداری کی پرواہ کم کرتا تھا۔ ایک سعادت مند فرزند کے لئے ضرور عیب ہے۔ مگر سلطان علاء الدین جیسے شاہنشاہ کے کئی طبیب ڈاکٹر ملازم تھے۔ خزانہ سلطان کے ہاتھ میں تھا پھر خضر خاں کیا کرتا پس یہ اعتراض درست نہیں۔

سلطان کا راز دار اور مشیر معتبر ملک کافور تھا۔ مگر غلام خواجہ سرائے اس کے

..... مقابلہ کا صرف ایک لارڈ الغ خاں رہ گیا تھا جو ملکہ جہان کا بھائی اور خضر خاں ولیعہد سلطنت کا ماموں اور خسر تھا۔ ملک کافور الغ خاں کے در پے رہتا تھا۔ مگر کوئی وار کارگر نہ ہوتا تھا۔ سلطان کو بیماری نے زندگی سے مایوس کر دیا تھا۔ تند مزاج اور غلیظ الطبع تو تھا ہی۔ اب چڑچڑا اور بدگمان بھی ہو گیا۔ کافور سے خضر خاں اور اس کی والدہ کی بے پرواہی کا گلہ کیا۔ نمک حرام کافور نے جو خود شاہ دہلی بننا چاہتا تھا۔ علاء الدین کے دل میں ڈالدیا کہ الغ خاں کے مشورہ سے حضور کے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ چونکہ علاؤ الدین خود ایسی حرکت کا مرتکب ہو چکا تھا۔ اس لئے اِس تہمت کو صحیح باور کر لیا۔ اور الغ خاں بیگناہ کو قتل کرا دیا۔ اور خضر خاں ولیعہد کو گوالیار میں اور اس کی والدہ کو محل شاہی سے نکالا گیا۔ اور شہزادہ شادی خاں جو خضر خاں کے بعد مستحق سلطنت تھا۔ وہ بھی قید کیا گیا۔ ان کے متعلقین امراء ہلاک و برباد کئے گئے۔ اور کافور نے اپنے لئے راستہ صاف کر لیا۔

زبان اردو کی ابتدا اور امیر خسرو رحمتہ اللہ عنہ

ہر ایک فاتح قوم جب کسی غیر ملک پر تصرف کرتی ہے۔ تو فاتح قوم کو مفتوحہ قوم کی زبان سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور مفتوح قوم بھی فاتحین کی زبان سیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور بغیر اس کے اُن کے روزمرہ کے کاروبار نہیں چلسکتے۔ مسلمان جب ہند و سند ھ میں مستقل طور سے حکومت کرنے لگے۔ تو ہندو مسلمانوں کو یہی ضرورت پیش آئی۔ مسلمانوں نے ابتدا میں بالعموم کم سے کم اس قدر ہندوستانی زبان کو سیکھا۔ کہ وہ ہندو رعایا کے ساتھ اظہار مطلب کر سکتے۔ زیادہ تر عربی فارسی الفاظ کی ملاوٹ سے کام نکالنے لگے اور ہندو بھی اِسی طرح اُن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو یاد کر کے مسلمانوں سے بات چیت کرنے لگے۔ یہ ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کی زبانوں کی آمیزش کی ابتدا۔

عہد غلاموں میں اسی طرح سے ایک جدید زبان کا ڈھانچا بنتا رہا اور سنسکرت اور پراکرت میں مسلمانوں کی بے تعصبی سے عربی فارسی الفاظ پیوست ہو کر اپنی اصلی

شان کھوتے رہے۔ چونکہ سلاطین اسلام ہندو رعایا کی رضامندی اور اطمینان کے دل سے خواہاں تھے۔ اس لئے انہوں نے خاص عربی فارسی کی ترقی اور ہندوستانی زبانوں کے مٹانے کی کوئی پالیسی اختیار نہ کی۔ بلکہ ہندو رعایا کی خاطر اپنی مذہبی اور ملکی زبانوں کی بربادی کے سامان مہیا کر دیئے۔ ہر ایک عہد میں کوئی نہ کوئی مسلمان زبان سنسکرت کا اعلیٰ درجہ کا فاضل نکلتا رہا۔ اور ہندوستانی زبانوں کا چرچہ مسلمانوں میں پھیلتا رہا۔ محمود غزنوی کے عہد میں البوریحان بیرونی نے زبان سنسکرت میں کمال پیدا کیا جس کی مصنفہ کتاب[1] الہند آج بھی فضلائے یورپ میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس طرح سنسکرت کی قدردانی اور برج بھاشا کی سرپرستی سے دربار شاہی میں برج بھاشا کو داخل ہو گیا گو دفتر کی زبان تو کبھی نہیں ہوئی لیکن سلاطین اور امراء دربار فضلائے اسلام کے پسند خاطر ہوئی۔ اور ہندی شاعروں کو شاہی دربار وں میں جگہ ملنے لگی سلطان علاء الدین خلجی جو اسلامی علوم سے نابلد مشہور ہے۔ وہ بھاشا بول سکتا تھا۔ اور برج بھاشا کی شاعری کے نکات بخوبی سمجھ سکتا تھا اسی قدردانی کا نتیجہ تھا کہ ہندو شاعر کدر علاء الدین کا وظیفہ خوار تھا جیسا کہ کتاب ست سنگھ بروج مطبوعہ نولکشور میں لکھا ہے۔

اسی علاء الدین کے عہد کا مشہور فاضل ایشیا کا علامہ ہندوستان کا فخر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ہندی بھاشا کی اس قدر تربیت اور سرپرستی کی کہ فارسی زبان کے مقابل برج بھاشا کو لا بٹھایا۔ ایک مصرعہ فارسی اور ایک بھاشا کا کہکر بھاشا کی عظمت کو مسلمانوں میں بڑھا دیا۔ اور اپنے پیران طریقت کے حضور میں اسی بھاشا کے ذریعہ کبھی کبھی صوفیانہ خیالات کا بھی اظہار کیا۔ امیر خسرو جیسے قادر الکلام فصیح و بلیغ کا رواج کر دہ سکہ ہر ایک کو ماننا پڑا اور موجودہ اردو کی ابتدا پڑی۔ اور مسلمانوں کی بے تعصبی آواز خیالی نے اسبات کا مطلق خیال نہ کیا کہ ان کی ملکی اور مذہبی زبانوں کو یہ جدید زبان ہضم کر رہی ہے ہندوؤں نے قومی پولیٹیکل نگاہ سے اس جدید زبان کے رواج دینے میں کوشش کی جس کی اصل و نسل تو وہی سنسکرت اور پراکرت زبانیں تھیں۔ عربی فارسی تو بمنزلہ گوشت و پوست کے تھیں۔ امیر خسرو کا سکہ ایسا چلا کہ ہندو مسلمان اسی روش خسروی کے گرویدہ ہو گئے۔ صوفی مشرب بھگت کبیر اور ملک محمد جائسی امیر خسرو

[1] اس کا ترجمہ زیر طبع ہے ہم عنقریب انشاء اللہ ہدیہ ناظرین کریں گے دیکھو صفحہ ۱۶ عبد الرحیم

کے مقابلہ میں۔ ملک محمد کی مصنفہ کتاب پدماوت بھاشا کی پہلی کتاب ہے جس کی تقلید میں تلسی داس۔ کیشب داس۔ بہاری لعل چوبے نے شاعرانہ کمال دکھایا ہے ہندوستان کے قومی شاعر بھاٹ میراثی بھی اپنی پراکرت زبانوں کو چھوڑ کر امیر خسرو رحمتہ اللہ عنہ کی ترقی یافتہ بھاشا پر مرمٹ گئے۔

بھاشا کی کتاب پدماوت کا مصنف ملک محمد شیر شاہ سوری کے عہد میں ہوا ہے اور یہ اسی کی جرأت و دلیری نتیجہ تھا۔ کہ بھاشا کو درجہ زبان حاصل ہوا۔ اور تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور شاعر و مصنف اس زبان کے ذریعہ اپنے اپنے خیالات ظاہر کرنے لگے۔ شاہان اسلام سنسکرت و بھاشا کے شاعروں کی قدر کرتے رہے اسی شیر شاہ کے دربار میں کھیم ساکن رائے بریلی ایک مشہور شاعر تھا۔ عہد مغلیہ میں جبکہ ہندو عنصر کو غلبہ ہوا۔ تو شاہان مغل کی قدردانی اور مسلمانوں کی بے تعصبی سے کئی ایک ہندو شاعر دربار اکبری میں موجود تھے۔ بابا رامداس۔ سورداس۔ تان سین۔ ٹوڈرمل۔ منوہر داس۔ بیربل۔ راجہ مان سنگھ۔ کرن مان رائے۔ جگدیش۔ گنگا پرشاد۔ جیت رام کوی۔ امرت۔ جگن ناج جگا مگ۔ امرت مسلمانوں کی سرپرستی میں قومی بھاشا کو ترقی دیکر مسلمانوں کی زبانوں کو مات دے رہے تھے۔ مسلمانوں نے کبھی بھی تنگ نظری سے نہ دیکھا کہ عربی۔ فارسی زبان کے معدوم کرنے کا آلہ تیار ہو رہا ہے۔ امرائے عظام تک مثلاً۔ عبدالرحیم۔ خان خانان۔ فیضی۔ سید ابراہیم عرف رس خاں۔ قادر بخش ہندی کے شاعر۔ اور ہندو شاعروں کے مربی و سرپرست تھے۔ مغلوں کے پر امن عہد میں یہ سرپرستی برابر جاری رہی حتیٰ کہ عہد شاہجہان میں اس مخلوط زبان کو اردو کا لقب دیکر ہندو مسلمانوں نے ہندوستان کی متحدہ زبان کا تاج پہنا دیا۔ اور بعد میں آج سے بیس سال پہلے تک مسلمانوں کی اس پروردہ یافتہ ہندو زبان میں ہندو مسلمان شاعر یکی داد دیتے رہے۔ اور بیش قیمت قومی اور مذہبی تصانیف سے اس اردو زبان کا دائرہ وسیع کرتے رہے۔ گورنمنٹ عالیہ برطانیہ نے بھی اس زبان کی سرپرستی میں دریغ نہیں کیا۔

اردو کا جاننے والا آج ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں گذارہ کر سکتا ہے۔ گو اس ہندو زبان نے عربی فارسی کو ہندوستان سے خارج کر دیا ہے مگر مسلمان پھر بھی بہ تقلید سلف اس ہندو زبان کو ہندو مسلمانوں کی سات سو سال کی متحدہ یادگار کو زندہ رکھنے کے خواہاں ہیں۔

امیر خسرو کا عروج عہد بلبن میں شروع ہوا۔ مگر شاعری کا کمال علاء الدین خلجی میں تھا۔

اس لئے اردو زبان کے اختراع کا سہرا امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ہے۔ اور عہد سلطنت کی عزت علاء الدین کو حاصل ہے۔ جب تک اردو زبان ہے امیر خسرو اور علاء الدین کا نام زندہ ہے۔ فقط۔

علاء الدین کی کامیابی پر ایک مورخ کی رائے

علاء الدین کی فتوحات اور انتظام ملک اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی کو دیکھکر بعض لوگ کرامت استدراج کہتے تھے۔ مگر نظام الدین بہردی نے جو قطعہ لکھا ہے۔ وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ واقعی بلند اقبال لوگوں کی حالت کا خاکہ کھینچ دیا ہے ؎

چو عون غیب سوئے مقبل آمد ؛ غرض پیش از تمنا حاصل آمد
ہنوز ش آرزو باشد بسینہ ؛ کہ پیش از خواست پیش آید خزینہ
بمشرق گر بود کشت مرادش ؛ زمغرب در رسد باران دبارش

سلطان کی وفات

جب شاہی خاندان اور امرائے سلطنت کا اس طرح صفایا ہو رہا تھا۔ تو چتوڑ پر رانا ہمیر دیو نے اور دکن پر ہرپال دیو داماد رام دیو نے قبضہ کر لیا۔ گجرات کو متعلقین الغ خاں نے دبا لیا۔ یہ منوحش خبریں سنکر بستر بیماری پر دانت پیستا۔ اور کچھ کر نہ سکتا۔ کافور اپنی دھن میں لگا ہوا تھا۔ آخر سلطان علاء الدین ۸ شوال ۷۱۵ھ مطابق ۱۹۔ دسمبر ۱۳۱۶ء کو اس دنیا سے چلدیا انا للہ وانا الیہ راجعون بعض کہتے ہیں کہ کافور نے زہر دیا۔ جو قرین قیاس ہے۔ علاء الدین نے بیس سال سلطنت کی۔ سچ ہے۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

رباعی

چیست دنیا سر بسر پرسیدم از دیوانۂ ؛ گفت یا خاک ست یا باد ست یا ویرانۂ
گفت آنہا چہ گوئی کاندریں دل دادہ اند ؛ گفت یا کوراند یا کراند یا دیوانہ

شہاب الدین

علاء الدین کے بعد نمکحرام ملک کافور نے اس کے پانچ چھ سالہ بیٹے شہاب الدین کو تخت نشین کیا۔ اور خود تمام کاروبار سلطنت پر حاوی ہوگیا۔ شہاب الدین کی والدہ سے نکاح بھی کیا۔ لیکن ایک خواجہ سرا سے جسکو اس عہد کا مورخ ضیاء برنی صاف لفظوں میں پیش بریدہ لکھتا ہے۔ نکاح کس طرح ہوسکتا ہے۔ یا کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ غالباً کافور کی آمد و رفت محل سرائے یا زیادہ خلاد ملا سے کسی نے بلا تحقیق نکاح لکھدیا ہے جسکو پرو فیسر دہلوی نے نقل کر دیا ورنہ کافور کا والدہ شہاب الدین سے نکاح عقل سلیم باور نہیں کرتی۔ کافور نے سب سے پہلے یہ کام کیا۔ کہ خضر خاں اور شادی خاں جو قلعہ گوالیار میں قید تھے۔ اور وارث سلطنت تھے اُن کی آنکھیں نکالنے کے لئے ایک لالچی ملک سنبل کو گوالیار بھیجدیا جس ظالم نے دونوں شاہزادوں کو اندھا کر دیا۔ شاہزادہ مبارک کو اندھا کرنے کی کوشش کی گئی۔ محل سرا ستون واقعہ دہلی کے محافظ پیادہ فوج میں گئی ایک کو مبارک کے اندھے کرنے کے لئے بھیجا۔ مبارک نے باپ کے حقوق جتلائے۔ منت سماجت کی اور موتیوں کا قیمتی ہار دیا۔ پائک مبارک پر ہاتھ نہ اٹھا سکے۔ اور واپس آکر اپنے افسروں میشر و بشیر سے مشورہ لیا۔ چونکہ سب کو یقین تھا کہ کافور خاندان علائی کے استیصال کے درپے ہے اور ہر روز اپنے رازدار خواجہ سراؤں وغیرہ سے بعد برخاست دربار جبکہ صغیر سن شہاب الدین کو محلوں میں بھیجدیا جاتا ہے علاء الدین کے خاندان کی بیخکنی کی تجویز سوچتا رہتا ہے۔ خضر خاں اور شادی خاں کو تو نکما کر چکا۔ اور اب مبارک کے درپے ہے۔ جو اولاد علاء الدین میں ایک جوان بالغ رہگیا ہے اس کو ٹھکانے لگانے کے بعد شہاب الدین کا عدم وجود برابر رہ جائیگا۔ اور خاندان علائی جس کے وہ نمکخوار ہیں مٹ جائیگا۔ پس اس نمکخواری کے جوش نے اُن پائکوں (سپاہی پیادہ) کو قتل کافور پر آمادہ کیا۔ ایک دن جبکہ سب لوگ دربار سلطانی سے چلے گئے۔ اور کافور چند خواجہ سراؤں کے ساتھ نرد و قمار کھیل رہا تھا دروازوں کو قفل لگاکر کافور کو معہ اُس کے رفقا کے قتل کر دیا۔ سچ ہے ؎

اگر بد کنی چشم نیکی مدار ٭ کہ ہرگز نیارد گز انگور بار

نہ پندار مرے درخزاں کشتہ جو ٭ کہ گندم ستانی بوقت درو

کافور کو مار کر شہزادہ مبارک کو جیل سے نکال لائے۔ اور کافور کی جگہ شہاب الدین کو نائب السلطنت

بنا دیا۔ دو ماہ تک مبارک چپ چاپ نیابت کا کام کرتا رہا جب امیروں کو اپنا خیر خواہ اور ممنون احسان بنا لیا تو شہاب الدین کو اندھا کر کے قلعہ گوالیار میں بھیج دیا۔ شہاب الدین نے تین ماہ چند یوم سلطنت کی اور کافور کی حکمرانی صرف ۳۵ روز رہی۔

سلطان مبارک خلجی

مبارک ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۱۷ء کو تخت نشین ہوا۔ سب سے اول جن پاٹکوں نے اس کو تخت دلوایا تھا۔ اور اب مغرور ہو کر جادۂ اعتدال سے باہر قدم رکھنے لگے تھے۔ ان کے افسران مشیر اور بشیر کو قتل کر کے باقی پاٹکوں کو ادھر ادھر باہر تبدیل کر دیا۔ امراء کے درجے بڑھائے اپنے غلاموں کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے۔ ایک نو عمر حسن نام قوم پردار واقعہ گجرات جس کو علاء الدین کے نائب حاجب ملک شادی نے پرورش کیا تھا۔ اور خوبصورت تھا۔ اور ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ مبارک نے اس کو پہلے ہی سال خسرو خاں خطاب دیکر اپنے عشرت خانہ کا جنرل اعظم بنا لیا اور ملک کافور کا تمام لشکر اور جائیداد اس کے سپرد کی۔ افسوس کہ اس بدچلنی میں تو اپنے باپ کی پیروی کی۔ لیکن دیگر صفات مردانہ اور عادات مجاہدانہ شاہانہ میں بالکل علاء الدین کے برعکس تھا۔ علاء الدین بقول مورخین اخیر عمر میں کافور کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا۔ لیکن مبارک شروع ہی میں خسرو کے ہاتھ میں بک گیا۔ اور دین و ایمان کے ساتھ سلطنت خاندان اور اپنی پیاری جان کو بھی کھو دیا۔

ابتدا میں ایسے حکم جاری کئے جو اس کی رحمدلی پر دلالت کرتے تھے۔ قید اور نقشہ موت نے یہ عادت اس میں پیدا کی تھی۔ تخت پر جلوس کرتے ہی قیدیوں کو رہا کیا۔ جلاوطنوں کو واپسی کا حکم دیا۔ علاء الدین کے انتظامی قوانین جس سے ملک کا امن و امان قایم تھا۔ موقوف کر دیئے۔ دکن کی فوجکشی کے سوا جس میں علاء الدین کے امراء اور تربیت یافتہ فوج کا ہاتھ تھا۔ اور تمام کام اس نے اس قدر بے حیائی کے کئے۔ کہ بقول پروفیسر دہلوی اُن کا یہاں بیان کرنا بھی کسی بے حیا کا کام ہے۔ مگر مورخین سلف جن کے شرم و حیا اور دین و ایمان پر کوئی حرف گیری نہیں ہو سکتی۔ واقعہ نگاری کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے مبارک کے بھلے برے حالات لکھتے آئے ہیں۔ میں خود صرف اس خیال سے پہلو تہی کرتا ہوں کہ اس کتاب کی غرض تالیف موجودہ اور آئندہ نسلوں کے اخلاق کا سنوارنا بھی ہے اور اسی وجہ سے کیفیا دکی بے تہذیبی کے واقعات سے اغماض

کیا گیا تھا۔ اور وہی مشکل مبارک کے واقعات میں ہے۔ ورنہ مورخ اچھے برے حالات لکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔

مبارک خلیق اور سخی تھا۔ روپیہ بیدریغ لٹاتا تھا۔ علاء الدین کے قوانین جو مصالح ملکی پر مبنی تھے سب منسوخ کر دیئے۔ شراب کی بظاہر تو مخالفت کی لیکن خود پیتا تھا۔ اس لئے علاء الدین کے عہد کی طرح بندش نہ رہی۔ بلکہ مے نوشی فسق و فجور کا دوبارہ رواج ہو گیا۔ گجرات کی بغاوت کو دبا لیا اور خضر خاں نے نہرے والہ گجرات کو فتح کر کے تمام گجرات کو بغاوت و فساد کے مادہ سے پاک کر دیا۔

مہم دکن

علاء الدین کے بعد رام دیو کے داماد ہرپال دیو نے دیوگڈھ کو لے لیا۔ اور دکن سے شاہ دہلی کا تسلط اٹھا دیا۔ اس لئے مبارک نے خود چڑھائی کی اور اس کے عہد کا یہی ایک واقعہ ہے جس میں کوئی شاہانہ عادت ثابت ہوتی ہے۔ ایک غلام ملک شاہین کو دہلی میں نائب چھوڑ کر دیوگڈھ کو روانہ ہوا۔ جونہی فوج حدود دیوگڈھ پر پہنچی۔ راجہ پال دیو اور دیگر زمیندار دور دراز علاقوں میں بھاگ گئے۔ مگر مبارک نے تعاقب سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ اور آخر شاہی فوج نے ہرپال دیو کو گرفتار کر کے حاضر کیا۔ جہاں وہ سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ تمام مہاراشٹر پر قبضہ ہو گیا۔ اور زمینداران دکن پر رعب شاہ دہلی بیٹھ گیا۔

دکن میں پہلا مسلمان گورنر

علاء الدین کے عہد میں دکن فتح ہوا۔ لیکن ملک کی حکومت بدستور ہندو راجاؤں کے پاس رہی تھی۔ وہ صرف خراج مقررہ ادا کر دیتے تھے لیکن ہرپال دیو اور دیگر زمینداران دکن کی متفقہ بغاوت نے اس دفعہ دکن کو ممالک محروسہ دہلی سے ملحق کرا دیا۔ اور مبارک نے ملک یک لکھی ایک امیر کو جو علاء الدین کا غلام تھا۔ دیوگڈھ کی گورنری پر ممتاز کیا۔ اور باقی علاقہ مہاراشٹر بھی امرائے اسلام پر تقسیم کیا گیا خسرو خاں کو تمام ملک دکن کا گورنر جنرل بنایا گیا۔ اور ملیبار کی فتح پر مامور کیا۔ مبارک چند روز دیوگڈھ میں رہکر واپس ہوا۔ اور راستہ میں مے نوشی اور عیاشی کرتا رہا۔ علاء الدین کے چچازاد بھائی ملک اسد الدین نے یہ حال دیکھکر چاہا۔ کہ مبارک کو مار کر

خود تخت پر بیٹھ جائے۔ مگر اسد الدین کے ایک رفیق نے مبارک کو اطلاع دیدی اور اسد الدین گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔ اس کے رفقا ہلاک کئے گئے۔ ملک نصرت خاں کے نو بیٹے دہلی میں اسی سازش کے جرم میں قتل کئے گئے۔ یہ وہی نصرت خاں ہے۔ جو قتل جلال الدین خلجی میں شریک تھا۔ اور عہد علائی کے ہزاروں بے گناہوں کو قتل کیا جس کا بدلہ اس کو اس طرح ملا کہ صغیر سن بچے بھی مارے گئے۔ اور یہی حال دیگر قاتلان جلال الدین خلجی کا ہوا تھا۔ کہ چند سال کے عرصہ میں سب کا نام و نشان مٹ گیا۔ ظلم دوست لوگوں کے لئے یہ سخت عبرت ہے۔

مبارک کا ظلم اور عیاشی

جبکہ تمام مدعی سلطنت ہلاک ہو چکے گجرات۔ دیوگڈھ دکن کی بغاوتیں دب گئیں تمام راجہ زمیندار امرائے سلطنت مطیع و فرمانبردار نظر آئے۔ تو انتظام سلطنت تو اپنے معشوق خسرو خاں کے سپرد کیا۔ اور خود ظلم و سفاکی پر کمر باندھی۔ ظفر خاں گورنر گجرات جیسے خیر خواہ اور لایق رکن سلطنت کو بیگناہ قتل کرا دیا۔ اور اسیطرح ملک شاہین و فاء الملک پر دردہ خاندان خود کو ہلاک کیا۔ اور یہ تمام ہتکنڈے خسرو خاں کے تھے۔ جو زبردست امرا کا کانٹا درمیان سے نکالتا جاتا تھا۔ اور دین و دنیا سے گیا گذرا مبارک نہیں سمجھتا تھا۔

عیاشی میں ایسا غرق ہوا کہ بعض دفعہ زنانہ لباس و زیور پہنکر دربار میں آتا۔ بازاری اور مسخرہ عورتیں محل ہزار ستونوں میں آتیں۔ اور امرائے کبار مثل عین الملک ملتانی اور ملک قرا بیگ جیسے جلیل القدر افسر سے جس کے ماتحت چودہ محکمہ تھے ٹھٹھہ مخول کرتیں۔ اور بعض دفعہ ننگی و عریاں سامنے آتیں۔ اور مہذب دمتین امرا کے کپڑوں پر پیشاب کر دیتیں۔ بیچارے درباری شرفا سخت لاچار تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو جو کہ خضر خاں کے پیر و مرشد تھے۔ برے الفاظ سے یاد کرنے لگا۔ لوگوں کو زیارت سے روکنے لگا۔ شیخزادہ جام کو جو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اللہ کا منی الف تھا۔ اپنا مقرب بنایا۔ حضرت خواجہ صاحب کے رونق گھٹانے کی نیت سے مخدوم رکن الدین صاحب کو ملتان سے بلایا۔ مگر وہ دونوں پاکباز تھے۔ دہلی آکر زیادہ الفت ہو گئی مبارک ناکام رہا ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ؎ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس ؎ کم زند در عیب معیوباں نفس

مسلمان سوداگر

مبارک دیوگڈھ سے خسرو خاں کو ملیبار بھیج آیا تھا۔ ملیبار کے ہندو تو بھاگ گئے تھے لیکن خواجہ تقی نام ایک مسلمان سوداگر یہ سمجھکر کہ اسلامی لشکر سے مجھ کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ نہ بھاگا اس کو کیا معلوم تھا کہ اسلامی لشکر کا سردار منافق ہے۔ جو اسلامی لباس میں اسلامیہ سلطنت کے استیصال مسلمانوں کی ایذا رسانی ہندو طاقت کی بحالی کی کوشش کر رہا ہے خسرو خاں نے سوداگر کو خوب لوٹا اور سوداگر کو گرفتار کر لیا ایک سال تک ملیبار میں رہا۔ اور کسی دولتمند کو نہ چھوڑا ملک پر خوب تسلط جم گیا۔

اشاعت اسلام بذریعہ مسلمان سوداگراں

خواجہ محمد تقی کے قصہ سے پایا جاتا ہے۔ کہ شاہان دہلی کی جنگی فتوحات سے پہلے ہی مسلمان تاجر علاقہ مدراس میں تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ دولت بھی کماتے تھے اور اسلام کی اشاعت بھی اپنے نمونہ دکھا کر کرتے تھے۔ اسیوجہ سے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ جنوبی ہندوستان میں اسلام مسلمان تاجروں کے ذریعہ پہنچ چکا تھا۔ گو اس وقت مسلمانوں کی کچھ زیادہ تعداد نہ بن سکی۔ لیکن علاقہ میں کوئی غیر مانوس اور بالکل اجنبی مذہب نہ تھا۔ تاجران اسلام اصول اسلام سے واقف دیندار لین دین میں کھرے خوش خلق تھے۔ اور واعظ مناد کے لئے یہی ضروری عادات ہیں۔ مسلمان سوداگراں کی اولوالعزمی اس زمانہ میں آجکل کے یورپین سوداگروں سے کم نہ تھی۔ خشکی و تری کی چپہ چپہ بھر زمین میں قل سیروفی الارض کی تعمیل میں تجارتی کاروبار کرتے تھے اور اسلام کی صداقت پھیلاتے تھے۔ مسلمان تاجر آجکل کی طرح پولیٹکل مخبر نہ تھے وہ سچے مسلمانوں کی طرح خدا پرست تھے۔ اور محض رضامندی الٰہی کے لئے "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ" کی ڈیوٹی ادا کرتے تھے۔ قرآن مقدس کو بلا تصنع مانتے اور دل و جان سے عمل کرتے اور غیر مسلموں کو گرویدہ اسلام بناتے افسوس کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان سوداگر اس تبلیغ کے ضروری کام کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ جو بہت کچھ کر سکتے ہیں یا کرا سکتے ہیں۔

ابن بطوطہ کی رائے رفاہ عامہ کی نسبت

ابن بطوطہ مشہور سیاح نے اس سڑک کا حال لکھا ہے جبکہ مبارک دیوگڈھ گیا تھا۔

دہلی سے دیوگڈھ چالیس روز کا راستہ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف بید کے درخت لگے ہوئے تھے۔ سڑک پر چلنے والا مسافر یہ خیال کرتا تھا۔ کہ گویا باغ کی سیر کر رہا ہوں۔ ہر ایک میل پر ڈاک کی چوکیاں تھیں ہر ایک ڈاک چوکی پر مسافر کو کھانے پینے کے کل چیزیں ملسکتی تھیں۔ مسافر کو یہ سفر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا بازار میں سے گذر رہا ہے۔

اسیطرح دہلی سے مالابار اور تلنگ تک چھ چھ ماہ کے راستہ کی سڑکیں بنی ہوئی تھیں ہر ایک پڑاؤ پر مسافروں کے لئے سرائے اور بادشاہ کے لئے ڈاک بنگلہ (شاہی محل) بنا ہوا تھا مفلس مسافروں کو ہر ایک پڑاؤ پر گورنمنٹ کیطرف سے مفت کھانا ملتا تھا۔

نوٹ مؤلف

جن لوگوں نے ہندوستان کی اسلامی بسوط تاریخیں نہیں پڑھیں۔ یا صرف یورپین مورخوں کی یکطرفہ رائیں مطالعہ کی ہیں۔ وہ شاہان اسلام کے رفاہ عام کاموں سے علم نہیں رکھتے۔ ان میں سے بعض صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ سڑکوں اور سراؤں کی ابتدا شیر خاں سوری نے کی۔ واقعی شیر خاں نے زیادہ وسیع پیمانہ پر اس رفاہ عام کام کو جاری کیا۔ اور قابل تعریف ہے۔ لیکن سڑکوں کا داغ بیل اور سراؤں کی تعمیر اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑتے ہی ہندوستان میں شروع ہوگئی۔ سلطان علاء الدین کی دولتمند گورنمنٹ اور پُرامن دامان زمانہ میں یہ کام مکمل ہوگیا۔ سڑکوں کی درستی۔ سراؤں کی تعمیر۔ مسافروں کی امداد مسلمانوں میں کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ دیگر ممالک میں خلفائے سلاطین اسلام ان مفید رعیت تجاویز کو عمل میں لا چکے تھے اور مسلمان ایسے رعایا نواز قوانین و تجاویز کے عادی تھے۔ اسلامی سلطنت کا خاصہ تھا۔ کہ رفاہیت رعیت کے لئے روپیہ دل کھولکر خرچ کرتی تھی۔ اور شاہان اسلام جو اس قسم کی فیاضیاں دکھلاتے رہے۔ وہ کسی کو دکھلانے کے لئے نہ تھیں۔ بلکہ اسلام کی حقیقی تقلید نے ان کو بیت المال (خزانہ) کا صحیح مصرف امنیت و رفاہیت رعایا کا یقین کرا دیا تھا۔ اور وہ خلق خدا کو ودیعت الٰہی اور باز پرسی آخرت کو واقعی جانتے تھے اور یہ اسلامی عقیدہ اُن کو ایسے رفاہ عامہ امور پر روپیہ صرف کراتا تھا۔ سڑکوں کی درستی کیضرورت تو ملکی اور جنگی ضرورتوں کے لحاظ سے ہر ایک گورنمنٹ کو ہوا ہی کرتی ہے۔ لیکن مفلس مسافروں کو کھانا کھلانا خدا ترسی اور غریب نوازی ثواب آخرت کی امید کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

ابن بطوطہ نے ان سڑکوں کا حال عہد مبارک میں لکھا ہے جس میں یا بعد میں اس نے دیکھا ہوگا لیکن اس تعریف کا مستحق سلطان علاء الدین تھا۔ ورنہ دو سال کے عرصہ میں عیاش مبارک کیا کر سکتا تھا۔ چھ چھ سو کوس تک اس قسم کا انتظام کرنا کئی سالوں میں ہو سکتا ہے اور یہ سب کچھ سلطان علاء الدین کی نیک یادگاریں تھیں۔ جو ہندوستان کا سب سے زیادہ طاقتور بہادر منتظم بادشاہ گذرا ہے۔

مبارک کا بھائیوں کو قتل کرنا

جب مبارک دیوگڈھ سے شرابیں پیتا اور عیشیں اڑاتا ہوا دہلی پہنچا۔ رستہ میں اسد الدین کی سازش کا پتہ لگا۔ اور اس کو معہ رفقا ٹکانا لگایا گیا۔ بقول ابن بطوطہ دہلی کے امرا نے مبارک کی جگہ خضر خاں کے دو سالہ بیٹے کو تخت نشین کرنا چاہا۔ اور مبارک نے اس جرم میں بیگناہ شاہزادہ کی ٹانگیں پکڑ کر دیوار سے ایسا پٹکا کہ بھیجا اس کا پاش پاش ہو گیا لیکن ہندوستان کے مورخوں نے نہیں لکھا۔ ابن بطوطہ نے مبارک خیر خواہ قاضی بدر الدین سے سنا اور یقین کر لیا۔ مگر دیگر مورخین کی خاموشی سے ظاہر ہے کہ مبارک کو ملک اسد الدین کے منصوبہ قتل سے شبہ پڑ گیا تھا۔ مگر جب سلطان علاء الدین کا چچا زاد بہائی تخت کے لئے کوشش کر رہا ہے اور امراء اس کے مددگار ہیں۔ تو سلطان علاء الدین کے پوتے اور خضر خاں ولیعہد کے بیٹے سے کب بیفکری ہو سکتی ہے۔ اور اسی بدگمانی میں چار اندھے بھائیوں کو قلعہ گوالیار میں قتل کرایا گیا۔ حالانکہ ان اندھوں سے اب عملی کام کیا ہو سکتا تھا۔ ان تمام منصوبوں میں خسرو خاں کا ہاتھ تھا۔ جو خاندان علائی کی بربادی سے اپنی کامیابی کے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔ مبارک نے اپنے ایک امیر ملک شاہ کو گوالیار بھیجا۔ کہ چاروں بھائیوں شہاب الدین شادی خاں۔ ابو بکر۔ خضر خاں کو قتل کر کے خدشہ مٹا دے۔ اس ظالم امیر نے اول تو صغیر سن شہاب الدین کی گردن اڑائی۔ پھر ابو بکر اور شادی خاں کو قتل کیا۔ پھر خضر خاں کے پاس آئے تو واویلا مچایا۔ اس کی ماں اور بیوی چیختی پیٹتی رہیں۔ اور قتل کیا گیا۔ چاروں لاشوں کو بغیر غسل و کفن خندق میں ڈالا گیا۔ جہاں وہ برسوں سوکھا کیں روایت ذیل اگرچہ دل لگتی ہے لیکن وجہ قتل کے لئے کافی نہیں۔ لکھا ہے۔ کہ دیولدیوی کی وجہ سے خضر خاں قتل کیا گیا۔ لیکن شادی خاں اور شہاب الدین وغیرہ کیوں قتل ہوئے۔ پس ان مظلوم شاہزادوں کا قتل علاء الدین کے

فرزند ہونے اور مدعی سلطنت کے شبہ سے ہوا تھا جس کی سزا میں خود مبارک کو بھی نامبارک انجام دیکھنا پڑا۔

خسرو خاں کے باغیانہ خیالات

جب دیوگڈھ سے خسرو خاں ملیبار آیا۔ تو برسات شروع ہوگئی۔ ناچار توقف کرنا پڑا۔ شاہ دہلی کے اقبال کے سامنے تمام سرکش دب گئے۔ ہندو راجگان مطیع ہوگئے۔ ایک سال کے عرصہ میں تمام دکن میں بخوبی سکہ بیٹھ گیا۔ کثرت دولت شوکت نے باغیانہ خیالات پیدا کرنے شروع کئے۔ یہ متمردانہ خیال یا تو مبارک کے عیاشانہ طبیعت سے پیدا ہوا۔ جس سے کہ خسرو خاں بخوبی واقف تھا۔ یا ہندو رشتہ داروں کے بہکانے سے بہرحال اس نے چاہا کہ دہلی نہ جاؤں۔ اور دکن کی وسیع ہندو آبادی میں خود مختار بن بیٹھوں۔ جب مسلمان جرنیلوں ملک تمر اور ملک تلیغہ کو خسرو خاں کی بدنیتی کا حال معلوم ہوا۔ تو انہوں نے خسرو خاں کو پیغام بھیجا۔ کہ ہم نے سنا ہے۔ کہ تم سرکش و باغی بن کر دکن ہی میں رہنا چاہتے ہو۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو ہم تمہیں ابھی قید کر کے دہلی بھیجتے ہیں۔ زنانہ صفت خسرو خاں میں یہ ہمت و حوصلہ کہاں تھا۔ کہ اتحت جرنیلوں کو چشم نمائی کر سکے۔ یا جس طرح جرنیلوں نے سچے بہادروں کی طرح صاف لفظوں میں قید کی دھمکی دی تھی۔ وہ بھی دندان شکن جواب دیتا۔ یا بہادرانہ جوہر دکھاتا۔ یا ہندو عنصری اس کو جرأت دلاتا۔ اس لئے معشوقانہ ادائیوں پر اتر آیا۔ جرنیلوں نے مبارک کو عرضیاں بھیجکر خسرو خاں کی بدنیتی کی اطلاع دی تھی۔ اور خسرو خاں نے مبارک کو لکھا۔ کہ امراء غلط تہمت لگاتے ہیں۔ آخر عشق نامراد نے مبارک کو اندھا کر دیا۔ اور خیر خواہ جرنیلوں کی عرضیوں کو غلط سمجھکر بدنیت خسرو خاں کی بات کو صحیح باور کر لیا۔ اور خسرو خاں کو دہلی بلا لیا۔ جو پالکی سواری میں سات روز کے عرصہ میں دیوگڈھ سے دہلی پہنچا۔ اور روکر ناعاقبت اندیش مبارک کے ذہن نشین کر دیا کہ امراء شاہی میری اطاعت کو ننگ و عار جانتے ہیں۔ اور ناحق جھوٹی تہمتیں نمک حرامی کی لگاتے ہیں۔ دین و دنیا سے گئے گذرے مبارک نے خسرو خاں کی خوشنودی کے لئے اُن امراء کو جنہوں نے خیر خواہی و وفاداری ظاہر کی تھی۔ قتل و قید کرا دیا۔ اور آئندہ کے لئے سچے خواہوں کی زبان کو بند کر دیا۔

ہندوؤں کا دربار میں زور پانا

اب خسرو خاں کل کاروبار شاہی پر حاوی ہوگیا۔ مسلمان امیر کچھ مارے گئے۔ کچھ بیکار ہوگئے۔ باقی دم بخود خسرو خاں کے دست نگر بن گئے ہر ایک کی جان و مال خسرو خاں کے قبضہ میں تھی۔ ذرا کسی پر خاندان علائی کی خیر خواہی یا اپنی مخالفت کا شک ہوا نہیں۔ کہ ذلیل و خوار قید و قتل کا نشانہ بنا نہیں۔ کئی معزز شریف خاندان اسیطرح تباہ ہوگئے۔ کئی ایک شریف ملازمت سے کنارہ کش ہوئے۔ ان مسلمانوں کی جگہ خسرو خاں نے ہندوؤں کو عہدے دینے شروع کئے۔ قوم پردار کے گجراتی ہندو عموماً دربار میں بھرتی ہوگئے مبارک سے یہ کہکر کہ چونکہ حضور مجھکو تسخیر صوبجات کے لئے نامزد فرماتے ہیں۔ اور اسلامی فوج مجھکو غیر اور نو دولت سمجھکر پوری پوری اطاعت نہیں کرتی۔ اور گورنمنٹ کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ میری خاص قوم پردار صوبہ گجرات میں بکثرت آباد ہے ان کو ملازم شاہی رکھا جائے۔ جو میرے ساتھ ہوکر تسخیر ممالک میں جانیں لڑائیں۔ عیاش مبارک کو اتنی عقل کہاں تھی۔ کہ خسرو خاں کی تہ کو پہنچتا۔ جھٹ حکم دیدیا کہ اپنی قوم پردار میں سے کافی تعداد فوج ملازم رکھلو۔ بقول فرشتہ مبارک کا یہ حکم۔ اس خیال سے تھا۔ کہ شاید اس قوم پردار میں سے کوئی اور بھی خسرو خاں جیسا حسین و خوبصورت نکل آئے۔ خسرو خاں نے گجرات کے اکثر ہندوؤں کو جو نان شبینہ تک محتاج تھے۔ اسیطرح بیس ہزار ہندوؤں کا لشکر فراہم کرلیا۔ اور مسلمانوں کو جواب دیا گیا۔ یا ادھر اُدھر دور دراز حصّوں میں بھیجدیا یا دلی میں ہندوؤں کا زور ہوگیا۔ بت پرستی کو رونق ہوگئی۔ اور شعار اسلام مٹ گئے۔ خسرو خاں کا ایک رشتہ دار گجرات کا گورنر مقرر ہوا جس نے مسلمانوں کے ستانے اور شعار اسلام کے مٹانے میں کوتاہی نکی۔ مبارک تو برائے نام سلطان تھا۔ جو کچھ کرتا تھا خسرو خاں کرتا تھا خسرو خاں نے اپنی ہندو فوجی طاقت بڑھانے میں صرف کثیر کیا۔ یہاں تک کہ بروایت فرشتہ چالیس ہزار سوار خسرو خاں کے ساتھ ہوگئے چند اہلی اور جاہ طلب مسلمان بھی خسرو خاں کے رفیق بنگئے۔ برہان الدین و پیر جس کی منکوحہ کی عصمت دری کا مبارک نے قصد کیا تھا خسرو خاں کا معاون ہوگیا خسرو خاں بادشاہی کے منصوبے کرنے لگا۔ ایک دن خسرو خاں کے ہندو بھائیوں نے مبارک کو شکار میں قتل کرنا چاہا۔ مگر وہ مسلمان رفقا کے اس اعتراض سے کہ اگر شکار گاہ

میں مارا گیا۔ تو مسلمان شاہی لشکر اِدھر اُدھر سے ٹوٹ پڑیگا۔ بہتر یہ ہے کہ محل ہزار ستون میں رات کیوقت قتل کیا جائے۔ یہ تجویز پاس کی گئی۔ مگر محل شاہی کے پہرہ دار اور باڈی گارڈ مسلمان تھے اور شاہان سابق کے دستور کے موافق رات کے مقررہ وقت کے بعد کوئی شخص سوائے خاص ملازمان شاہی اندر محل میں نہ رہ سکتا تھا۔ سب نکالدیئے جاتے تھے۔ اور دروازہ کا قفل لگایا جاتا۔ قفل بردار اور قفل کی حفاظت اور محل شاہی کی دیکھ بھال ایک نہایت معتبر و وفادار امیر کے سپرد ہوتی تھی جو حفاظت کا ذمہ وار ہوتا تھا مبارک کے عہد میں بھی یہی دستور جاری تھا۔ وفادار فوج شاہی محل کے پہرہ پر مقرر تھی۔ اور مبارک کا استاد قاضی ضیاء الدین کلید بردار اور سلطان کا محافظ جان تھا معمولی وقت کے بعد کوئی شخص اندر رہ نہ سکتا تھا۔ مگر خسرو خاں زنانہ خصال جس کے بغیر مبارک نہیں رہ سکتا تھا۔ اکثر محل ہی میں رہتا۔ یا بہت رات گذری گھر جاتا۔

ایک دن مبارک سے عرض کی کہ گجرات سے میرے عزیز رشتہ دار آتے ہیں۔ چونکہ میں حضور کے پاس رہتا ہوں۔ یا بہت دیر بعد جاتا ہوں۔ وہ اکثر میری ملاقات سے محروم رہتے ہیں۔ بادشاہ نے جسکو خسرو خاں کی جدائی منظور نہ تھی۔ دروازہ کی کنجیاں خسرو خاں کے حوالہ کر دیں۔ اور کہا کہ تجھ سے اور تیرے بھائیوں سے زیادہ کون قابل اعتماد ہے۔ محل شاہی کا اہتمام تمہاری قوم کے سپرد ہے۔ خسرو خاں نے اس کو نیک فال خیال کیا۔

نظم

چو فیروز دید آں چناں فال را ۞ دلیل ظفر یافت آن فال را
از اں فال فرخ دل خسروی ۞ چو کوہ قوی یافت پشت قوی

سلطان مبارک کا قتل اور خاندان علاء الدین کی بربادی

جب اہتمام دولت خانہ خسرو خاں کے ہاتھ میں آگیا۔ اور اس کے رفقار رشتہ دار ہندوؤں کو محل شاہی میں آنے جانے کی روک ٹوک نہ رہی۔ تو وہ ہتھیار بند فوج شاہی محل میں خلاف داب سلطنت آنے جانے لگے۔ عقلمند تاڑ گئے۔ کہ خسرو خاں کس خیال میں ہے لیکن چونکہ جانتے تھے۔ کہ مبارک بدست خسرو خاں بک چکا ہے۔ اس لئے خسرو خاں کے برخلاف زبان

کھونی اپنی جان کھونی ہے اس لئے خاموش تھے اور نیرنگئی تقدیر کے تماشہ کے منتظر تھے۔
اور تو کسی کا حوصلہ نہ ہوا۔ مگر جوش نمک نے قاضی ضیاء الدین کو مجبور کیا جس نے جان سے ہاتھ دھوکر مبارک سے عرض کر دیا۔ کہ خسرو خاں کس جوڑ توڑ میں لگا ہوا ہے۔ خاص و عام میں خسرو خاں کی نمکحرامی کا شہرہ ہو رہا ہے۔ آپ تحقیقات کریں۔ افواہ غلط نکلے تو خسرو خاں کا اعتبار بڑھ جائیگا۔ ورنہ حضور کی جان بچ جائیگی۔ مبارک بھلا کب سنتا تھا۔ قاضی خاں کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ کہ اتنے میں خسرو خاں بھی بن سنور کر عورتوں کی طرح سامنے آگیا۔ پھر کیا تھا مغلوب الشہوت مبارک دیکھتے ہی خسرو خاں سے لپٹ گیا۔ اور جو کچھ قاضی صاحب نے کہا تھا حرف بحرف خسرو خاں کو کہدیا۔ وہ مکار رونے لگا۔ اور معشوقانہ ناز و انداز سے کہنے لگا۔ کہ چونکہ حضور مجھ پر لطف و کرم فرماتے ہیں۔ لوگ حسد کرتے ہیں اور جب تک میری جان نہ لیں گے۔ آرام نہیں کریں گے۔ بادشاہ دلبر کے رونے سے بیتاب ہوا۔ اور سر و چشم پر بوسہ دیکر کہا کہ تیرا ایک بال بھی اپنی بادشاہی سے بہتر جانتا ہوں۔ مخالفوں سے نہ ڈر و ؎

سر سودائے تو ہرگز ز سر ما نرود　　بر رود ایں سر سودا و سودا نرود

خسرو خاں کو تسلی دیکر گھر بھیجا۔ اس واقعہ سے دوسری شب ۵ ماہ ربیع الاول سنہ ۷۲۱ھ مطابق ۲۴۔ مارچ سنہ ۱۳۲۱ء کو تمام نمکحرام محل ہزار ستون میں گھس آئے اور کمین میں بیٹھ گئے جب پہر رات گذر گئی۔ اور تمام امرا اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ قاضی ضیاء الدین چوکیداروں کی دیکھ بھال کے لئے محل شاہی میں آیا۔ اور خسرو خاں کا چچا مسمی مندل نے قاضی کو اپنے ہاتھ سے بیڑا پان دیا۔ اور باتوں میں لگا یا۔ کہ پیچھے سے جا ہر نام قوم پردار نے آکر ضرب شمشیر سے قاضی کا کام تمام کیا۔ قاضی غدر غدر کہتا ہوا شہید ہوا۔ قاضی کے ساتھ جو کوئی دو تین ہمراہی تھے۔ شور مچانے لگے۔ کہ قاضی شہید ہو گیا۔ چوکیدار اٹھے۔ جن کو خسرو خاں کے سانجھیوں نے کشت و خون سے کچھ کرنے نہ دیا۔ کچھ نمکحرام حسب قرار داد محل ہزار ستون پر چڑھ گئے۔ شور و غل سنکر بادشاہ نے خسرو خاں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے خسرو خاں باہر آیا۔ اور پھر اندر جاکر کہا کہ اصطبل کے گھوڑے چھوٹ گئے ہیں۔ سائیس انکو پکڑ رہے ہیں۔ کہ اتنے میں جا ہر اور اس کے نمکحرام بھائی کوٹھے پر چڑھ گئے۔ اور خاص شاہی دربانوں کو قتل کر کے اندر گھس گئے۔ بادشاہ بدحواس ہو کر حرم خانہ کی طرف متوجہ ہوا۔ کہ شائد جان بچ جائے۔ خسرو خاں نے دوڑ کر بادشاہ کے سر کے بال پکڑ لئے۔ بادشاہ نے خسرو خاں کو نیچے

تو گرا لیا۔ لیکن خسرو خاں نے بال نہ چھوڑے اور خسرو خاں کے ہمراہی تلواریں کھینچکر پہنچگئے۔ نمکحرام جا ہر نے تلوار سے بادشاہ کا کام تمام کیا۔ اور خسرو خاں کو نیچے سے نکال لیا۔ اور بادشاہ کا سر کاٹ کر محل ہزار ستون سے نیچے پھینکدیا۔ خسرو خاں کا بھائی حسام الدین اور جاہر اور دیگر ہندو حرم سرائے سلطانی میں گھس گئے۔ جو چاہا سو کیا۔ سلطان علاء الدین کے فرزندان فرید خاں اور منگو خاں کو ان کی ماؤں سے زبردستی چھین کر قتل کیا۔ بیگمات کو اپنے بھائی بندوں میں تقسیم کیا۔ خود مبارک کی بیوی سے نکاح کیا۔ شاہی محل لوٹ لیا۔ اسیطرح سے سلطان علاء الدین کے خاندان کا نام و نشان مٹایا گیا۔

امرائے کبار مثل عین الملک ملتانی اور وحید الدین قریشی۔ فخر الدین جونا (جو بعد میں سلطان محمد تغلق شاہ ہوا) پسران قرہ بیگ کو اسی رات محل ہزار ستون میں نظر بند رکھا تاکہ مخالفانہ کارروائی نہ کرسکیں۔ صبح کو خسرو خاں کی برادری جمع ہوئی۔ اور شہر کے علماء و شرفاء بھی بلائے گئے۔ خسرو خاں ناصر الدین کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اور بعض مسلمان امرا شاہی کو عہدے عطا کئے جو دل سے خوش نہ تھے۔ اپنے بھائی کو خان خاناں اور مندل ہندو کو رائے ریان کا خطاب عنایت کیا۔ جاہر قاتل بادشاہ کو زر و جواہر سے مالا مال کر دیا۔ بادشاہی غلاموں اور بعض امرا کو قتل۔ بادشاہ کی عورتوں بیٹیوں کو اپنے ملازموں میں تقسیم کیا قاضی مذکور کا خاندان تباہ کیا گیا۔ صرف قاضی کی بیوی عزت و جان لیکر بھاگ گئی۔ علاء الدین کے بھتیجے ملک نصرت کو بھی مروا ڈالا۔ اور کوئی وارث سلطنت رہنے نہ دیا۔ ملک فخر الدین جونا جیسے امیر اس لئے بچ گئے۔ کہ اس کا باپ غازی بیگ تغلق پوری طاقت کے ساتھ سپہ سالار و گورنر پنجاب تھا۔ ملک فخر الدین جونا کو الغ خاں کا خطاب دیا گیا۔ اور میرا خور کے عہدہ جلیلہ پر بھی قایم رکھا۔ لیکن وہ دل سے اس نمکحرام کو پسند نہ کرتا تھا۔ اور یہی خیال دیگر امراء اسلام کا تھا۔ ہاں بعض لالچی زر پرست جنکو مبارک کے قتل سے بڑے بڑے عہدوں پر خسرو خاں نے ترقیاں دی تھیں۔ وہ خسرو خاں کے معاون تھے۔ مگر ایسے لوگ کوئی مشہور مرد میدان نہ تھے۔ عموماً مسلمان خسرو خاں کو نہ چاہتے تھے۔

ہندو سلطنت اور اسلام کی ہتک

خسرو خان نے گو زر پاشی کی لیکن وہ برائے نام مسلمان تھا۔ غالباً مسلمانوں کی مخالفت

کیوجہ سے یا زمانہ حال کے قاعدہ شدہی کے مروج نہ ہونے کے سبب سے علانیہ ہندو بن سکا۔ ورنہ اسنے اپنی چار ماہ کی حکومت میں ہتک اسلام میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی مسجدوں کے محرابوں میں بُت رکھوا دیئے گئے۔ ہندو برہمن بے دھڑک جانے اور بتوں کی پوجا کرتے قرآن مجید کو کرسی و مونڈھا بنا کر ہندوؤں کو اُن پر بٹھاتا۔ گائے کا ذبح کرنا بند کر دیا۔ اور ہندو رسوم کو بجائے قواعد اسلام کے دربار میں رواج دیا گو یا دہلی میں ہندو سلطنت کمر رنئے سر سے قایم ہوگئی۔ اور ایسا موقعہ ہندوؤں کو کبھی نہیں ملا۔ پروفیسر دہلوی کا یہ خیال صحیح نہیں کہ شریف ہندو خسرو خاں کے ساتھ نہیں ہوئے۔ جبکہ مسلمان لالچی ساتھ تھے۔ اور میدان جنگ میں رفیق رہے۔ تو پھر ہندوؤں کو ساتھ رہنے میں کیا عذر تھا۔ جبکہ بُت پرستی کو عام طور سے رواج دیتا تھا۔ کہ مسجدوں میں بُت رکھے گئے۔ گاؤ رکھشا کا جھنڈا کھڑا کیا گیا۔ بلیچھ مسلمانو کی صدیوں کی غلامی سے نجات دلائی گئی۔ اگر خسرو خاں کامیاب رہتا تو ہندوؤں میں بھارت ماتا کا دیوتا شمار ہوتا۔ یہ وہی کام ہیں۔ جن کی وجہ سے سیوا جی مرہٹا قابل یادگار خیال کیا جاتا ہے۔ یا مسلمانوں کے کسی اور مخالف کا آج فخر سے نام لیا جاتا ہے۔

خسرو خاں میں دلیل عادتیں تھیں۔ اور نہائت رذیل طریقہ سے تخت حاصل کیا لیکن ہندو سلطنت کے دوبارہ قایم کرنے میں جو اس نے کوششیں کیں۔ وہ ہندو نقطہ خیال سے قابل تعریف ہیں۔ مبارک کی نالائقی سے خیال سلطنت پیدا ہوا۔ لیکن اپنی ذاتی طاقت کو بڑھانا۔ اور ہندو بھائیوں کا ایک لشکر جرار بہم پہنچانا۔ ہندوؤں کی جبلی فراست کو ثابت کرتا ہے۔ جس سے وہ حسب موقعہ مطلب نکالنے کی لیاقت رکھتے ہیں۔ اور کبھی بھی اسبات کو نہیں بھولتے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے۔

اسلامی جوش۔ اسلامی اخوت

خاندان علائی کی بربادی۔ ہتک اسلام۔ اسلامی سلطنت کی تباہی۔ ہندو گورنمنٹ کے قیام کو دیکھکر مسلمان خون جگر پیتے تھے۔ سلطان علاء الدین اور مبارک کے نمک خوار مسلمان امراء میں سے غازی بیگ تغلق جو عہد علاء الدین میں خونخوار مغلوں کے کئی بار پرخچے اڑا چکا تھا۔ اور اسم بامسمی غازی ثابت ہو چکا تھا۔ تمام واقعات کو سن سنکر

پیچ و تاب کھاتا تھا۔ لیکن چونکہ اس کا بیٹا فخرالدین جونا دہلی میں خسرو خاں کے قابو میں تھا۔ اس لئے کھلم کھلا کچھ کارروائی نہ کر سکتا تھا۔ اس نے کشلو خاں حاکم ملتان کو مبارک کا انتقام لینے کے لئے لکھا۔ کشلو خاں نے جواب دیا۔ کہ میرا بیٹا دہلی میں ہے۔ جب تک وہ نہ آ سکے میں ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا۔ غازی بیگ نے اپنے بیٹے فخرالدین جونا کو لکھا۔ کہ جس طرح ہو سکے۔ کشلو خاں کے بیٹے سمیت دہلی سے نکل آئے۔ فخرالدین ایک اولوالعزم جوانمرد شہ سوار تھا۔ اصطبل شاہی کا افسر تھا ہی۔ خسرو خاں سے کہا۔ گھوڑے بند ہے بند ہے سست و کم مشق ہو جاتے ہیں۔ ان کو باہر پھرانا مناسب ہے۔ خسرو خاں نے اجازت دی فخرالدین جونا ہر روز ایک دو کوس تک گھوڑے پھرانے باہر جاتا۔ اور واپس آجاتا اسی طرح چار پانچ کوس تک جانے کی عادت ڈالی۔ اور خسرو خاں کے نزدیک اعتبار جماتا رہا حتی کہ ایک دن دوپہر تک واپس نہ آیا۔ معلوم ہونے پر خسرو خاں نے پکڑنے کے لئے سوار تعاقب میں روانہ کئے۔ مگر غازی بیگ کے خلف الرشید کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔ غازی بیگ نے قلعہ سرستی میں دو سو سوار مقرر کر رکھے تھے اور ایک امیر کو پورے سامان کے ساتھ قلعہ کی محافظت کے لئے مقرر کر دیا تھا۔

فخرالدین جونا معہ فرزند کشلو خاں صحیح و سالم قلعہ سرستی میں پہنچ گیا۔ اور خسرو خاں کے سوار ناکام واپس گئے۔ فخرالدین بخیریت دیپالپور پہنچا۔ اور باپ نے خدا تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ اور اب کھلم کھلا انتقام خون بادشاہ کا اعلان دیدیا۔

کشلو خاں اور ملک بہرام ابیہ حاکم اُچہ غازی بیگ سے آملے۔ ملک یک لکھی حاکم سمانہ نے دغابازی کی کہ غازی بیگ کی تمام خط و کتابت خسرو خاں کے پاس بھیجدی۔ اور خود غازی بیگ پر چڑھائی کر دی۔ مگر اس منافق نے پہلے ہی حملہ میں غازیان اسلام سے شکست پائی۔ خسرو خاں کے پاس جانا چاہتا تھا۔ کہ راستہ میں زمینداروں نے پکڑ کر ہلاک کیا۔

ہندو مسلمانوں کا معرکہ

خسرو خاں کے ساتھ ضرور بعض مسلمان امیر تھے لیکن وہ کرایہ کے ٹٹو صرف روپیہ کے

لالچ کے لئے ساتھ تھے۔ ان میں نہ تو قومی سپرٹ تھی۔ اور نہ مذہبی جوش۔ اس لئے ان کا عدم وجود برابر تھا۔ خسرو خاں کو صرف ہندو فوج پر سہارا تھا۔ جس کی تعداد بقول فرشتہ چالیس ہزار سوار تک پہنچ چکی تھی۔ اور لڑائی کے لئے کافی تھی۔ مقابل صرف دو تین نمک حلال امیر تھے۔ عام مسلمان خسرو خاں کے شاہی رعب سے لڑائی میں حصہ نہ لے سکے۔ اور ایک دو طاقتور مثل عین الملک ملتانی وغیرہ دہلی میں پڑے تھے کئی مسلمان امیروں کے لواحقین چالاک خسرو خاں نے دلی میں نظر بند کر رکھے تھے۔ جس وجہ سے یہ لوگ علانیہ خسرو خاں کی مخالفت نہ کر سکتے تھے پس شاہ دہلی کے مقابلہ پر نمک حلال امیر کوئی زبردست فوج نہ لا سکے۔ مگر جس قدر فوج تھی۔ اپنے ولینعمت سلطان علاء الدین کے خاندان کے جوش انتقام میں بھری ہوئی۔ اور اخوت اسلامی کی حبل المتین میں جکڑی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ کہ بہادران اسلام کی صدیوں کی کمائی کا انحصار اسی ایک معرکہ پر ہے بصورت شکست مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ خود اسلام ہندوستان میں قائم نہیں رہ سکیگا تمام شعار اسلام مٹ جائینگے۔ اور بت پرستی کو از سر نو کمال رواج ہوگا۔ ان تمام ذاتی ملکی۔ قومی۔ مذہبی جذبات نے وفادار امراء کو جان فروشی پر آمادہ کیا تھا۔ اور مسلمانوں کے اس اتحاد اخوت نے ثابت کر دیا۔ کہ مسلمان ہندوستان سے نہیں نکل سکتے اور ہندو سلطنت کی بحالی کی کوشش ۔ چراغے بصحرا برافروختن ۔ کے مشابہ ہے۔ بعد میں بھی ایک دو دفعہ ہندوؤں نے ہندو گورنمنٹ کے بحال کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ اور ایک دفعہ کامیابی کے قریب بھی پہنچ گئے۔ لیکن غازیان اسلام نے اپنے اسلامی جوش سے ہر دفعہ ہندوؤں کو ناکام رکھا۔ جس کا ذکر عہد مغلیہ میں کیا جائیگا۔ یہ پہلی کوشش تھی۔ جو ہندوؤں نے خسرو خاں کی سرپرستی میں کی۔ اور ایسے وقت میں کی۔ جبکہ مسلمانوں میں مذہبی۔ قومی جنگی سپرٹ کا مادہ پورا پورا موجود تھا۔ اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں مسلمان پوری طاقت کے ساتھ موجود تھے۔ ہندوستان کے قدیمی رقیب مغل اسلام لانے کے جوش سے فتح ہندوستان سر پر اودھار کھائے بیٹھے تھے۔ پس اگر غازی بیگ وغیرہ کو شکست بھی ہوتی۔ تو بھی خسرو خاں اور اس کے ہندو بھائی دار الاسلام

دہلی کے تخت پر قابض نہیں رہ سکتے تھے۔ اور یہی نتیجہ بعد میں نکلتا رہا۔

معرکہ جنگ اور خسرو خاں کا انجام بد

غازی بیگ کو پہلی لڑائی تو سرستی میں پیش آئی۔ جہاں خسرو خاں کی فوج نے جس میں سپہ سالار خسرو خاں کا بھائی تھا۔ بہادران اسلام سے سخت شکست کھائی تمام مال و اسباب اور میگزین اور ہزاروں جانیں دیکر بھاگ نکلی۔ غازی بیگ نے ایک ہفتہ میدان جنگ میں قیام کیا۔ اور مال غنیمت سپاہ میں تقسیم کر دیا۔ اور فوج کا دل بڑھاتا ہوا دہلی پہنچ گیا۔ خسرو خاں نامرد سے اتنا نہ ہو سکا۔ کہ چند میل بڑھ کر مقابلہ کرے اور شاہ ہندوستان کی ابرو میں بٹہ نہ لگائے۔ مگر اس زنانہ خصلت میں یہ حوصلہ کہاں بمشکل دہلی کے حوض علائی تک نکل سکا۔ ہاں یہ چال علاء الدین کی طرح ضرور چلا۔ کہ عام زر پاشی سے فوج کو قابو کرنے لگا۔ دو اڑھائی سال کی تنخواہ پیشگی و بدی اور تمام روپیہ لٹا کر خزانہ میں ایک کوڑی نہ چھوڑی۔ مگر علاء الدین جیسی مردانگی۔ شجاعت کہاں سے لاتا۔ اور نہ ہی علاء الدین جیسے صف شکن یار وفادار رکھتا تھا۔ مسلمان جو مجبوراً ساتھ تھے اس وقت الگ ہونے لگے۔ راسخ الاعتقاد مسلمان سپاہی لے لوا کر گھروں کو چلے گئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھا کر دوزخ کا کندہ بننا قبول نہ کیا۔ طاقتور امیر عین الملک ملتانی خسرو خاں سے باغی ہو کر اوجین دوہا کر چلا گیا۔ اور خسرو خاں کی کمر توڑ گیا مجبوراً بقیہ فوج لیکر جس میں ایک دو دنیا پرست مسلمان امیر بھی تھے میدان اندرپت میں غازیان اسلام سے معرکہ آرا ہوا۔ ہندو حسب عادت اول تو بہت زور شور سے حملہ آور ہوئے۔ مگر جبکہ بہادران اسلام نے باقاعدہ حملات شروع کئے۔ تو گھبرائے اور ڈگمگائے۔ جمعہ کا روز تھا غازی بیگ نے بعد نماز جمعہ حملہ کیا۔ ملک تلیغہ اور پسر قرہ قمار جرنیل جو خسرو خاں کے ہراول تھے۔ ناموس دنیوی کے خیال سے دل کھول کر لڑے۔ اور غالباً انہیں کے رستمانہ جنگ کا نتیجہ تھا کہ غازی بیگ کے ڈیرے لٹ گئے۔ اس کے ساتھ اس کے خاص وفادار ملازم تین سو رہ گئے مگر ایسی حالت میں بھی جبکہ گرگ کہن تجربہ کار جرنیل غازی بیگ نے اللہ اکبر کے نعرے مار کر حملہ کیا۔ تو ملک تلیغہ میدان میں مارا گیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر غازی بیگ کے پاس لایا گیا۔ اور پسران قرہ قمار غازی بیگ کے ڈیروں کو لوٹتے ہوئے بھاگ گئے۔ خسرو خاں عصر

تک ہندو بھائیوں کے ساتھ جو بہ تعداد کثیر تھے۔ حرکت مذبوحی کرتا رہا۔ مگر غازی بیگ کے زبردست حملے نے اس کو ہندوؤں کی کثرت جمعیت سے کچھ فائدہ اٹھانے نہ دیا۔ اسکے ہم قوم ہندو پروار گجراتی جو دین و دنیا سے گئے گذرے سلطان مبارک کے قتل اور اس کی بیگمات پر غاصبانہ تصرف کرنے اور شعار اسلام کی ہتک سے کور وچشم کے بہادر ظفر جنگ بن بیٹھے تھے۔ یہاں وقت پر حملہ وار کاؤ پرواری ہی نکلے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے خسرو خاں بھی گھوڑے سے اتر کر اور بھیس بدل کر بھاگا جو اس کی جبلی زنانہ فطرت کو ثابت کرتا تھا۔ ادھر ادھر جو گیا نہ صورت میں بھاگتا ہوا ایک باغ میں جو اُس کے قدیم مربی شادی خاں کا تھا اس کے مقبرہ میں تین دن تک چھپا رہا۔ جب بھوک کے مارے بُرا حال ہوا۔ تو وہ باہر آیا۔ اور باغ کے محافظ سے کھانے کے لئے کچھ مانگا جس کے پاس کچھ نہ تھا۔ اسلئے خسرو خاں نے اپنی قیمتی انگوٹھی اتار کر محافظ باغ کو دی۔ کہ جاؤ بازار میں بیچکر کچھ کھانے کو لاؤ۔ جب یہ شخص بازار میں گیا۔ تو لوگوں کو شبہ ہُوا۔ حوالہ پولیس کیا گیا۔ پولیس نے خسرو خاں کا سراغ نکال لیا غازی بیگ کا بیٹا جونا گرفتار کر کے اور ٹٹو پر سوار کر کے باپ کے پاس لایا خسرو خاں نے بھوکا ہونا بیان کیا۔ غازی بیگ نے کھانا کھلایا۔ شربت پلوایا۔ اور سلطان مبارک کے قصاص میں اُسی جگہ قتل کیا گیا۔ جہاں مبارک کو خسرو خاں نے قتل کیا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مُسلمانوں کا ہندوؤں کی معاشرت پر اثر

اس سے پہلے مذہب اسلام کا جو ہندو مذہب پر اثر پڑا کئی جگہ بیان کیا گیا ہے قوم فاتح کے تمدن و معاشرت کا اثر مذہب سے زیادہ پڑتا ہے۔ معاشرت کے اسباب و ذرائع ایسے عام و قریب ہوتے ہیں۔ اور قوم فاتح کا طریق تمدن اسقدر بھاتا ہے کہ خواہ مخواہ تقلید کرنے کو دل چاہتا ہے۔ چونکہ مذہب میں عقیدہ کا تخالف ہوتا ہے اور پیشوایان مذاہب دوسرے مذہب کی برائیاں بیان کرتے ہیں۔ اس لئے اُن کے پیرو مخالف مذہب کے اثرات سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اسباب تمدن و معاشرت اُن تنگ نظر پیشوایوں کے دست تصرف سے آزاد ہوتے ہیں۔ لوگوں کو ضرورتیں مجبور کرتی ہیں۔ کہ فاتح قوم کی طرز معاشرت کو اختیار کر کے آرام و راحت یا عزت و رسوخ حاصل کریں انہیں وجوہات سے مسلمان فاتحین کا ہندوؤں کی معاشرت پر اثر پڑا۔ ہندوستان کا پہلا مسلمان فاتح سلطان محمود غزنوی رحمۃ

اللہ علیہ ہے۔ کہ جس کے بعد مسلمانوں کا فاتحانہ اور شاہانہ تعلق ہندوستان سے مسلسل رہا اور اسی مدبر اور فیاض سلطان نے ہندوؤں کو جنگی اور ملکی عہدوں پر ممتاز کیا کئی جرنیل اور گورنر ہندو تھے۔ جیساکہ عہد غزنوی میں بیان کیا گیا ہے ہزاروں ہندو فوج غزنوی میں شامل تھے۔ ایسے تعلقات ملازمت کے ہوتے مسلمانوں کی جنگی اور ملکی وردی کا پہننا اور مسلمانوں کی طرح طرز تمدن و معاشرت کا بنانا اور دونوں قوموں کا بے تکلف میل ملاپ کرنا نہایت ضروری تھا۔ ہندو فوجیں افغانستان۔ ترکستان تک برسوں رہتیں اور کام کرتیں۔ وہاں کی طرز تمدن کو ضرور قبول کرتیں۔ اور یہ بات کہ کس قدر اور کس قسم کا اثر پڑا۔ آج ہماری تحریر کو شاید ہندو صاحبان تسلیم نہ کریں۔ اس لئے ہم ان کی توجہ کو ہندو فاضل مسٹر راناڈے سرگباشی نامور جج ہائی کورٹ بمبئی کے اس فاضلانہ ایڈریس کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جو فاضل سپیکر نے بمقام لکھنؤ سترہویں ہندو سوشل کانفرنس ۱۹۱۰ء میں دیا تھا۔ اس کتاب میں وہ ایڈریس پورا پورا لکھنے کا موقعہ نہیں ہے جس کو شوق ہو۔ ہندو سوشل کانفرنس اخبار مسلم پونہ۔ روزانہ پیسہ اخبار لاہور کو مطالعہ کرے یہاں اس ایڈریس کے بعض فقرات کا سند اً اقتباس کیا جاتا ہے۔

شمالی ہند اور جنوبی ہند کے ہندوؤں کی طرز معاشرت میں بھاری فرق پایا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے۔ کہ شمالی ہند میں مسلمانوں کا فاتحانہ اور شاہانہ تعلق جنوبی ہند کی نسبت زیادہ رہا۔ اس لئے شمالی ہند کے ہندو عموماً اسلامی معاشرت کے قالب میں ڈھل گئے۔ اور لباس صورت شکل میں کئی ہندو خاندانوں اور شریف مسلمانوں میں برائے نام امتیاز رہ گیا۔ اور ہندوؤں کی معاشرت میں ایک حیرت انگیز انقلاب ہوا۔ یہ انقلاب مذہب سے بڑھکر پائیدار مؤثر اور مفید تھا جبکہ سلطان محمود غزنوی نے فتوحات شروع کیں اس وقت کے ہندوؤں کی حالت معاشرت پر غور کرنے سے اس انقلاب کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔

اس امر کا پتہ لگانے کے لئے کوئی ہندو تاریخ تو ملتی نہیں جیساکہ مسٹر راناڈے نے لکھا ہے۔ اس وقت کے سیاحوں البیرونی[1] فاضل سنسکرت کی تحریر جو عربی سے جرمنی اور جرمنی سے انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اور نہایت مستند ہے۔ اور عبدالرزاق سیاح ۱۴۵۰ء ابن بطوطہ اور روسی اور وینیشیا کے سیاحوں کی تحریروں سے نتیجہ نکالتا ہے۔ کہ اس وقت کے ہندوؤں میں علمی قابلیت کا مادہ نہیں تھا۔ اور خیالات باطلہ کی طرف عقیدہ

[1] اس سیاح کی نامور کتاب کا ترجمہ ہمارے ہاں زیر طبع ہے دیکھو صفحہ ۱۶۰ کتاب ہذا۔

جما ہوا تھا۔ ہندوؤں میں نہ تو جمہوری خیالات کا رواج تھا۔ اور نہ مساوات انسانی بیشمار فرقہ عظمت اور ذلت کے اوج و حضیض میں گرفتار ہیں جس سے عوام کتنی کوشش کریں نہ تو بڑھ سکتے ہیں۔ اور نہ موروثی عظمت سے گر سکتے ہیں۔ ہندوستانی عورتیں بیکس و بے اختیار ہیں۔ عام ہندو میلے کچیلے رہتے ہیں۔ پاکیزگی کا نام و نشان نہیں ہے۔ عادتیں روی ہیں چند خدا پرست برہمنوں کے سوا عام ہندو باطل پرست ہیں۔ برہمن بھی بجائے عملی نمونہ کے لفاظی لسانی کو برتتے ہیں۔ اور اس کو اپنی دانائی تصور کرتے ہیں۔ ہندو سردار طماع و ظالم ہیں۔ اور اجتماعی طور پر کوئی رفاہ عام کا کام نہیں کرتے۔ بزدلی و رزالت عموماً پائی جاتی ہے۔ پراگندگی و انتشار بیشمار ہے۔ کوئی نظم و نسق نہیں۔ جنوبی ہند کے سیاح کہتے ہیں۔ کہ مرد و عورت سب کالے وحشی بے انتہا ذاتوں میں تقسیم اپنے اپنے بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ کہ جنکی تعداد ہندو فرقوں اور ذاتوں کیطرح بیشمار تھی۔ انسانی قربانی دیتے ہیں۔ عورتیں ستی ہوتی ہیں۔ اور بعض ہندو مذہبی خیال سے دریا گنگا میں ڈوب کر خودکشی کو مقدس ایثار جانتے ہیں۔ مندروں میں بتوں کی گاڑیوں میں کچلکر جان دینا ذریعہ نجات مانتے تھے۔

شاہ بابر نے جو صحیح واقعہ نگاری میں مشہور ہے۔ اور نتیجہ نکالنے اور حقیقت کے سمجھنے میں عام سیاحوں اور مصنفین سے ممتاز ہے۔ توزک بابری میں لکھتا ہے حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی مستقل سلطنت کو قریباً تین سو سال گذر چکے تھے وہ گرم و سرد چشیدہ شاہنشاہ بیان کرتا ہے۔ کہ ہندوستان ایسا ملک ہے کہ جس میں اچھی چیزیں بہت ہی نایاب ہیں۔ آدمی یہاں کے خوبصورت نہیں ہیں۔ دوستانہ جلسوں کے لطف اٹھانے اور ازادانہ بے تکلفانہ زندگی بسر کرنے کے طریقہ نہیں جانتے۔ باہمی میل جول ربط و ضبط جو تمدن کے اصول ہیں۔ اُن پر کم عمل کرتے ہیں۔ ان میں نہ تو قوت ایجاد ہے نہ قوت اخذ نہ دلربائی نہ مہر و محبت۔ جو ہاتھ کے پیشہ کرتے ہیں۔ ان کی ساخت میں انہیں کچھ ایجادی طاقت نہیں ہے۔ اور نہ اُسے وہ ٹھیک بنا سکتے ہیں۔ اور نہ تعمیرات میں ان کے مجوزہ نقشہ کچھ علم و ہنر کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ لوگ اچھے گھوڑے بھی نہیں رکھتے۔ یعنی شاہسوار نہیں ہیں نہ یہاں اچھے انگور تربوز ملتے ہیں۔ نہ اچھے میوہ و پھل نہ ٹھنڈا پانی برف نہ اچھی غذا نہ روٹی ان کے بازار میں میسر آسکتی ہے نہ عام ملک میں حمام ہیں نہ مدارس اس ملک میں نہریں اور

نائے بھی نہیں۔ باغ اور محلات بھی ندار دہیں۔ وہ اپنے گھروں میں اس بات کو بھی نہیں سیکھتے کہ ملک کے آب وہوا کی موافقت اور قدرتی خوشنمائی کیا چیز ہے اِن کے ادنےٰ درجہ کے لوگ اور دیہاتی باشندے چاروں طرف ننگے صرف لنگوٹی باندھے پھرتے ہیں عورتیں بھی فقط لہنگا پہنتی ہیں۔ یہ تھا اسوقت کا ہندو طرز معاشرت جس پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ تمام باتیں مسلمان حملہ آوروں کے غرور اور ناواقفیت کا نتیجہ نہیں۔ لیکن محقق مسٹر راناڈے اس موقعہ پر لکھتا ہے۔ کہ اُن علل پر صحیح صحیح قیاس کرنے سے جو اقوام عالم کے اوج وحضیض کا باعث ہوا کرتی ہیں۔ اس کی تائید نہیں نکلتی۔ یہ سمجھ میں کیونکر آسکتا ہے کہ پروردگار عالم نے اس قدر جم غفیر کو جو ہندوستان کے سے براعظم میں بستا ہے صدہا سال تک ... ایک بیگانہ قوم کے دباؤ اور پھندے میں پھانس دیا ہو بغیر اس کے کہ ان کا دباؤ اور لوگوں کی تقویت اور گفتار کردار کی ترقی میں اسیطرح کی مدامی خدمت کرتا ہو۔ کہ ہندوستانیوں کی جو بڑی بڑی کوتاہیاں اور کمزوریاں ہیں۔ اُن کو دور نہ کرے۔ ایک بات کا تو ہمیں پورا پورا یقین ہے۔ کہ پانچسو برس کے بعد مسلمانوں کی سلطنت کمزور پڑ گئی۔ اور پنجاب میں وہاں کی دیسی اقوام کو موقعہ ملگیا۔ کہ وہ اپنی قوت پھر حاصل کریں۔ جنہیں ابتدائی حملہ آور مسلمانوں نے نہایت آسانی سے مغلوب کر لیا تھا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلامی سلطنت نے مخلوق کو ذلیل اور پست نہیں کیا تھا۔ کہ وہ پیشتر سے زیادہ مضبوطی واستحکام کے ساتھ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے ہوں۔

اگر اقوام ہند کو ایسے آدمیوں کے میل جول سے اور ان لوگوں کی نظریں دیکھکر جو اُن سے جسمانی طور پر زیادہ مضبوط اور بہت بڑے قوی تھے فوائد حاصل نہ ہوئے ہوتے۔ تو وہ اس قابل ہرگز نہ ہو سکتے تھے کہ وہ اس صورت سے دعوے خود مختاری کرتے جسطرح کہ انہوں نے (سکھوں) کیا۔ اور جس کی گواہی تاریخ دیتی ہے۔

اس بہت بڑے انقلاب سے قطع نظر کرکے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں سلطنت مغلیہ پر زوال آگیا۔ اور وہ پارہ پارہ ہوگئی۔ اور اس کی جگہ بیرونی اقوام نے نہیں بلکہ ہندوستانی قوموں نے از سر نو سرسبز ہو کر لی اٹھارہویں صدی کا ہندوستان اس عہد وستان سے کہیں زیادہ قوی اور بہتر تھا۔ جس کو ۱۱۰۰ء سے لے کر ۱۷۰۰ء تک سیاحوں نے دیکھا تھا۔ اور یہ تجدید قوت اکبر کے عہد سے شروع ہوئی۔

مسٹر رانا ڈے عہد مغلیہ کے خوبیوں کے اقرار کے بعد جسکو کہ ہم عہد مغلیہ حصہ سوم میں لکھیں گے۔ صاف لفظوں میں تسلیم کرتا ہے۔ کہ حکومت اسلامیہ نے ہندوؤں کے طرز انداز اور شوق و مذاق میں بھی پیدا کر دی ہے فن حکمرانی کو اہل اسلام ہندو راجاؤں سے بہتر جانتے تھے۔ ہندوؤں میں فنون حرب و جنگ جبتک کہ مسلمان یہاں نہ آئے بہت ہی بری صورت میں تھے۔ مسلمانوں نے یہاں بارود کا استعمال کیا۔ توپیں بنائیں بہت سی دستکاری کے کام ایجاد کئے اور کلوں سے کام لینا سکھایا۔ بہت سی دستکاریوں کے نام ہندو زبان کے نہیں ہیں۔ مثلاً فتیلہ سوز۔ کاغذ۔ بلور۔ زین۔ چارجامہ وغیرہ کئی خانگی اسباب فن موسیقی کے مزامیر۔ طب۔ ہیئات کو مسلمانوں نے ترقی دی مسلمانوں نے جغرافیہ اور تاریخ کی کتابیں لکھیں۔ جو ہندوستان میں سب سے پہلی چیزیں تھیں۔ شاہراہیں۔ سڑکیں بنوائیں۔ ڈاکخانہ اور رفاہ عام عمارتیں چنوائیں نہریں اور نالے کھدوائے۔ باغات لگوائے ہندوؤں کے مذاق بدلائے۔

یہ ایک ہندو فاضل زمانہ حال کی شہادت ہے جس میں وہ عموماً تمام ترقی یافتہ امور درج ہیں۔ کہ جو ایک مہذب اور متمدن یورپ کے لئے باعث فخر ہیں مسٹر رانا ڈے نے علوم کا ذکر نہیں کیا جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان فارسی مبسوط تاریخوں کا مطالعہ نہیں کر سکا۔ کہ جن کے حوالہ سے ہمنے لکھا ہے کہ عہد التمش۔ بلبن۔ علاء الدین میں معقول و منقول کے کئی فاضل اور اُن کی سرپرستی میں کئی ایک کالج تھے۔ یونانی۔ فلسفہ ہیئت۔ ریاضی۔ طب۔ سائنس کا اسوقت مسلمانوں میں کمال عروج تھا۔ غزالی۔ رازی طوسی وغیرہ جیسے اعلےٰ درجہ کے مسلم اور مستند استاد اسی زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ علمائے ظواہر کو شکایت تھی کہ چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان میں علوم معقول کا اس قدر زور ہو گیا۔ کہ علم حدیث کا قریباً قریباً رواج اُٹھ گیا تھا۔ اور اس نقص کے دور کرنے کے لئے مصر کا ایک فاضل عہد علاء الدین خلجی میں ہندوستان میں آیا تھا لیکن ملتان تک آکر واپس چلا گیا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے حصول علم حدیث کی وجہ یہی بیان کی جاتی ہے۔ کہ ہندوستان میں معقولات کا بہت رواج ہو گیا تھا۔ ان صورتوں میں یونانی علوم نے مسلمانوں کے ذریعہ ہندوستان میں قدم رکھا۔ اور ہندو فلسفہ و حکمت پر جو کہیں کہیں فاضل برہمنوں کے سینوں یا کتب پارینہ میں مخزون تھی۔ اپنا اثر کیا۔ طب

میں مسلمانوں کو کمال تھا۔ ہر ایک عہد میں چیدہ چیدہ ڈاکٹر (طبیب) ہندوستان کی خدمت کرتے رہے۔ علاء الدین کے عہد میں ڈاکٹر بدرالدین دمشقی تھا جس کی نسبت ضیاء برنی لکھتا ہے کہ اگر چند حیوانات کا قارورہ شیشی میں ڈال کر اس کے پاس لیجاتے۔ تو وہ ہر ایک حیوان کا نام بنام قارورہ بتلا دیتا تشخیص مرض اور علاج کا یہ عالم تھا۔ کہ جو جاتا عموماً شفا پاتا اور ایسے طبیب یونانی اکثر ہندوستان میں ہوتے رہے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہندو ویدک طب جس کا مدار جڑی بوٹیوں پر تھا۔ مسلمانوں کے علم کیمسٹری میں جذب ہو چکا تھا خواص نباتات کے جاننے میں تو کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسی تفوق کا نتیجہ تھا۔ کہ انگریزی عہد سے پہلے تمام ہندوستان میں یونانی طبیب مرجع عوام تھے اور کئی ایک ہندو بجائے ویدک یونانی طب کے ماہر تھے۔

جبکہ مسلمانوں کے علوم و فنون کا اسقدر دائرہ وسیع تھا۔ انکے تمدن و معاشرت کے سامان بکثرت ہر جگہ موجود تھے تو اس سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ ہندوؤں کے لباس۔ خوراک۔ خانگی ضروریات پر مسلمانوں کی طرز بود و باش کا اثر پڑا۔ جس کے صریح نشان شمالی ہند میں ہر جگہ موجود ہیں۔

پس جو فوائد ایک مہذب قوم و گورنمنٹ سے کسی غیر ملک کی رعایا کو پہنچ سکتے ہیں۔ وہ اسلامی گورنمنٹ کے زمانہ میں ہندوؤں کو حاصل ہوئی۔ جرأت و آزادی جس سے آج ہندو مفید قوم و ملک کام لے رہے ہیں۔ سب مسلمانوں کے سکھلائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر رانا ڈے سر گباشی اقبال کرتا ہے۔ اور یہ خاصہ صرف اسلامی گورنمنٹ کا ہی رہا ہے کہ ماتحت قوموں کی جنگی سپرٹ کو زائل نہیں ہونے دیا بلکہ اور ترقی دی جسکا بیان عہد مغلیہ میں لکھا جائیگا۔

تجارت کا مذاق اس وقت دنیا میں صرف مسلمانوں کو ہی تھا دنیا کے دور دراز ملکوں میں تجارت کرتے تھے۔ غیر ملکوں کی اشیاء یہاں لاتے۔ اور ہندوستان کی قدرتی پیداوار کو غیر ممالک میں پہنچاتے۔ جس کی تقلید ہندوؤں نے بھی شروع کی یا کم سے کم تجارت داخلیہ کے لئے مستعد ہو گئے۔ اسلامی گورنمنٹ نے کبھی کوئی ایسا قانون جاری نہیں کیا۔ کہ جس سے ہندوؤں کی تجارت روکی جاوے۔ اور مسلمانوں کی تجارت بڑھے۔ ایشیا کے چیدہ صناع ہندوستان خصوصاً دہلی میں لائے گئے۔ اور انجینرنگ اور فن معماری نے ہندوؤں پر پائیدار اثر ڈالنا شروع کیا۔ اور اپنی بعدی دستکاریوں میں ترمیم شروع کی۔ زراعت میں

باغات کا لگانا۔ نہروں کا کھدوانا۔ اور انسانی فطرت سے حظ اٹھانا مسلمانوں کی ایجاد ہے سینکڑوں قسم کے پھل پھول میوہ دار درخت ہندوستان میں مسلمان لائے جنگلوں کو کاٹ کر نئی آبادیاں قائم کیگئیں اور یہی کام ایک عمدہ گورنمنٹ کے ہو سکتے ہیں آزادی مذہب اور امن و امان عدالت کے بارہ میں پہلے مفصل لکھا گیا ہے۔

اے۔ مارسڈن صاحب کی تاریخ مروجہ مدرسہ تعلیم

ہم نے ۱۹۰۸ء میں بذریعہ پیسہ اخبار لاہور ایک بسیط آرٹیکل میں لیتھبرج صاحب کی تاریخ ہند مروجہ مدارس کی اُن خلاف واقعہ غلطیوں کو پبلک کے سامنے پیش کیا تھا جس سے شاہان اسلام پر تعصب دشمن آزاری جبراً مسلمان کرنے کا الزام لگایا تھا۔ اور مسلمان فاتحین کو محض زر دوست لوٹیرے ثابت کیا گیا تھا۔ اور بعد ازاں اسی مضمون کا ایک پمفلٹ ایجوکیشنل کانفرس امرت سر منعقدہ دسمبر ۱۹۰۸ء میں پیش کیا گیا تھا۔

حکام تعلیم کے ہم مشکور ہیں کہ لیتھبرج صاحب کی تاریخ کو سکیم آف سٹڈی سے خارج کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی جگہ جناب اے مارسڈن صاحب بی اے کی تاریخ کو تاریخی کورس قرار دیا گیا ہے جس میں لیتھبرج صاحب کی طرح وہ غلط اور دل آزار فقرہ تو نہیں۔ کہ سلطان محمود کے ہندوستان کی دولت پر دانت تھے ہی لیکن وہ یہاں کے بانکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا" اور یہی تہمت بہادر محمد غوری پر تھی۔ مگر اے مارسڈن صاحب کی تاریخ میں اس سے زیادہ دل شکن فقرات خلاف واقعہ درج ہیں۔ یہ کتاب[1] ہم کو ایسے وقت میں ملی جبکہ خاندان غلامان تک ہماری اسلامی تاریخ کے پروف چھپ چکے تھے۔ اس لئے موقعہ موقعہ پر ہم مارسڈن صاحب کے خیالات کی تردید نہیں کر سکے مجبوراً خاتمہ پر عرض کیا جاتا ہے۔ یہ بحث کسی کاوش یا خود نمائی پر مبنی نہیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ ہماری اس اسلامی تاریخ یعنی اصلاح کا موضوع یہی ہے۔ کہ یورپین مورخوں نے جو ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر سیاہ پردہ ڈال رکھا ہے۔ اس کو اٹھایا جائے۔ اور تاریخ کا روشن پہلو دکھایا جائے۔ اس خیال سے مارسڈن صاحب کی تاریخ پر نظر ڈالی جاتی ہے۔

مارسڈن صاحب نے ہند و عہد کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید و تردید میں لکھنے کا حق زیادہ تر ہندو فضلا کو ہے ہم صرف اسلامی عہد کی نسبت لکھتے ہیں۔

[1] یہ کتاب اوائل مئی میں دستیاب ہونے پر صوفی صاحب کے قابل اعتراض مقامات پر نشانات لگا کر روانہ کیگئی تھی۔ عبدالرحیم

مسلمانوں کا عہد صفحہ ۱۰۵ سے شروع ہوتا ہے۔ عرب کے جغرافیہ اور اقوام پر چند سطریں لکھی ہیں۔ جنکا تعلق ہندوستان سے کچھ بھی نہیں تھا حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر تعلیم کے بعد عربوں کی فتوحات کا حال لکھا ہے۔ اور وجہ فوج کشی لوٹ گھسوٹ بیان کی ہے۔ اور یہ چوٹ اسلام کے ممتاز عہد خلافت راشدہ پر ہے گویا مسلمانوں کا دعوے کہ فتح ممالک صحابہ کرام نے مظالم کے دور کرنے اور سچائی کے پھیلانے ملکوں کے امن و آمان قایم کرنیکیلئے شروع کی اس دعوے کو مارسڈن صاحب نے اس ایک فقرہ سے اڑا دیا ہے کہ لوٹ گھسوٹ جو آئی تو اور ملکوں کی فتح کرنیکی آرزو پیدا ہوئی۔ یہ الزام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور جماعت صحابہ پر ہے جنکے قول و فعل کو اصولاً اسلام میں بہت کچھ دخل ہے۔ پس مارسڈن صاحب کا یہ فقرہ تاریخ کے خلاف اور مذہب اسلام پر حملہ ہے جو تعلیمی کورس کے شایاں نہیں ہے۔

صفحہ ۱۰۷ کے اخیر میں لکھا ہے۔ کہ سو برس کے عرصہ میں۔ فارس۔ ترکستان۔ افغانستان اور آس پاس کا ملک فتح ہو گیا۔ اور ان سب ملکوں نے دین اسلام قبول کر لیا۔ ان سو برسوں کے تسخیر شدہ ممالک میں ہندوستان کا نام درج نہیں کیا گیا۔ جسکے مغربی صوبجات سندھ گجرات۔ ملتان میں کئی فاتح مسلمان ظفرمندی کا علم گاڑ چکے تھے۔ مہلب اور محمد بن قاسم اسی سو سال کے اندر مشہور فاتح اور منتظم گذرے ہیں۔ جنکے حالات مفصل اس اسلامی تاریخ میں قبل ازیں لکھے گئے ہیں۔ افسوس کہ ہندو عہد میں تو مارسڈن صاحب نے ادنے اور گمنام قوموں کا حال لکھدیا۔ اور عربوں کی فتوحات اور ملک گیری نظم و نسق کو بالکل اڑا دیا عرب زمانہ فتح سے لیکر برابر سندھ میں جمے رہے ایسی قوم کی تاریخ پبلک کی نگاہوں سے واجبل میں رکھنی۔ مورخانہ کانشنس سے بعید ہے اور کہنا پڑتا ہے۔ کہ مارسڈن کی تاریخ نامکمل اور تعلیمی کورس کے قابل نہیں ہے۔ مارسڈن صاحب کا یہ قول بھی درست نہیں۔ کہ سو برس کے عرصہ میں ممالک فارس۔ ترکستان۔ افغانستان سب ملکوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا اس زمانہ میں بہت ایسی قومیں ممالک مذکورہ میں ابھی تک پرانے مذہبوں پر قایم تھیں۔ اور عرصہ تک رہیں۔ خالص افغان زیادہ کثرت کے ساتھ عہد محمود غزنوی اور محمد غوری میں دین اسلام میں داخل ہوئے۔ ترکوں نے سو برس کے بعد بھی کئی دفعہ اسلام کی مخالفت میں سر توڑ کوششیں کیں۔ معلوم نہیں کہ مارسڈن صاحب نے کس تاریخ سے یہ روایت اقتباس کی ہے مارسڈن صاحب مسلمانوں کا عہد سلطان محمود غزنوی سے شروع کرتا ہے سامانی اور

خاندان غزنی کی ابتدائی تاریخ سے قطع نظر کرتے ہوئے جسکی کمی کو طالب علم ہمیشہ محسوس کیا کریگے۔ سلطان محمود کیوجہ حملہ کو طمع دولت ہی بیان کرتا ہے۔ جو بچپن سے ہندوستان کے تجارتی قافلوں کو دیکھا اور قافلہ والوں سے ہندوستان کے مندروں کی دولتمندی کی داستانیں سُن سُنکر پیدا ہوا تھا معلوم نہیں کہ مارسڈن صاحب کے پاس کیا سند ہے محمود کا بچپن کا زمانہ وہ ہے جبکہ اسکا باپ ابھی دربار غزنی میں امارت کے معزز عہدہ پر نہ پہنچا تھا۔ ایسی حالت میں محمود کے دل میں مندروں کے لوٹنے کا خیال پیدا ہونا مشکل سے باور ہو سکتا ہے۔ اگر کبھی انسانی طبیعت کے تقاضا سے ایسا خیال آیا بھی ہو۔ تو اس پر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ وہی خیال ہمیشہ اس کے دلمیں جما رہا۔ اور بادشاہ ہوکر برابر آور ہوا۔ مارسڈن صاحب سبکتگین کی تاریخ اور جیپال کی تدابیر مدافعانہ پر نظر نمائیر ڈالتا۔ تو اس کو سلطان محمود کے فطرتی طماع ولالچی بنانے کے لئے اسقدر تکلیف نہ کرنی پڑتی محمود کی تعریف کرنے کے بعد اسکے طامع ہونیکے ثبوت میں فردوسی کا قصہ لکھا ہے جسکی بابت ہم اس کتاب میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ ایسے شاہ اعظم کا حال صرف دو صفحوں پر لکھا گیا ہے۔ اور بہت سے ضروری حالات چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ محمود کے خاندان کی تاریخ جسکا تعلق ہندوستان سے قریباً ڈیڑھ سو سال تک رہا۔ مارسڈن صاحب کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ اسلئے عہد اسلامیہ کا مکمل فوٹو نہیں ہے اور طالبعلموں کا علم تاریخ ناقص ہی رہے گا۔

محمد غوری

محمد غوری کو فتح غزنی کے وقت غور کا بادشاہ لکھتا ہے۔ حالانکہ بچہ بچہ جانتا ہے۔ کہ اسوقت غور کا بادشاہ محمد غوری کا بھائی غیاث الدین تھا جسکی ماتحتی میں وہ ہندوستان پر حملات کرتا رہا۔ جس کتاب میں ایسی صریح غلطی ہو۔ وہ سرکاری مدارس کا تعلیمی کورس مقرر ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی۔ مارسڈن صاحب لکھتا ہے کہ ۱۱۹۱ء میں شہاب الدین نے ہند پر پہلا حملہ کیا۔ اور سیدھا دہلی کیطرف ہولیا جس کی تائید تاریخی کتابوں سے نہیں ہوتی ہندوستان میں پنجاب بھی داخل ہے جسپر اس سے پہلے محمد غوری کئی حملات کر چکا تھا۔ پشاور۔ گجرات سیالکوٹ۔ لاہور۔ سرہند کیا ہندوستان میں داخل نہیں۔ جو جنگ پتھی راج سے پہلے

حملات کے زد میں آچکے تھے۔ اور یہ درست نہیں۔ کہ ۱۱۹۲ء میں سیدھا دہلی کیطرف ہولیا۔ محمد غوری نے لاہور کی فتح کے بعد سرہند کو فتح کیا۔ اور سرہند سے واپس غزنی کو جارہا تھا۔ کہ راجہ پرتھی راج کی چڑھائی کی خبر سنکر واپس ہوا۔ اور تھانیسر کا معرکہ ہوا۔ جس تاریخ میں ایسی صریح غلطیاں ہوں۔ اسکو تعلیم مدارس میں داخل کرنا غلطی اور گمراہی کی تائید ہے۔

مارسڈن صاحب نے شکست تھانیسر کے ذیل میں لکھا ہے کہ جو افغان زندہ بچے وہ سندھ پار بھاگ گئے گویا پنجاب سے محمد غوری کی حکومت اٹھ گئی حالانکہ لاہور میں معتبر اور بہاء الدین سرور غوری قابض رہے۔ بلکہ عرصہ تک قلعہ سرہند بھی بارہ سو مسلمانوں نے نہ دیا۔ راجہ پرتھی راج کا عمل دخل خاص حصہ پنجاب اور ملتان پر نہیں ہوسکا۔ مارسڈن صاحب کا یہ خیال درست نہیں۔

شہاب الدین غوری کے دوسرے حملہ کیوجہ جے چند راجہ قنوج کا پیغام اور سازش تاریخ مارسڈن صاحب میں لکھا ہے جس کی بابت ہم پہلے تذکرہ محمد غوری میں مفصل بحث کرچکے ہیں۔

مارسڈن صاحب نے یہ بھی کتب تاریخ کے خلاف لکھا ہے۔ کہ محمد غوری نے پرتھی راج کی شکست کے بعد پہلے دہلی لیا۔ اور پھر اجمیر۔ کیونکہ دہلی کو بعد ازاں قطب الدین نے لیا تھا۔ بنارس اور قنوج کی فتح کے ذیل میں مارسڈن صاحب لکھتا ہے کہ غوریوں نے قنوج اور بنارس دونوں لے لئے۔ اور شہروں کا کیا ذکر ہے ایک بنارس میں انہوں نے ہزار سے زیادہ مندر مسمار کئے۔"

اس سے صاف مستفاد ہوتا ہے۔ کہ محمد غوری نے بنارس کیطرح ہندوستان کے تمام مفتوحہ شہروں کے مندروں کو مسمار کیا۔ حالانکہ بنارس کے سوا اور کسی جگہ ایسا واقعہ نہیں ہوا جس کی بابت ہم لکھ چکے ہیں۔ یہ طبع زاد خیالات محض شاہان اسلام کو غیر مسلم اقوام کی نگاہوں میں حقیر بنانے کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

بختیار خلجی

مارسڈن صاحب بختیار خلجی کے حملہ کیوقت نبگالہ کا پایہ تخت لکھنوتی لکھتا ہے حالانکہ

اس عہد کا مورخ منہاج سراج شہر ندیہ لکھتا ہے اور ندیہ سے ہی راجہ لکھمنیا سین بھاگا تھا
لکھنوتی کا نام گور لفظ غور کا بگڑا ہوا بتلاتا ہے۔ جو غور اور گور کے ہم مخرج وہم شکل ہونے سے صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر آئین اکبری کا مطالعہ کرتا۔ تو صاف معلوم ہو سکتا کہ گور آباد کیا ہوا۔ گور یہ راجپوتوں کا ہے۔ اور گور نام بختیار خلجی سے پہلے کا ہے نہ کہ مسلمانوں کا بدلہ ہوا

صفحہ ۱۲۳ سطر ۴ میں التمش اور بختیار خلجی حاکم بنگالہ کی لڑائی کا ذکر لکھتا ہے۔ اور بنگالہ کا پہلا فاتح مسلمان بھی بختیار خلجی لکھا ہے۔ حالانکہ ہندوستان کی مستند تاریخوں میں صاف لکھا ہے۔ محمد بختیار خلجی فاتح بنگالہ اور تھا۔ جو تبت سے شکست پاکر تنگ وعار سے بیمار ہوا۔ اور ایک لالچی خلجی امیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور یہی غاصب بنگالہ کا پہلا خود مختار بادشاہ ہوا ہے جسکو غیاث الدین عوض خلجی مار کر بنگالہ کا بادشاہ ہوا۔ اور اسی عوض خلجی سے التمش نے بنگالہ لیا۔ مگر افسوس ہے کہ اسقدر انقلابات کا علم مارسڈن صاحب کو نہیں ہو سکا اور ہو بھی کسطرح سکتا تھا۔ جبکہ ان کی معلومات کا مدار صرف انگریزی تاریخیں ہوں۔ اور فارسی کی مبسوط تاریخیں مطالعہ کرنیکی تکلیف گوارا نہ کی ہوں۔ اسی صفحہ پر بختیار خلجی کو قطب الدین ایبک کا داماد لکھا ہے جسکا اسلامی تاریخوں میں کہیں نام نہیں پایا جاتا۔ تعجب ہے کہ ایسی پرواز اغلاط تاریخ کو تعلیمی کورس قرار دیا گیا۔ اور نہ مکسٹ بک کمیٹی نے اپنا فرض ادا کیا۔ اور نہ لالہ جیارام صاحب مشہور فاضل مترجم نے کوئی نوٹ لکھکر اپنی ہمہ دانی کا ثبوت دیا۔

صفحہ ۱۲۰ پر سلطنت افغانیہ کی بے انتظامی۔ بدامنی۔ فتنہ وفساد کا زمانہ حال سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ ضرور زمانہ موجودہ کے امن وامان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور نہ آئندہ کوئی کر سکیگا۔ لیکن یہ سخت بے انصافی ہے کہ اگر تمام عہد افغانیہ کو تیرہ وتاریک قرار دیا جائے۔ بلبن اور علاء الدین خلجی کے نظم ونسق کو زمانہ حال کے ترقی یافتہ انتظامی شعبوں کو نہ پہنچ سکتے ہوں۔ لیکن اس وقت میں جو کچھ کیا گیا۔ اس سے بڑھکر ہندوستان کے لئے ناممکن تھا۔ علاء الدین خلجی کے بعض قوانین ایسے مفید اخلاق اور باعث امن وامان تھے۔ کہ جسکا وجود آجکل مفقود ہے۔ ملک کی آبادی زراعت کی ترقی تجارتی کی افزونی کے لئے حتی المقدور کوشش ہوتی رہی اور ہندو سوداگروں کو شاہی خزانے سے روپیہ بغرض تجارت ملتا رہا۔ جیسا کہ ہمنے علاء الدین خلجی کے میں لکھدیا ہے۔

مارسڈن صاحب اسی صفحہ پر دیگر یورپین مورخوں کی تقلید میں لکھتا ہے۔ کہ مندرو

شوالے گرائے گئے۔ بہت سے ہندو جان کے خوف سے اور کچھ ملازمت شاہی کے لالچ سے مسلمان ہو گئے تھے۔ گویا مارسڈن صاحب بھی جبر بہ اسلام کا الزام لگاتے ہے گو کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں لیتا۔ مگر تمام عہد افغانیہ کو بدنام کرتا ہے جس کی تردید ہم اس اسلامی تاریخ میں کئی موقعوں پر کر چکے ہیں۔ یہاں اعادہ فضول ہے۔ مگر مارسڈن صاحب اپنی رائے کی تائید میں لکھتا ہے۔ کہ پٹھانوں کے عہد کے کئی نہایت مشہور جنگی سردار ایسے ہوئے ہیں کہ اصل سے ہندو مگر بعد میں مسلمان ہو گئے تھے لیکن ہم نے کئی ایک تاریخیں مطالعہ کی ہیں۔ اور عہد افغانیہ میں سوا ملک کافور خواجہ سرائے اور خسرو خاں نمکحرام اور ہیموں بقال کے اور کسی سردار کا حال نہیں پڑھا۔ کافور حبشی غلام تھا۔ اس کو ہندوؤں سے کوئی نہیں تھا خسرو خان ضرور ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ مگر اس کی وجہ شہرت پر تمام ہندوستان کو شرم آتی ہے۔ اس کو کون جنگی سردار کہہ سکتا ہے۔ ہیموں بقال ضرور بہادر شجاع تھا۔ لیکن وہ مسلمان نہیں ہوا تھا معلوم نہیں کہ مارسڈن صاحب کو ایسے غلط واقعات کہاں سے مل گئے۔ اور بغیر تاریخی اسناد کے اپنی تاریخ میں کس طرح لکھنے کی جرأت کی۔ بلین پر یہ اعتراض درست نہیں۔ کہ اس نے تمام بندگان چہل گانی (چالیس غلام) قتل کرا دیئے تھے۔

علاء الدین پدمنی

صفحہ ۳۳۳ پر پدمنی کا افسانہ لکھا ہے جس پر ہم علاء الدین خلجی کے حال میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ ہاں مارسڈن صاحب کی تحریر میں یہ ایک اور ایزادی ہے کہ خود پدمنی بھی سات سو ڈولیوں میں سے ایک میں سوار تھی اور بادشاہی لشکر میں پہنچکر راجہ کے ساتھ تلواروں کی چھاؤں میں صحیح وسالم نکل گئی معلوم نہیں۔ کہ مارسڈن صاحب کے پاس اس روایت کا ماخذ کیا ہے۔ تمام تاریخیں اس واقعہ سے خالی پڑی ہیں۔ ہاں کسی کبشیر (بھاٹ) کا مبالغہ کلام دیکھا ہوگا۔ جو تاریخی واقعات نہیں رکھ سکتا۔

ملک کافور کو صفحہ ۳۴۴ کے اخیر میں ہندو لکھا ہے۔ جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا یہ درست نہیں۔ ملک کافور دکن کی فوج کا بااختیار سردار تھا۔ لیکن سب سے زبردست بہادر نہ تھا۔ جیسا کہ ہمنے اسی عہد کے مشہور مورخ ضیاء برنی کے رائے کے حوالہ سے کافور

کے حال میں لکھدیا ہے۔

ہم۔ نے چونکہ اس حصہ میں مبارک خلجی کے عہد تک تاریخ لکھی ہے۔ اسلئے مارسڈن صاحب بی اے بی تاریخ پر بھی عہد مبارک تک ہی تنقید کرتے ہیں۔ اور یہ گذارش سررشتہ تعلیم کی توجہ کیلئے کیگئی ہے کہ وہ دیکھیں کہ کس قسم کی تاریخ کو تعلیم میں داخل کیا گیا ہے۔ ایسی ناقص تاریخ سے کہانتک صحیح معلومات ہو سکتے ہیں۔ اور جبریہ اسلام کا الزام بدستور سابق موجود ہے عہد افغانیہ کی تاریخ کا عموماً تاریک پہلو دکھایا گیا ہے۔ اسقدر غلط واقعات کا اندراج اسبات کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کسی ہندوستانی مورخ کے ذریعہ تیار کرائی جائے۔ یورپین مورخ جو ہندوستان کی قدیم مطول اور مبسوط۔ فارسی عربی تاریخوں کو مطالعہ نہیں کرتے۔ یا کر نہیں سکتے۔ وہ کبھی ہندوستان کی صحیح تاریخ بنا نہیں سکتے۔ ہندوؤں کا میں ذکر نہیں کرتا۔ لیکن مسلمانوں میں ہر ایک صوبہ کے اندر کوئی نہ کوئی ایسا آدمی ملسکتا ہے جو سررشتہ تعلیم کی سرپرستی میں صحیح تاریخ تالیف کر سکے۔ بشرطیکہ ڈائرکٹر صاحب بہادر محض علمی نگاہ سے تلاش کریں۔

اب ہم حصہ دوم کو ختم کرتے ہیں۔ اور خدا علیم سے دعا مانگتے ہیں کہ . . . . . حصہ سوم کے اختتام کی توفیق عطا کرے۔ اور ملک وقوم کے لئے اس کتاب کو مفید ثابت کرے۔ وما توفیق الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی خیر خلقہٖ محمد و آلہ واصحابہٖ وسلم فقط

فقیر کرم الٰہی صوفی عفی عنہ

تذکرہ بہادران اسلام (القطب) اصلاح امت

حصہ اول بزبان اردو

مصنفہ مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی مصنف سوانح عمری خالدین ولید رضؓ

اس کتاب میں عادات واطوار اصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغزوات بہادران نبی امیہ مثل عقبہ بن نافع فہری۔ حسان غسانی موسیٰ بن نصیر۔ طارق بن زیاد۔ فاتحان افریقہ واندلس (سپین) ہارون الرشید مامون الرشید معتصم باللہ عباسی کے رومیوں سے جہاد اور خاندان عباسیہ کا عروج وزوال۔ سلجوقی وغیرہ جزائر واقع بحیرہ روم کی اسلامی فتوحات۔ مذاہب باطلہ۔ زنادقہ قرامطہ۔ اسماعیلیہ۔ ملاحدہ کا اختلال بعدہٗ شاہان سلجوقیہ طغرل بیگ۔ الپ ارسلان۔ ملک شاہ کی اسلامی خدمات۔ حسن بن صباح کے فتن یورپ کے متفقہ حملات۔ بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ اور شام کی بربادی۔ خادم الاسلام عماد الدین زنگی کا مسلمانوں کے دلوں میں جوشیلی روح پھونکنا۔ اور غازی نور الدین محمود کا افواج یورپ پر اسلامی سکہ بٹھانا۔ اور مجاہدفی سبیل اللہ سلطان صلاح الدین کا غازیانہ حملیات سے بیت المقدس اور کل شام کو عیسائیوں سے پاک کرنا اور دیگر فتوحات سے تیسرے صلیبی جنگ کا خاتمہ بعدہٗ خاندان ایوبیہ۔ صلاحیہ کے حالات نیز تاتاریوں کے مسلمانوں پر ظالمانہ متقاکانہ حملات اور غلبہ اور مسلمانوں کی تباہ شدہ حالت کا نقشہ پھر صداقت اسلام سے خود بخود تاتاریوں کا حلقہ اسلام میں داخل ہو کر موجب ترقی اسلام ہونا اسکے بعد اندلس (ہسپانیہ) کے مسلمان مشہور سلاطین بنی امیہ کی ملکی جنگی مزعفیات اور اقبال وزوال اور عیسائیوں کے حملات اور مجاہد سلاطین مراکو مرابطین۔ موحدین بنی مرین کا بار بار مسلمانان سپین کی مدد کر کے انکو سنبھالے کہنا آخر خانہ جنگی۔ نفاق۔ بیدینی۔ بداخلاقی۔ فساد عقاد سے سپین (اندلس) کو ہمیشہ کیلئے اپنے وجود سے خالی کرنا۔ عیسائیوں کے بیگناہ مسلمانوں پر تاوڑ مظالم لاکھوں کو جبراً عیسائی کرنا۔ لاکھوں کو بے خانماں کرنا اور ہزاروں کو حرق وغرق کی سزائیں دینا۔ بعدہٗ ملجائے اسلام خلافت پناہ خاندان عثمانیہ کے مفصل حالات اور اس خاندان کی ترقی وتنزل کے موجبات اور یورپین پولیسی اور سلطنت کی مشکلات اور موجودہ پیچیدگیوں اور انکے واقعی علاج کے متعلق مفصل بحث کی ہے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ کل صفحات ۵۳۸ ہیں قیمت صرف ۸/ع

ملنے کا پتہ ۔ عبدالرحیم وعبدالرحمن تاجران کتب بمقام جنیانوالی لاہور۔

عزیز القلوب
(اردو ترجمہ)
مکاشفۃ القلوب

المقرب الی حضرۃ علام الغیوب

مصنفہ امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی

امام غزالی رح نے جن کے نام نامی سے شاید ہی کوئی تعلیم یافتہ بے خبر ہو اس کتاب میں شریعت اسلامی کو تصوف کا رنگ دیکر ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے کہ اس مصنف کی باقی کتب سے بدرجہا فائق ہو گئی ہے چنانچہ آپ نے خوف الٰہی ریاضت۔ صبر۔ توبہ۔ محبت۔ عشق الٰہی۔ توکل۔ رضا بالقضا اللہ کی اطاعت خاص کر شکر و علم و زہد و تقویٰ۔ اخلاص۔ امر و معروف۔ کسب حلال۔ محاسبہ۔ مراقبہ کی کیفیات بیان کرتے ہوئے ترغیب دیکر اتباع نفس و ہوی و شیطان۔ فسق و فجور۔ نفاق۔ قطع رحم۔ فساوۃ قلبی۔ تمرد۔ تکبر۔ غیبت۔ نمیمت۔ حسد۔ کذب۔ بغض۔ زنا۔ شراب۔ لغویات۔ ریا۔ شرک وغیرہ کے عیوب واضح کرتے ہوئے ان سے روک کر اتباع رسول کریم اور آپ پر درود پڑھنے اور ذکر الٰہی کے فضائل حسن خلق خصوصاً نماز روزہ۔ حج۔ زکوۃ صلہ رحمی۔ حقوق اللہ و حقوق العباد۔ حقوق والدین اولاد و دیگر خویش و اقارب۔ اکل حلال۔ ترک حرام۔ طہارۃ۔ حق کی باطل کے ساتھ ملاوٹ۔ حقائق و اسرار کے اظہار فرما کر اوراد و وظائف و نفلی عبادات و قرآن شریف اور ماہ رجب و شعبان و ماہ رمضان المبارک و نماز تہجد و تراویح و عیدین و ایام عاشورہ و لیلۃ القدر و محرم وغیرہ کے فضائل کو بوجہ اکمل و اتم درج کرتے ہوئے بہشت و دوزخ۔ حساب عذاب قبر۔ سکرات موت۔ ذکر موت۔ اقسام عذاب۔ جنازہ کے آداب۔ رضا الٰہی کے اسباب کو عقلی و نقلی دلائل ثابت کرتے اور مخالفین کے دنداں شکن جواب دیتے ہوئے اس کتاب کو رسول اللہ صلعم کی وفات پر ایک سو گیارہ بابوں میں ختم کیا ہے اور ہر ایک بحث میں قرآن شریف کی آیات اور احادیث نبویہ اور بزرگواروں کے کلمات طیبات۔ صحابہ کے آثار عجیب و غریب حکایات جادہ افزا شعار سے ایسا مزین کیا ہے کہ سوائے کل کتاب ختم کئے دل کو چین نہیں آتا۔ ہم نے اسکو ایک لائق مترجم سے مروجہ فصیح و بلیغ اردو میں ترجمہ کرا کر (مگر آیات و احادیث و اشعار کو عربی میں بھی درج کر دیا گیا ہے) علی قلم سے لکھوا کر اعلےٰ سفید کاغذ پر طبع کرایا ہے۔ تعداد صفحات ۵۴۴ تقطیع کلاں ۲۰×۲۶ قیمت صرف دو روپے (عہ)

سابق امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سلطان عبد الحمید خان ثانی غازی کے مرشد و منظور نظر علامہ فہامہ حضرت امام سید محمد ابو الہدیٰ آفندی حسنی خالدی صیادی رفاعی کی تصنیف کردہ کتاب

حقیقۃ الباہرہ فی اسرار الشریعۃ الطاہرہ (مترجم اردو)

دوستو! یہ وہ جلیل القدر کتاب ہے جس کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا لازمی اور جس کا ذکر ہر شیدائے اسلام کے کان تک پہنچنا ضروری ہے۔ اس تحفہ بے نظیر میں علامہ موصوف نے ایمان کی ۷۷ شاخوں میں سے ہر ایک کا نہایت دلچسپ و دلنشین پیرایہ میں ذکر کیا ہے اور ہر شاخ کے دینی فوائد و اسرار کو بیان کر کے اس کے متعلقہ دنیوی فوائد و برکات کا بھی ایسی خوبی سے اظہار فرمایا ہے کہ انسان اسلام کی ظاہری و باطنی برکات اور دینی و دنیوی فوائد پر فریفتہ ہو کر خود بخود اپنی عملی کمزوری پر نادم ہونا اور تلافی مافات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے خاص کر نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ ہجرت۔ جہاد۔ اسلامی زہد پر نہایت نفیس بحث کی گئی ہے۔ زیادہ لکھنا فضول۔ یہ مذکورہ بالا شہرہ آفاق نام اس کتاب کی عمدگی کی کافی ضمانت ہیں عربی بھی با اعراب ساتھ رکھی گئی ہے۔ حجم ۴۴۲ صفحات قیمت صرف ۹/- ہر کتاب کا محصول ڈاک و فیس منی آرڈر بذمہ خریدار ٭

المشتہر ان عبد الرحیم و عبد الرحمن پسران مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم تاجران کتب و مالکان کتب خانہ اسلامیہ لاہور مسجد چینیاں والی

وھوکہ سے بچیے

مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی نے ایک معمولی سی بات
پر بگڑ کر اسی حصّۂ دوم تذکرۂ بہادرانِ اسلام کا
ہندوستان کی اسلامی تاریخ حصّۂ اوّل نام رکھکر
علیٰحدہ شائع کرنا شروع کر دیا ہے۔ جو صاحب
اسے خرید کرینگے اپنی رقم ضائع کرینگے۔

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

کوئی صاحب بلا اجازت پبلشران کتاب ہذا کو چھاپنے کے مجاز نہیں۔

الملتمسان عبدالرحیم و عبدالرحمٰن پسران مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم
تاجران کتب و مالکان کتب خانہ اسلامیہ لاہور۔ مسجد چینیانوالی

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیوانہ لیا جائیگا۔

۲۹۷۵۹

کرم الٰہی

ک۔ت
۲

تذکرہ بہادران اسلام